انقلابِ مشرق

اور

مُسلمان

مع

مُکمّل و مُستند تاریخ تحریکِ آزادیٔ ہند

مُصنّفۂ

چیف ریکروٹنگ آفیسر "لسان القوم" "معلّم" مشتاق راندیری

مطبوعہ آرمی پریس دہلی ——— ۳۰۰۰ جلد ——— مورخہ ۷ اگست ۱۹۴۷ء

شُکریہ

جناب خان بہادر حاجی منظور علی صاحب قبلہ کا شکریہ اس موقع پر ادا نہ کرنا بھی احسان ناشناسی ہوگی جنھوں نے اپنی فطری وسیع القلبی و حرارتِ ایمانی کے تحت کتابِ ہٰذا کی طباعت منظور فرمالی۔ جب کہ بعض ۴۲۰ قسم کے جرائم فطرت ں پریس نے "مہذب لوٹ" پر کمر باندھ رکھی تھی۔ حاجی صاحب کی یت بے غایت۔ نے اپنے دوشِ ہمّت پر یہ بار رکھ لیا اور خدا کے فضل سے کام اتمام تک پہنچ گیا۔ البتہ میں جناب محترم سے ان کی عنایتوں کے پیشِ نظر ان سے پریس کے انتظام کا جائزہ لینے اور منتظمین پریس اور اس کے عملے پر احتسابی نظر ڈالنے کی درخواست کروں گا۔ تاکہ ان کی غفلت پریس کے کاموں میں اثر انداز نہ ہو۔

معلم مشتاق راندیری

انتساب

میں اپنی اس ناچیز تصنیف کو بصد فخر اس قابلِ تقلید شخصیت کے اسم گرامی سے منسوب کر رہا ہوں جس نے سب سے پہلے مادرِ وطن کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اپنا تن من دھن سب کچھ نثار کر دیا اور آج تک صرف مشرقی ایشیا ہی نہیں بلکہ دُنیا کے ایک بہت بڑے حصے نے بھی اس "مجسمۂ ایثارِ کلی" کے مقابلے میں کوئی ایسی مثال اس صدی میں نہیں پیش کی جو اپنے حق حلال کی کمائی کا تمام اندوختہ پیش کر کے خاکی وردی پہن کر قوم کے خادموں کی صف میں آ کھڑا ہوا ہو۔ سوا کروڑ روپے کی گراں قدر دولت نے حبیب سیٹھ کو چالیس کروڑ انسانوں کا محبوب ترین "سیوکِ ہند" بنا کر ہندوستان کا خادم بنا دیا ہے۔ اس حاتمِ وقت کی دولت سے زیادہ اس کی وہ سبقت قربانی قابلِ قدر ہے جس نے دوسروں میں بھی قربانی کی روح پیدا کر دی تھی۔ حبیب سیٹھ کے اس ایثار نے حقیقی معنوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کا سر بلند کر دیا ہے۔

میں رسمی اور رواجی طریقۂ انتساب و ستائش سے بہت دور ہٹ کر آپ کی خدمت میں یہ شہیدانِ وطن کی یادگار چند صفحے بایں الفاظ پیش کرتا ہوں کہ

"گر قبول افتد زہے عز و شرف"

[illegible]

فہرست تصاویر

فہرست مضامین

تمت

مشاہیر ہند کے آراء

Letter from Sarat Chandra Bose, Elder brother of Netaji S. C. Bose, 1, Woodborn Park, Calcutta, dated the 14th February, 1947.

During my visit to Rangoon in July last year. I had the privelege of making the aquaintance of Mr. Mushtaque Randeri and hearing from his lips accounts of the fight for the independence of India that was carried on outside India's borders under the leadership of Netaji Subhas Chandra Bose. Mr. Mushtaque was a Recruiting officer of the Provisional Government of Azad Hind and was in the thick of the fight himself. He is a poet of no mean order and some of the poems composed by him send a thrill through his listeners.

Mr. Mushtaque has written an interesting account of the Indian Independence movement and intends to publish it in a book form within a short time. He was good enough to read out to me portions of what he has written and I listened to him with interest and profit. His pen pictures of some of the persons who took a prominent part in that movement delight as well as instruct.

I commend Mushtaque's book to the reading public of India.

(Sd.) SARAT CHANDRA BOSE.

ترجمہ تحریر

عالیجناب سرت چندر بوس برادر معظم نیتا جی سوبھاش چندر بوس

وڈبرن پارک مورخہ ۱۴ ر فروری ۱۹۴۷ء

گزشتہ سال جولائی کے مہینہ میں جب میں رنگون گیا تھا تو مجھے مسٹر مشتاق راندیری سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا میں نے ان کی زبان سے ہندوستان کے لئے اس جنگ آزادی کے حالات سنے جو ہندوستان کی حدود سے باہر نیتاجی سبھاش چندر بوس کی قیادت میں لڑی گئی تھی مسٹر مشتاق راندیری آزاد ہند کی عارضی حکومت میں رکروٹنگ آفیسر تھے اور عین محاذ جنگ پر بھی کام کیا تھا وہ اعلیٰ درجے کے شاعر ہیں اور ان کی بعض تصنیف کردہ نظموں نے سامعین کے دلوں میں جوش اور ولولہ بھی پیدا کیا تھا مسٹر مشتاق نے جنگ آزادی اور اس کے متعلقہ تحریکات کو قلم بند کیا ہے اور قریبی مستقبل میں ان حالات کو کتاب کی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی اس تصنیف کے کچھ اجزا ازرہ لطف مجھے پڑھ کر سنائے میں نے ان کو دلچسپ بھی پایا اور میری معلومات میں اضافہ کرنے والا بھی صاحب تصنیف نے بعض ان ممتاز شخصیتوں کی قلمی تصویر بھی کھینچی ہے جنہوں نے تحریک آزادی میں معقول حصہ لیا تھا جس کو پڑھ کر خوشی بھی ہوتی ہے اور فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ میں مسٹر مشتاق کی اس کتاب کے مطالعہ کی پر زور سفارش کرتا ہوں

(دستخط)

سرت چندر بوس

Letter from Major-General and Governor of Librated Area A. C. Chatterji, 82, Daryaganj, Delhi. dated the 4th March, 1947.

I have known Mustak Randheri Sahib since the days of the Conference of the Indian Independence Movement in Bangkok in June 1942 where he came as one of the delegates from Burma. He has been an ardent and sincere supporter of the Movement. He has taken active part in recruiting and raising of Funds for the Movement in Burma. He has written a history of the Movement and has dealt with that portion which relates to Burma in great detail. It is very well written. I wish him every success.

(Sd.) A. C. CHATTERJI.

Letter from Major-General Shahnawaz Khan, 82, Darya-ganj, Delhi, dated the 4th March, 1947.

My friend and Comrade Mr. Mustaque Randeri has written an account of the Indian Independence Movement and the Azad Hind Fauj. I have listened to some portions of the book which are very interesting and have been described well.

Mr. Mustaq Randeri was a keen worker in our Indian Independence Movement in East Asia and by his hard work and literary taste, specially in composing poems about the Azad Hind Fauj, he made a substantial contribution towards the I.N.A.

I hope his book will help to clear many doubts and misunderstandings that exist about the I.N.A and will reveal real spirit in which the Azad Hind Fauj work and the aims and objects for which it stood.

I strongly commend it to all those who may be interested in knowing the full facts about the Azad Hind Fauj.

(Sd.) SHAHNAWAZ KHAN.

نقل ترجمہ تحریر

میجر جنرل شاہ نواز خاں صاحب

نمبر ۸۲ - دریا گنج دہلی   مورخہ ۲۸ - مارچ ۱۹۴۶ء

میرے دوست اور رفیق مسٹر مشتاق راندیری نے تحریک آزادیٔ ہند اور آزاد ہند فوج کے متعلق چشم دید حالات قلم بند کئے ہیں میں نے ان کے کچھ اجزا پڑھوا کے سنے جو یقیناً دلچسپ ہیں اور حسن سلاست کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، صاحب تصنیف تحریک آزادی ہند کے بہت پرجوش کارکن رہے ہیں انہوں نے اپنی جانفشانی اور ادبی ذوق سے خصوصاً آزاد ہند فوج کے متعلق نظمیں مرتب کر کے آئی این اے کی معتدبہ خدمت کی ہے، مجھے امید ہے کہ ان کی کتاب ان شکوک و شبہات کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوگی جو آئی این اے کے متعلق پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ تصنیف اس روح کو واضح کر دے گی جو آزاد ہند فوج کی کارکردگی اور تکمیل اغراض و مقاصد میں کام کر رہی تھی میں ان حضرات کی خدمت میں ان حالات کے مطالعہ کی سفارش کرتا ہوں جو آزاد ہند فوج کے حالات و حوادث میں دلچسپی لیتے ہیں۔

دستخط

میجر جنرل شاہ نواز خاں

Letter from General Mohan Singh (G.O.C.) dated Delhi, the 24th February, 1947.

I met Mr. MUSHTAQUE RANDERI first time at the time of Bangkok Conference held in Bangkok, Thailand in June 1942. He attended that conference as one of the delegates from Burma.

He is a good Urdu Poet and his poems created a great stir in that conference. He left a good impression in me and also gave useful suggestion in and out of that conference.

Today I have met him again after a lapse of nearly five years and memories of Bangkok Conference have been revived. He is at present busy writing in Hindustani about the Indian Independence Movement in East Asia. He has shown me the M.S.S. Parts of which I have glanced through. I wish him success in his endeavour.

(Sd.) MOHAN SINGH.

نقل ترجمۂ تحریر

جنرل موہن سنگھ صاحب جی او سی

مورخہ ۲۴ - فروری ۴۷ء - دہلی

میری پہلی ملاقات مسٹر مشتاق راندیری سے نبکاک کانفرنس میں ہوئی - جو تھائی لینڈ کے مشہور شہر نبکاک میں بماہ جون ۴۲ء میں منعقد ہوئی تھی - اور موصوف نے بحیثیت برمی مندوب کے شرکت کی تھی وہ اردو کے ایک اچھے شاعر ہیں - ان کی نظموں نے کانفرنس میں بڑی حرکت پیدا کر دی تھی - میں ان سے متاثر ہوا انہوں نے مجھے مفید مشورے کانفرنس کے دوران میں بھی اور باہر بھی عنایت فرمائے - آج پانچ سال کے بعد میرا ان سے پھر ملنا ہوا جس نے نبکاک کانفرنس کی یاد کو تازہ کر دیا - وہ فی الحال ہندوستانی زبان میں تحریک آزادیٔ ہند کے متعلق ایک کتاب لکھ رہے ہیں جس کے بعض قلمی اجزا مجھے دکھلائے اور میں نے ان کا سرسری مطالعہ کیا - میں ان کی کوششوں کے مشکور ہونے کی دعا کرتا ہوں

(دستخط)

جنرل موہن سنگھ

جی او سی

Letter from Colonel Habib-ur-Rahman Khan, Azad Hind Fauj, dated the 28th February, 1947.

Mr. Mushtaque Randeri is writing a History of the Indian Independence Movement in East Asia.

I met Mr. Randeri first in Bangkok in June 1942 where he was one of the delegates to the Indian first conference. Later on I met him in Rangoon in December 1942 and 1943 and afterwards during my stay in Burma. He was connected with our Independence Movement in various ways one of them being a recruiting officer. He was also spiritual lecturer. He is a good Hindustani poet. I wish him very success in his endeavour.

(Sd.) HABIB-UR-RAHMAN KHAN.

نقل ترجمہ تحریر

کرنل حبیب الرحمٰن خاں

آزاد ہند فوج

۲۸ فروری ۱۹۴۷ء

مسٹر مشتاق راندیری مشرقی ایشیا میں ہندی جدوجہد آزادی کے متعلق ایک تاریخ مرتب کر رہے ہیں۔ مجھ سے ان کی ملاقات فروری ۱۹۴۲ء میں بنکاک میں ہوئی تھی جہاں وہ ہندی آزادی کی کانفرنس میں برما کے نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔ اس کے بعد میری اور ان کی ملاقات رنگون میں ۱۹۴۲ء میں ہوئی۔ اس کے بعد برما کے دوران قیام میں ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔ وہ آزادئ ہند کی تحریک کے اندر مختلف نوعیتوں میں کام کرتے رہے۔ منجملہ ان کے وہ انڈین انڈی پنڈنس لیگ کے رکروٹنگ افسر تھے۔ وہ الٰہیات کے لکچرار بھی رہ چکے ہیں۔ وہ ہندوستان کے اچھے شاعر ہیں۔ میں ان کی کوششوں کو کامیاب دیکھنا چاہتا ہوں۔

(دستخط)

کرنل حبیب الرحمٰن

آزاد ہند فوج

Letter from A. M. Sahay, Minister of State and Secretary Provincial Government of Azad Hind and Secretary General Indian Independence League Headquarters.

I am glad to learn that Mr. Mustaque Randeri of Rangoon (Burma) has written a book regarding our fight for freedom in East Asia during the last war. Mr. Randeri was a recruiting officer of the Indian Independence League in Burma and was an ardent admirer of Netaji Subhas Chandra Bose. He rendered useful services to the cause of freedom during our struggle. Having had opportunities to study things and personalities in connection with the movement at close quarters, he was in a position to describe things as they were. I have no doubt he has done sufficient justice to the subject. I know Mr. Mustaque Randeri to be an able writer and a poet of Urdu and I am sure his book will be found attractive and interesting to Readers.

(Sd.) A. M. SAHAY.

نقل ترجمہ

مسٹر اے ایم سہائے وزیر مملکت و سکریٹری حکومت عارضی آزاد ہند

صدر دفتر انڈین انڈیپنڈنس لیگ۔

مجھے یہ سنکر بڑی خوشی ہوئی کہ مسٹر مشتاق راندیری ساکن رنگون نے ہماری جنگ آزادی کے متعلق کچھ واقعات قلم بند کرنا شروع کر دیئے ہیں جو ہم نے دوران جنگ عظیم میں مشرقی ایشیا میں لڑی۔ مسٹر راندیری انڈین انڈیپنڈنس لیگ کے رکروٹنگ آفیسر اور نیتاجی سبھاش چندر بوس کے بڑے ہمدرد اور خیر خواہ تھے انہوں نے ہماری جدوجہد آزادی کے دوران میں مقصد آزادی میں اپنی قیمتی خدمات پیش کی تھیں۔

چونکہ موصوف کو حالات اور شخصیتوں کو قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا اس لئے وہ حالات و واقعات کو صحیح طور پر قلم بند کر سکتے ہیں مجھے یقین ہے کہ انہوں نے حالات و واقعات کے ساتھ صحیح انصاف کیا ہے میں جانتا ہوں کہ مسٹر مشتاق ایک اچھے انشاء پرداز ہیں اور اردو زبان کے شاعر ہیں، مجھے امید ہے کہ ان کی یہ تصنیف پڑھنے والوں کے لئے دلچسپ ثابت ہوگی۔

دستخط

انند موہن سنگھ

وزیر مملکت حکومت آزاد ہند

Letter from A. Sattar, Secretary-General, Burma Territorial Committee, Indian Independence League of East Asia, dated the 30th January, 1947.

Several books have been written on the Azad Hind movement but none of them so far has been able to give a complete picture of the struggle of the Indians in East Asia for the liberation of their motherland. The reason is that most of the authors were not the actual participants of the movement. Mr. Randeri started taking a very active part in the movement from the day the Japanese occupied the city of Rangoon. He attended the very first meeting that was called in Rangoon on 13th March 1942 to form the Indian Independence League. Thereafter he attended the Bangkok conference as a delegate from Burma and took very active part in the deliberations of the conference. On his return from the conference he continued to take active part in the movement till the last and rendered special service to the movement as a recruiting officer.

Being an Urdu poet of a very high calibre he had always access to the highest personalities of the movement and as such was in touch with the day to day developments of the movement at the highest level.

Therefore an account of the movement written by him cannot but be considered as authentic.

(Sd.) A. SATTAR.

نقل ترجمہ تحریر

جناب عبدالستار صاحب سکریٹری جنرل ہاٹیری ٹوریل کمیٹی

انڈین انڈپنڈنس لیگ مشرقی ایشیا

مورخہ ۳۰ر جنوری ۱۹۴۶ء - رنگون

تحریک آزادی ہند پر بہت سی کتابیں اب تک لکھی جا چکی ہیں لیکن کوئی کتاب ہندوستانیوں کی مشرقی ایشیا والی جدوجہد کے متعلق جو وطن عزیز کی آزادی کے لئے کی گئی تھی مکمل تصویر نہیں پیش کر سکی وجہ یہ ہے کہ اکثر مصنفین تحریک مذکور سے نہ تو کچھ واسطہ نہیں رکھتے تھے اور نہ ذاتی طور پر شریک عمل تھے مسٹر اندیری نے اسی وقت سے اس تحریک میں عملی حصہ لینا شروع کر دیا تھا جبکہ جاپانیوں نے رنگون پر قبضہ کیا تھا۔ انہوں نے ۱۳ر مارچ ۱۹۴۲ء کے جلسۂ منعقدہ رنگون میں حصہ لیا تھا جو انڈین انڈپنڈنس لیگ قائم کرنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے بنکاک کانفرنس میں برمی مندوب کی حیثیت سے شرکت کی اور کانفرنس کو کامیاب بنانے میں بڑی جدوجہد کی۔ کانفرنس سے واپس آکر بھی وہ تحریک آزادی ہند میں آخر تک عملی حصہ لیتے رہے اور افسر فوجی بھرتی کی حیثیت سے خاص خدمت انجام دی وہ اردو شاعری میں بلند استعداد رکھتے ہیں وہ تحریک آزادی ہند کی ممتاز شخصیتوں سے برابر ملتے رہتے تھے اور اس صورت میں روزمرہ کی رفتار واقعات سے آشنا رہتے تھے۔ اس لئے جو حالات انہوں نے قلم بند کئے ہیں یقیناً مستند سمجھے جائیں گے۔

(دستخط) (جناب) اے ستار

Joint Letter from (1) A Habeeb, Sevak-e-Hind, Chairman, Supply Board of Azad Hind Government. (2) Tilla Mohamed Khan, Incharge of Property Department, Burma Territorial Committee. (3) Ahmed Ebrahim Madha, Director of Azad Hind Bank and Member of Netaji Fund Committee (H. R. Betai, Director, Azad Hind Bank and Vice-Chairman, Netaji Fund Committee. (5) Hira Betai, Sevak-e-Hind, Chairman, Indian Independence League Kamayut, Woman's Section.

We, the undersigned know Mr. Mushtaque Randerie as our colleague during our struggle for the Independence of India, under the Leadership of Netaji Subhas Chandra Bose. Mr. Mushtaque was a Recruiting Officer in the Provisional Government of Azad Hind.

His book, is most authentic and presents a true picture of the said movement. We wish a great circulation of this book among every patriot of our Mother land.

(Sd.) A. HABIB.

(Sd.) TILLA MOHAMED KHAN.

(Sd.) AHMED E. MADHA.

نقل ترجمہ تحریر مشترکہ

مسٹر اے حبیب۔ صدر سپلائی بورڈ آزاد ہند فوج

مسٹر طلا محمد خاں انچارج شعبہ جائداد بر ٹیر بیوریل کمیٹی

مسٹر احمد ملا ڈائرکٹر آزاد ہند بنک و ممبر نیتا جی فنڈ کمیٹی

ہم جن کے دستخط ذیل میں درج ہیں مسٹر مشتاق راندیری کو جانتے ہیں۔ وہ آزادیٔ ہند کی تحریکات مشرق میں ہمارے رفیق رہے ہیں، جو تحریک نیتا جی سوباش چندر بوس کی قیادت میں چلائی گئی تھی۔ مسٹر مشتاق رکگریٹنگ افسر آزاد ہند فوج کے تھے ان کی تصنیف تازہ بہت مستند حالات پر مبنی ہے اور اس تحریک کی سچی تصویر پیش کرتی ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ ان کی کتاب مقبول ہو اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو۔ اور ہر محب وطن اس کا مطالعہ کرے۔

Joint Letter from (1) H. R. Betai, Director, Azad Hind Bank and vice-chairman, Netaji Fund Committee (2) Hira Betai, Sevak-e-Hind Chairman, Indian Independence League Kamuyut, Women's Section.

In my capacity as Director of Azad Hind Bank I came in very close touch with the work of Mr. Mushtaque Randeri who was a Chief Recruiting Officer of the Provisional Government of Azad Hind, and a Spiritual Lecturer.

He has since then written a very comprehensive account of the Indian Independence Movement in East Asia, under the able leadership of Netaji Subhas Chandra Bose.

He is not only an able soldier of our Country's freedom fight but also an Urdu poet of a very high order. His book will be read with a keen interest by all and will find a suitable place in a good library.

(Sd.) H. R. BETAI.

(Sd.) HIRA BETAI.

ترجمہ تحریر

مسٹر ایچ۔ آر۔ بتائی۔ ڈائرکٹر آزاد ہند بینک و نائب صدر نیتاجی فنڈ کمیٹی

اس تحریر پر مسز ہیرا بتائی سیوک ہند صاحبہ صدر انڈین نیشنل لیگ حلقۂ خواتین کماپٹ کے بھی تائیدی دستخط ثبت ہیں

آزاد ہند بینک کے ڈائرکٹر کی حیثیت میں مجھے مسٹر مشتاق راندیری کے کاموں کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ موصوف آزاد ہند عارضی حکومت کے چیف رکروٹنگ آفیسر اور الہیات کے لکچرار تھے۔ انہوں نے مشرقی ایشیا میں تحریک آزادی ہند پر جس کے قائد نیتاجی سوبھاش چندر بوس تھے۔ ایک مبسوط تصنیف سپرد قلم کی ہے۔ وہ استخلاص وطن کی جنگ کے ایک مستعد سپاہی ہیں بلکہ ایک اعلیٰ شاعر بھی ہیں۔ امید ہے کہ ان کی کتاب دلچسپی سے پڑھی جائے گی۔ اور کتب خانوں میں موزوں جگہ پائے گی۔

(دستخط) ایچ۔ آر۔ بتائی

(" محترمہ) ہیرا بتائی

نقل تحریر

عالیجناب شیخ محمد بشیر صاحب

وائس چیرمین نیتا جی فنڈ کمیٹی و ڈائرکٹر آف آزاد ہند بینک

رنگون ۔ یکم فروری ۱۹۴۲ء

میں نے اس کتاب کے چند حصے پڑھے ہیں مصنف میرے دوست اور برما کے مشہور شاعر اور جرنلسٹ ہیں ۔ جنہوں نے نیتا جی سبھاش چندر بوس کی قیادت میں ہمیشہ میرے ساتھ ہندوستان کی آزادی کے لئے جد وجہد کی ہے ۔ آپ رکروٹنگ ڈیپارٹمنٹ میں ایک آفیسر تھے ۔

کتاب ہذا تحریک آزاد ہند کی صحیح تصویر ہے اور یہ مصنف کا ہی حصہ ہے کہ جو اس قدر مفید ۔ جامع اور مستند کتاب ناظرین کے سامنے پیش کر رہے ہیں ۔ دعا ہے کہ ان کی سعی مشکور ہو ۔

(دستخط)

ایس ۔ محمد بشیر

نقل گرامی نامہ

شیخ الہند حضرت القدس علّامہ سیّد حسین احمد مدنی صاحب مدفیوضہٗ

مسٹر مشتاق صاحب راندیری آزاد خیال، صاحبِ غیرت وہمت، قومی و ملی ہمدردی رکھنے والے جفاکش شخص ہیں۔ تحریک خلافت سے آج تک وہ برابر اس راہ میں گامزن ہیں۔ مجھ کو اُسی زمانہ میں ان سے تعارف کا شرف حاصل ہوا موصوف نے اس زمانہ جنگ عمومی دوم کے زمانہ نیتاجی (سبھاش چندر بوس) کے ساتھ برما اور مشرقی ایشیا میں اشتراکِ عمل کیا اور ہندوستان کی آزادی کے لئے آزاد ہند فوج میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ پوری جانبازی اور اخلاص کے ساتھ ہر قسم کی امداد و اعانت میں زیادہ سے زیادہ قربانیاں کرتے رہے۔ اس لئے جس قدر ان کو اس مبارک تحریک سے واقفیت اور اطلاع ہے کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتی۔ یہ یقینی بات ہے کہ جس قدر اعلیٰ ترین قربانیاں آزاد ہند فوج اور اس کے قائد نے کی ہیں۔ وہ بہت زیادہ قابلِ قدر ہیں۔ ہر خیر خواہ ملک و وطن کا فریضہ ہے کہ ان کی قربانیوں کی انتہائی

قدر و منزلت کرے۔ ان کی تاریخ بتلاتی ہے کہ اس میں مسلم نوجوانوں
نے بھی کیسی کیسی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ انتہائی کفرانِ نعمت
ہوگا کہ ان کے مساعی جلیلہ کو سراہا نہ جائے۔ یا ان کی قدر و منزلت
میں کسی قسم کی کوتاہی روا رکھی جائے۔ موصوف کی تاریخ کو مطالعہ
کرنا ہر ہندوستانی مسلمان اور غیر مسلمان کے لئے اور اس سے اپنے اندر
اولوالعزمی اور عالی حوصلگی اور جذبہ ایثار و جہاد پیدا کرنا اشد
ضروری ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ناظرین اس کتاب سے پورا
استفادہ حاصل کریں گے۔ اور اس کی روایات کو ان مصنفین تاریخ
آزاد ہند کی روایات سے بالاتر سمجھیں گے جو کہ صرف غیر مکمل سنی سنائی
باتوں سے لکھنے والے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ مختلف وجوہ سے
اس کتاب کے تمام مضامین اور واقعات پر اطلاع حاصل نہ کر سکا
ہوں۔ میں آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسٹر مشتاق صاحب
موصوف کو ان کے مساعی جمیلہ پر جزاء خیر عطا فرمائے۔ اور
ان کو اپنی رضاء اور خوشنودی کی توفیق عطا فرما کر اعلیٰ درجات
نعم سے نوازے۔ آمین

ننگ اسلاف
حسین احمد غفرلہٗ
۲۵ مارچ ۴۶ء

نقل گرامی نامہ

سحبان الہند حضرت مولانا حافظ احمد سعید صاحب مدظلہ العالی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ النبی الکریم

میرے قدیم دوست مشتاق راندیری جو بہت پرانے آزاد خیال مسلمان ہیں۔ اور جن کی اُن خدمات سے جو انہوں نے ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں انجام دی ہیں۔ اکثر آزاد خیال مسلمان جانتے ہیں اور جن کو اپنے ملک کی آزادی کے ساتھ ایک والہانہ عشق ہے اور جن کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ آزاد ہند فوج میں رنگروٹنگ افسر رہ چکے ہیں۔ اور ان کی وفاشعاری اور جاں بازی نے ان کو نیتاجی کا خاص مشیر و معتمد بنا دیا تھا۔ اور جو ایک عرصہ کے بعد گورنمنٹ برطانیہ کی قانونی پابندیوں سے آزاد ہوئے ہیں انہوں نے آزاد ہند فوج کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے۔ میں نے اس کتاب کو مختلف مقامات سے پڑھا ہے۔ کتاب بڑی محنت سے لکھی گئی ہے۔ اور چونکہ ایک ایسے شخص نے لکھی ہے جو آزاد ہند فوج کا نہ صرف سپاہی رہ چکا ہے۔ بلکہ اس کی سعی سے اور بھی بے شمار افراد نے اس سعادت کو حاصل کیا ہے۔ اور ان کی سعی سے ہزارہا ہندوستانی آزاد ہند فوج میں بھرتی ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ کتاب صحیح اور سچے اور چشم دید واقعات کو شامل ہے

اس کتاب میں بعض اور بحثیں بھی آگئی ہیں اور مشتاق صاحب نے نیتاجی کے ساتھ دوسرے محبانِ وطن کا ذکر بھی کیا ہے۔

سب سے زیادہ جو چیز اس کتاب کے مطالعہ سے میں نے محسوس کی وہ آزاد ہند فوج میں مسلمانوں کا حصہ ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ہندوستان کی آزادی کے سلسلہ میں یہ آخری جدوجہد تھی جو نیتاجی نے مشرقی ممالک میں شروع کی تھی اور نیتاجی ہی اس جنگ آزادی کے علم بردار تھے لیکن اس جدوجہد میں بھی مسلمان کسی دوسری قوم سے پیچھے نہیں رہے۔ ہم اب تک صرف ہندوستان کی جنگ آزادی میں صرف اُن مسلمانوں پر فخر کیا کرتے تھے جو سول نافرمانی کی تحریک میں اپنی قربانیاں پیش کرتے رہے ہیں۔ لیکن مجھے یہ خبر نہ تھی کہ مسلمانوں کا اس فوج میں بھی بڑا حصہ ہے جو اپنے ملک کے لئے حکومت مسلطہ کی فوجوں سے نبرد آزما ہوئی۔ میں اپنے دوست مسٹر مشتاق راندیری کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے یہ کتاب لکھ کر مسلمانوں پر بہت احسان کیا۔ اس کتاب سے نہ صرف آزاد ہند فوج کے کارناموں کا صحیح علم ہوا بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ

مسلمان اس فوج میں کس قدر کثرت کے ساتھ شریک ہوئے اور اپنی بے پناہ قربانیوں کی کس قدر حیرت انگیز مثالیں مسلمانوں نے پیش کیں اور اہلِ دل مسلمانوں نے کس طرح آزاد ہند فوج کے اخراجات کے لئے اپنے خزانے کھول دیئے۔ لمثل ھذا فلیعمل العاملون۔

مسلمان کیا بہ لحاظ فوج میں بھرتی ہونے کے اور کیا بلحاظ روپیہ دینے کے اور کیا بلحاظ جانیں دینے کے اور کیا بلحاظ انتہائی مصائب برداشت کرنے کے اپنی تعداد سے کہیں زیادہ ثابت ہوئے۔

مسلمانوں کے لئے یہ کتاب ایک بصیرت افروز اور عبرت آموز نوشتہ ہے۔ جس پر آنے والی نسلیں فخر کریں گی اور بجا فخر کریں گی۔ اور جب کوئی منصف مزاج مؤرّخ ہندوستان کی آزادی پر کوئی کتاب لکھے گا تو مسٹر مشتاق کی یہ تصنیف اس کے لئے مشعلِ راہ ہوگی۔

مسٹر مشتاق اردو کے اچھے شاعر بھی ہیں۔ اور ایک گجراتی مسلمان ہونے کے باوجود اردو ایسی ہے کہ پڑھنے والا اُس سے اُکتاتا نہیں۔

اللہ تعالیٰ مسٹر مشتاق کی اس سعی کو مشکور فرمائے۔ یہ کتاب ہر مسلمان کے مطالعہ میں رہنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ کتاب مسلمانوں کی اُن قربانیوں اور ایثار کی ایک دستاویز اور ایک یادگار ہے۔ جو انہوں نے ہندوستان کو آزاد کرانے میں پیش کی ہیں اس کتاب کے بعد کوئی حق شناس اور منصف مزاج یہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ ہندوستان کی آزادی کسی ایک طبقہ کی مرہونِ منت ہے اور اس میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ یوں تو تمام

ہی کتاب واقعات کے اعتبار سے صحیح اور دلچسپ ہے۔

لیکن نیتا جی کا بہادر شاہ کے مزار پر جانے کا واقعہ تو ایسا موثر اور رقت انگیز ہے کہ کوئی مسلمان اس کو پڑھ کر اپنی آنکھوں پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ اس واقعہ کو پڑھ کر ایک انسان کی آنکھیں رونے اور آنسو بہانے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

میں آخر میں اللہ تعالیٰ سے پھر دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسٹر شتاق کی اس محنت کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ اس کتاب کو پڑھ کر صحیح فہم اور صحیح بصیرت حاصل کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

فقیر احمد سعید کان اللہ لہٗ

۲۶ / ۲ / ۴۷

نقل گرامی نامہ

مصوّرِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی مدظلہ العالی

آزاد ہند فوج میں مسلمانوں کا حصّہ

مُعلّم مشتاق صاحب راندیری کی کتاب "انقلاب مشرق اور مسلمان" میں نے چھپنے سے پہلے کہیں کہیں سے پڑھوا کر سنی۔ اور چونکہ اب کتاب چھپ کر شائع ہونے والی ہے۔ اس واسطے میں اس کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کرنے چاہتا ہوں۔

معلم مشتاق صاحب راندیری کو میں بارہ سال سے جانتا ہوں وہ راندیر ضلع سورت کے رہنے والے ہیں۔ اور لفظِ معلم اُن کے خاندان کا لقب ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے بزرگ تجارتی کاروبار کے سلسلے میں جہاز رانی کا کام بھی کرتے تھے۔ اس واسطے کہ پرانے زمانے کے جہازوں میں معلّم ایک عہدے کا نام تھا جو غالباً آج کے کپتان جیسا ہوگا۔

مشتاق صاحب دور سے انگریز معلوم ہوتے ہیں۔ یا ایرانی نظر آتے ہیں۔ کیونکہ ان کا رنگ بہت گورا ہے۔ آنکھیں اعلیٰ خاندان کے ایرانیوں کی طرح بہت روشن اور بڑی بڑی ہیں۔ فوجی لباس ان کو بہت زیب

دیتا ہے۔ جب وہ میرے پاس آئے تو شام ہو چکی تھی۔ اُن کی خاکی وردی کو دیکھ کر میں نے خیال کیا کہ لارڈ ویول یا فیلڈ مارشل آکن لک خفیہ ملاقات کے لئے آ گئے ہیں۔

مشتاق صاحب تجارتی گھرانے کے آدمی ہیں۔ سورت کے ضلع میں راندیر مسلمان سوداگروں کا ایک مخزن ہے۔ راندیر۔ ڈابھیل۔ وریاؤ سورت کے ضلع میں چند ایسے قصبے ہیں جہاں مسلمان بیوپاری زیادہ تعداد میں رہتے ہیں۔ اور تمام دنیا کے مشہور مقامات میں تجارت کرنے جاتے ہیں رنگون برما میں سورتیوں کی تجارت سب صوبوں کے ہندو مسلمانوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ وہاں سورتی بازار لمٹیڈ کمپنی ان ہی لوگوں کی ہے اور دوسری بھی کئی لمٹیڈ کمپنیاں ان سورتیوں کی ہیں۔ اسلامی حکومت کے زمانے میں سورت حاجیوں کے آنے جانے کی بندرگاہ تھی۔ اور اس کو "باب مکہ" کہتے تھے۔ اور آجکل کی بمبئی اور کلکتے کی طرح ہندوستان کی بہت بڑی تجارتی منڈی مانی جاتی تھی۔

مسٹر مشتاق باوجود تجارت پیشہ ہونے کے ادیب بھی ہیں، بموزوں طبع شاعر بھی ہیں۔ اور فوجی بھی ہیں۔ ان کی ادبی حیثیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ ان کو قوم کی طرف سے "لسان القوم" خطاب دیا گیا تھا۔

آزاد ہند فوج کی نسبت کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن مشتاق صاحب کی اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے آزاد سپاہی کی طرح اس کو قلم بند کیا ہے یعنی جس طرح فوجی لوگ بے باک اور کھرے ہوتے ہیں۔ اور کسی کی لگی

لگتی نہیں رکھتے اسی طرح انہوں نے بھی نہ کسی خاص قوم کی طرفداری کی ہے نہ کسی خاص قوم کے اصلی کاموں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ بعض کتابیں اس مضمون پر ایسی بھی شائع ہوئی ہیں جن میں لکھنے والوں نے ایک ہی قوم کے کاموں کو چمکانے اور ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ اور دوسری قوموں کے کاموں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ یا ایسے الفاظ میں لکھا ہے جو واقعات کو اصلی صورت میں ظاہر نہیں کرتے۔

مشتاق صاحب نے وہ سب کچھ دیکھا ہے جس کو دوسروں نے اخباروں میں پڑھا یا لوگوں سے سُنا اور قلم بند کیا ہے۔ اس واسطے مشتاق صاحب کی تاریخ چشم دید تاریخ ہے۔ اور وہ تعلّی کرنی چاہے تو کہہ سکتی ہے۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

میں اپنی مسلمان قوم کے نکتہ نظر سے جب اس کتاب پر غور کرتا ہوں تو مجھے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ کہ مسلمان نیا ہو یا پرانا پیدائشی سپاہی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ پیدا ہونے کے بہت دن کے بعد مسلمان ہوا ہو تب بھی اسلام قبول کرتے ہی اس میں فوجی اسپرٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں خاکساروں کی تحریک بہت جلدی مقبول ہو گئی۔ کیونکہ وہ فوجی انداز کی تحریک تھی۔

اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشتاق صاحب نے مسلمانوں کے اُن سب فوجی کاموں کو اور فوجی جذبات کو قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو دوسرے غیر مسلم مؤرخوں نے نہیں لکھے تھے۔

کم کر کے لکھے تھے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو بادل خواستہ یا ناخواستہ فوجی بننا پڑے گا۔ اگر وہ اس سے غفلت کریں گے تو اسپین کی طرح ان کو ہندوستان سے نکل جانا پڑے گا۔ اس واسطے مشتاق صاحب کی کتاب کو میں ٹھیک وقت کی کتاب سمجھتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب بکھرے ہوئے جذبات کو بھی منظم کرے گی۔ اور چھپے ہوئے واقعات کو بھی سب کے سامنے لے آئے گی۔ اور یہی سب سے بڑی خوبی میرے خیال میں اس کتاب کی ہے۔ اور اسی کے اظہار پر میں اپنی تقریظ ختم کر دینی چاہتا ہوں۔

لیکن تقریظ ختم کرنے سے پہلے ہندوستان کے مسلمانوں کو اور ہندوؤں کو اور دوسری سب قوموں کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری ہے کہ ہندوستان کی آزادی کا پہلا فوجی ہیرو سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر بادشاہ تھا جس نے بڑھاپے میں ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے تلوار نیام سے نکالی اور باوجود بے کس اور بے بس اور محصور اور مقید ہونے کے ایک مقررہ دن ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو تمام ہندوستان میں آزادی کا جھنڈا بلند کر دیا۔ اگر پنجاب اور سرحد کے ہندوستانی اس ملکی جہاد سے غداری نہ کرتے تو ۱۸۵۷ء میں ہندوستان آزاد

ہو چکا ہوتا۔ اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ دلّی کے خاص کر بادشاہ کے خاندان کے کچھ آدمی بھی غداری کے گنہگار تھے۔ تاہم یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ سکھ اور پنجابی مسلمانوں اور سرحدی مسلمانوں نے انگریزوں کی ڈوبتی ناؤ کو بچا لیا۔ اور ہندوستانی آزادی کی کشتی کو ڈبو دیا۔

بہادر شاہ کی نسبت میں نے پندرہ کتابیں لکھی ہیں جن میں سے بارہ شائع ہو گئیں اور تین چھپ رہی ہیں۔ اور ہر سال رنگون جا کر ان کے مزار کی زیارت بھی کرتا رہتا تھا اور مزار کی دردناک حالت اور اُن کی رنگونی اولاد کی افسوسناک کیفیت کو بکثرت مضامین میں ظاہر کر چکا ہوں۔ لیکن مجھے مشتاق صاحب نے بہادر شاہ کے مقبرے کا ایک نقشہ دکھایا جس کو وہ اپنی کتاب میں بھی شائع کریں گے۔ اس نقشے کو دیکھ کر میں اچھل پڑا اور میں نے کہا یہ دوسرا تاج محل کیا برما میں بن گیا ہے؟ مشتاق صاحب نے کہا یہ ضرور بن جاتا۔ کیونکہ مسٹر سبھاش چندر بوس نے اور جاپانیوں نے بہادر شاہ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر بہت شاندار اور موثر الفاظ کہے تھے۔ اور ان میں ایک لفظ یہ بھی تھا کہ ہندوستان کی حکومت اپنے خرچ سے اس مقبرے کو بنوائے گی۔ اور سبھاش چندر بوس نے کہا تھا کہ میں اس مقبرے کی تعمیر میں ایک معمار کا کام کروں گا۔

لہذا میری تقریظ پڑھنے والوں کو چاہیے وُہ کسی قوم کے ہوں پڑھتے ہی ارادہ کر لینا چاہیے کہ اُن سے جو کوشش بھی ہو سکے گی۔ بہادر شاہ کا مقبرہ حکومت ہند کی طرف سے بنوانے کی کریں گی۔

السلام علیکم و رحمتہ اللہ برکاتہ

حسن نظامی دہلوی

۲۲ر مارچ ۱۹۴۷ء

آنکھوں سے معذور ہونے کے سبب یہ مضمون منشی سے لکھوایا تھا۔ اور آخر میں یہ الفاظ اپنے قلم سے لکھتا ہوں

حسن نظامی

نقل ترجمہ تحریر

جناب عبدالستار صاحب سکریٹری جنرل براٹیری ٹوریل کمیٹی

انڈین انڈیپنڈنس لیگ مشرقی ایشیا

مورخہ ۳۰؍ جنوری ۴۶ء ۔ رنگون

تحریک آزادئ ہند پر بہت سی کتابیں اب تک لکھی جا چکی ہیں لیکن کوئی کتاب ہندوستانیوں کی مشرقی ایشیا والی جدوجہد کے متعلق جو وطن عزیز کی آزادی کے لئے کی گئی تھی مکمل تصویر نہیں پیش کر سکی وجہ یہ ہے کہ اکثر مصنفین تحریک مذکورہ سے بہ نفسہ کچھ واسطہ نہیں رکھتے تھے اور نہ ذاتی طور پر شریک عمل تھے۔ مسٹر راندیری نے اسی وقت سے اس تحریک میں عملی حصہ لینا شروع کر دیا تھا جبکہ جاپانیوں نے رنگون پر قبضہ کیا تھا۔ انہوں نے ۱۳؍ مارچ ۴۲ء کے جلسہ منعقدہ رنگون میں حصہ لیا تھا جو انڈین انڈیپنڈنس لیگ قائم کرنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے بنکاک کانفرنس میں برمی مندوب کی حیثیت سے شرکت کی اور کانفرنس کو کامیاب بنانے میں بڑی جدوجہد کی۔ کانفرنس سے واپس آکر بھی وہ تحریک آزادی ہند میں آخر تک عملی حصہ لیتے رہے اور افسر فوجی بھرتی کی حیثیت سے خاص خدمت انجام دی۔ وہ اردو شاعری میں بلند استعداد رکھتے ہیں۔ وہ تحریک آزادی ہند کی ممتاز شخصیتوں سے برابر ملتے رہتے تھے اور اس صورت میں روزمرہ کی رفتار واقعات سے آشنا رہتے تھے۔ اس لئے جو حالات انہوں نے قلم بند کئے ہیں یقیناً مستند سمجھے جائیں گے۔

(دستخط) (جناب) اے ستار

نقل گرامی نامہ

عالیجناب ادیب العصر مولانا اسحاق صاحب امرتسری مدظلہ

مدیر "ماہ تمام" لاہور و روزنامہ "شیر" رنگون

فدائے ملت مشتاق راندیری کی شخصیت اہلِ برما کے لئے تو کسی تعریف و توصیف کی محتاج نہیں، لیکن بے محل نہ ہوگا اگر ہندوستان والوں کی آگہی کے لئے اتنی سی بات لکھ دیجائے کہ مسٹر مشتاق کی ساری زندگی ۲۰ء سے لیکر آج تک برما کے ہندوستانیوں اور برمی مسلمانوں کی خدمت میں صرف ہوئی ہے اور یہ اسی مسلسل خدمت کا ایک اہم باب ہے جو "انقلاب برما" کی تصنیف کے اوراق بہ قارئین تصنیف کے سامنے رونما ہے۔

جاپان اور برطانیہ کی گزشتہ جنگ کا جو پر آشوب دور برما والوں کی نظروں سے گزر چکا ہے اس کا ایک ہلکا سا تصور بھی ساکنانِ ہند کے لئے محال ہے اس عالمگیر جنگ کے ہر محاذ پر ہندوستانی اور برمی مسلمانوں نے ملکی فلاح و بہبود کی خاطر جو دلیرانہ اور مخلصانہ قربانیاں پیش کی ہیں اُن کی یاد بھی "حریفانِ چیرہ دست" کے ہاتھوں صفحۂ تاریخ سے ناپید ہو جاتی، اگر ملتِ بیضا کا یہ فدا کار سپاہی تاریخ کے اس اہم باب کو خود اپنے قلم سے نہ لکھ دیتا۔

مسٹر مشتاق کی یہ گراں قدر تصنیف ہندوستان اور برما کے سیاسی ناخداؤں کے لئے ایک روشنی کا مینار ہے اور عجب نہیں کہ یہ روشنی کا مینار

ہمارے طوفان زدہ اور گم کردہ راہ بیڑے کو پھر کامیابی کے ساحل کا راستہ دکھائے

اس تصنیف میں متعدد احباب اور رفقاء کے کردار و معاملات پر سختی سے محاسبہ بھی ہے ممکن ہے کہ بعض طبیعتوں پر یہ محاسبہ گراں گزرے مگر ظاہر ہے کہ ہر انصاف پسند مورخ کو حق پہنچتا ہے کہ جو واقعات و کوائف جس طور اور جس طریقہ سے اس کے مشاہدہ میں آئیں انہیں من و عن اسی طور اور اسی طریقہ سے دنیا کے سامنے پیش کر دے، خواہ اہلِ دنیا اسے پسند کریں یا نہ کریں

گل است سعدی و در چشمِ دشمنان خار است۔

تصنیف کے طرزِ تحریر اور اندازِ نگارش کے متعلق حضرت حافظ کا یہ شعر لکھ دینا بس ہے کہ ؎

بیانِ شوق چہ حاجت کہ شرحِ آتشِ دل
تواں شناخت زِ سوزے کہ در سخن باشد

مشتاق راندیری گزشتہ دورِ انقلاب میں آزاد ہند فوج کے چیف ریکروٹنگ آفیسر تھے۔ اور موجودہ دورِ امن میں مسلم لیگ برما کے جنرل سکرٹری ہیں۔ اور ان کی قومی خدمتیں گذشتہ دور میں جس درجہ اہم رہ چکی ہیں موجودہ دور میں بھی اس سے کم اہم نہیں ہیں۔ خداوندِ عالم ہماری تمام مشکلوں کو دور کرے اور ہمیں اقوامِ عالم میں فیروزمند اور کامیاب بنائے۔

آمین

محمد اسحاق امرتسری
۲۰۔ فروری ۱۹۴۶ء

تعارف مصنّف

از عالیجناب ادیب انقلاب ممتاز ملک صاحب سابق مدیر
روزنامہ مجاہد برما و ماہنامہ پاسبان لاہور

لسان القوم

لسان القوم سے میری پہلی ملاقات آج سے کوئی پندرہ برس پہلے لاہور میں جریدۂ فریدۂ زمیندار کے ادارہ میں ہوئی۔ اس ملاقات میں وہ خود موجود نہیں تھے۔ بلکہ ان کے طائر فکر کی بلند پروازیوں کے چند نتائج ان کے اشعار کی شکل میں موجود تھے۔ اور یہ تحفہ مولانا ظفر علی خاں صاحب مدظلہ العالی برما سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ لسان القوم کے ان جواہر پاروں نے اشاعت پا کر شمالی ہند کے گوشے گوشے سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ سرزمین برما کی سی ناموزوں فضا اور اجنبی ماحول میں ایک ایسے بلند فکر اور نغز گو شاعر اردو کا وجود نہ صرف اہلِ ذوق کے لئے ایک قابلِ فخر و مباہات بات تھی بلکہ کسی حد تک حیرت زا بھی تھی اور جب لسان القوم کے تخلص مشتاق کے ساتھ راندیری کی کنیت پڑھتے تھے تو اور استعجاب ہوتا تھا کہ راندیر کا رہنے والا اس قدر دھلی ہوئی زبان رکھتا ہو۔ اردو میں اتنا اچھا کہتا ہو اور کسی فرم کے دفتر میں قالین پر گداز گدیلوں کے بیچوں بیچ توند پھیلائے بہی کھاتہ سامنے رکھے اور دین داروں کو عینک لگے

شیشوں کے اوپر سے دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں ان کا خون چوسنے کی
تجویزیں سوچنے والا اسٹیچو ہونے کی بجائے دل میں سچی قومی تڑپ اور سینے
کے اندر اس قدر انقلاب انگیز جذبات رکھنے والا شاعر ہے۔ یہی بات تھی
جس نے میرا جی تڑپا دیا کہ مشتاق راندیری سے زندگی میں ایک بار ضرور
ملنا چاہیئے۔

ہماری عملی ملاقات روزنامہ مجاہد رنگون کے دفتر میں ۳۳ء میں ہوئی۔
شام کا وقت تھا۔ میں پروف کی کاپیاں پڑھ رہا تھا۔ مجاہد کی مقبولیت اور
کثرت اشاعت اس جھپٹے میں بھی مشتہرین کو کھینچ لایا کرتی تھی کسی نے کہا
"السلام علیکم" اور میں نے سر اٹھا کر اپنے سامنے ایک لحیم شحیم۔ دراز قد۔
خوش صورت اور خوش پوش انسان کو کھڑے دیکھا۔ سرخ و سپید چہرے کی
تازگی کہتی تھی کہ وہ نصف جوانی گزار چکا ہے۔ ڈیل ڈول اور آنکھوں کی
چمک اور بشرے کے ظاہرہ آثار بتاتے تھے کہ وہ یقیناً طاقت و قوت
مردمی کی ادویہ کا کوئی کامیاب موجد ہے۔ جو اپنے مجربات کا آپ ہی مجسم
مشتہر ہے۔ ورنہ سرزمین برما میں اس قدر سرخ سپید اور تازہ خون سے
بھرا ہوا چہرہ نوشاذ ہی دکھلائی دیتا ہے۔ سمجھا کہ کوئی موٹی اسامی ہے۔
اشتہار کے منہ مانگے دام وصول کریں گے۔ پوچھا "ارشاد" جواب ملا
"آپ ہی سے ملنے آیا ہوں۔ بندے کو مشتاق راندیری کہتے ہیں"۔
میں حیرت سے اچھل پڑا۔ وفور عقیدت سے ان کی طرف لپکا بڑے
ادب سے مصافحہ کیا۔ میں مشتاق راندیری کے پہلو میں کیا کھڑا تھا

ایسے معلوم ہوتا تھا کہ شویڈگون پھیا (برما کا سب سے بڑا پگوڈا) کے دامن میں شاہ ظفر رح کا مزار ہے۔

لسان القوم کو فی الحقیقت لسان ہی پایا۔ پہلی ملاقات میں وہ لطف آیا کہ اسی صحبت میں سحری کا وقت ہو گیا (یہ رمضان کا مہینہ تھا) اور مشتاق راندیری حضرت لعقوم گورا باوا اور میں نے سحری اکٹھے کھائی

آپ کا پورا نام بھی اب جا کر معلوم ہوا۔ ماں باپ نے تو نام صرف غلام حسین رکھا تھا۔ خاندانی نام معلم تھا۔ برما آکر بھی خاک وطن کی عزت نہ بھولی اور آپ اپنے کو معلّم مشتاق راندیری کہلانے لگے۔ مگر جب آپ کو قوم نے سُنا تو انہیں لسان القوم کہنے لگی۔ یہ ہے لسان القوم کی گذشتہ زندگی کا خلاصہ چند لفظوں میں جس کی شرح سرزمین برما میں لبنے والی مسلم قوم کا بچہ بچہ کر سکتا ہے۔ یہ قوم کا مشتاق اور قوم اسکی مشتاق! ہر تحریک میں پیش پیش اور جوانوں اور بوڑھوں کو اپنے درج پردرد پیغاموں سے ابھارنے والا شاعر! دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھنے والا رکن۔ قوم کے درد میں رات بھر اخباری اداروں اور سیاسی جماعتوں کے سرکردہ بزرگوں کے ہاں مغز سوزی کر کے انہیں عمل کے لئے اکسانے والا شاعر!! مولانا ظفر علی خاں صاحب کے بعد میں نے دوسرا شاعر ایسا دیکھا جو صرف شعر کہنے کے علاوہ خود بھی میدان میں مصروف جہد و عمل دکھائی دیتا تھا۔

مشتاق راندیری کی داستانیں اوروں کی زبانی بھی سنیں اور اس کے کارنامے خود بھی دیکھے۔ یہ بھی سُنا کہ تحریک خلافت سے لیکر تا فساد برما

۱۹۳۰ء میں اس نے کیا کیا قومی خدمات انجام دیں۔ اور کیا کیا قربانیاں کیں اور فساد برما ۱۹۳۱ء سے لے کر جاپانی ملیغار برما تک اس سیمابی نطرت کارکن کی سرگرمیوں کو خود بھی دیکھا۔

مجھے بعض مسائل میں لسان القوم سے گہرا اختلاف بھی رہا اور ہم صحافی میدان کی سرزمین قرطاس پر آپس میں برسرپیکار بھی رہے مگر جہاں تک لسان القوم کی گرمی عمل اور خلوص نیت کا تعلق ہے اس بارے میں مجھے ان سے ہمیشہ عقیدت رہے گی۔ جوشیلے آدمیوں سے بسا اوقات عجلت میں ایسی باتیں بھی سرزد ہو جایا کرتی ہیں۔ جو کسی طبقے یا فرقے کو ناپسند ہوں مگر یہ اخلاقی جرأت میں نے مشتاق ہی میں دیکھی کہ جہاں انہیں احساس ہوا کہ نزاکت وقت فلاں لائحہ عمل کو نہ چاہتی تھی۔ اور اصل منفعت فلاں طریق کار میں ہے۔ قوم کے لئے انہوں نے اس طریق کار کو قبول کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہ کی۔

ایسے جوشیلے اور رواداری شاعر باعمل کبھی بھی جامد و ساکت نہیں رہ سکتے۔ آزادی کی آگ ان کے سینوں میں اس وقت تک ٹھنڈی نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ وہ آزادی سے ہمکنار نہ ہو جائیں چنانچہ اس سرزمین پر جب آزادی کا نعرہ بلند ہوا اور جہاد آزادی عملی شکل میں اور آئی۔ این۔ اے کے وجود میں شروع ہوا۔ تو ممکن نہ تھا کہ ہمارا ہمدرد قوم شاعر سپاہیوں کی اولین صف میں دکھائی نہ دیتا۔ چنانچہ لسان القوم کو آئی۔ این۔ اے میں چیف ریکروٹنگ

افسر کے موقر عہدے پر متمائز کیا گیا۔ اور ان کی خدمات کا ریکارڈ ہمیشہ
ان کی حریت پرستی کا شاہد رہے گا۔

تحریک آزادی کی تاریخیں تو کئی لکھی جاچکی ہیں اور لکھی جائیں گی
مگر یہ تاریخ آزاد ہند کے چیف رکیوٹنگ افسر کی مرتبہ ہے۔ ع

تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں

کے مصداق یہ حقائق خود اسی نے قلمبند کئے ہیں۔ جو اس تحریک
کے سرکردہ اور ممتاز ارکان میں سے تھا۔ اس لئے اس کی صحت
اور درستی میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔

لسان القوم کی اس سعیٔ کامیاب سے یہ انکشاف بھی ہوا کہ
آپ شاعر۔ مقرر۔ محرک۔ سپاہی اور پروپگنڈسٹ ہی نہیں
بلکہ ساتھ ہی ساتھ مصنف بھی ہیں۔ ایسی ہمہ صفت موصوف
شخصیت اپنی قوم کے لئے باعث صد فخر و ناز ہے۔ خدا لسان القوم
کو اس سے زیادہ ہمتِ عمل بخشے۔ آمین

ممتاز ملک

سابق مدیر۔ پاسباں اور روزنامہ مجاہد

برما

حقیقتِ حال

انگریزوں کی برما میں واپسی اور بہت سے ریکارڈ کے ضیاع اور مسلسل ایک سال کی زبان اور قلم بندی کے نادری حکم کے بعد کچھ دل کے جذبات سرد پڑ گئے تھے نیز وقت بھی زیادہ گزر چکا تھا اس لئے ماضی کی یاد مطلق بھلا دینا چاہتا تھا مگر آزاد ہند اور جاپانی دور کے تاریخی سلسلے میں بہت سے واقعات کی تحریف اور غلط بیانیوں نے مجبور کر دیا کہ میں دیانتاً جو کچھ دیکھ چکا ہوں کتابی شکل میں پیش کر دوں۔ میری نسبت یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں اس کتاب کو عارضی حکومت آزاد ہند کے ہیڈ کوارٹر زبرما کے ریکروٹنگ اینڈ ٹریننگ ڈیپارٹمنٹ کے ایک چیف ریکروٹنگ افسر کی حیثیت سے بطور رپورٹ پیش کر رہا ہوں جس کی صداقت میں شک و شبہ کی بہت کم گنجائش نکل سکے گی۔ نیز دیگر اردو انگریزی مصنفوں کے مقابلے میں یہ کہہ دینا بھی بس ہے کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ"۔ یہ آنکھوں دیکھے واقعات ہیں کانوں سے سنے ہوئے نہیں اور اس کی تدوین میں جاپانی برمی اور آزاد ہندی تینوں دور کے چھوٹے بڑے واقعات ملحوظ رکھے گئے ہیں اس لئے اسے مکمل اور مستند اڈیشن کہئے تو بھی بہت بڑی حد تک مناسب ہوگا۔ اس کتاب کی علیٰ غایت کا مقصد حلب زر نہیں بلکہ صحیح قومی اور انقلابی تاریخ پیش کر دینا ہے۔ نیز مسلمان قوم کی ان خدمات کو اصلی رنگ میں ظاہر کرنا ہے جسے زمانے کے متعصب ہاتھوں نے مٹا دینے کی کوشش کی اور تاریخ سے بد دیانتی کے مرتکب ہوئے اور بس امید کہ میری یہ سعی مشکور ہوگی۔

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ النبی الامی الکریم

سخن اوّلین

(از عالیجناب علامہ محمد میاں صاحب مرادآبادی ناظم شعبۂ تبلیغ و اشاعت جمعیۃ العلماء ہند

معلم مشتاق صاحب راندیری کی تصنیف "انقلاب مشرق اور مسلمان"
آپ کے سامنے ہے۔

آپ "آزاد ہند فوج" میں رکروٹنگ آفیسر تھے۔ آپ نے اپنی اس تصنیف
میں ان خدمات کو نمایاں کیا ہے جو مسلمانوں نے اس فوج کے ممبر اور
"آزاد ہند حکومت" کے ارکان کی حیثیت سے انجام دیں۔

آپ نے اس تصنیف میں مسلمانوں کے ان جذبات کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ان
کو حریت اور آزادی اور بالخصوص انگریز کی مخالفت میں قدرتی طور پر ودیعت ہوئے تھے
ممکن ہے موجودہ چند سال کے پرآشوب دور میں مسلمانوں کے ان جذبات کے متعلق
شک کیا جائے لیکن جس کو مسلمانوں کی گزشتہ ڈیڑھ سو سالہ تاریخ سے واقفیت ہے
وہ آزاد ہند فوج کے واقعات کا جب مطالعہ کرے گا تو اس کے سامنے انقلابی تحریکات کا
ایک سلسلہ آئے گا جس کی آخری کڑی "آزاد ہند فوج کی انقلابی جدوجہد ہے۔

جنوبی ہند میں سلطان ٹیپو اور بنگال میں نواب سراج الدولہ کی طاقتوں کو پامال
کرنے کے بعد انگریز مطمئن ہو گیا تھا کہ جنوبی اور شمالی ہندوستان کی سیاست کا
میدان اس کی شاہنشاہیت کے لئے وقف ہو گیا۔ چنانچہ وہ دہلی کی طرف بڑھا اور
دہلی کے بادشاہ "شاہ عالم" کو ۱۸۰۳ء میں گرفتار کر کے اس سے معاہدہ کر لیا۔

عام ہندوستانیوں کو فریب دینے کے لئے معاہدہ کے بعد شاہ عالم کو پھر بادشاہ بنا دیا گیا اور نقارچی نے یہ اعلان شروع کر دیا۔

"ملک بادشاہ کا حکم انگریز بہادر کا"

عام پبلک "ملک" اور "حکم" میں فرق کر کے اس پر مطمئن ہو گئی لیکن مدبر اور خوددار مسلمانوں کی ایک جماعت تھی جس نے یہی فیصلہ کیا کہ ملک اسی کا ہوتا ہے جس کا حکم چلتا ہے۔

اس جماعت کے قائد ور ہنما وہ بزرگ تھے جن کو مسلمانوں کا اہل علم طبقہ "حضرت مولانا شاہ عبد العزیز" کے اسم گرامی سے پہچانتا ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کی پارٹی نے "مذہبی زبان میں" فتوے صادر کیا کہ "ہندوستان دار الحرب" ہے یعنی سیاسی زبان میں اعلان کر دیا کہ آزادی ملک و مذہب ختم ہو چکی ہے۔ انگریز سامراج کا تسلط قائم ہو چکا ہے جس سے وطن عزیز کو نجات دلانا ہر ایک مسلمان کا مذہبی اور سیاسی فرض ہے۔

اس وقت آپ عمر کے آخری دور میں تھے ضعف پیری کے علاوہ بصارت جا چکی تھی، سوداوی امراض جسم کو نحیف سے نحیف تر کرتے جا رہے تھے آپ بنفس نفیس عملی اقدام نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ آپ نے اس فتوے کے ساتھ ساتھ ایک انقلابی پارٹی کی تشکیل کر دی اپنے خاص مریدوں اور معتقدوں میں جناب سید احمد صاحب کو اس پارٹی کا امیر بنایا اور اپنے برادر زادہ مولانا اسمعیل صاحب کو ان کی امداد و اعانت کے لئے مامور فرمایا۔ اپنے خاندان کے تمام افراد حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ جماعت کے امیر "سید احمد صاحب کے ہاتھ پر انقلابی جدوجہد میں وفاداری کا عہد کریں

اس انقلابی پارٹی نے بنگال سے لیکر پشاور تک تمام شمالی ہند نیز حجاز، عرب اور چینی ترکستان وغیرہ کا دورہ کیا۔ جنوبی ہند میں اپنے خاص خاص مبلغ بھیجے۔ پھر شمالی سرحدی قبائل کو مرکز اور سنٹر بناکر تمام ہندوستان کی بکھری ہوئی طاقت کو اس محاذ پر جمع کردیا اور چند ماہ کی جدوجہد سے اس علاقہ میں ایک آزاد حکومت قائم کرلی۔

فتح پشاور کے بعد تقریباً ایک لاکھ مجاہدین سید صاحب کی قیادت میں کام کررہے تھے۔ ان کا حریف میدانِ جنگ میں شکست پر شکست اٹھا چکا تھا لیکن افسوس اس کی ڈپلومیٹک چالیں کامیاب ثابت ہوئیں۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری پہلی جنگ آزادی کے یہ دونوں مجاہد، اور پہلی آزاد ہند حکومت کے صدر اور وزیر اعظم بالاکوٹ کے مقام پر مئی ۱۸۳۱ء میں شہید ہوگئے۔ مگر اس شہادت سے یہ نظام ختم نہیں ہوا بلکہ اس کا سلسلہ تقریباً ۱۸۸۳ء تک جاری رہا۔ لارڈ درین وائسرائے ہند کا ۱۸۶۳ء والا حملہ سرحد جس کو تاریخ کے اوراق میں وہابیوں کی جنگ سے تعبیر کیا جاتا ہے) پھر ۱۸۸۳ء کا معرکۂ انبالہ اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔ انتہا یہ کہ اس فوج کے بقیۃ السیف دستوں کے سپاہیوں کی دوسری نسل کے تقریباً پانسو نوجوان آج بھی سرحد پار آزاد پہاڑیوں میں موجود ہیں۔ اور اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے بندوق کندھے پر اٹھائے ہوئے ہیں ــــــ ۱۸۵۷ء کا جہاد حریت جس کو غدر کا نام دیا گیا، درحقیقت سلسلۂ انقلاب کی دوسری کڑی تھی ــــــ حضرت سید احمد صاحب شہید اور حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب شہید کی پارٹی نے شمالی ہندوستان کا دورہ کرکے آزادی اور جہاد کی جو روح پیدا کی تھی اس نے ان دونوں بزرگوں کی شہادت سے چند سال بعد اس جہاد عظیم کی شکل اختیار کرلی۔

اس جنگ آزادی میں ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کے دوش بدوش حصہ لیا اور لندن کے بجائے دہلی کو اقتدار اعلیٰ کا مرکز بنانے کے لئے "نعرۂ تکبیر" اور بوڑھے مغل بادشاہ بہادر شاہ کے جیکاروں

سے پورے ہندوستان کی فضا میں تلاطم پیدا کردیا لیکن اس موقع پر بھی ہر ایک "تدبیر پر تقدیر غالب
آئی اور حوادث کی گردش کج رفتار نے بہادر شاہ کو تاج بخشنے کے بجائے "کوہِ نور کشورِ ہند" کے تاج کو
نبرد مندی اور کالمرتی کا کوہ نور عطا کردیا۔" "ما درچہ خیالیم وفلک درچہ خیالی"

لاکھوں ہندوستانیوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ توپ دم کر دیا گیا۔ درختوں میں لٹکائی ہوئی
رسیوں کے پھندوں میں گلا گھونٹ کر مار دیا گیا۔ یا ان سولیوں پر چڑھا دیا گیا جو بڑے بڑے
شہروں کے چوک بازاروں میں کھڑی کردی گئی تھیں ـــــ مسلمانوں کے واجب الاحترام
بزرگ شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز مکہ معظمہ ہجرت فرما گئے
ان کے باقی ساتھی تختۂ دار پر لٹکا دیئے گئے کچھ گولی مار کے شہید کر دیئے گئے کچھ جیلوں میں
بند کر دیئے گئے۔ جلاوطن کر دیئے گئے اور کچھ روپوش ہو کر جدوجہد آزادی کی نئی اسکیم میں مصروف
ہو گئے چنانچہ ابھی بیس سال بھی نہ گزرے تھے کہ ایک سے زائد انقلابی پارٹیاں جنگ آزادی کا
نقشہ تیار کرنے میں مصروف ہو گئیں۔ ان میں ایک اہم پارٹی وہ تھی جس کے بانی دار العلوم دیوبند
کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز تھے اور اس کے نمایاں کارکن
حضرت مولانا عبید اللہ سندھی تھے۔ اس پارٹی کی جدوجہد کو "سی آئی ڈی" کی زبان میں ریشمی خطوط
کی تحریک کا نام دیا گیا تھا۔ ـــــ رولٹ کمیٹی (جس نے ۱۹۱۷-۱۸ء میں ہندوستان
کی انقلابی تحریکات کے متعلق تحقیقات کی) شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب
اور ان کی پارٹی کے متعلق اس کی تحقیق یہ ہے:ـــ عبید اللہ (حضرت مولانا محمود الحسن صاحب
شیخ الہند رح کے لفٹنٹ اور معتمد خاص) پہلے مجنونانِ مذہبی کے پاس گئے اور اس کے بعد کابل پہنچے
وہاں وہ ترکی جرمنی کے ممبروں سے ملے اور ان سے تبادلۂ خیالات کیا اور تھوڑے عرصہ کے بعد
ان کا دیوبندی دوست "مولوی محمد میاں انصاری" بھی آن ملا۔ یہ آدمی مولانا محمود الحسن کے ساتھ

عرب گیا تھا اور ۱۹۱۶ء میں وہ اعلان جہاد ساتھ لیکر آیا تھا۔ جو حجاز کے ترکی فوجی حاکم "غالب پاشا"
نے مولانا محمود الحسن کو دیا تھا اثناء راہ میں "محمد میاں" اس تحریر کی (جو غالب نامہ کے نام سے
مشہور ہے) نقلیں ہندوستانی اور سرحدی فوجوں میں تقسیم کرتا ہوا آیا —— اس سازشی
پارٹی نے ایک تجویز تیار کی تھی کہ جب سلطنت برطانیہ کو مٹا دیا جائے تو ہندوستان میں ایک عارضی حکومت
قائم کی جائے —— ایک شخص "مہندر پرتاب" اس کا پریذیڈنٹ ہونے والا تھا۔ یہ
شخص ایک اچھے خاندان کا ہندو تھا۔ اور ۱۹۱۳ء میں اسے اٹلی، سوئیٹزرلینڈ۔ اور
فرانس میں سفر کرنے کا پروانہ راہداری دیا گیا تھا۔ وہ سیدھا جنیوا کو گیا اور وہاں ہردیال
سے ملا اور ہردیال نے اس کا جرمن قونصل سے تعارف کرایا۔ اسکے بعد وہ جرمن چلا گیا ——
عبید اللہ وہاں سے کسی خاص مشن کے لئے بھیجدیا گیا کیونکہ اس نے جرمنوں پر اپنی اہمیت کا
اثر مبالغہ آمیز طریقہ پر ڈالا تھا —— خود عبید اللہ ہندوستان کا وزیر ہونیوالا تھا۔
اور کرشنا ورما کا دوست اور امریکن غدر پارٹی کا ممبر برکت اللہ جس نے برلن کے راستہ
کابل کا سفر کیا تھا وزیر اعظم ہونیوالا تھا۔ یہ شخص ریاست بھوپال کے ایک ملازم کا بیٹا تھا اور
انگلستان امریکہ اور جاپان ہو آیا تھا یہ شخص ٹوکیو میں ہندوستانی کا پروفیسر مقرر ہوا تھا۔ اور
وہاں اس نے برطانیہ کے خلاف ایک نہایت تیز اخبار "اسلامک فریٹرنٹی" کے نام سے جاری کیا تھا
اس اخبار کو بعد میں جاپانی حکام نے بند کر دیا تھا اس کے بعد وہ اپنے عہدہ سے موقوف کر دیا گیا
اور پھر امریکہ جا کر وہ اپنے غدری دوستوں میں مل گیا۔

وہ جرمن جو افغانستان میں اپنے مقاصد کے لئے آئے تھے جب ناکام رہے تو ۱۹۱۶ء میں
واپس چلے گئے مگر ہندوستانی وہیں رہے اور عارضی حکومت والوں نے روسی ترکستان کے
حاکم اور زار روس کو اس مضمون کے خط لکھے کہ روس کو چاہیے کہ برطانیہ کلاں کے اتحاد کو

خیرباد کہہ کر ہندوستان سے سلطنت برطانیہ کے ہٹا دینے کی کوشش میں امداد کرے۔ ان خطوط پر مہندر پرتاپ کے دستخط تھے آخر وہ خطوط برطانیہ کے ہاتھ آ گئے۔

شہنشاہ روس کے نام جو خط تھا وہ سونے کے پتر پر لکھا گیا تھا جس کی عکسی تصویر ہمیں دکھائی گئی ہے ——

"حکومت عارضی" نے ترکی گورنمنٹ کے ساتھ اتحاد پیدا کرنے کی تجویز بھی کی اور اس مقصد کے حصول کے لئے عبید اللہ نے اپنے پرانے دوست مولانا محمود حسن صاحب کو خط لکھا۔ یہ خط اور ایک خط مورخہ ۸ رمضان مطابق ۹ جولائی ۱۹۱۶ء کے ساتھ جو محمد میاں انصاری نے لکھا تھا بند کر کے اس نے حیدر آباد سندھ کے شیخ عبد الرحیم کے نام ایک نوٹ لکھ کر بھیج دیا یہ شخص اس وقت مفقود الخبر ہے۔ شیخ عبد الرحیم سے اس نوٹ میں یہ التجا کی تھی کہ وہ کسی معتبر حاجی کے ہاتھ وہ خطوط مکہ میں مولانا محمود حسن صاحب کو پہنچا دے وہ خطوط زرد ریشمی کپڑے پر بہت صاف اور خوشخط لکھے ہوئے ہیں۔

محمد میاں کے خط میں یہ باتیں لکھی تھیں —— "جرمن اور ترک وفود کا آنا جرمنوں کا واپس جانا۔ ترکوں کا بغیر کسی کام کے رہ جانا۔ غالب نامہ کی اشاعت حکومت کی تجویز خدائی فوج کی مجوزہ ساخت۔"

اس فوج کے لئے یہ تجویز تھی کہ اس کے لئے ہندوستان سے رنگروٹ بھرتی کئے جائیں اور مسلمان حکمرانوں کے درمیان اتحاد پیدا کیا جائے محمود حسن ان تمام معاملات کو حکومت عثمانیہ تک پہنچانے پر مقرر کیا گیا عبید اللہ کے خط میں خدائی فوج کا ایک نقشہ تھا۔

اس فوج کا ہیڈ کوارٹر مدینہ اور اس کا جنرل انچیف محمود حسن ہونیوالا تھا دوسرے ہیڈ کوارٹر مقامی جرنیلوں کے ماتحت قسطنطنیہ طہران اور کابل میں قائم ہونے والے تھے۔

کابل میں خود عبیداللہ جرنیل مقرر ہونے والا تھا۔

اس نقشہ میں تین سرپرستوں۔ ۱۲ فیلڈ مارشلوں اور بہت سے اور اعلیٰ فوجی افسروں کے نام تھے۔ لاہور کے بھاگے ہوئے طالب علموں سے ایک میجر جنرل اور کرنل اور چھ لفٹنٹ کرنل ہونے والے تھے۔ جو اشخاص ان اعلیٰ عہدوں کے لئے منتخب کئے گئے ان میں سے اکثر ایسے تھے جن سے ان کے تقرر کی نسبت مشورہ نہیں لیا گیا تھا لیکن ریشمی خطوط سے جو اطلاعات ملیں ان میں بعض تدارک ضروری تھے وہ کئے گئے

دسمبر ۱۹۱۶ء میں مولانا محمود حسن اور ان کے چار رفقا برطانیہ کے ہاتھ آ گئے اور جنگی قیدی کی حیثیت سے مالٹا کے جزیرے میں قید کر دیئے گئے۔

غالب نامہ کی تشریح

غالب پاشا بھی جس نے غالب نامہ پر دستخط کئے تھے اس امر کا اقبال کر چکا ہے کہ اس نے اس کاغذ پر دستخط کئے تھے جو محمود حسن پارٹی نے اس کے روبرو پیش کیا تھا اس کے ضروری حصہ کا ترجمہ یہ ہے۔

"ایشیا۔ یورپ اور افریقیہ کے مسلمان ہر قسم کے اسلحہ سے آراستہ ہو کر خدا کی راہ میں جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ خدائے قادر و قیوم کا شکر ہے کہ ترکی فوج اور مجاہدین دشمنان اسلام پر غالب آ گئے ہیں۔ اس لئے اے مسلمانو اس ظالم عیسائی حکومت پر حملہ کر دو جس کی قید میں تم پڑے ہو۔

بہت جلد عزم صمیم سے اپنی تمام کوششوں کو دشمن کے مار ڈالنے کے لئے وقف کر دو۔ اور ان سے نفرت اور دشمنی ظاہر کرو۔"

تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مولوی محمود حسن آفندی جو پہلے ہندوستان

کے مدرسہ دیوبند میں تھے ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم سے مشورہ لیا ہم نے اس خیال میں اُن کی تائید کی اور انہیں ضروری ہدایات دیدی ہیں۔ اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو تم اُن پر اعتماد کرو۔ اور آدمیوں۔ روپے اور ہر چیز سے جو وہ طلب کریں اُن کی امداد کرو۔

۱۹۳۹ء کی جنگ عظیم کا دور بظاہر اس قسم کی تحریک سے خالی تھا۔ مگر نیتاجی سوبھاش چندر بوس کا نام دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا کہ آپ نے پوری کامیابی کے ساتھ اس خلا کو پُر کیا۔ اور ہمیں مسرت ہے کہ مسلمانوں نے اس دور میں بھی اپنا حصہ بلند حوصلگی اور عالی ہمتی سے انجام دیا۔

ہم شکر گذار ہیں معلّم مشتاق راندیری صاحب کے کہ آپنے اس تصنیف کے ذریعہ ہندوستانیوں کو اس فوج اور اس حکومت کے صحیح واقعات اور بہادر مسلمانوں کے عظیم الشان کارناموں سے آگاہ کیا۔

ہمیں امید ہے کہ ہر ایک ہندوستانی مشتاق صاحب کی اس خدمت کی قدر کرے گا۔

محمد میاں مرادآبادی



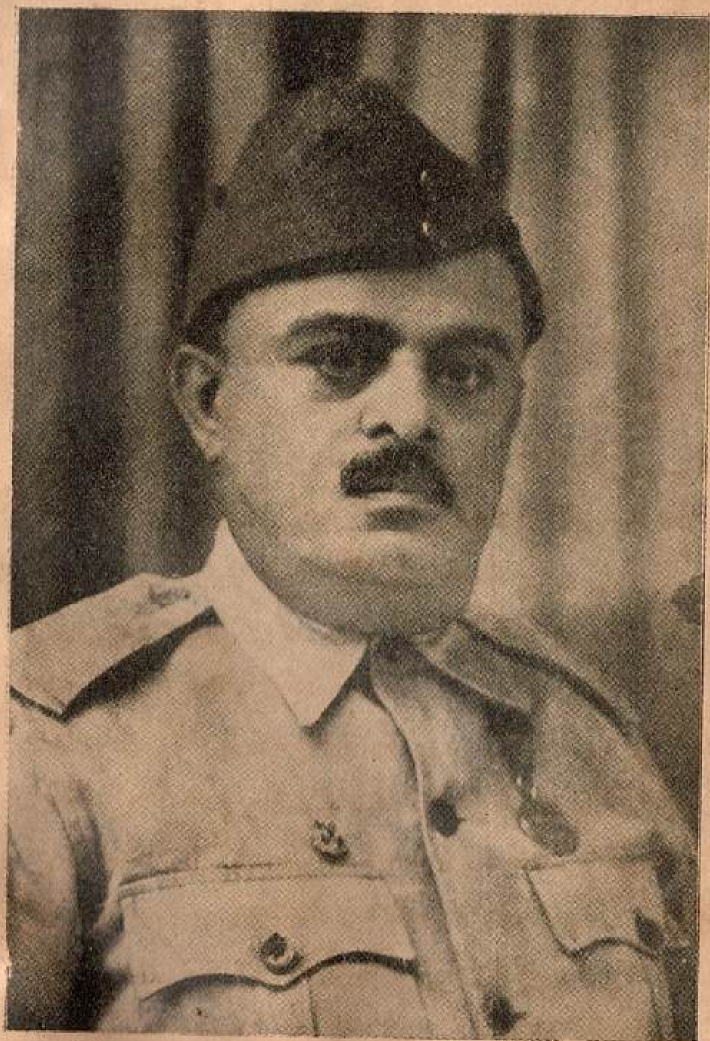
Mushtaq Randeri (Author).

جنگ عالمگیر اور یورپ!

۱۸۹۶

بطحا کے شاہباز کی بے بال و بے پری بھی دیکھ
یورپ کے شاطروں کی یہ تنظیم عسکری بھی دیکھ

(مشتاق)



Sewak-i-Hind Seth Abdul Habib.

یورپ

بیٹھے بٹھائے آدمی پھنس گیا اک عذاب میں

(مشتاق)

"رسی کا سانپ" بن گیا بازی سامری بھی دیکھ

خود غرض استعمار پسند مغرب صدیوں سے ایک دوسرے کو غلام بنانے اور اپنے تفوق اور اپنی برتری کے اظہار پر ہر کسی سے سبقت لے جانے میں اپنا سب کچھ قربان کرنے پر تلا رہا۔ یورپ کی زمین پر تہذیب و تمدن کے خورشید نے جس قدر زیادہ روشنی ڈالی اتنا ہی زیادہ پستی اخلاق کے اندھیرے غار میں منہ کے بل گرتا چلا گیا۔ اپنی خود غرضی اور اپنے اقتدار کے جھوٹے طمطراق کا لوہا منوانے کے لئے اس نے خدا کی زمین پر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے میں کبھی پس و پیش نہیں کیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے زندہ نعشیں جلائی گئیں۔ کروڑوں انسان بے خانماں ہو گئے لاکھوں عورتیں بیوہ اور لاتعداد بچے یتیم ہو کر رہ گئے۔ مگر ان سفاک اور خوفناک خونی دیوزادوں کو کبھی ان پر ترس نہیں آیا۔ ترس آنا تو ایک بہت بڑی بات ہے اس کا ذکر رحم کے پیرائے میں کیا جانا بھی اسے ہمیشہ ناگوار رہا۔ تہذیب و تعلیم کی اس

روشن اور منور دنیا میں عیسیٰ مسیح کے یہ پیرو ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا رخسار پیش کرنے کے بجائے مارنے والے کی نسل و نسل اور نسبت پہا ئیت کے جڑ سے نکال دینے پر بھی اطمینان محسوس نہیں کرتا۔ دنیا کی تباہ حالی اور اس کی بربادی کا نقصان کے لئے اتنا جاذب توجہ نہیں جتنی توجہ وہ کسی ایسے مہلک اور بے دردی سے جان لینے والے ہتھیار کی طرف مبذول کرتے ہیں جب کہ اسکا موجد نہایت رازدارانہ اپنی ایجاد اپنی قوم کے سامنے پیش کرتا ہے بوڑھوں اور بچوں کی تڑپتی ہوئی لاشوں کے ڈھیر پر ان کے رقص و سرود کا اسٹیج سجایا جاتا ہے جبکہ کوئی ایک دل ایسا نہیں جو ان کی بے گناہی اور معصومی پر ایک آہ و آہ ہی کھینچ لے اور پھر اپنی تانوں میں مست ہو جائے۔ ان کے لئے کسی حیات بخش گولی کی ایجاد سے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی کسی سائنسداں کی چیخ کرو مہلک ڈم ڈم کی گولیوں میں وہ اطمینان قلب و سکون خاطر محسوس کرتے ہیں۔ ہوائی بیڑہ یا بحری بجرہ کسی مریض کو چشمہ حیوان یا آب حیات تک پہونچانے میں اتنی خوشی محسوس نہیں کرتا۔ جتنی فرحت اسے کسی فرنٹ یا محاذ جنگ میں آئیٹم بم۔ یا آتش افروز بموں کو لاد کر کامیابی سے منزل مقصود پر پہونچانے میں ہوتی ہے۔ ہسپتال اور مریضوں کے جہازوں پر بمباری اور مشین گنوں سے گولیاں برسانے پر ان کے لئے جواز ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ ان جہازوں میں دشمن کا سامان رسد ہے جسے کھا کر لاکھوں کروڑوں انسان فاقے اور بھوک کی خوفناک اذیتوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ جہاں قوجی قانون کے نام پر دنیا کو بھوکا مارا جائے جہاں اپنی خانگی امن کے لئے دنیا بھر کو آگ اور خون کی بھٹی میں جھونک دیا جائے۔ جہاں اپنی آسائش پر دوسروں کی ہر پسندیدہ چیز قربان کر دی جاتی ہے۔ جہاں جانوں اور

انسانوں کی قیمت ایک رائی برابر" بارود" کے ذرّوں اور ٹڈی دل کے چند قطروں
کے مساوی ہو وہ دنیا اور اس کے بسنے والے اور اس بستی کی ایسی ذہنیت رکھنے
والوں کو "انسان" اور پھر متمدّن انسان کہلانے کا کیا حق پہونچتا ہے نہ جانے
کارساز عالم کو کیوں ان کی یہ دراز دستی یہ سرکشی یہ طغیانی مرغوب ہے۔ مانا کہ
اس کے کارخانے میں دیر ہے اندھیر نہیں۔ مگر آہ اے خلّاق فطرت اپنی دوسری
بے گناہ مخلوق کو بھی تو دیکھ جو تیرے نام پر جی رہی ہے۔ ان معصوموں پر بھی تو نظر
کر جو اس مادیت کی چکی میں پس کر صرف ہو رہے ہیں جو صرف اس بنا پر خاطی
ہیں کہ انہوں نے مادیت کے مہلکات اور مخاطرات کے بڑھانے کے ساز و
سامان کی تعمیر و تخمیر کی طرف سے آنکھیں موند لی ہیں۔ وہ جو بالکل دُنیاوی جاہ و
حشم سے کنارہ کش ہیں وہ جنھیں تُو نے ہی "مجبور محض" بنا کر دنیا کی بھڑکیلی اور
چمکیلی شان و شوکت کو بڑھانے کی طرف مطلق خیال نہیں کرنے دیا۔ ہر دم ورد کن
تیرا نام لیتے ہیں۔ جو تیری ہی مالا جپتے ہیں ان معصوموں کی کیا یہی خطا ہے؟ اگر
یہی ہے تو معاف کر اور اس خطا سے درگذر فرما۔ کل تیرے انہیں معصوم نام
لیواؤں پر یورپ نے آسٹروی شہزادے کی موت کا انتقام لینے کی غرض سے جو
جو مظالم ڈھائے جو جو تباہ کاریاں کیں وہ تجھ سے پوشیدہ نہیں۔ اب دیکھ پھر
تیرے وہی طاغی بندے پھر یکم ستمبر ۳۹ء کو دنیا کا امن و امان خاکستر کرنے کی
ٹھان بیٹھے اور دنیا نے دیکھ لیا اور تو نے انہیں ڈھیل دی اور ایسی دی کہ آہ
چار دانگ عالم میں اس سے زلزلہ پڑ گیا اور ہر ذی روح اپنے امن کی تلاش میں
سرگرداں پھرتا نظر آنے لگا۔ ہر ایک کی زبان پر الامان و الحفیظ جاری ہے یا الٰہ العالمین

رحم کر اور آئندہ کے لئے اپنے بے گناہ بندوں کو اپنے اس دنیاوی قہر سے بچا
ہاں اگر تجھے یہی منظور ہے کہ تو اپنا قہر آسمانی نازل ہی کرے تو اس بستی کو اس ملک
کو تباہ کر دے جو دوسروں کی تباہی سے خوش ہیں اور جنھیں معصوموں کی بربادی
میں روحانی مسرت حاصل ہوتی ہو۔ مولا اوندھا کر دے ان دماغوں کو جو اختراعات
جدیدہ اور ماڈرن سائنس کے ذریعے تخریبی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ پاگل
بنا دے۔ ویران کر دے برباد کر دے تباہ کر دے ان بستیوں کو جن
بستیوں میں سے لنکا کی طرح ہر ظالم و جابر باون گز کا بن کر نکل رہا ہے۔ خدایا
تاکہ یہ جنگ زرگری ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے اور تیرے بندے تیری امن
پر امن و امان کے ساتھ تیری ہی مالا جپتے رہیں۔

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمنی کے بانی کمانڈر ہٹلر کے حکم سے ڈینزگ پر حملہ ہوا۔
جسے جنگ عالم گیر کا پیش خیمہ کہنا چاہئے۔ جرمنی نے یہ حملہ کیوں کیا؟ اور کس لئے کیا؟
ہم فی الحال اس جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتے۔ بظاہر جرمنی کی شکایت تھی کہ
اسے بین الاقوامی حقوق اتنی آزادی کے ساتھ حاصل نہیں تھے جتنی لیگ آف نیشن
کے کرتا دھرتا برطانیہ اور دیگر طاقتوں کو حاصل تھیں۔ جرمنی اس کے لئے مدتوں
سے تیاریاں کر رہا تھا کہ بوقت جنگ اس کی طاقت کامیاب رہے۔ ڈینزگ پر
حملہ آور ہونے سے پہلے اس نے خوب چیخ و پکار کی۔ بڑی بڑی دھمکیاں دیں۔
زہریلے ناگ کی طرح پھن سنبھال کر خوب پھوں پھاں کرتا رہا۔ جسے بانو میا کی
اسٹنٹ کہئے یا حقیقت انگریز کسی کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ البتہ مسٹر چیمبرلین
کی واحد شخصیت ہی تھی جو اس ساز کے پردوں سے نکلی ہوئی آواز کے زیر و بم

سے جنگ کے خوفناک نتائج اور اثرات کی ہلاکت خیزی کو محسوس کرتا رہا۔ مگر افسوس نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا ہے۔ پھر بھی اس نے اپنا فرض قومی کچھ حد تک پورا کیا اور صلح دامن کے لئے دوڑ دھوپ کرتا رہا۔ آخر ناکام رہا اور رہونا بھی چاہئے کیوں کہ ؎

بگڑتی ہے جس وقت ظالم کی نیت
نہیں کام آتی دلیل اور حجت

برطانیہ نے بڑی آن بان کے ساتھ اعلان جنگ کر دیا۔ ۳ ستمبر ۳۹ء کو برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر کے دنیا کو جنگ کے جہنم زار شعلوں کی لپیٹ میں جھونک دیا۔ ساتھ ہی ساتھ دنیا پر یہ واضح کرتے ہوئے کہ جرمنی ظالم اور جابر اور سفاک ہے۔ پتھر کا جواب پتھر سے دینے پر تل گیا۔ مگر کس کے منہ میں دانت تھے کہ یہ پوچھے کہ آخر جرمنی کو پتھر اٹھانے پر کس نے مجبور کیا؟ کیوں اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا؟ کس کی طرف سے اسے ضبط ونظم کی داد نہیں دی گئی۔ کون تھا جو اس کی تجارت پر روزانہ قیود عاید کرتا تھا؟ کس نے اس کی بحری طاقت پر تحدید کی مہر لگا دی؟ کون دنیا کی طاقت میں خود کو نمبر ایک پر شمار کرنے کا خبط بدرجہ جنوں رکھتا تھا؟ کون جرمنی کے پڑوسی فرانس کو طاقت ور بنا کر اسے مجبور اور کمزور دیکھنا چاہتا تھا؟ مانا کہ جرمنی ظالم تھا نادان تھا۔ غیر ذمہ دارانہ افعال کا مرتکب ہو رہا تھا۔ عاقبت نااندیش تھا مگر برطانوی طرفداران جنگ تو مظلوم تھے۔ رحم دل تھے۔ انسانوں کے خون کی قدر و قیمت سے واقف تھے؟ صلح پسند تھے منصف مزاج تھے۔ غاصب حقوق

اقوام عالم نہ تھے؟ "بندر بانٹ" کے حامی اور طرفدار نہ تھے۔ پاک باز بھی تھے اور معاملات دنیوی میں کسی پر زیادتی کرنے والے نہ تھے۔ اکیلے کھانے والے نہ تھے بلکہ "کمیٹی" بنا کر دوسرے کی جھولی بھرنے والے تھے۔ جمہوریت کے حامی۔ ہاؤس آف لارڈز کے ساتھ ساتھ ہاؤس آف کامن کے بانی مبانی اور عوام کی فلاح و بہبود کے نگران تھے۔ تو کیوں ان تمام خوبیوں پر پانی پھیر کر "جیسے مسیح" کے احکام کے خلاف دوسرا رخسار پیش کرنے کے بدلے "پتھر کا جواب پتھر سے نہیں بلکہ دوسری طاقتوں کو ساتھ شامل کر کے "پتھروں اور بہت سے پتھروں سے دیا گیا"؟ کیوں نہ جرمنی کے معمولی مطالبات مان لیے گئے؟ کیوں نہ شرائط صلح مرتب کی گئی؟ کیوں جنگ کو ڈنزگ سے بڑھ کر عالمگیر بننے دیا گیا؟ کیوں اس کے شعلوں کی لپیٹ سے تمام دنیا کی ہستی جھلس دی گئی؟ کیا اتنی سی معمولی بات برطانوی مدبرین کی کھوپڑی میں سماتی کہ جنگ کی ہولناکیاں دنیا میں کس قدر خرابیاں پیدا کر دیں گی۔ نظام عالم درہم درہم ہو کر رہ جائے گا خون و خرابہ ہوگا اس کے مہیب اور منحوس اثرات بلاد عالم کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیں گے۔ کیا پارلیمنٹ کے بیانات کے مطابق برطانیہ جنگ کے لیے تیار نہ تھی۔ اور جرمنی مسلح اور مضبوط تھا جو مدتوں سے تیاریاں کر رہا تھا۔ پھر یہ اعلان چہ معنی دارد؟ کمزور کبھی اعلان جنگ کیا کرتا ہے؟ مجبور کبھی طاقتور سے زبردستی لڑائی مول لیا کرتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ ایک ایسی سیاسی چال ہے جسے بہت بڑے خود غرض سیاسی چلا کرتے ہیں تاکہ اپنی نیکنامی کو قائم رکھتے ہوئے مقابل کو بدنام کر دیں۔ مدبرین برطانیہ

سب کچھ جانتے تھے۔ جرمنی کو کمزور کرنے کے لئے ڈینزگ اِک بہانہ تھا اور کچھ نہیں۔ ہزاروں میل پر بیٹھے ہوئے راقم الحروف نے اُس وقت جنگ کے مستقبل پر ذیل کے قطعات تحریر کیے تھے۔

ستم و جور میں کیا اس نے کمی رکھّی ہے
آہِ مظلوم میں بارود بھری رکھّی ہے
اتفاقات سے گو آج ٹلی ہے یہ بلا
جنگ دُنیا کے مقدر میں دھری رکھّی ہے

نخلِ ظلم و جور کا لایا ہے پھل ردِ عمل
ڈال دے گا امنِ عالم میں خلل ردِ عمل
کاٹتا ہے کھیت یورپ اپنا ہی بویا ہوا
ہو رہا ہے یہ عمل کا آج کل ردِ عمل

زباں منہ میں ہر اک حامیٔ عدل و داد کی بسی دی

کسی کو ڈانٹ اصلی دی کسی کو ڈانٹ فرضی دی

ہر اک معصوم قاتل کے حواس و ہوش پرّاں ہیں

کچھ ایسی رنگ کو یورپ میں ہر ہٹلر نے دھمکی دی

روس کی جمہوریت نے تاؤ دکھایا زور کا

خیال تقسیم فلسطین پر گیا بلفور کا

جرمنی کی ایک ہی فوجی نمائش دیکھکر

رنگ پھیکا پڑ گیا ہر اک سیاسی چور کا

تو کیا سیاسیین برطانیہ اس حقیقت کبری سے بے خبر تھے ؟ کہ دنیا تباہ ہو جائے گی ہم بھی تیار نہیں چلو جرمنی کو راضی با ضی کر لو اور اپنے دماغوں سے تفوق اور سیاسی برتری کا خیال ایمانداری کے ساتھ نکال دو چلو چھٹی ہوئی اگر برطانیہ کو اس صلح میں امن عالم کی خاطر کچھ گانٹھ سے دینا بھی پڑتا تو وہ اتنا نہ ہوتا جتنا جنگ کے نقصانات اسے برداشت کرنے پڑے حتی کہ آج پیچ اگر پوچھا

کسی کو ڈانٹ اصلی دی کسی کو ڈانٹ فرضی دی
ہر اک معصوم قاتل کے حواس و ہوش پراں ہیں
کچھ ایسی زینگ کو یورپ میں ہٹلر نے دھمکی دی

روس کی جمہوریت نے تاؤ کھایا زور کا
خیال تقسیم فلسطیں پر گیا بلفور کا
جرمنی کی ایک ہی فوجی نمائش دیکھکر
رنگ پھیکا پڑ گیا ہر اک سیاسی چور کا

تو کیا سیاسئین برطانیہ اس حقیقت کبری سے بے خبر تھے ؟ کہ دنیا تباہ
ہو جائے گی ہم بھی تیار نہیں چلو جرمنی کو راضی با ضی کر لو اور اپنے دماغوں سے
تفوق اور سیاسی برتری کا خیال ایمانداری کے ساتھ نکال دو چلو چھٹی ہوئی
اگر برطانیہ کو اس صلح میں امن عالم کی خاطر کچھ گانٹھ سے دینا بھی پڑتا تو وہ اتنا
نہ ہوتا جتنا جنگ کے نقصانات اسے برداشت کرنے پڑے حتی کہ آج پیچ اگر پوچھا

جاپان کا اعلان جنگ اور ایشیائی محاذ

۸؍دسمبر ۱۹۴۱ء کو ٹھیک ۷ بجے جاپان نے برطانیہ اور امریکہ کے خلاف
اعلانِ جنگ کر دیا۔ ایک مدت سے جاپان کا بڑھتا ہوا اقتدار اینگلو امریکن اور
روس کی نظروں میں کانٹوں کی طرح کھٹکتا رہا۔ اس کی تجارت پر بے جا قیود عائد
کیے جاتے تھے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا جا رہا تھا۔ ایشیائی طاقت ہونے کی
حیثیت سے یورپ اور امریکہ اسے ایک خطرہ عظیم (زرد خطرہ) سمجھے ہوئے تھے
جاپان کے خلاف اس وقت جبکہ برطانیہ اور اس کی دوستی بھی چین کو امداد
پہونچانے کی خاطر برما روڈ کھول دیا گیا جس سے اسے چین کے جنگی معاملات میں
بہت کچھ نقصان برداشت کرنا پڑا تھا۔ اس لئے "مرتا کیا نہ کرتا" کے مقولے
پر عمل پیرا ہو کر جاپان نے اپنی سلامتی اسی میں سمجھی کہ اتحادیوں کے خلاف اعلان
جنگ کر دے۔ کیونکہ جرمنی کا پلہ یورپ اور افریقہ میں بھاری تھا اور اتحادی
ہر طرف مار کھا رہے تھے۔ یہی نہیں بلکہ روس جیسا اس کا پرانا دشمن اب جنگ میں

شامل ہو چکا تھا جس پر جرمنی نے ۲۲ جولائی ۱۹۴۱ء کو اچانک دھاوا بول دیا۔
جب تک روس جنگ میں شریک نہ ہوا تھا جاپان کو بھی روس کی طرف سے
منچوریا کے محاذ سے خطرہ نظر آرہا تھا۔ جاپان اور روس ایک معاہدے NON
AGGRESSION کی رو سے عارضی طور پر اطمینان حاصل کر چکے تھے مگر کھوٹ ان
کے دلوں میں ضرور تھی جرمنی کی جنگ کے بعد جاپان مطمئن ہو گیا اور اس نے
اعلان جنگ کر دیا۔

جاپان کی سب سے بڑی ۲ غلطیاں

جاپان کے ہتھیار رکھ دینے کے بعد ۱۹۴۵ء کے آخر میں

جاپان کے خلاف روس کے اعلان جنگ پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا
ہے کہ ۱۹۴۱ء میں روس کے دل میں کھوٹ تھی جاپان کے دل میں نہیں اگر
اس کے دل میں کھوٹ ہوتی تو وہ بھی اس پر اسی وقت حملہ کر دیتا جب روس
بری طرح جرمنوں کے ہاتھوں پٹ رہا تھا اور جرمنی عساکر قاہرہ برق رفتاری
کے ساتھ اسٹالن گراڈ کے دروازے پر دستک دے رہے تھے اگر جاپان نے
اس وقت حملہ کر دیا ہوتا تو روس کو چھٹی کا دودھ یاد آجاتا۔ ایشیا اور یورپ
کے طویل محاذ پر بیک وقت صحرائے سائبیریا کو عبور کرتے ہوئے سلسلہ رسل و رسائل
قائم رکھنا معمولی بات نہ تھی۔ جاپان کا تو گھریلو معاملہ تھا۔ جرمنی دباؤ کا زور
اس طرف اس کے پائے استقامت میں ضرور لغزش پیدا کر دیتا اور یوں اس
جنگ کا نقشہ ہی بدل جاتا۔ یہ بدقسمت جاپان کی پہلی سب سے بڑی غلطی تھی۔
دوسری غلطی :- اس نے یہ کی کہ اچانک پرل ہاربر پر حملہ کر کے آ بیل مجھے مار

امریکہ کو اپنا دشمن بنالیا۔ ساتھ ہی آسٹریلیا کی وسیع میدانی اور جنگلاتی زمین پہ قبضے کا خواب دیکھتے ہوئے اس پہ بھی دھاوا بول دیا۔ اگر امریکہ کو نہ چھیڑا جاتا تو شاید اس کی طاقت کچھ مفید نتیجہ پیدا کرتی اور اس طرح جرمنی بھی اس سے فیضیاب ہو سکتا تھا۔ نیز بحرالکاہل میں اس کی سمندری طاقت یوں ضائع سے نہ صرف ہوتی۔



جن کی بساطِ رزم کا مہرہ کبھی پٹا نہ تھا
اُن کی سیاسی چال کی رجعت قہقہری بھی دیکھ
(مشتاق)

انخلائے برما کی تیاریاں

"چور کی ڈاڑھی میں تنکا ایک مشہور مثل ہے جو سراسر برطانیہ پر صادق آتی ہے ابھی جبکہ جاپان نے ضابطہ کے مطابق اعلان جنگ نہیں کیا تھا۔ برطانیہ نے یہ یقین کر لیا کہ جاپان جنگ میں ضرور حصّہ لیگا اور اسے جنگ میں گھسیٹا جائے کیونکہ مسٹر چرچل کے سیاسی اعتقاد کے مطابق لمبی جنگ اور دور دراز ملکوں پر قبضہ" آگے چل کر شکست پر منتج ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے موقع پر برطانیہ کا شرق بعید کے بعض ممالک سے ری ٹریٹ "RETREAT" یا پسپائی - ضروری ہے اس نے کئی مہینوں پیشتر انخلائے رنگون کی تیاریاں شروع کردیں۔ بلیک آؤٹ کی مشقیں ہونے لگیں۔ رضاکار بھرتی کئے گئے شہر کو خالی کرانے والی ایوکیوئیشن کمیٹی EVACUATION COMMITTEE عالم وجود میں آئی جس کے افسرِ اعلیٰ مسٹر مارش سابق ڈپٹی کمشنر آف پولیس تھے اور ممبر مسٹر طیب جی۔ ایم۔ بی۔ ای۔ تھے (یہ خطاب انہیں ہندوستان چھ

شاید کامیاب انخلائے برما کے صلے میں ملا ہوگا) راقم الحروف بھی اس کمیٹی کا ممبر رہ چکا تھا۔ مذکورہ کمیٹی نے پیٹ بھر کر جاپان کے مظالم کا ڈھول پیٹا اور خوب خوب اس کی سفاکیوں کا اظہار کیا اور وہ کامیاب پروپیگنڈا کیا۔ کہ ان کے پروپیگنڈے سے تمام پبلک میں جاپانیوں کے خلاف ڈر اور خوف پیدا ہوگیا نہ صرف یہی بلکہ ساتھ ساتھ برطانیہ کی کمزوریاں بھی لوگوں پر واضح ہوگئیں اور لوگ ایک ہی ۲۳ر دسمبر کی بمباری کا منظر دیکھ کر جبکہ ساٹھ لڑاکا اور تیس بمبار طیارے حملہ آور ہوئے تھے جس سے دو ہزار ہلاک اور تین ہزار کے قریب آدمی زخمی ہوئے تھے۔ ۲۵ر دسمبر کو پھر ہوائی حملہ ہوا جس میں انتی بمبار اور تین لڑاکا جہازوں نے حملہ کیا اور ہزاروں ہلاک و مجروح ہوئے ان دنوں میں ۳۵ کے قریب لڑاکا اور بمبار طیارے تباہ کئے گئے۔)

لوگ ایسے سراسیمہ ہوئے کہ خدا کی پناہ کسی کو تن بدن کا ہوش تک نہیں رہا۔ پبلک ذہنیت ایسی خراب ہوگئی MORAL کہ لوگ سر پر پیر رکھ کر بھاگتے نظر آئے۔ کسی کو اپنے پرائے کی خبر تک نہ رہی۔ مال و دولت گھر بار بال بچے دوکان اور مکان سب چھوڑ چھاڑ جاپانی ہوّا سے خوفزدہ ہو جس کے جہاں سینگ سمائے بھاگا اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا جاپانی دور میں بھی تو برٹش بمباریاں ہوتیں تھیں۔ بمباری بھی ایسی جس کی مثال کمیاب ہوگی۔ مگر اس دور میں لوگ اتنے سراسیمہ تو ہرگز نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اسے روزانہ معمول سمجھ کے برابر اپنے اپنے کاروبار میں مشغول رہا کرتے تھے۔ آخر ۲۳ر دسمبر کی جاپانی بمباری میں ایسا کیا دھرا تھا کہ لوگ اس قدر پریشان

ہوگئے۔ بات تو صرف یہ تھی کہ "نادان دوستوں نے" بڑی بےقاعدگی
سے اس کا پروپیگنڈا کیا تھا۔ جس سے پبلک کے دل چھوٹ گئے اور
ان کی نظروں سے برطانیہ کی حکومت کا رعب وداب اُٹھ گیا۔ ورنہ اگر
پبلک MORAL قائم رہتا اور برطانیہ جس کی کافی فوج اور ساز و سامان
برما میں تھا کچھ دنوں اور ڈیفنس کرنا چاہتی تو یہ کوئی بڑی بات نہ
تھی۔ کیونکہ آگے موسم برشگال آرہا تھا۔ جس میں جاپانی فوج کو قطع
مسافت میں طرح طرح کی دشواریاں حائل ہوتیں۔ اور اتنی آسانی
سے برما پر ان کا قبضہ نہ ہو جاتا۔ یہ سب ان مہربان دوستوں کی بیوقوفی
اور ناسمجھی کا نتیجہ ہے جو پبلک MORAL خراب کرکے جاپانیوں کے حق میں
مفید پروپیگنڈا ہوا۔

جاپانیوں حق کے حق میں پروپگیڈا } جس کا یہ اثر ہوا کہ لوگ بھاگ رہے تھے
اور بے تحاشا بھاگ رہے تھے۔ بزدلی اور کم ہمتی کا یہ عالم کہ جان
کے خوف سے بچ کر راستے کے مصائب سے جان جانے کا خیال تک
دل میں نہ آنے دیا۔ اپنی تمام عمر کا اندوختہ محنت ومشقت اور پسینے
کی کمائی چھوڑ کر سہ

نہ سدھ بدھ کی لی اور نہ منگل کی لی
گھروں سے نکل راہ جنگل کی لی

ایک طرف بحری راستہ تھا تو دوسری طرف خشکی کی راہ تھی۔ جہاز راں کمپنیوں کی لوٹ کا تو ذکر ہی کیا۔ ان کے دلال اور کمیٹی کے ممبروں کے ایجنٹوں نے وہ وہ ہاتھ رنگے کہ ان کی سات پشت کے کھانے کمانے کا انتظام ہو گیا۔ غریبوں کا وہاں کہاں گذر، نوٹوں کے بنڈلوں کی جھاں پوچھاڑ ہو رہی ہو؟ پانچ پانچ اور دس دس ہزار روپے" اگن پوٹ دیوتا" کے درشن پر بھینٹ چڑھائے گئے اور " پجاری جی" سواہا ! سواہا !! کہتے ہوئے بلا ڈکار ہضم کر گئے۔ دھن وان یاتری کے درشن میں دیر نہ لگی۔ مارواڑی طبقہ۔ چٹیار طبقہ۔ جوہری طبقہ اپنی نیا کو پار لگا گیا۔ اور جاپانی دور میں ان میں سے" تبرک اور پرشاد" کے لئے بھی ڈھونڈھنے سے کوئی نہ ملتا تھا۔ واہ رے سونا دیوی کی بلہاری! لچھمی دیوی کے روپ سے اچھے اچھے" پاک اور پوتر" نیک اور بڑے بڑے طیب و طاہر پاکباز" اپنا ایمان چھوڑ بیٹھے اور خدا کی غریب مخلوق کو سسک سسک کر جان دینے کے لئے چھوڑ دیا۔

جٹیوں پر مخلوقِ خدا کا اضطراب

ایک دُنیا تھی کہ جٹیوں پر امنڈ آئی تھی، ضعیف، عورتیں بچے، اپاہج۔ امیر غریب الغرض ہمہ قسم کے خوفزدہ انسان۔ ہر طبقے اور ہر قوم کے گھبرائے ہوئے افراد نہایت بے چینی اور ریل پیل کے ساتھ جٹیوں میں داخل ہونے کی کوشش کرتے تھے سب یہی چاہتے تھے کہ میں ہی سب سے پہلے پل میں داخل ہو جاؤں۔ کوئی آہ اور کوئی ہائے

گرتا ہوا پیچھے ہٹتا مجمع ایک دوسرے پر گرتا ہوا وہ جا پہنچا یہ کیوں؟
اس لئے کہ پولیس اور خصوصاً گورا سارجنٹ نہایت بے دردی کیساتھ
مجمع پر لاٹھی چارج کر رہے تھے۔ کسی کا ہاتھ ٹوٹا کسی کے پاؤں بیکار
ہو گئے کسی کا سر پھٹ گیا اور چہرہ لہو لہان ہو گیا۔ مگر مجمع ہے کہ جان کی
سلامتی اور جاپان کے خوف سے اس جہاز کو ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتا
تھا۔ اس ریل پیل میں کسی کا بستر غائب، کسی کا صندوق لاپتہ کوئی اپنے
ٹرنک ہی کی تلاش میں زمین جھانک رہا ہے تو کوئی اپنی جیب کے کٹنے
پر "گرہ کٹ اور پاکٹ مار کو دعائیں دے رہا ہے۔ کوئی جہاز پر تو سوار
ہے مگر ٹرنک اور صندوق نیچے ہے۔ کسی حالت میں بھی وہ نیچے اُتر
نہیں سکتا۔ قلی اور مزدور کا پتہ کہاں؟ جو سامان نہ اُٹھا سکا لے گیا
دوسرے سامان کو لینا چاہتا ہے مگر مجبور ہے۔ جہاز کا لنگر اُٹھا اور سامان
جیٹی ہی پر رہ گیا۔ بعضوں کے لاکھوں کے زیورات، ہزاروں روپے
نقد صندوقوں میں تھے۔ مگر دیکھتے دیکھتے جہاز جیٹی سے دور ہوتا گیا
کسی نے سر پیٹ لیا۔ کسی نے سینے پر دو ہتڑ مارے اور ایک ٹھنڈی سانس
لیتے ہوئے سینے پر صبر کا سل رکھ دیا اور یوں تڑپتا اور حکومت کے کارندوں
کو تو تو صلواتیں سناتا ہوا روانہ ہو گیا۔ جو جہاز پر سوار ہونے سے رہ گئے
وہ لاٹھی چارج کا شکار ہوتے رہے۔ اپنے بکھرے ہوئے سامان کو ڈھونڈھنے
میں بھی ٹھوکریں کھاتے رہے ؎

کوچۂ جاناں سے عاشق یوں نکلوائے گئے۔ اک کی پگڑی رہ گئی اور اک کا بستر رہ گیا

لاکھوں کے ہن برس گئے۔ جب کہیں جا کر جہاز تک پہونچنے کی نوبت آئی اور اگر آئی بھی تو کن کن مصیبتوں کے ساتھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اِسے انقلاب کا کرشمہ کہوں کہ بے وقوفی کا خمیازہ؟ اور سنیئے ایسے بھی اتفاق ہوئے ہیں کہ اِدھر جہاز کے انتظار میں مخلوق خدا جمع ہوئی ہے۔ اور اُدھر آسمان پر ہوائی جہاز نے گن گن کرنا شروع کر دیا۔ کچھ نہ پوچھئے پھر جو حالت ہوئی ہوگی۔ زبانِ قلم اس کا نقشہ کھینچنے سے عاجز ہے قارئین ہی اس کا تصور کر لیں کہ اِس مجمع کا کیا حال ہوا ہوگا۔ بمباری شروع ہو گئی ہے۔ مشین گن کی آوازیں آ رہی ہیں وہ تو خیر ہوئی کہ جیٹی پر اس وقت بمباری نہیں ہوئی۔ مگر اِس ریل پیل ہی میں سیکڑوں زخمی اور متعدد انسانوں نے اپنی جانیں دیدیں۔

ایک افسوسناک واقعہ } راقم الحروف خود بحیثیت ممبر کمیٹی کے ایک معزز خاندان کو لیکر جیٹی تک اس اُمید میں آیا کہ اگر ٹکٹ مل جائے اور کسی صورت سے کامیابی ہو تو میں ان کو جہاز میں سوار کرا دوں۔ میں انہیں بار اسٹریٹ کے نکڑ پر (جہاں لاک آپ ہے) بٹھا کر انتظام میں مصروف تھا کہ ناکامی کے باعث خیال آیا کہ مسٹر ہنچیس (HACHINS) انڈیا ایجنٹ برائے برما سے ملکر کچھ اس کا انتظام کروں کیوں کہ مسٹر موصوف سے کمیٹی کے سلسلے میں میرا تعارف تھا اور مجھے پوری امید تھی کہ حسب منشاء میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ یہ طے کر کے میں ان کے بنگلے پر گیا جو جیٹی سے تقریباً ۴ میل دور تھا۔ میں اِن سے ملا

مگر مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں نے بجائے ایک انگریز افسر کے اخلاق میں ان کو ایک بدترین جاپانی سے زیادہ درشت بے رحم اور خود غرض پایا۔ ابھی میں ان کے بنگلے سے مایوس ہو کر دو سو گز دور ہی پہونچا تھا کہ سائرن (خطرے کی گھنٹی) ہو گئی اور آسمان پر جاپانی طیارے منڈلاتے ہوئے نظر آئے۔ میں گھبرایا اور مجھے ان لاچار انسانوں کا خیال پیدا ہوا۔ جنہیں میں جٹی پر بے یار و مددگار چھوڑ آیا تھا۔ آخر گرتا پڑتا بھاگم بھاگ جٹی کی طرف چلا۔ نہ گاڑی نہ موٹر نہ سواری بڑی مصیبت سے راستہ طے کر رہا تھا کہ جب جٹی سے کچھ فاصلے پر پہونچا تو ایک بندۂ خدا نے مجھے اپنی گاڑی میں سوار کر لیا۔ اور منزل مقصود تک پہونچا دیا۔ مگر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں ہے اور لوگ پریشان کوئی سڑک کے کنارے کوئی درخت کے نیچے اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ پولیس کورٹ کی عمارت میں گھس گئے ہیں۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی گرہ بڑ بھگدڑ الٰہی کیا کیا جائے تلاش کر رہا ہوں آوازیں دے رہا ہوں۔ ان عورتوں اور بچوں کا کہیں پتہ نہیں۔ کروں تو کیا کروں ؟ سخت پریشان اور بے حد حیران تھا۔ سیکڑوں انسان زخمی ہو گئے تھے ہزاروں کا سامان غائب ہو چکا تھا۔ کوئی اور ادنہ وظائف میں مشغول کوئی ہائے واویلا کرتے ہوئے رو رہا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے آل کلیر (ALLCLEAR) ہوا۔ جان میں جان آئی آوازیں لگائیں اور ڈھونڈھنا شروع کیا بدقت

تمام کسی کو کہیں پایا۔ کوئی بچہ کہیں کونے میں دبکا رو رہا تھا۔ ان لوگوں کی حالت میں نے جو غیر دیکھی تو خود مجھ سے نہ رہا گیا اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اس دھکا پکی میں ان کو چوٹیں بھی آئیں تھیں۔ اب جو پہلا لفظ ان کے منہ سے نکلا وہ یہ تھا کہ " اس مصیبت سے تو یہیں مرجانا بہتر ہے" آخران لوگوں نے برما ہی میں رہنے کی ٹھان لی۔ یہ دیکھ کر میں نے ان کی واپسی کا انتظام کرنا چاہا۔ اب سواری نہیں مال و اسباب کیسے لے جایا جائے۔ بارے خدا کا شکر ہے کہ میرے ایک دیرینہ دوست مسٹر شیخ محمد بشیر مالک برما ربر ورکس سے ملاقات ہو گئی اور وہ اپنی موٹر میں ساتھ آئے اور امداد فرمائی۔ جب کہیں جاکر یہ گروپ گھر واپس آیا۔ اور دوبارہ ہندوستان کی روانگی کا قصد کیا۔ بحمد للہ وہ خاندان جاپانی دور میں بھی صحیح و سالم رہا اور آج تک خدا کی حمد و ثنا کے گیت گا رہا ہے۔

ایس۔ اے طیب جی اور یعقوب گورا باوا } اسی طرح ایک اور واقعہ گذرا ہے جو بے حد قابل افسوس ہے

مسٹر گورا باوا جو برما کے ایک مشہور شاعر اور قومی ورکر ہیں۔ ان کے خاندان کے لئے بھی جب جہاز کے ٹکٹ کے سلسلے میں مسٹر طیب جی صاحب سے امداد طلب کی گئی تو انہوں نے بھی وہ طوطا چشمی اختیار کی اور ایسے جوابات دیئے جو ایک افسر اور وہ بھی ایک میدان قومی کے ساتھی کے حق میں بے حد افسوسناک اور غیر ذمہ دارانہ تھے۔ جاپانی افسروں کی ورشنی کا پروپگنڈا

کرنے والوں کو ذرا گھر کی خبر لینی چاہیئے کہ وہ ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے
اسی روز راقم الحروف نے خود دیکھا کہ لوگوں کے ایک مجمع نے ٹکٹ
نہ ملنے اور ان سے بدسلوکی ہونے پر ان کی آفس پر پتھراؤ شروع کر دیا۔
مگر ہیں نے مجمع کو سمجھا بجھا کر ان کی خفگی دور کی تھی۔ افسوس کہ گورا باد واقع
تیس چالیس مہاجرین کی معیت میں پیدل ہی ہندوستان روانہ ہو گئے۔
خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ان لوگوں پر کیا کیا گذری۔

خشکی کی راہ سے روانگی وطن کا عزم

"جاپانی ہوئے" کے پروپیگنڈے سے مسحور
ہو کر ان مایوس انسان کا یہ عزم نہایت خوفناک اقدام کہلائے گا۔ مصیبت
کے مارے گھبرائے ہوئے لوگوں کا حسرت نیاس سے اپنے اپنے چھوڑے ہوئے
اندوختہ کو مڑ مڑ کر دیکھنا۔ ضروریات زندگی کیلئے سامان ساتھ لینا۔ سفر
کی تکالیف کا تصور، دوست احباب سے جدائی۔ اپنی کس مپرسی۔
عاقبت کا خیال کیا لیں اور کیا چھوڑیں؟ یہ ایسے مسائل تھے جو سوہان
روح بنے ہوئے تھے۔ ہر انسان غم کا پیکر اور فکر کا مجسمہ بنا ہوا تھا۔
اچھے اچھے جی ارے چھوڑ چکے تھے۔ ایک کو دیکھ کر دوسرا پریشان ہو رہا تھا
چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ہوش و حواس جواب دے چکے تھے
کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ ایک دوسرے
سے پوچھتا تھا کہ "اب کیا کرنا چاہیئے" کس راستے سے چلیں۔ تم چلو یا
مت چلو ہم لوگ تو جا رہے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ یہی دو چار سوالات

وجوہات تھے جو مختلف موقعوں پر ہر ایک کی زبان سے سنے جاتے تھے۔
عوام کا تو ذکر ہی کیا۔ اچھے اچھے ذہین و طباع۔ سیاست حاضرہ کے مبصر اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ ہر مسئلے پر نقد و تبصرہ کرنے والے صحیفہ نگاروں تک کو خدا یاد آ رہا تھا۔ کم سے کم "غلط یا صحیح" پروپیگنڈا ہو تو ایسا ضرور ہو مجھے تو اپنے ان دوستِ کرم فرما صحافی دوستوں کا جب خیال آجاتا ہے جو سیاسی بصیرت اور معاملہ فہمی کے شعور میں ممتاز اور شیر صفت دل و جگر کے مالک تھے تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ وہ بھی جاپانی ہوّے کے کابوس سے سٹ پٹا گئے۔ بمباری سے پہلے تو ان کا فخریہ کا قول تھا کہ جب تک رنگون میں ایک بھی انسان رہے گا اخبار بھی جاری رہے گا۔ مگر ان کا قول نبھ نہ سکا۔ اور وہ بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی رختِ سفر باندھ چکے ہیں۔ دیگر انسانوں کی مصیبتوں کے ساتھ ساتھ ان پر گذرے ہوئے مصائب کا بھی رنج ہے۔ مگر بحمد اللہ آج جب ان کے منھ سے ہم یہ سنتے ہیں کہ ہم برما ہی میں رہ جاتے تو اچھا تھا" تو پھر ہمیں اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ انھوں نے بہت جلد اسے تسلیم کر لیا۔ مگر یہ جلدی ان کے لئے مفید ثابت نہ ہو سکی۔ جب ہم نے ان کی اور دوسروں کی مصیبتوں کا ذکر سنا تو خدا سے اپنے گناہوں کی توبہ کی۔ خشکی کے راستے سفر کرنا اور ایسے ماحول میں العیاذ باللہ، سامان سفر مستورات کی بے پردگی بچوں کی پریشانی۔ خوراک کی کمی۔ پانی کی قلت۔ خدا کی پناہ!

خشکی کے تین راستے } لوگوں نے ایک راستہ رنگون سے پروم کی طرف کا اختیار کر لیا تھا۔ جہاں سے "تانگپ ۱۲۵ میل

پیدل یا چھکڑے میں جایا جاتا ہے بھلو جہاں سے کشتی میں اکیاب اور پھر بودی ٹھوانگ اور منگڈو سے چاٹ گام تک رسائی ہوتی تھی۔ دوسرا راستہ بکو کو سے کلیو اکسم ہوتے ہوئے امپھل اور منیپور (جیبا) سے گیا ہوا تھا۔ اِن راستوں کی تکالیف کا بیان تو ایک طرف اس کے تصور سے بھی آج اِن جانے والوں کے دماغ خراب ہو جاتے ہیں۔ صحیح سلامت پہنچ جانے والے اسے ایک معجزانہ امداد اور تائید غیبی سمجھتے ہیں۔ ورنہ یہ وہی راستے ہیں جہاں ہزاروں کی تعداد میں انسان فنا کے گھاٹ اتر گئے۔ لاشوں کے ڈھیر کے ڈھیر راستے میں پڑے ہوئے نظر آتے تھے۔ نیم جان اجساد تڑپ تڑپ کر زندوں کو ادھ موا بناتے رہے۔ چھکڑے اور پیدل انسان لاشوں کو روندتے ہوئے رستے کاٹتے تھے۔ پانی کی پیاس سے زبانیں باہر نکلی جا رہی تھیں آخر انسان اپنے پانی کا بھی کتنا ذخیرہ رکھے اور پھر انسان بھی وہ جو غریب ہو مزدور طبقے کا معمولی آدمی ہو۔ جس کے پلّے پانچ روپے نہ ہوں جو سب کچھ چھوڑ چھاڑ جان کی خیر منانے چلا ہو۔ جہاں پانی کا ایک کنستر (ٹین) پچاس پچاس اور سو سو روپے پر بھی دستیاب نہ ہوتا ہو۔ نقدی کے علاوہ زیورات بیچ بیچ کر لوگوں نے زادِ راہ حاصل کی ہو۔ سونے کی قیمت فی تولہ آٹھ اور دس روپے ہوں۔ پھر سب کچھ کھو چکنے کے بعد اس قدر طویل سفر کی مشکلات کا اندازہ اگر کیا جائے تو اس کی فکر ہی انسان کے لئے وبال جان ہو جاتی ہے۔ پانی کی خرابی اس میں ملیریا کی جراثیم کی شمولیت، عفونت، گندگی، بھوک، پیاس طرح طرح کے متعدی امراض

پلیگ، ہیضہ، نمونیہ، فالج و جنگلی بخار، ملیریائی بخار یہ تمام خدائی قہر کے نمونے ملک الموت کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ جس کے پنجے میں آکر کم و بیش ڈیڑھ لاکھ آدمی فنا کے گھاٹ اتر گئے اور لاپتہ ہو گئے مجموعی حیثیت سے شاید برما کی تمام بمباری میں بھی اتنے انسان ضائع نہیں ہوئے تھے۔ جتنے ایویکویشن کمیٹی کے نادان پروپگنڈسٹوں کی کوتاہ فہمی کا شکار ہو گئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں، لاکھوں بچے یتیم ہو گئے۔ مگر آہ ان کے سیاہ قلوب پر اس کا کوئی اثر نہیں۔ ان مظلوم انسانوں کی معصوم روحیں برما اور ہندوستان کی انجیں سرحدی راستوں میں بھٹک رہی ہیں اور ان ظالم اور سفاک حکام کی نجات ابدی کا راستہ روک رہی ہیں۔ کیا ان مظلوموں اور معصوم بے گناہوں کا خدا یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھتا رہے گا۔ کیا روپے لے لیکر امیروں کو ٹکٹ دینے والے فرعون دو دن کی خدائی کر کے اپنا اقتدار اور اپنی جاہ و حشمت برقرار رکھ سکیں گے؟ کیا ان مظلوموں کے پس ماندوں کی ہائے ہائیں ان بد دماغ حکام پر اثر انداز نہ ہوں گی۔ کیا ان کی آہیں خالی جائیں گی؟ کیا وہ ہمیشہ پھولتے پھلتے ہی رہیں گے؟ کیا ان کو اپنے گناہوں کا کفارہ ادا نہ کرنا پڑے گا؟ پڑے گا اور انشاء اللہ ضرور پڑیگا۔

نہ جا اُس کے تحمّل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اُس کی
ڈر اُس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اُس کا

ہوائی جہازوں سے سفر

دوسری طرف امراء کا بہت بڑا حصہ ہوائی جہازوں سے برما کی طرف روانہ ہو رہا تھا
جن غریبوں کو بحری جہاز کا منہ تک دیکھنا نصیب نہ تھا، خشکی کی راہ منہ
پھاڑے ہوئے اژدہے کی طرح ان کو نگل رہی تھی۔ ان بے چاروں
کے مقدر میں ہوائی جہاز کا شاہانہ سفر کہاں، یہ تو بڑے بڑے افسران اور
سیٹھ ساہوکاروں کی سواریاں تھیں انہی کی ہوا انہیں لگے بھی تو کیسے
لگے۔ جوہریوں نے قیمتی ہیروں کا بٹوا کمر میں دبایا، چٹیاروں نے ہنڈیوں
اور (ondemans) تمسکات کا بستہ بغل میں مارا۔ باقی رہی دھان
کھیتیاں وہ کون سر پر اٹھائے لے جائے گا۔ لوٹ بھی ہو گی تو زمین اپنی جگہ پر
ہی رہ جائے گی۔ سودی لین دین کرنے والے مارواڑیوں کا بھی یہی حال
رہا۔ جائداد تو پھر بھی کچھ سلامت رہ جائے گی۔ نقدی اٹھائی مال اونے
پونے بیچ باچ ہوا سے باتیں کرتے ہوئے نظر آئے۔ رہ گئے تو کپڑے کے
بیوپاری۔ لوہے کے تاجر۔ جائداد اور ملکیت والے جو اتنا بھاری بھرکم
اثاثہ لے جانے سے مجبور تھے اگر دولت کی محبت چھوڑ جان پیاری سمجھی
جائے۔ تو فقیر اور کوڑی کوڑی کے محتاج ہونا پڑے گا۔ ان عقلمندوں میں
زیادہ تر مسلمان تاجر تھے جو گھبراہٹ اور سراسیمگی میں۔ جان بچی لاکھوں پائے
ہاتھ خالی گھر کو آئے۔ بہرحال لکشمی دیوی کا بول بالا تھا، اور غریبی کا
منہ کالا ہوا البتہ اس سلسلے میں میں اپنے ایک دیرینہ دوست کا ذکر نہ
کروں تو بے جا ہوگا۔ مسٹر حبیب یعقوب عبدالغنی صاحب جو ایک زندہ دل و[illegible] تھے۔

نوجوان ہیں اور جن کی قومی خدمت اور نیک دلی مشہور ہے۔ انھوں نے سیکڑوں غریبوں کی امداد جہازی ٹکٹ کے سلسلے میں کی تھی حکام سے مل کر اور دیگر ذرائع سے بھی ان کی خدمت مفید ثابت ہوئی۔ خدا انکو جزائے خیر دے۔ مگر خوردہ جہاز سے نہ جا سکے اور خشکی کی راہ سے اپر برما پہونچ کر کسی صورت سے بخیریت وطن پہونچ گئے۔

الغرض کچھ لوگ وطن پہونچے بھی تو تباہ حال پریشان روزگار تھے مہاجرین مصیبت کے مارے جنگلوں میں برما قوم کے جنگلی باشندوں کے ہاتھ سے بھی خوب لٹے۔ مال و اسباب تو ایک طرف تن کے کپڑے بھی جن کے بچ گئے وہ خوش نصیب تھے۔ لٹیروں کے ڈاہ (یہ ایک تلوار سے دو تین انچ چھوٹا دھار دار آلہ ہو جو ملک برما میں بہت زیادہ مستعمل ہے) سے بھی سیکڑوں ہزاروں ذبح کر دیئے گئے۔ اور اس ناگفتہ بہ حالت تک پہونچ گئے کہ ان کا وطن جانا نہ جانا دونوں برابر تھا۔

ایک دلچسپ لطیفہ ان ایام میں جب کہ رنگون میں ہر طرف بلیک آوٹ (BLACOUT) بھی اندھیر گھپ ہو رہا تھا۔ رنگون میں "اندھیر نگری تھی" پھر بھی ہوٹلوں میں کچھ کچھ چہل پہل ضرور تھی۔ ریڈیو سُنے جاتے تھے۔ گرامو فون سے دل بہلایا جا رہا تھا۔ میرا گذر ایک ہوٹل کی طرف ہوا جہاں میرے ایک" دیرینہ کرم فرما" سی۔ آئی۔ ڈی کے افسر صاحب بھی مع اپنے چند مخبروں کے تشریف فرما تھے۔ اور ان کی خاص فرمائش پر ریکارڈ "موہن نہیں آئے۔ موری اٹریا

ہے سونی۔ موہن نہیں آتے۔ من کی اپیر ہوئی دونی۔ موہن نہیں آئے۔ برسات کی رُت ہے۔ ساون کا مہینہ۔ مادھو بنا کیسے ہو جینا۔ آؤ جی آؤ جی۔ موہن نہیں آئے"۔ بج رہا تھا اور وہ جھوم رہے تھے۔ میں نے پھوپچ برجستہ کہا۔ کہ بھائی موہن آئیں گے اور ضرور آئیں گے۔

کاکیشیا سے چل پڑے ہیں اور موہن و کٹوریہ پوائنٹ کے راستے آنے ہی والے ہیں۔ یہ سن کر ان کا منہ توفق ہو گیا۔ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ جواب کی برجستگی نے انہیں حیران کر دیا اور یوں بلیک آؤٹ اور انخلاء کے سبب رنجیدہ دلوں میں کچھ دیر کے لئے تفریح کی مسرت پیدا ہو گئی۔ ہاں یہ واقعہ میرے "شاہی مہمان خانے" سے چھوٹ کر آنے کے کچھ مہینوں کے بعد کا ہے۔ جب کہ حکومت برما نے رنگون کے چار اخبار نویسوں کو ڈیفنس آف برما ایکٹ میں نظر بند کر دیا تھا اور بغیر کسی الزام کے ثبوت کے مفت میں ۵ مہینے بائیس دن کی مہمانی کا شرف بخش کر چھوڑ دیا گیا۔ البتہ میزبان مہربان کا شکریہ کہ اس نے اے کلاس کی غیر موجودگی کے سبب اسپیشل کلاس کی مراعات بخش کر ہمیں ہر طرح راحت پہونچائی اور اس طرح انصاف اور عدل پروری" کی لاج رکھ لی ورنہ خدا جانے جنگ کے اختتام پر جو چھٹکارا ہوتا تو ۱۳۰ پونڈ بڑھنے کے بدلے کئی سو پونڈ بڑھ کر اچھا خاصا" اسٹیم رولر" بن گیا ہوتا۔ یہ کرم فرمائی انہیں افسر موصوف کی تھی۔ جو بڑے ہی "اسلام نواز" اور "دوستوں کے دوست" تھے اور اتفاق دیکھئے کہ وہ ہمارے ہی خاندان کی امداد اور عطیات سے تعلیم حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے تھے۔

اور نوکری پر لگ کر" خیرات گھر ہی سے شروع کر دی"۔ تاکہ انہیں کوئی احسان فراموشی کا الزام نہ دے دے۔ انقلاب زندہ باد، بے حیائی پائندہ باد!!

شہر کی عام حالت اب تک شہر میں کچھ چہل پہل ضرور رہتی۔ لین دین اور کاروبار بھی جاری تھا۔ انگریزی آفسیں محکمۂ ڈاک اور تار عدالتیں بکنگ وغیرہ اپنے نظام اوقات کی تبدیلی کے ساتھ کھلے ہوئے تھے۔ اور دوسری طرف ہجرت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ بمباریاں بھی ہوتی رہتی تھیں کہ ۱۵ ؍جنوری کو زبان برق سے خبر پہونچی کہ سنگاپور دشمنوں کے قبضہ میں آ گیا یہ خبر وحشت اثر ایسی نہ تھی کہ لوگوں کے حواس بجا رہتے۔ ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ حکام مایوس اور دل شکستہ ہو رہے تھے اب ہجرت کا زور معمول سے زیادہ بڑھنے لگا۔ رفتہ رفتہ لوگ اپنی پونجی گا نٹھ میں باندھنے لگے بنکوں اور تاروں کی معرفت اپنا روپیہ پیسہ ہندوستان بھیجا جانے لگا مال اونے پونے بکنے لگے۔ جوں جوں دن گذرتے گئے آفسیں عدالتیں اور دیگر محکمہ جات کی تبدیلیاں عمل میں آنے لگیں۔ عدالتوں اور سرکاری ریکارڈز باہر محفوظ رکھنے کے لئے بھیجے جانے لگے۔ اور شہر کی رونق میں کمی ہوتی گئی۔

سنگاپور کا سقوط ملایا پر جاپانیوں کا کامیاب حملہ ہوا اور ۱۵ ؍جنوری ۱۹۴۲ء کو سنگاپور جاپانیوں کے قبضے میں آ گیا یہ وہی سنگاپور تھا جو مشرق میں برطانیہ کا مضبوط ترین قلعہ تھا۔ یہ وہ

بندرگاہ تھی جس پر برطانیہ کو ہمیشہ فخر رہا ہے۔ کروڑوں ڈالر کی لاگت سے اس کی قلعہ بندی کی گئی تھی۔ اس کی مضبوطی کا یہ عالم تھا کہ یہ دُنیا کے چند مضبوط قلعوں میں سے ایک شمار کیا جاتا تھا۔ اس میں لمبے مار کی بڑے بڑے دہانوں کی قلعہ شکن توپیں نصب کی گئیں تھیں۔ اس کی حفاظت کے لیئے سمندروں میں جنگی جہاز نگرانی پر مامور رہا کرتے تھے۔ ہوائی دستے اس کے محافظ تھے اس میں کروڑوں گیلن پٹرول اور دیگر جنگی ذخائر کا اسٹور (STORE) کیا گیا تھا۔ چینی، برطانوی، آسٹریلوی اور ہندوستانی فوجیں لاکھوں کی تعداد میں سنگاپور کی حفاظت کے لیئے اپنا خون بہانے کو تیار کھڑی تھیں۔ اس کی حفاظت کے لیئے برطانیہ کا سب سے بڑا جنگی جہاز "پرنس آف ویلز" بحری بیڑہ "ریپلس" کی معیت میں روانہ کیا گیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ "رنگون گزٹ نے" پرنس آف ویلز پر ایک مقالہ افتتاحیہ سپرد قلم کیا تھا جس کا ٹکڑا یہ تھا کہ آج پرنس آف ویلز کی ہیبت سے بحرالکاہل کے سینے میں بھی خوف کی موجیں لہریں لینے لگی ہیں۔ آج تمام جاپانی امپائر میں زلزلہ پیدا ہو گیا ہے اور برٹش بحری برتری نے دُنیا کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے۔ اب وہ دن دور نہیں جب جاپانی اس کی خوفناک بمباری کی تاب نہ لاکر بحرالکاہل کو خیرباد کہہ دیں گے وغیرہ۔ اس مقالے کی اشاعت کے چند دن بعد خبر آئی کہ بحرالکاہل کا یہ "شہزادہ" سمندر کی تہ میں پہونچ گیا اور ریپلس بھی فنا ہو کر اپنی یادگار چھوڑ گیا۔ مذکورہ بحری بیڑوں کی تباہی سنگاپور کے سقوط پر ختم ہوئی اس وقت ملایا کی برطانوی افواج کی کمان

لفٹننٹ جنرل سر پرسی ول اور جاپانی افواج کی سرداری لفٹننٹ جنرل یاماشیتا کے ہاتھوں میں تھی۔ جو جاپانی افواج کے بہترین جنرلوں میں تھا اور جس کی دھاک تمام مشرق اقصےٰ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آج تک انگریز اس کی جنگی قابلیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ آخرش سر پرسی ول کی فوج نے بلا شرائط ہتھیار رکھ دیئے اور جاپانی رحم و کرم پر جنگ کو ختم کر دیا اور ایک لاکھ سے کچھ زیادہ قیدی اور اربوں روپئے کی مالیت کا سامان ان کے ہاتھ لگا اور اس طرح جزیرہ نما ملایا کا یہ چھوٹا سا خوشنما جزیرہ اور مشرق کا شنوا اور دو سو [۲۰۰] میل رقبے کی قلعہ بندی کا یہ مضبوط شہر جاپانیوں کی تاریخ کو روشن کرتا ہوا ساقط ہو گیا۔ جس سے برما اور دیگر مقامات کے لئے خطرے کا دروازہ کھل گیا۔

اب رنگون صحیح معنوں میں خطرے کی زد میں تھا۔ آہستہ آہستہ جاپانی افواج کامیابی اور فتح کا پھریرا اڑاتی ہوئی ۱۹ر جنوری ۱۹۴۲ء کو تاوائی پر بھی قابض ہو گئی۔ ۳۰ر جنوری ۱۹۴۲ء کو مولمین اور مرتبان ہاتھوں سے نکل گیا۔ اب جنگ رنگون سے قریب تر ہو رہی تھی۔ ۱۰ر فروری کو پیگو پر شدید معرکہ قتال گرم ہوا۔ یہ دیکھ کر صحیح معنوں میں حکام کو فکر لاحق ہو گئی۔ ۲۰ر فروری کو گورنر برما کا حکم نافذ ہوا کہ اڑتالیس گھنٹوں میں رنگون شہر خالی کر دیا جائے۔ اختتام میعاد کے بعد لاریاں، موٹریں، بسیں وغیرہ جس کسی کے پاس پائی جائیں گی جلا دی جائیں گی۔ اس حکم سے لوگوں میں ایک عجیب قسم کی پریشانی اور بوکھلاہٹ پیدا ہو گئی۔ لوگوں نے اس خیال سے کہ پھر سواری ملے یا نہ ملے جس کے جہاں سینگ سمائے بھاگ نکلا

اب تمام نظام درہم برہم ہو گیا اُس کا جرنل پالیسی کے تحت دہ قیمتی شے گودام میں ذخائر دفاتر حتی کہ ہر ایک کام کی چیز تباہ اور برباد کی جانے لگی کسٹم کے گودام لٹوا دیے گئے۔ بڑے بازار میں آگ لگا دی گئی ڈائنا مائٹ سے اسے اور دیگر بعض مقامات کو اُڑا دیا گیا۔ بستیوں کو آگ لگا دی گئی شہر کی پُر رونق گلیاں۔ باہن کا علاقہ۔ کمنڈائن۔ سونکی پوائنٹ، ساحلی علاقے کے مقامات۔ کالا بستی۔ دھوبی لائن وغیرہ جدھر نظر اُٹھاؤ آگ ہی آگ دکھائی دیتی تھی۔ آسمان پر دھویں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اب قتل و غارت گری، لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوا۔ قیدی رہا کر دیے گئے۔ چڑیا خانے کے خونخوار جانوروں کو ہلاک کر دیا گیا گلیوں میں مکانوں پر شاید ہی کوئی قسمت کا مارا نظر آتا تھا۔ ورنہ گلیوں اور سڑکوں پر صرف چور، اچکے۔ لٹیرے بدمعاش، لوٹ مار میں مصروف تھے۔ دھڑا دھڑ مکانوں اور دکانوں کے تالے ٹوٹ رہے ہیں۔ ملٹری خود لوٹ میں مدد دے رہی تھی بلکہ لٹوا رہی تھی اور بعض مقامات پر گولیاں بھی چلا رہی تھی۔

راقم الحروف نے بھی بال بچوں کے ساتھ شہر چھوڑ دیا اور تائنگ کے علاقے میں عزیز ردپ فیکٹری جہاں کچھ لوگ جمع ہوتے تھے اور جو شہر سے ۲½ میل پر واقع ہے پناہ گزیں ہو گیا۔ میرے جیل کے ساتھی محبوب رفیق، یعقوب گورا با وا صاحب بھی مجھ سے بچھڑ کر براہ خشکی پیدل روانہ ہو گئے اور یوں اڑتالیس گھنٹے کا نوٹس ختم ہو گیا۔

اب فوجی سپاہی اور پولیس بھی بے تحاشا پروم روڈ اور رنگون
اسٹیشن روڈ سے بھاگنے لگے ملٹری والے موٹروں اور ٹرکس پر گھبرائے ہوئے
نہایت بدنظمی کے ساتھ کچھ لیا کچھ چھوڑا ناک کی سیدھ رنگون کو حسرت بھری
نگاہوں سے خیرباد کہہ رہے تھے۔ شہر پر فوجی اختیار قائم ہوگیا۔ کرفیو آرڈر
جاری کردیا گیا۔ شہر بھر کی موٹریں لے لی گئیں۔ جو لے جاسکے لے گئے،
راستے میں جہاں خود کسی کی موٹر رکی اس نے اسے وہیں چھوڑا دوسری فوجی
گاڑی میں سوار ایک دو اور تین ہوگئے۔ رنگون سے لیکر پروم تک
ہزاروں موٹر کاریں راستے میں جلی ہوئی پڑی نظر آتی تھیں۔ پیدل جانے
والے غریب وامیر، خصوصاً اوڑیہ۔ مدراسی قلی وغیرہ کا ایک تانتا لگا ہوا تھا
راستے میں سیکڑوں انسان پروم تک پہونچتے پہونچتے بیدم ہوگئے۔ جیل
کے پاس ایک مقام پر سیکڑوں لاریاں اور موٹریں جمع تھیں جن کا ایک
معتدبہ حصہ بعد کو جلا دیا گیا۔ میں ایک مرتبہ وہاں گیا اور دو تین خاندان
کو سوبی مہاجر کیمپ پہونچانے کے لئے گاڑی کی امداد چاہی۔ ایک فوجی
افسر صاحب سے معلوم ہوا کہ وہ اینگلو انڈین طبقے کے لئے مخصوص ہے مگر یہ
ایک بہانہ تھا۔ آخر کسی کے کام وہ نہ آئیں۔ کاش یہ سواریاں لوگوں کو اس
شرط پر دے دی جاتیں کہ جہاں تک چلیں لے جاؤ اور بعد میں جلا دو۔ تو
پھر غریب اور لاچار انسان پیدل چلنے کی مصیبتوں سے نجات پا جاتے اور
حکومت کا مطلب بھی حل ہوجاتا۔ مگر یہ ہوتا کیسے؟ مقدر میں تو یہ لکھا تھا
کہ وہ "اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں سے تباہ کریں گے" (قرآن حکیم)۔

پھر بھلا قہر خداوندی کی اس تعزیر سے وہ کیسے بچ سکتے ہیں۔ عجیب عبرت کا وہ منظر تھا۔ مالک الملک کا اٹل فرمان تھا۔ کہ اس طرح برطانیہ جیسی صاحب جلال و جبروت حکومت جس کا سکہ چاردانگ عالم میں بیٹھا ہوا تھا یوں اس کا وقار اور اس کا شاہی طمطراق ٹھوکریں کھاتا ہوا پامال ہوتا چلا جائے۔ آنکھوں میں اس پر عبرت نظارے سے آنسو بھر آتے تھے اور اس خدائے قہار کے خوف سے دل لرز اُٹھتے تھے۔ اور زبانیں کہہ اُٹھتی تھیں کہ تو جسے چاہے ملکوں کا مالک بنائے تو جسے چاہے عزت دے اور جسے تو چاہے ذلت دے تو ہی ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے (قرآن حکیم) بے شک وہی ہے جو ذرے کو آفتاب اور آفتاب کو ذرہ بنا دے منٹوں میں یہ انقلاب اِ سکنڈوں میں اتنا اُلٹ پلٹ!! دیکھ کر انسان دریائے حیرت میں غرق ہو کر گم ہو جاتا تھا۔ ۱۷ فروری ۴۲ء کو رنگون شہر میں آب رسانی کے ذرائع کاٹ دیئے گئے۔ ”پائی کل“ کے پرزے برباد کر دیئے گئے جس سے شہر کے رہنے والے ایک اور تازہ مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ شہر میں کنوؤں کی تعداد بہت ہی قلیل بلکہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ آگ لگنے پر تو بڑی دشواریاں پیش آرہی تھیں۔ مسجدوں کے حوضوں سے پانی بھر بھر کر بعض جگہوں پر آگ بجھائی گئی۔ اب جو کچھ لوگ شہر میں قیام کا ارادہ بھی رکھتے تھے۔ وہ بھی جی ہار گئے۔ اور شہر چھوڑ بھاگنے کی دل میں ٹھان لی — بھاگنے والوں کے لئے سواری کا انتظام بدستور مشکل تھا۔ مہاجرین کو امداد پہونچانے والے رضا کار اور ایوکیولیشن کمیٹی کے ممبران سب سے پہلے بھاگنے پر آمادہ

نظر آتے تھے۔ بلکہ خاص خاص لوگ تو گدھے کے سر کے سینگ ہو گئے۔

خود غرضی اور بے رحمی کی ایک مثال

جمعہ ۲۰ فروری کی شام کو ۵½ بجے جبکہ ابھی ۳۶ گھنٹے اڑتالیس گھنٹوں کی نوٹس کے ختم ہونے میں باقی تھے میں مسٹر حبیب حفیظ عبدالغنی صاحب کی معیت میں ایک غریب مگر معزز سید خاندان کے بچوں اور مستورات پردہ نشیں کے لئے شہر کے ایک بڑے سورتی تاجر کے ایک باغیچے میں گیا جہاں ان کا ایک ملازم عظیم موجود تھا۔ میں نے اور مسٹر موصوف حبیب صاحب نے اس سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے مالک کا دیرینہ دوست ہوں۔ تمہارے پاس موٹر موجود ہے اور وہ موٹر حکومت کے اعلان کے مطابق رکھنا خالی از خطرہ نہیں اور یوں بھی تم اسے چھپا کر استعمال نہیں کر سکو گے بہتر ہے کہ موٹر ایک معزز سید خاندان کے اہل وعیال کی امداد کے لئے مل جائے تو ایک بہت بڑی انسانی خدمت انجام دی جا سکے گی۔ یہ موٹر رونا چھاؤنی جو رنگون سے ۲۰ میل دور واقع ہے وہاں پہونچ کر محفوظ رہے گی اور وقت ضرورت تمہارے کام بھی آ سکے گی یہ سنکر ملازم نے وعدہ کیا کہ ڈرائیور کہیں گیا ہوا ہے کچھ دیر انتظار کیا جائے تو انسب ہے۔ مسٹر حبیب نے یہ کام میرے سپرد کیا ہے اور چونکہ خود رنگون چھوڑ رہے تھے۔ جلدی جلدی پروم کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں دو گھنٹے کے قریب منتظر رہا مگر موٹر کا پتہ نہ دارد وہ ٹال مٹول کرتا رہا۔ بالآخر رات کے ۹ بجے مجھے بڑی بے رحمی کے ساتھ کورا جواب دیدیا گیا۔ اب میں حیران کہ ٹھہر جاؤں تو کیونکر جاؤں۔ رات کا

کا وقت سنسان مقامات سے گزرنا۔ جا بجا لوٹ اور واردات قتل عجیب
مخمصہ میں تھا میں نے دوبارہ اس سے کہا کہ اگر آپ اتنی مہربانی فرمائیں
کہ مجھے شہر پہونچا دیں تو میں ایک گھنٹے میں آپ کی سواری رضاکاروں کی
حفاظت میں واپس بھیجدوں گا۔ مگر اس بندۂ غرض کے کان تک جوں نہ رینگی
میں بے حد مایوس اور دل شکستہ ہوکر اندھیری رات میں ٹاک ٹوئیاں مارتا ہوا
کچھ دور چلا جہاں میرے ایک خاص قرابت دار کا بنگلہ تھا وہاں پہونچ کر میں
نے تمام ماجرا سنایا جسے سنکر ان سبھوں کو بے حد افسوس ہوا، ساتھ ہی مکان
والوں نے مسلح ہوکر مجھے موٹر میں رنگون تک پہونچا دیا۔ راستہ میں موٹر کی لائٹ
میں دو لاشیں ہم لوگوں نے پڑی ہوئی دیکھیں اور ایک دو جگہ آگ کے شعلے
بھی بلند ہوتے ہوئے نظر آئے۔ گھر پہونچ کر میں نے سب سے پہلے جاکر ان
بے چاروں کو تسلی اور ڈھارس دی جو موٹر کے انتظار میں بھوکے پیاسے بیٹھے
ہوئے تھے۔ ان کو میں دوسرے دن کا وعدہ کرکے مکان واپس آگیا اور
دوسرے دن کی ٹکروں میں غوطے کھانے لگا۔

حسن اتفاق کے دو عجیب واقعات

اللہ کی شان دیکھئے کہ جاپانیوں کے آنے کے کچھ دنوں بعد انہوں نے
عظیم شیخ والی موٹر لے لی اب یہ مجبور کہ کیا کرے کچھ کرتے دھرتے نہ بنتی تھی۔ اس
اثنا میں میں بنکاک چلا گیا تھا۔ واپسی پر اس نے مجھ سے امداد چاہی کہ جاپانیوں
سے کوشش کرکے موٹر دلا دی جائے تو میں بے حد مشکور ہوں گا۔ آپ لیگ کے نائب
ہیں آپکی کوشش کا ضرور اثر ہوگا۔ میں نے کچھ دنوں کے بعد جب اچھی طرح امن

بحال ہو گیا تو ہندوستانی معاملات کے افسر اعلیٰ سے کہہ سن کر اس کو اس کی
قیمت ساڑھے چار ہزار روپے کی منظوری دلا دی۔ جو اس نے وصول کر لی یعنی
والا تھا جو کامیاب ہو گیا۔

دوسرا واقعہ خدا کا ذکر نا دیکھئے کہ نہ جانے ان سید زادوں کی [illegible]
کا اثر ہے یا کچھ اور۔ ادھر جمعہ کے دن اس نے موٹر دینے سے انکار کیا جس سے
ان کی مصیبتیں بہت بڑھ گئیں تھیں اور ادھر بھی عین جمعہ ہی کے دن عظیم کے
مکان واقع چین پور پر مارچ سنہ ۴۵ء کو بمباری ہوئی ہے اور اس غریب کے اہل و
عیال لٹرنچ میں آگ لگنے سے برباد ہو جاتے ہیں تو خدا ان کو غریق رحمت
کرے۔ اور یہ اپنے زیورات ساتھ لے کر بچ جاتا ہے۔ جب میں اوچین کی
بمباری کے بعد امدادی سلسلے میں اس حلقے کی دیکھ بھال کو گیا تو میں نے
اس سے تعزیت کا اظہار کیا تھا۔ مگر مجھے یہ معلوم کر کے اور صدمہ اور عبرت
ہوئی کہ عظیم شیخ والی شلٹر میں آگ لگنے سے پہلے اس نے شلٹر کے دوسرے
حصے کے کمپاؤنڈ کا دروازہ اس لئے بند کر لیا تھا کہ دوسری طرف کے کچھ
لوگ اس میں پناہ لینے کے لئے نہ آئیں ان لوگوں نے جب پوچھا تو یہ جواب
ملا کہ تم کو لٹرنچ میں جانے کی کیا ضرورت ہے تم لوگ غریب ہو۔ یوں بھی تو
بھوکوں مر رہے ہو۔ غرض وہ بیچارے بھی دل شکستہ ہو گئے اور اسی بمباری
میں وہ دروازہ بند ہونے کی وجہ سے نہ آ سکے۔ اور لٹرنچ میں آگ لگنے کے
بعد دروازہ بند ہونے کے باعث بیچاروں کو نکلنے کا راستہ نہ ملا اور
اپنی جانیں خدا کے حوالے کر دیں۔ کسی کا یہ مقولہ بھی عجیب ہے کہ جیسا کرے

دیا یا دے۔ پوت بھنار کے آگے آ دے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

وقت تو دو ہی کٹھن گذرے ہیں ساری عمر میں
اک ترے آنے سے پہلے اک ترے جانے کے بعد

۲۲ فروری کے بعد سے سلسل انگریزی اقتدار ختم ہوتا گیا اس زمانے سے لے کر ۸ مارچ تک کا درمیانی زمانہ جبکہ جاپانیوں کا رنگون میں داخلہ ہوا۔ عجیب وحشت خیز اور قیامت اگیز زمانہ تھا۔ لا اینڈ آرڈر LAW & ORDER کا مطلق نام نشان نہ تھا۔ کسی کے ہوش وحواس بجا نہ تھے ہر ایک یہی دعا مانگتا تھا کہ خدایا جو کچھ کرنا ہے جلد کر اور ان مصیبتوں سے نجات دے۔ ایک سے دوسرے کی تکلیفیں دیکھی نہیں جاتی تھیں۔ فاقہ، بھوک، پیاس لوٹ، مار، آگ ہر چیز کا خوف، ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا، روشنی مفقود ہو رہی تھی۔ ہتھیار بند مسلح چور ڈاکوؤں کا راج تھا، ہر ایک اپنی جگہ پر دم سادھے ہوئے پڑا تھا۔ سب ہی کوشش میں تھے کہ ہماری موجودگی کی کسی کو خبر نہ ہو۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ ایک برمی جو کمایٹ اور تماین کے علاقے میں صرف آگ لگانے میں مشہور ہو چکا تھا اس نے گنتوں سے مکانوں میں آگ لگائی تھی اسے ایک جنون تھا وہ گن گن کر ہندوستانیوں کے مکانوں کو پھونک چکا تھا۔ جب جاپانیوں کی آمد کے بعد گولی سے مارا گیا۔ دس دس پانچ پانچ آدمی جہاں تھے ان کے خوف کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ جہاں سو پچاس آدمیوں کا مجمع کسی کمپاؤنڈ وغیرہ میں ہوتا تھا انکی

بجلی بند حرام ہو جاتی تھی۔ رات رات بھر مرد اور عورتیں جاگ جاگ کر پہرہ دیا کرتی تھیں۔ لوگوں نے تنہائی سے خوف کھا کر اوروں کو بھی جگہ دیدی تھی کہ گروپ بندی سے خطرہ کم ہو جاتے۔ فیکٹریوں اور کارخانے والوں نے تو بہت بڑی تعداد آس پاس والوں کی جمع کر لی تھی۔ بعض چاول والے سے بھی ان کی امداد کرتے رہے تاکہ یہ مجمع منتشر نہ ہو جائے اور ان کے کھانے کے خطرے میں نہ پڑجائیں۔

۸ر مارچ تک تمام ملٹری اور سول حکام نے فوج رنگون خالی کر چکی تھی جاپانی فوج پیگو کے قریب پہونچ گئی تھی ۸ر مارچ کو بے تحاشا شب کو گولہ باری کی آوازیں آنے لگیں۔ آسمان تمام سرخ ہو رہا تھا، توپیں چل رہی تھیں۔ جوابی گولے بھی دن دنا رہے تھے۔ زمین اور مکانوں میں زلزلے آ رہے تھے شلٹروں میں اچھال کہیں کچھ آڑلی لوگ رات بھر چھپے رہے شب کو ۲ بجے کے قریب گولہ باری کم ہوئی اور آہستہ آہستہ ایک طرف کی آوازیں بالکل بند ہو گئیں اور ہم نے سمجھ لیا کہ انگریز معمولی جھڑپ کے بعد نکل گئے اور اب جاپان کے آنے میں دیر نہیں ـــــ یہ دیکھ کر میں یہ کہہ کر سو گیا کہ شاید جاپانی صبح تک آجائیں۔ اب کوئی فکر کی بات نہیں۔ صبح ۶ بجے ہوں گے کہ یہ کہہ کر مجھے اٹھا لیا گیا کہ اٹھو جاپانی آگئے! جاپانی آگئے!!

موہن آگئے! موہن آگئے!! { لیجئے آج ۹ر مارچ کا وہ مبارک دن ہے جب کہ خلق خدا کے

(LAW & ORDER) نہ ہونے کی وجہ سے خوف و ہراس میں ہر ہر لمحہ گذر

رہی تھی۔ آج ان کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا۔ آج برما والوں کو کچھ یہ اُمید بندھ چلی کہ اب ہر کہ وہ اپنی "تادر خانی" نہ جتا سکے گا۔ رعایا خوش تھی اور بہت ہی خوش۔ آج مشرق سے جو خورشید طلوع ہوا ہے وہ آزادی اور راحت و اطمینان کا پیغام بن کر آیا ہے۔ مژدہ لایا ہے کہ اب مشرق کا ہر انسان آزاد ہوگا کیونکہ آج مشرق کی ایک عظیم الشان طاقت "سورج دیوتا" کے بیٹے کا وہ پھریرہ برما کی فضا میں لہرائے گا جس پر سورج کے طلوع ہونے کا نشان ہے اور جس نے برطانیہ عظمیٰ کے اس دعوے کو اپنے وجود سے غلط ثابت کر دیا کہ اس کے اقبال کا سورج کبھی قلمرو ئے برطانیہ سے ایک لحظ کے لئے بھی غروب نہیں ہوتا اور سمندر پر بھی اسکی حکمرانی ہے جبکہ بحر الکاہل کی موجوں میں پرنس آف ویلز کو سنگاپور کے مستقر میں غرقاب کیا گیا اور یہ دونوں دعوے کچھ مدت کے لئے غلط تسلیم کر لئے گئے۔ اب جو صبح کے چھ بجے ہیں میں آنکھ ملتا ہوا باہر آیا۔ خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی دو سو گز دور آٹھ جاپانی سرفروش سپاہی ہتھیاروں سے مسلح ہاتھ میں سائیکلیں لئے ہوئے دائیں بائیں اچٹتی ہوئی نظر ڈالتے بہت چوکنا، نہایت ہی ہوشیاری کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے تماشائیوں اور راہگیروں کو جو سڑک کے دو رویہ کھڑے ہوئے تھے مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مگر نہایت ہی متانت اور رعب و جلال کے ساتھ فاتحانہ انداز میں چلے آرہے ہیں۔ ان کے چہروں پر خوشی کے آثار نمایاں ہیں ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ظاہر ہے

لوگوں کے نعرہ ہائے مسرت سے خوش ہوتے ہوئے ذرا گردن کو ایسے انداز سے جھکا دیتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تماشائیوں کے اظہار عقیدت کو محسوس کر رہے ہیں۔ ان کی بندوقوں پر سنگین چڑھی ہوئی ہیں اور وہ اس انداز سے اسے پکڑے ہوئے ہیں۔ جو شان سنگینوں کے حملے کے وقت ہوا کرتی ہے۔ خراماں خراماں آگے بڑھ رہے ہیں۔ تالیوں پر تالیاں بجی جا رہی ہیں اور یہ خوش آمدید کے نعرے لگائے جا رہے ہیں ہر قوم اپنی اپنی زبان میں اظہار عقیدت و مسرت کر رہی ہے۔ لوگوں نے ان کو تھکے ہوئے دیکھ کر۔ جلد جلد پانی کی بیلیں اور چاء سے تواضع کرنے کا انتظام کرنا شروع کر دیا۔ کچھ لوگ سگرٹ تقسیم کرنے کے خیال میں مستعد نظر آرہے تھے۔ آپس میں باتیں ہو رہی ہیں "آدمی! کیا صرف آٹھ بہادر انسان" واقعی یہ بہادر ہیں۔ اِن کی بہادری میں کوئی شک و شبہ نہیں مشرق کی آبرو انھیں کی ذات سے وابستہ ہے" آپس میں یہی چرچے تھے جو عوام ایک دوسرے سے بڑھ کر تعریفی کلمات میں مخاطب سے بڑھ جانے کی کوشش میں ادا کر رہے تھے۔ واقعی بات بھی سچی ہے۔ ہمت، جرأت، بہادری، بیداری اور رسمی اخلاق ان کے ہر ہر قدم سے ظاہر تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بڑھتے ہی چلے آرہے تھے۔ فوجی ڈسپلن کے خلاف کوئی ایسی حرکت ان سے ظاہر نہیں ہوتی تھی جس سے اِن کے رعب و جلال میں فرق آئے وہ ایک بہادر سپاہی کے ساتھ ہی ایک منکسر المزاج انسان کا مجسمہ معلوم ہوتے تھے ان کی پیشانیوں سے عزم و ہمت چہروں سے استقلال اور فرخندہ طالعی، آنکھوں

سے ہیبت اور بہت زیادہ ہوشیاری اور چالاکی برس رہی تھی۔ دنیا حیرت میں تھی۔ کہ فاتح فوج کی حیثیت سے وہ اس درجہ پُرامن تھے کہ بغیر ایک قطرہ خون بہائے خوش خلقی کا نمونہ بن کر آ رہے تھے۔ تاریخ عالم اوراق ایسی مثالوں سے خالی نظر آئیں گے۔ شاذ و نادر ہی کوئی فوج کسی ملک میں فاتحانہ داخل ہوتی ہو اور بغیر قتل عام اور لوٹ کھسوٹ کے اس شہر کا قبضہ لیتی ہو قاعدہ ہے کہ فوج اپنی دھاک بٹھانے کے لئے ایسے ایسے سفاکانہ افعال کی مرتکب ہوتی ہے۔ جیسے شکر بڑے بڑے جگر اور گردہ والے لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہو جاتے ہیں۔ قتل عام اور مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے آزادانہ لوٹنا فاتح فوج کا "حق پیدائشی" ہوا کرتا ہے۔ ان کے لئے یہ رعایتیں مخصوص ہیں۔ ایسی حالت میں ہر سپاہی ایک بادشاہ کی حیثیت رکھتے ہوئے جو جی میں آئے کرتا ہے کوئی اس کے اس فعل سے بازپرس کرنے والا نہیں۔ اگر ہے تو اس کا جواب۔ صرف ایک بندوق کی گولی" یا پھر "تلوار کا ایک بھرپور وار ہوا کرتا ہے اور بس۔ مذکورہ فوج کے فاتحانہ داخلہ پر ان کی یہ حالت دیکھ کر سب عش عش کرنے لگے اور برقش پروپگنڈا کی اصلیت کا راز کھل گیا اس کے فریب کی قلعی کا بھانڈا چوراہے پر پھوٹ گیا۔ اور ہم شکر گذار بدرگاہ خداوندی ہوئے کہ معاملہ خیریت سے نمٹ گیا۔ پھر شاکی صعوبتوں سے بچ گئے اور بہتر ہوا کہ ہم یوں ہی رہ گئے ورنہ خدا جانے کن کن مصائب کا سامنا کرنا پڑتا۔ پہلے پہل تو تجربہ والے بہت سہمے ہوئے تھے کہ خدا معلوم کیا کیا گذرے مگر بعد میں حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھ کر

طبیعتوں کا وہ تمام تکدر اور فکریں دور ہو گئیں۔ جاپانی فوج کے یہ آٹھ بہادر سپاہی ہمارے قریب تر ہو رہے تھے کہ ایک اتفاقیہ حادثہ پیش آ گیا۔

سب سے پہلا تاریخی خون جب جاپانی ہراول دستہ عین (AZIZ ROPE FACTORY) عزیزی رسی کے کارخانے کے سامنے پہونچا ہے۔ انگریزوں کی ایک فوجی لاری جس کا ڈرائیور ایک اینگلو چینی تھا۔ اندھا دھند گاڑی کو لئے بھاگ نکلنا چاہتا تھا۔ یہ سب سے آخری فوجی تھا جس نے تاخیر کی۔ شاید اسے جاپانیوں کے داخلے کا علم نہ تھا جب لاری آ رہی تھی۔ جاپانی سپاہیوں نے اسے فوجی حکم تا تحت "ہالٹ" کہا مگر اس نے بجائے گاڑی روکنے کے اس کی رفتار کو اور زیادہ تیز کر دیا۔ یہ دیکھ کر ایک سپاہی نے فوراً گولی چلا دی گولی ٹھیک نشانے پر بیٹھی۔ پیٹھ کی طرف سے گولی سینے کے پار ہو گئی اور پچیس قدم پر لاری الٹ گئی۔ سپاہی نزدیک گئے۔ دیکھا وہ پوری فوجی وردی میں مسلح تھا۔ اس کی جیب میں بہت سے کرنسی نوٹ بھی تھے انھوں نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور اس کی لاش کو پھینگی چاؤں (بری تماشا خانہ) کی دیوار کے پاس رکھ دیا اور اس پر گھانس پھونس ڈالدی یہی وہ پہلا واقعہ تھا جس میں خون بہایا گیا تھا اس کے بعد کسی قسم کا ایسا خونی وقوعہ پیش نہیں آیا۔ بعد میں برمیوں نے اس کی جامہ تلاشی لی۔ نوٹ وغیرہ لے لئے تھی کہ اسے بالکل ننگا کر دیا۔ مگر یہ سب کچھ جاپانیوں کی غیر حاضری میں ہوا تھا

لاری میں کچھ سویلین لوگ بھی بیٹھے تھے جو رنگون سے بھاگ رہے تھے ان سے رسمی طور پر کچھ پوچھ گچھ کی اور ان سبھوں کو چھوڑ دیا گیا کسی کو حراست میں نہیں لیا گیا ــــ مذکورہ مشاہدات سے لوگوں پر بہت گہرا اثر ہوا بعض لوگ یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ دیکھو۔ لاش کے ساتھ کس قدر انسانیت کا برتاؤ کیا گیا ہے۔ برطانیہ کے دور امن میں ۲۳ دسمبر کی بمباری سے ہلاک شدگان کی لاشیں سڑکوں پر جابجا بکھری ہوئی تھیں اور کوئی پرسان حال نہ تھا۔ ان لوگوں نے لاش کو کنارے ہٹا کر اس کی پردہ پوشی تو کردی! اور اس کے سویلین ساتھی کے ساتھ بھی کوئی تعرض نہ کیا! یہ تھا اس وقت پبلک کے خیال کا آئینہ ـــ ہراول دستے سے پیچھے کوئی ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر جاپانی سپاہیوں کے اور دستے آتے ہوئے نظر آئے اور یہ سلسلہ گھنٹوں تک جاری رہا۔ اب رنگون شہر میں جابجا نیونی سپاہی دکھائی دینے لگے شہر پر انکا پورا امن قبضہ ہو گیا۔

دوبما کے نعرے } جب فوجوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ برمیوں کے ایک گروہ نے نعرے لگا" **دوبما** "، (ہم برما ہیں برما ہمارا ہے) ایک سوار افسر جو کپتان تھا اس وقت وہاں سے گذر رہا تھا۔ اس نے کچھ مشکوک نظروں سے مجمع کو دیکھا۔ خدا جانے اس کے دل میں کیا آئی فوراً ہی بول اُٹھا۔ نو دوبما۔ ذو نپوں۔ نپوں بن زائی (نپوں زندہ باد) یہ سنکر مجمع نے بھی نپون بنزائی! نپون بنزائی کے نعروں سے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ راستے میں جو بلیں لگی ہوئی تھیں۔

پیاسی فوج نے اس سے پہلے کہ خود پئیں۔سبیل والوں کو پینے کو کہا۔جب اُنھوں نے بھی پانی پیا تو کچھ سکنڈ اس کے اثر کو دیکھتے رہے اور پھر ہنسکر خود بھی پیا اور اپنے مشکیزوں میں بھی بھر لیا۔

ترکوں کی عزت ایک افسر میرے نزدیک آیا اور مجھے دیکھ کر اشاروں میں دریافت کیا کہ آیا میں انگریز ہوں یا اور کچھ اس نے کہا یو انگلس کا نے۔تم کیا انگریز ہو۔میں نے نفی میں جواب دیا اور کہا کہ میں انڈین ہوں۔مگر اسے تسلی نہیں ہوئی دو ایک اور آکر جمع ہوئے اور یہ معلوم کرنا چاہا کہ میں ہندی مسلم ہوں یا ہندو۔اس نے اشارے سے اپنے سر پر چوٹی بنا کر دکھائی منھ سے لفظ گنجی کانے ؟ (یعنی گاندھی یعنے ہندو ہے) میں نے پھر نفی میں جواب دیا اور سوچ میں پڑ گیا کہ کیا بتاؤں خدا کا کرنا کہ بات سمجھ میں آگئی اور میرے منھ سے برجستہ کمال اتاترک کا نام نکل گیا پھر تو اس نے ترکو کانے !! ترکو کانے !! کہتے ہوئے مجھ سے مصافحہ کیا اور بڑی خندہ پیشانی سے پیش آیا۔اب جو ترکو کا لفظ سن لے خوش ہو جائے۔میں نے دوسرے بھائیوں کو بھی یہی "پاسپورٹ" دے دیا جو سوال اور جواب کی زحمتوں سے بچ گئے۔

جاپانی فوج کی حالت پر اجمالی نظر جو فوج شہر میں داخل ہو رہی تھی وہ بے حد خستہ تھکی ہوئی۔قدم قدم پر لڑکھڑاتی ہوئی چل رہی تھی۔ایک دوسرے کو بازو کا سہارا دیکر گرنے سے بچا لیتا تھا۔معلوم ہوا کہ رات بھر میں یہ فوج تقریباً

چالیس میل پیگو کی طرف سے ڈبل مارچ (DOUBLE MARCH) کرتی ہوئی آرہی ہے۔ سائیکل سوار اور گھوڑ سوار فوج کا رسالہ بھی شامل تھا۔ فوج ہو بہو ایسی معلوم ہوتی تھی جیسی "چنگیز خانی فوج" ہو۔ ہر فوجی کے پاس ایک نقشہ تھا جس پر تمام راستوں چوراہوں اور خاص خاص عمارتوں کے نشان دیئے ہوئے تھے۔ ایک کتاب بھی ان کے پاس تھی جس میں برمی اور اردو زبان کے ضروری اور کارآمد الفاظ۔ چیزوں کے نام، روزانہ ضروریات زندگی۔ معاملات۔ وغیرہ کے متعلق جملے درج تھے۔ ان کو جب کچھ دریافت کرنا ہوتا کتاب اور نقشے میں دیکھ کر اپنا مطلب سمجھ لیتے اور دوسروں کو سمجھا دیتے تھے۔ ہر سپاہی نقشہ کشی کا ماہر تھا اس کے ذریعہ سے بہت سی مشکلات حل کرلیا کرتے تھے۔ برما والے بھی اس کے ذریعے بہت کچھ فائدہ حاصل کر چکے تھے۔ رنگون میں ان کے داخلہ ۸ مارچ ہی کو برہمی منجانے۔ شوے ڈگون پھیا میں ایک عام جلسہ استقبالیہ ہوا جس میں باشندگان رنگون نے جنوں آرمی کو فتح پر مبارکباد پیش کی اور ان کی آمد کو آزادی برما کے لئے ایک شگون نیک ظاہر کیا جاپانی رعایا کی یہ اطاعت دیکھ کر بہت ہی مسرور ہوئے، جاپانیوں کی آمد پر پہلا پہلا پبلک جلسہ تھا۔

عادات واطوار } ایشیائی تہذیب کا نمونہ، ملنساری، محبت، ہمدردی اور عزت نفس میں بے نظیر ایثار پیشہ جفاکش و مخلص۔ قومیت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی جانبازی

اور جاں نثاری میں طاق ۔ اپنے وطن اور بادشاہ کی عزت کی خاطر
اپنی جان دے دینا ان کے لئے قومی فخر کا مترادف ہے (HARI KARI)
ہارا کاری کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک تقریب میں اپنے شکم کو خود
ہی چاک کر لیا کرتے ہیں اور یوں عزت دوام حاصل کرتے ہیں ان
میں درشتی مزاج اور سختی بھی ضرور تھی ۔ مگر جس سختی کا چرچا عوام میں
ہے وہ عارضی چیز تھی ۔ کسی کو طمانچہ مار دینا کسی عزت دار کو بے
عزت کر دینا یہ الزام ایک حد تک بہت زیادہ مبالغہ آمیز ہے ۔ عزت دار
کے لباس میں اگر کوئی مجرم ہے تو قابل سزا بھی ہے اور یہ اس عزت داری
ہی کا طفیل ہے کہ وہ دو طمانچے ہی کھا کر صاف نکل گیا ورنہ یہاں تو
ایسے بہروپئے بھی بہت تھے ۔ البتہ شکی مزاج ضرور تھے مگر اسے بھی
ہنگامی ہی کہا جائے گا ۔ میدان جنگ میں بھلا اگر ہر ایک پر بھروسہ
کر لیا جائے تو کام کیسے چلے ؟ کیا برطانیہ ، جرمنی فرانس ۔ روس ، امریکہ
یہ تمام قومیں ہر ایک سے ہمیشہ حسن ظن ہی رکھتی ہیں ؟ یورپ کے
میدان جنگ کا جائزہ لیجئے تو قارئین کو پتہ چل جائے گا کہ قدم قدم پر
کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ جاپانیوں نے اس کا عشر عشیر اگر
ہزارواں حصہ بھی نہیں کیا ۔ برما میں ہر شخص بغیر شناختی کارڈ کے ہر محاذ
کے اردگرد سفر کر سکتا تھا ۔ کوئی پوچھنے والا نہیں تھا ۔ البتہ کوئی
قسمت کا مارا اگر پھنس گیا تو اسے بھی اپنے ہی بھائیوں کا کرشمہ سمجھئے ۔
ایک خوبی ان میں وہ تھی کہ وہ جب کسی پر بھروسہ کر لیا کرتے تھے

اس کی ہر بات کو تسلیم کر لیتے تھے۔ اس کے مشورے پر عمل کرنا اور اس سے ہر بات میں مشورہ لینا ان کی عادت میں داخل تھا۔

جاپانیوں کے بے ایمان صلاح کار

جاپانیوں کی آمد کے بعد ان کو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ کچھ لوگوں کو اپنی زبان سکھائی جائے اور ان سے برمی اور ہندوستانی زبان سیکھی جائے۔ اس غرض کے لئے انھوں نے بڑی عجلت سے کام لیا۔ گلی کے معمولی آوارہ گرد لڑکے جن کے اخلاق تک درست نہ تھے ان کو اپنے پاس رکھ لیا کچھ عارضیتاً اور طبعاً جاپانی خوشامد پسند واقع ہوئے ہیں۔ بہت جلد ان بداخلاق لڑکوں نے زبان کچھ کچھ سیکھ لی۔ اور ہر بات میں ماسٹر ماسٹر کہہ کر ان کے دماغ آسمان پر چڑھا دیئے۔ یہ لڑکے جو کچھ کہہ دیں۔ جیسا بھی سمجھائیں پتھر کی لکیر ہو جایا کرتا تھا۔ یہی وہ بے ایمان صلاح کار تھے۔ جن کے کہنے سننے پر وہ کسی سے ناراض اور کسی سے راضی ہو جایا کرتے تھے پس ان کا ناراض یا راضی کرنا۔ انہیں بے ایمان اور نادان صلاح کاروں پر منحصر تھا۔ جاپانیوں کو جب اپنی بعض غلطیوں کا احساس ہوا تو وہ یہ کہنے لگے کہ ہم کیا کریں تمہارے ہی بھائی برمی اور ہندوستانی اپنے ہی بھائیوں کی شکائتیں ہم سے کرتے ہیں ہم کہاں اس جنگ کے زمانے میں اس کی چھان بین کریں۔ ہزاروں میل سے ہم آئے ہیں اور آئے بھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ اس عرصے میں ہم مکمل طور پر انتظامی امور پر توجہ بھی نہ دے سکے ہمیں کیا معلوم کہ زید کون ہے اور بکر کیا ہے۔ کون چور اور کون شاہ ہے

ہمارے سامنے تو سب پارسا ہی بنکر آیا کرتے ہیں، ہمیں اپنی تحقیق کے ذرائع سے جو معلوم ہوتا ہے ہم اپنی سمجھ کے مطابق اچھا یا برا کر دیتے ہیں۔ اگر مستقل طور پر انتظامی حالت قائم ہو جائے تو ہمارے ذرائع تحقیق و تفتیش بھی ٹھوس اور قابل اعتماد ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد نتائج کی ذمہ داری ہم پر ڈالی جائے تو حق بجانب ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ یہ بے ایمان مخبر کار۔ رشوت لے کر یا ذاتی عناد کی وجہ سے کسی کے گھر میں ٹارچ لائٹ وغیرہ رکھوا کر بے گناہوں کو اس الزام میں پھنسوا دیتے تھے کہ یہ دشمن کے ہوائی جہازوں کو اشارے کرتا ہے۔ یہ جاسوس ہے۔ فلاں جاپانیوں کا دشمن ہے اور ان کے خلاف پروپگنڈا کرتا ہے فلاں انگریزوں کا بڑا حامی ہے جاپان کو امداد نہیں دیتا وغیرہ وغیرہ۔ یہ الزامات ایسے ہیں جن کی تحقیق و تفتیش میں بڑی بڑی دشواریاں ہوتی ہیں۔ معاملہ اگر برعکس ہو جائے تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس بے ایمان مخبر کی پھر خوب ہی مرمت ہوتی تھی۔

جاپانی پاسپورٹ

جاپانی پاسپورٹ! جاپانی عموماً جب کسی سے کوئی کام نکالنا ہو یا کسی نے ان کی کچھ مدد کی ہو تو وہ عموماً ایک کاغذ پر جاپانی حروف میں کچھ لکھ دیا کرتے تھے۔ بعض اوقات شہری اپنی حفاظت کا پروانہ سمجھ کر اِن سے دو بول لکھوا لیا کرتے تھے۔

اس کے بعد اس پرزے کو جادو بے جا ہر موقع پر جب جانے کے لئے دکھلایا کرتے تھے۔ شہری غریب اس تحریری جادو سے خوف کھا کر قہر درویش برجان درویش کے مقولے پر عمل کر لیا کرتے تھے۔ بعض وقت یہ تحریر وبال جان بھی ہو جاتی تھی مثلاً کسی جاپانی نے کسی سے کچھ انڈے لئے۔ اور لکھ دیا کہ یہ شخص انڈے بڑی محنت سے سپلائی کیا کرتا ہے۔ پھر کیا تھا جو آتا ہے انڈا طلب کرتا ہے اس کی جان عذاب میں پڑ جاتی ہے اور اسے جھٹکارا پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یا پھر تحریر میں کچھ برائی لکھ دی۔ اب جو آتا ہے دو مُہر جما جاتا ہے۔ اِن کی یہ تحریر عجیب گورکھ دھندا تھی۔ اور مضحکہ خیز بھی۔

تمام خرابیوں کی جڑ

تو صرف یہ تھی کہ زبان یار من ترکی و من ترکی نمیدانم - ایک دوسرے کے مفہوم پر پوری طرح قادر نہ تھے - ہم کچھ کہیں وہ کچھ سمجھیں - کہیں آم سمجھیں املی - اس کا کیا علاج ہے اگر ان کو کوئی بات ذہن نشین کرائی جائے تو پھر معاملہ بڑی آسانی سے سلجھ جاتا تھا - ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک غریب ہندوستانی نہاکر اپنی دھوتی سکھا رہا تھا - دھوتی کا ایک سرا اس نے درخت سے باندھ دیا تھا اور دوسرا سرا ہلا رہا تھا کہ عین اسی وقت دشمن کے طیاروں نے بمباری شروع کردی - وہ غریب دھوتی ہلا ہی رہا تھا کہ ایک لاری پر چند جاپانیوں کا گذر ہوا اور اسے انہوں نے گاڑی روک کر اس الزام میں گرفتار کر لیا کہ تو دشمن کے طیاروں کو اشارہ کر رہا ہے - تو جاسوس ہے - اسے قید کر دیا گیا - اور اچھی طرح اس کی خبر لی گئی - اتفاق سے اس وقت مسٹر بشیر بھی حراست میں تھے انہیں جب حقیقت معلوم ہوئی تو افسوس ہوا - مگر باوجود اس کے کہ وہ خود قید تھے اس کی پرواہ نہ کی اور چونکہ جاپانی زبان جانتے تھے افسر کو سمجھایا کہ یہ ایک غریب آدمی ہے - کپڑا ملتا نہیں - ایک ہی دھوتی ہے - دھوتی بڑی ہوتی ہے - اتنے بڑے کپڑے کا جلد سوکھ جانا مشکل ہے - اور یہ ان لوگوں کا ایک عام دستور بھی ہے وہ اسے ہلا ہلا کر ہوا دے دے کر دھوتی خشک کر رہا تھا - یہ ان پڑھ بے چارے بے خطا و بے قصور اور دشمن کے اشاروں سے اس کا

کوئی تعلق نہیں - یہ سُنکر افسر صاحب کی کھوپڑی میں بات آگئی وہ سمجھ گیا اور معاملہ کی تہ تک پہونچ گیا - اِس کے بعد وہ غریب دھونی پرشاد " رہا کردیا گیا۔

جاپانی زبان کی ترویج

جاپانیوں نے اس خامی کو محسوس کرلیا اور ہر جگہ ایسے ادارے کھول دیے جس میں نپونی زبان کی تعلیم دی جانے لگی۔ جاپانی آداب کو لوگوں نے اپنانا شروع کردیا - خصوصاً برمیوں نے بہت جلد زبان سیکھ لی۔ نصف رکوع کی حالت میں جھک جھک کر سلام کرنے کے وہ عادی ہونے لگے بچے اور وہ لوگ جو جاپانیوں کے ساتھ کام کرنے میں لگے ہوئے تھے اور مزدور پیشہ خوب خوب بولنے اور سمجھنے لگے تھے۔ دانستہ جاپانی اپنی ہی زبان بولتے تھے - اگرچہ وہ کسی دوسری زبان سے واقف بھی ہوتے مگر بولتے اپنی ہی تھے - اِس سے دوسرا فائدہ یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ تجاہل عارفانہ کے بہانے - دوسروں کی آپس کی بات چیت سے ان کے خیالات معلوم کرلیتے تھے - جیسے ایک بنا ہوا بہرہ سب کچھ سُن لیا کرتا ہے - لوگوں کے راز معلوم کرلینے کا یہ بھی ایک ڈھنگ تھا۔

ایک افسر سے بحث

ایک مرتبہ ایک کپتان صاحب سے ملاقات ہوئی - باتیں ہونے لگیں - وہ جاپانی زبان میں گوہر فشاں تھے اور میں اِن سے انگریزی بگھار رہا تھا جب سے

کچھ دیر تو یوں ہی ایک دوسرے کا منہ سمجھتے رہے۔ مگر آخر ان میں سے جھلا کر ایک دوسرے جاپانی کی معرفت مجھ سے دریافت کیا کہ ہم کو یہاں آئے ہوئے دو سال سے زاید کا عرصہ گزر چکا مگر تم اب تک جاپانی زبان میں گفتگو کرنا نہیں سیکھے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کیا تم ہم سے اور ہماری زبان سے نفرت کرتے ہو؟ میں نے اس سے کہا نفرت کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ جس طرح ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم جاپانی زبان سیکھیں۔ جاپانیوں کے لئے بہت زیادہ ضروری ہے کہ وہ اپنی رعایا کے مافی الضمیر کو سمجھنے کے لئے ان کی زبان سیکھیں۔" حکومت جتانے سے زیادہ حکومت کرنی اچھی ہے۔" وہ قائل ہوگیا اور دوسرے ہی دن سے اس نے برمی اور ہندی زبان سیکھنی شروع کردی۔ یہ لوگ پہلے پہل اشاروں میں خوب سمجھتے اور سمجھایا کرتے تھے بیئر شراب کے لئے متوالوں کی طرح جھوم جھوم کر اور زمین پر بوتل اور گلاس کی شکل بنا کر اور انڈے کے لئے مرغیوں کی بولی کڑکڑوں کوں بول کر ہاتھ سے انڈے کی صورت بنا کر اپنا مطلب نکال لیا کرتے تھے۔ اور ایسے ایسے حرکات اس معاملہ میں ان سے سرزد ہوتے تھے کہ بے اختیار ہنسی آجایا کرتی تھی۔ اگر جاپانی ذور کی تمام مخلوق "گونگی" ہوتی تو بھی شاید ان کا کام بدستور چلتا رہتا۔

ان کی مرغوب غذا انڈا اور شکر تھی۔ شکر اور مٹھاس وہ بہت زیادہ پسند کرتے تھے۔ چاول ان کو بہت

مرغوب تھی۔ مگر چاء بھی ہوا کرتی تھی اس میں شکر نہیں ڈالتے تھے جسے ”اوچا“ کہتے تھے۔ جہاں فرصت ہوئی کہ اوچا کا دَور شروع ہوا۔ اوچا بمنزلہ پانی استعمال ہوتا تھا۔ مہمانوں کے سامنے اوچا یا شراب پیش کرتے تھے۔ اور سگریٹ تو اس کے لوازمات سے تھے ہی۔

پانی اور جاپانی

پانی پلانے کے معاملہ میں وہ بہت ہی تنگ دل اور خسیس الطبع واقع ہوئے تھے۔ پیاسے کو وہ ترسا ترسا کر پانی دیا کرتے تھے۔ بلکہ پانی کے بدلے اوچا دیتے تھے۔ لوگ اس سلسلے میں ان کے بہت ہی شاکی تھے۔ اسنے قیدیوں کو وہ بہت بُری طرح پیاسا رکھتے تھے۔ لوگ اس چیز کو ان کی بے رحمی سمجھتے تھے مگر یہ بات نہیں تھی۔ وہ ہندوستانیوں اور برمیوں کی طرح کچا پانی پینے کے عادی نہ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اس سے پیٹ بڑھ جاتا ہے اور طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہو جایا کرتی ہیں۔ اسی لئے وہ خود بھی نہیں پیتے تھے۔ اس کی جگہ اوچا سے پیاس بجھا لیا کرتے تھے۔ وہ جو خود پسند کرتے تھے دوسروں کے لئے بھی اسی کو پسند کرتے تھے یہ ان کا اک عام دستور تھا۔

تنّوہیکا

شہنشاہ جاپان کو وہ تنّوہیکا کے لقب سے ملقب کرتے تھے۔ اس کی عزّت و احترام کی کوئی انتہا نہ تھی اسے سورج دیوتا کا مظہر سمجھتے تھے۔ بادشاہ سورج بنسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ شاہی خاندان میں کسی دوسرے خون کی آمیزش نہ تھی۔

چھبیس سو سال سے ایک ہی خاندان میں بادشاہت چلی آتی تھی۔ بادشاہ کی تصویر کو نظر اٹھا کر دیکھنا بے ادبی پر محمول کیا جاتا تھا۔ اس کا نام لینا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ شہنشاہ جاپان کا جلوس جب جاپان میں سڑکوں سے گزرتا تھا تو لوگ سجدے میں گر پڑتے تھے بیسویں صدی کا یہ انسان ۹ کروڑ انسانوں کا مجازی خدا بنا ہوا تھا۔ چار ہزار چھوٹے چھوٹے جزیروں کوریا۔ منچوریا۔ فارموسا۔ سکھالن اور دو لاکھ ساٹھ ہزار مربع میل پر اس کی حکمرانی تھی۔ اس کی تصویر پر ایک ہلکا سا ریشمی نقاب ڈال دیا کرتے تھے۔ تاکہ اس سے آنکھیں چار نہ ہو سکیں۔ تصویر کو بغور دیکھنا سخت بے ادبی گنی جاتی تھی۔

شہنشاہ کے احترام کا نمونہ

حُسنِ اتفاق سے جاپان کا ایک امیر کبیر دیوالیہ ہو گیا۔ غربت نے اسے سوسائٹی سے دُور کر دیا۔ ایک مرتبہ شہنشاہ کو اس کا خیال آیا۔ اور اسے اپنے ساتھ کھانے پر مدعو کیا اور چلتے وقت تحفتہً کوئی چیز دے دی۔ جب رعایا کو معلوم ہوا تو دوسرے دن تمام جاپان تحفے تحائف بھیجنے لگا۔ اس کے نام بنکوں میں رقمیں جمع ہونے لگیں۔ کروڑوں ین (جاپانی سکہ) اس کے کھاتے میں جمع ہو گئے اور اس نے دوبارہ کام کاج شروع کر دیا اور پہلے سے زیادہ اس کی عزت اور مالی حالت مستحکم ہو گئی۔ ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ پارلیمنٹ کے کسی ممبر نے اصلاحات کے سلسلے

میں بادشاہ کے اختیار کی تجدید کا صرف مشورہ ہی دیا تھا کہ لوگوں میں اس سے ناراضی پھیل گئی۔ تمام جاپان کی نظریں اسکی طرف سے پھر گئیں۔ زمین اس غریب کے لئے تنگ تھی۔ برسوں خدائی خوار پھرتا رہا۔ جب بادشاہ کو پتہ لگا تو اسے معافی دے دی جب کہیں جاکر اس کی عاقبت درست ہوئی۔

جاپانی اور نپونی

سولیین اور فوجی جاپانی

سولیین جاپانی سے مراد عموماً تاجر پیشہ جاپانی ہیں۔ جس قدر فوجی نیک دل۔ صاف بھولے اور سادہ لوح تھے اسی قدر سولیین زیادہ بدباطن۔ بداطوار۔ منفنی۔ خودغرض اور مطلب پرست راشی تھے۔ ان کی خودغرضی کا یہ عالم تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ تمام برما کی تجارت کا قبضہ ان کے ہاتھوں میں آجائے۔ اغیار کے مال پر قبضہ جماکر وہ مفت کا نفع حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جاپانی قومیت کے نام پر فوجی افسروں کو بہکا کر وہ جبراً دوسرے کے مال پر قابض ہوجاتے تھے۔ افسروں کو واقعات کی مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔ صرف انہیں یہ سولیین ہی بتایا کرتے تھے کہ فلاں شخص ہماری جنگی ضرورتوں میں ہاتھ نہیں بٹاتا یہ دشمن کا خیرخواہ اور جاسوس ہے۔ افسران کے اعتماد پر ان کا مال بحق سرکار ضبط کرلیا تھا۔ اور یہ خودغرض تاجر وہی مال سپلائی کرکے کروڑوں روپے منافع

کماتے تھے اور خوب رنگ رلیاں مناتے تھے - اصلیت معلوم ہونے پر ملٹری پولیس ان کی خوب گت بناتی تھی - بلکہ دیگر قوموں سے زیادہ سزائیں انہیں دیجاتی تھیں - کہ وہ جاپانی قوم کی بدنامی کا باعث ہورہے ہیں اور قانون جان کر بھی قانون شکنی کر رہے ہیں -

ان کو دیکھ کر ایک ہندوستانی سیاح نے جو جاپان کے حالات سے بخوبی واقف تھا طنزاً یہ رائے ظاہر کی کہ بیرون جاپان جو لوگ فاتحانہ آئے ہوئے ہیں وہ جاپانی نہیں بلکہ ہونی ہیں - جاپانی تو بڑے ملنسار مہمان نواز - رحم دل - معاملات میں صاف اور دیانتدار ایشیائی تہذیب کا سچا نمونہ ہوتے ہیں - مگر وہ جاپان ہی کے لئے مخصوص ہیں - باہر وہ ہونی ہیں - جس طرح انگلینڈ والے اپنے وطن میں اچھے ہیں لیکن ہماری غلامانہ ذہنیت ان میں فرعونیت پیدا کر دیتی ہے یہی حال جاپانیوں کا ہے -

کیمپے تہائی یا ملٹری پولیس

جاپانیوں میں سب سے زیادہ ظالم و سفاک اور با اقتدار یہی گروہ تھا اس کا نام سنکر بڑے بڑے افسران فوج کا پتہ پانی ہوجایا کرتا تھا - اس کا معمولی سارجنٹ فوج کے کرنلوں کو خاطر میں نہیں لایا کرتا تھا - کیمپے تہائی کی فوج شاہنشاہ سے بلاواسطہ تعلق رکھتی تھی اور اسی کے سامنے جواب دہ تھی - اس کی ہیبت سے کیا سویلین اور کیا فوجی سب کانپ جایا کرتے تھے - ان میں اچھے بھی تھے اور برے بھی - مگر

سخت اور درشت مزاج سبھی تھے۔ اس "شیطانی چرخے" کے خوف کا اندازہ قارئین اس واقعہ سے کر لیں۔ کہ ایک دفعہ ایک ایسے کرنل صاحب جس کے ماتحت ایک فوجی کسٹم کا محکمہ تھا۔ ان کی تلوار کا قبضہ معمولی طور پر ٹوٹ گیا تھا۔ اُنہوں نے اپنے ایک سویلین مترجم کو اسکی جڑائی کے لئے دے دیا۔ تلوار درست ہوگئی اور اسے وہ لا ہی رہے تھے کہ راستے میں ملٹری پولیس نے باز پرس کی۔ انہوں نے نام بتایا کچھ دیر سوچنے کے بعد ملٹری پولیس والے نے چھوڑ دیا۔ جب مترجم صاحب کرنل صاحب کے پاس پہونچے تو سرگذشت سُنائی جسے سُنکر اُن کے حواس بجا نہ رہے۔ اور بے ساختہ اس کی زبان سے متعدد بار نکلا کہ "میرا نام تو نہیں بتایا۔ اس نے نام تو نہیں لکھ لیا۔ جب اسے اطمینان ہوگیا کہ نوبت یہاں تک نہیں پہونچی تو حواس درست ہوئے اور پسینہ پونچھتے ہوئے مترجم صاحب کا شکریہ ادا کیا گیا۔ یہ تھی کیپے تہائی کی دھاک اور یہ تھا اس شیطانی چرخے کی چکر گھنی کا اثر۔ ان ظالموں کے ہاتھوں سینکڑوں بندگانِ خدا مصیبتوں میں مبتلا ہوگئے۔ اور جان تک سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

جاپانی طمانچہ اور انگریزی ٹھوکر

سچ ہے بد اچھا بدنام بُرا۔ جاپانی طمانچہ بڑا ہی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ مگر انصافاً دیکھیے تو انگریزی باکسنگ کی مثالیں اس سے کچھ زیادہ ہی غیر مہذب اور تکلیف دہ ہوں گی۔

بات بات پر ٹھوکر لگانا۔ باکسنگ جاننا تو صاحب بہادری کی شان ہے۔ زمانۂ امن میں ایسی ہزاروں وارداتیں سننے اور دیکھنے میں آئی ہیں۔ تو زمانۂ جنگ کا کیا کہنا۔ مدراس کے اس قلی کا واقعہ جس کی تلی صاحب بہادر کی ٹھوکروں کی تواضع میں پھٹ گئی۔ کوئی چھپی ہوئی حقیقت نہیں رہی اخبار بیں حضرات اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ مندرجہ ذیل شعر اس واقعہ کی یاد تازہ کر رہا ہے کہ ؎

ٹھوکروں سے کس نے مزدوروں کی تلی پھاڑ دی
مہربانی کس نے یہ کی تھی گراں جانوں کے ساتھ (مشتاق)

رہا باکسنگ کا حال تو یہ ایک "کنپٹی سہلاؤ" عمل ہے جو "کالے" اور نیٹو انسانوں کے دماغوں کی اصلاح کے لئے مجرب المجرب نسخہ ثابت ہو چکا ہے۔ جس کی آزمائش ہندوستان میں ڈیڑھ سو برس سے کامیاب ہو گئی ہے۔ اور جس سے کسی کو مجال انکار نہیں۔ بے چارہ طمانچہ اور وہ بھی ایشیائی کس شمار و قطار میں ہے!

جاپانیوں پر بربریت کا الزام

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض واقعات ان سے ایسے بھی سرزد ہو چکے جو تاریخ میں ان کے ماتھے پر کلنکی ٹیکہ بن کر ان کو شرمندہ کرتے رہیں گے۔ مثلاً کلاگوں بستی کا ہی واقعہ لے لیجئے جو انسانی سفاکی کی ایک بدتر مثال ہے۔ جس پر انسانیت جس قدر بھی ماتم کرے کم ہے۔ خدا ان مظلومین کی روحوں کو بخشدے اور ان پر اپنی خوشنودی کے

پھول برسائے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہنے دیجئے کہ

بہت سی ہم نے دیکھی ہے زمانہ کی فسوں سازی
مگر ایسی نہیں دیکھی جو چشم یار کرتی ہے

کلاگوں بستی کے واقعات کا اگر تجزیہ کیجئے تو اتنا ضرور معلوم ہوجائیگا کہ کرنل ڈنگٹ کے ہوائی دستوں اور ان کے خفیہ ایجنٹوں کی رہنمائی اور امداد کا الزام ان پر کسی نہ کسی حد تک صحیح لگایا جائیگا۔ پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ جب رنگون کا قبضہ جاپانیوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ شہروں پر قیامت کی بہاری ہو رہی تھی کہ ان کے اس غیر ذمہ دارانہ فعل سے لاکھوں شہریوں اور فوجی جانوں کا نقصان نہیں ہوتا؟ ہزاروں انسانوں کا قتل اگر واقعی انصاف کی نظروں میں کوئی قیمت رکھتا ہے تو یہ معلوم کر لیجئے کہ زمانہ امن میں اس کے مقابلہ جلیانوالہ کے ان نہتوں اور بے کس و مظلوم انسانوں کے ساتھ جو ایک چار دیواری میں محصور تھے۔ جن میں بچے بھی تھے۔ عورتیں بھی تھیں۔ بڈھے بھی تھے۔ اور جوان بھی انہیں ڈائر اور اڈوائر کی مشین گنوں کی گولیوں نے کس جرم پر بھون کر رکھ دیا؟ پیٹ کے بل رینگنے والے انسانوں کی اس سے بڑھ کر کیا خطا تھی کہ وہ پُرامن احتجاج کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے؟ ان کی ذات سے یہ خطرہ تو نہ تھا کہ دشمن کی بمباری سے دوسری لاکھوں جانوں کا نقصان ہوگا۔ اس وقت جنگ نہ تھی بلکہ فسادی نہ تھا۔ پھر کیا بات تھی کہ ہزاروں خاک وخوں میں

تڑپتے ہوئے نظر آئے۔ اور پھر بھی یہ کہا گیا کہ ہم مجبور تھے۔ مشین گن کے راؤنڈ ختم ہو چکے تھے ورنہ لاکھوں کا مجمع تہس نہس کر کے رکھدیا جاتا" کیا یہ غلط ہے؟ اور اگر صحیح ہے تو کلاگوں بستی اور جلیانوالہ دونوں کے مظلوموں کی داد دیجئے۔ اور ان کی روحوں کے لئے شانتی اور امن وعافیت کی دعائیں کیجئے۔ یا پلا ٹریجڈی کو بھی انصاف کی ترازو کے پلڑوں پر تو لئے جس میں سینکڑوں نے گھٹ گھٹ کر جانیں دیدیں ان میں بھی بچے عورتیں ضعیف اور نوجوان سبھی تھے۔ کیا وہ مظلوم نہیں تھے کون سے گناہ کی پاداش میں وہ تہذیب کے اس نام نہاد انصاف کی بھینٹ چڑھے۔ ان کی روحیں بھی کلاگوں بستی والوں کی روحوں کے ساتھ ملکر دوسری دنیا میں جدید "انصاف وعدل" پر قہقہہ لگا رہی ہیں۔ جاپان اور برطانیہ دونوں ان کے سامنے سرنگوں اور شرمندہ ہوکر اپنے گناہوں پر نادم ہیں۔ ان کی مظلوم روحوں سے بھی مل لیجئے جو انصاف کے نام پر لاٹھی چارجوں اور گولیوں کا شکار ہو کر آج تک لاکھوں کی تعداد میں دہائی دے رہی ہیں۔ برما کی اس اندھا دھند بمباری کو مت بھولجائیے جس میں غیر فوجی مظلوموں کی صرف اس شبہ میں جانیں گئیں کہ کچھ جاپانی بھی ان میں مل جل کر رہا کرتے تھے۔ یا پھر اس لئے کہ شہر میں آباد ہونے سے جاپانیوں کے کاموں میں امداد مل رہی ہے۔ یہ دلیل کس قدر مضبوط اور خون بہانے کے لئے کس قدر پختہ ہے! چلتے چلاتے ان کی روحوں کو بھی جاپانی کشتہ کلاگوں بستی

کی روحوں کے ساتھ دُعا ہیں یاد رکھے اور انصاف کا یہ آئینہ حق دیکھتے ہوئے جس طرح جاپانیوں کی معافی میں پیش وپیش ہے۔ برطانیہ کو درگذر کرنے میں بھی زیادہ عجلت سے کام نہ لینا چاہئیے۔ زبردست کا ٹھینگا سر پر۔ اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی مثل کا یہ سچا اور صادق منظر ہے۔ جو رہتی دُنیا تک یاد رہے گا اور کوئی طاقت اسے دلوں سے محو نہ کرسکے گی ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

تعزیرات جرائم

جاسوسی کے ملزموں کے ساتھ ان کا برتاؤ اگرچہ بظاہر وحشیانہ ضرور تھا۔ مگر یہ بھی کوئی نئے طریقے نہ تھے۔ مہذب یورپین اور امریکن طریقوں کا ایک چربہ تھا۔ مثلاً اندھیری کوٹھری میں بند کردینا جس میں ہوا اور روشنی کا گذر کم ہو۔ پیشاب پاخانہ کے لئے بھی وہی جگہ مقرر تھی۔ مہینوں اس میں قیدی کو پڑا رکھنا۔ کھولتے ہوئے پانی سے جسم کے کسی حصہ کو تکلیف دینا۔ سہار جانے کی طاقت نہ ہونے ہوئے بھی سر پر بوجھ رکھدینا۔ برقی رو سے داغنا۔ مارنا پیٹنا۔ پچھاڑنا۔ وغیرہ بجد بربریت کا منظر پیش کرتا ہے۔ وحشت کا یہ نمونہ موجودہ دور تمدن و تہذیب میں کسی صورت سے روا نہیں رکھا جاسکتا۔ ہاتھ کاٹنا۔ گردنوں کو جسموں سے جُدا کرکے شارعِ عام پر لٹکا دینا۔ پانی میں غوطے دینا۔ کس قدر بیدردی اور بے رحمی کا

ثبوت پیش کرتا ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں چونکہ
ہم نے قریب سے دیکھی ہیں۔ لہذا ان کا تصور بھی دلوں پر کپکپی پیدا
کر دیتا ہے۔ مگر افسانۂ تہذیب کے ان سنے ہوئے اور
مصدقہ تاریخی واقعات کو چونکہ ہم نے دیکھا نہیں۔ اس لئے ہم
اسے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ اگر ان تعزیرات اور مظالم کی ہم
چھان بین کریں تو یورپین تعزیرات اور بربریت ہی کا یہ خاکہ تھے
بلکہ اس سے بدرجہا کم تھے۔ یہ طریقے تو حکومتیں چھوڑ اب معمولی
ڈاکو۔ رہزن۔ قومی فسادی اور سفاک شہری بھی کیا کرتے ہیں۔
مگر جرم تو اصلی معنوں میں ان پر عائد ہوتا ہے۔ جو قانون بناتے
ہیں اور قانون شکنی کرتے ہیں۔ مہذب و متمدن اور منصف کہلانے
کے باوجود ایسے ایسے مظالم ڈھا چکے ہیں اور ڈھا رہے ہیں جو
مقابلتاً جاپانی عقوبات کے سامنے آفتاب اور بقدار ذرہ ہیں
جاپانیوں نے جو کچھ کیا بہت ہی برا کیا۔ ہم اسے سراہنا نہیں
چاہتے۔ اور کوئی منصف اور عادل انسان اسے کبھی اچھا نہ کہیگا
ہیں یہ بھی ساتھ ہی دیکھ لینا ہے کہ یہ سب کچھ کس زمانے
میں ہو رہا ہے۔ اور کس ماحول میں ایسی سزائیں دی جا رہی ہیں۔
یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا ہے۔ جبکہ قانون اور آئین کو ہر شخص
اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے " فرعون بے سامان بنا ہوا تھا"
کے موقع پر برطانوی خفیہ محکموں نے انٹیلیجنس کور

کے خفیہ ایجنٹ چھوڑ رکھے تھے۔ جن کی تعداد ہزاروں پر مشتمل تھی۔ لاتعداد ہتھیار ان کے قبضہ میں تھے۔ اور لوگوں میں تقسیم کیے گئے تھے تاکہ جاپانی امن وامان کے ساتھ حکومت نہ کرسکیں اور ان کو انتظامی معاملات میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آتی رہیں۔ برما میں جبکہ جرائم کی کثرت تھی۔ قتل۔ ڈاکے۔ لوٹ۔ چوری۔ آتش زنی کی وارداتیں بڑھتی جاتی تھیں۔ برما وارد ہونے کے بعد ان کا فرض ہوگیا تھا۔ کہ ان برائیوں کا سدباب کیا جائے۔ جس کے لئے کچھ سختی کی بھی ضرورت تھی۔ دو چار کو اگر قابل عبرت سزائیں نہ دی جاتیں۔ تو پُرامن شہریوں کی حفاظت کیسے ہوتی۔ انہوں نے ایک کو برسر عام باندھ کر پٹیا۔ اور ہزاروں نے سبق حاصل کیا۔ ایک دو کی گردنیں کاٹ کر شاہراہ عام پر لٹکا دیں تو لاکھوں نے دیکھ کر دہشت اور خوف محسوس کیا۔ لوگ تھرّا اُٹھے۔ بڑے بڑے سورما اور خونی ڈاکوؤں کے حواس بجا نہ رہے اور ایسے روپوش ہوئے کہ جاپانیوں کے جانے کے بعد ہی نظر آئے۔ اب اگر کوئی ان عبرتناک سزاؤں کو سفاکی اور بربریت کہے تو کہاں تک حق بجانب ہے۔ اچھا تو پھر اگر ان کی یہ حرکات ناقابل معافی ہیں تو مہذب دُنیا کے ہو ہو ایسے ہی اور اس سے زیادہ لرزہ براندام کردینے والے افعال کو ہم کیا کہیں گے اور ان کے لئے کونسی سزائیں تجویز کریں گے۔ اگر بے رحمی جاپانیوں کے لئے باعث لعنت ہے تو ان کے لئے بھی صدہزار پھٹکار کا موجب

ہونگی۔ سُنئے اور بتائیے کہ آج تمام دُنیا کی مہذّب جیلوں میں کیا ہو رہا ہے؟ کال کوٹھری جاپانیوں کی ان اندھیری کوٹھریوں سے زیادہ خوفناک ہیں جسے ہندوستان و برما کے جیل خانہ جات کی اصطلاح میں سیل (cell) کہا جاتا ہے۔ پانچ چھ فٹ کا کمرہ چہار طرف سے بند دروازے میں ہوا کے لئے معمولی سوراخ بنے ہوئے۔ پیشاب پاخانہ بھی قیدی وہیں کرتا ہے اور وہ بدبُودار گندے کوٹھریوں میں پڑے رہتے ہیں۔ قید تنہائی میں یہ استعمال ہوتے ہیں۔ اخلاقی مجرم کے علاوہ سیاسی قیدی بھی اسی میں رکھے جاتے ہیں جو صرف اس گناہ کی پاداش میں جیل بھیجدئے جاتے ہیں کہ وہ قوم کی فلاح و بہبود کے لئے حکومت سے کچھ رعایت کی بھیک مانگتے تھے۔ انہیں جیلوں میں ایسے ہزاروں غیور اور مجبور انسان تھے۔ جو ظلم و ستم سے عاجز ہو کر بطور احتجاج بھوک ہڑتال کرتے تھے۔ اور ان کو دانہ پانی سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ ایک دو دن تک کیلئے نہیں بلکہ پچاس پچاس دنوں کا مسلسل فاقہ کرنے والوں نے بھوک اور پیاس کی مصیبتیں جھیلیں ہیں۔ کیا تاریخ میں شری جتن داس جن کی عمر ۳۰ سال کی تھی جس نے ۶۳ دنوں تک فاقہ کر کے جان دیدی تھی یکھمین سین گپتا نے ۳۰ دن تک فاقہ کیا تھا۔ کیا یہ غلط ہے کہ آئرلینڈ میں ایک مشہور قومی کارکن نے بھوک ہڑتال کے میں اپنی جان نذر دے دی تھی؟ میں نے خود جیل میں دیکھا تھا کہ ایک جیلر صاحب تاتیا نامی ایک مدراس کے

رہنے والے قیدی کو اتنی تکلیفیں دیتے تھے کہ جس کی کوئی حد نہیں اس کی شرمگاہ کے حصہ کو میز پر رکھ کر اس پر قلم کی نوک کا کچوکا لگاتے تھے۔ اور اس سے کچھ دریافت کرتے تھے۔ یہ سلسلہ بڑی دیر تک رہا کرتا تھا۔ فوتوں پر برف کی تھیلی چڑھا کر اقبال جرم زبردستی کرالینا تو ہندوستان میں بہت جگہ رائج ہے۔ برف کی سلوں پر گھنٹوں باندھ کر لٹائے رکھنا۔ نیم گرم پانی اور سرد پانی کا انیمہ دینا جو ناقابل برداشت ہوجائے۔ بید کی سزائیں تو عام تھیں اور یہ اس قدر بے رحمانہ فعل تھا کہ جس سے دیکھنے والوں کے جسم میں کپکپی پیدا ہوجاتی تھی۔ روزانہ عدالتیں معمولی سے معمولی جرم کی یہ سزا ہلکی سمجھ کر دیتی تھی۔ جس سے عمر بھر کے لئے بید کھانے والے کے جسم پر نشانات موجود رہتے اور پولیس ان نشانات کے ذریعہ مجرم کا پتہ لگاتی تھی۔

صرف یہی نہیں بلکہ ۱۸ ستمبر ۱۹۴۶ء کو فسادات بمبئی کے موقع پر کوڑے لگانے کا اعلان حکومت بمبئی کی طرف سے ہوا ہے جو ایک قومی حکومت کے لئے شرمناک ہے۔ اس پر لات۔ گھونسے اور ٹھوکر تو مستزاد تھے۔ روس۔ جرمنی۔ اٹلی اور دیگر یورپین حکومتیں زمانہ جنگ میں اتنا کرچکی ہیں جسے دہرانے میں بھی زبان قلم پر لکنت طاری ہوجاتی ہے۔ کیا اس انیسویں اور بیسویں صدی میں امریکہ جیسی مہذب دُنیا میں RED INDIANS ریڈ انڈین اور حبشیوں کو درختوں کی دو

شاخوں میں ہاتھوں اور پیروں کو باندھ کر ان کے جسموں کے ٹکڑے نہیں اڑا دئے گئے؟ ایک دو نہیں درجنوں ایسے واقعات اور وحشیانہ نمونے ہیں جو نہیں پیش کئے گئے۔ کیا وہاں پیٹرول ڈالکر زندہ لوگوں کو نہیں جلایا گیا؟ یہ سب کیوں کیا گیا صرف اس لئے کہ یہ کالے گوروں سے ساتھ مساویانہ برتاؤ کا مطالبہ کرتے تھے؟ کیا برسوں سے افریقہ میں سنسنی خیز مظالم کا اعادہ نہیں ہوا کرتا کیا۔ وہاں انسان انسان کی حیثیت سے کالی شکل لے کر بھی امن و حانیت اور عزت و آبرو کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے۔ کیا آج سنہ۱۹۶۲ء میں وہاں کے باشندے ان مظالم سے تنگ آکر ستیہ گرہ کرنے پر نہیں مجبور ہوئے؟ زندہ تو زندہ کیا برطانوی ظلم کی یہ حد نہیں کہ وہ مردوں سے انتقام لینے میں بھی کوتاہی نہیں کرتے؟ کیا اسے جھٹلایا جا سکتا ہے کہ لارڈ کچنر نے مہدی سوڈانی کی قبر سے ہڈیوں کا ڈھانچہ نکلوا کر اس کی تضحیک و توہین کی تھی؟ کیا یہ غلط ہے؟ کہ

قبر سے مہدی کے کس نے ہڈیاں تک پھینک دیں

جانور کا سا کیا برتاؤ انسانوں کے ساتھ (اشتاق)

کیا اس سے بھی انکار کیا جائے گا کہ بنگال میں صناعوں اور کاریگروں کی انگلیاں کاٹی گئیں۔ کیا ایسٹ انڈیا کمپنی کا دوران سفاکانہ تاریخی حقائق سے لبریز نہیں؟ کیا سرحد ہندوستان کے مظالم اور توڑے ہوئے ستم کی داستانیں جاپانیوں کو شرمندہ

کرنے کے لئے کچھ کم ہیں؟ کیا اس خدا کی آزاد مخلوق پر حکمِ ملکی رعب جمانے کے لئے سینکڑوں ہزاروں بم ہوائی جہازوں سے بزمانہ امن نہیں برسائے گئے؟ عورتیں اور بچوں کو بے دردی سے تباہ نہیں کیا گیا؟ کیا فلسطین کا قومی ڈرامہ جاپانیوں نے کھیلا تھا؟ کیا ان پر آئے دن مصیبتوں کے پہاڑ جاپانیوں کی طرف سے ٹوٹ رہے ہیں؟

ہے لہو سے تر بتر اب تک فلسطین کی زمین
کھیلتا ہے کون مظلوموں کے ارمانوں کے ساتھ (مشتاق)

مہذب دُنیا کے رہنے والوں میں کیا وہ فرانس نہیں تھا جس نے جون آف آرک JH ON OFARCH کو زندہ نذرِ آتش کیا تھا؟ کیا فرانس کے انقلابیوں نے گلاٹین کا استعمال کر کے ہزاروں بے گناہ گردنوں کو ان کے جسموں سے جُدا نہیں کر دیا تھا۔ کیا برطانوی میجر ہڈسن نے ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے موقع پر مغلیہ خاندان کے آخری تاجدار ظفر شاہ کے ناز پروردہ شہزادوں کو ذلیل کر کے قتل نہیں کیا تھا اور ان کے سروں کو برسر عام ہمایوں دروازے پر عرصہ تک آویزاں رکھ کر تاریخ اور اپنے نامہ اعمال کو اس وحشیانہ فعل سے سیاہ نہیں کیا ہے؟ کیا اس سے زیادہ یہ ستم نہیں کہ پیارے بیٹوں کا سر ان کے مظلوم بادشاہ باپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور یوں اس کے ہندوستانی ضبط و تحمل کا امتحان

لیا گیا۔ کیا یہ ظلم و ستم جاپانی ظلم و جور سے کم ہیں کیا یہ مقابلتاً اس کے برابر بھی کہے جا سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ جاپانی ظلم و ستم کے قصوں کے ساتھ ساتھ برطانوی۔ وحشت بربریت اور بہیمیت کے یہ تاریخی حقائق بھی نہیں بھلائے جا سکتے۔ دنیا ہمیشہ اس پر بھی لعنتیں بھیجتی رہے گی ؂

تیری رسوائی کے خونِ شہدا در پے ہے

دامنِ یار خدا ڈھانپ لے پردہ تیرا

جرائم کا سدباب

جاپانیوں کی آمد کے ایک مہینے کے بعد ہی جرائم پیشہ افراد کے دماغ ٹھکانے آگئے ۔ جوں جوں دن گزرتے گئے ۔ حالت سدھرتی گئی ۔ چوری چکاری کم ہوگئی ۔ ڈاکہ تو مطلق بند ہوگیا ۔ معمّرین کا قول ہے کہ جاپانی دور کے تمام زمانے میں اتنے ڈاکے نہیں ہوئے جتنے برطانیہ کی دوبارہ برما واپسی پر مجموعی طور پر ایک ہی مہینے میں ہوئے ہیں ۔ عین شہر کے وسط میں مسلح ڈاکو گھروں میں گھس آتے ہیں ۔ فوجی وردی پہنے ہوئے لاکھوں کی مالیت پر ہاتھ صاف کرکے چلتے بنتے ہیں ۔ اور اس سلسلے میں کئی خون بھی ہو جایا کرتے ہیں ۔ پولیس ہے کہ ان کی گرفتاری سے عاجز ہے اگر کوئی گرفتار بھی ہو گیا تو سمجھ لیجئے کہ آج چھوٹتا یا کل چھوٹتا ۔ لوگوں کا یہ صحیح خیال ہے کہ جب تک پولیس والے ملے نہ ہوں ۔ دن دہاڑے

تھانوں اور پولیس اسٹیشنوں کے پڑوس میں ایسی بے دردی کی
وارداتیں مشکل سے ہو سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں جاپان کے بعد
ہر ایک ان کے گن گا رہا ہے اور اب یاد کر رہا ہے کہ ایسے بدمعاشوں
کو سزا دینا اور ان کو درست کرنے کا حق انہیں کا تھا۔ جاپانی دور
میں دولت کی بہتات تھی۔ معمولی معمولی لڑکے تھیلیوں میں پچاس
پچاس ہزار روپے کے نوٹ کے بنڈل لٹکائے ہوئے موٹر
بسوں اور پیدل تونگون سے اسٹیشن جو نو میل کے فاصلہ پر ہے
چلے جاتے تھے۔ مضافات کا بھی یہی عالم ہے دیہاتوں میں بھی
بے خوف و خطر لوگ اپنے کاروبار میں مشغول تھے۔ مگر کوئی یہ
پوچھنے والا نہیں کہ تیرے منہ میں کتنے دانت ہیں۔ گرہ کٹ، چور
اچکے۔ شرفاء کے لباس میں نظر آرہے تھے۔ جسے پوچھئے یہی کہتا
ہوا سنائی دیگا کہ" بھائی اب بدمعاشی کا زمانہ نہیں رہا۔ کون اپنے
ہاتھ پیر کٹوائے اور عمر بھر کے لئے بیکار ہو جاتے" اس سلسلے
میں مجھے چنگیز خاں کا وہ دور یاد آتا ہے۔ جس پر کسی مؤرخ نے
کیا خوب لکھا ہے کہ اگر پیکن (چین) سے خرطوم تک سائبیریا کے
صحرا کو عبور کرتی ہوئی کوئی باکرہ لڑکی گھوڑے پر سوار سونا اچھالتی
ہوئی چلی جائے تو کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھنے والا نہ تھا۔ حسن۔ دولت
اور گھوڑے کی وہ سواری جو اس زمانے کے لئے بے حد مفید
اور ضروری تھی۔ ان تینوں چیزوں کا جمع ہونا بھی ان کی نیتوں کو

ڈانوا ڈول نہ کرتا تھا۔ ہو بہو وہی نقشہ جاپانی زمانے میں نظر آرہا
تھا۔ کیا مجال کہ کسی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھ لے۔ لوگوں کو سینکڑوں
مرتبہ گاڑی نہ ملنے پر دور دراز مقامات تک راتوں کو پہونچنے کے لئے
پیدل سفر کرنا پڑا۔ اور وہ بخیریت تمام اپنے گھروں کو واپس آگئے۔
مگر آج ان کے جانے کے بعد اور جابجا ملٹری کیمپ کی موجودگی
میں بہادر سے بہادر انسان یہ ہمت نہیں کرتا۔ اپنے کسی دوست
کے مکان پر ٹھہر جانا مناسب سمجھتا ہے۔ مگر سفر کا خوف اسے
گھر پر واپس لوٹنے کی جرأت نہیں دلاتا۔ یہ تھی اس دور کے جرائم
کی رفتار۔ رعایا سوائے بمباریوں کے خوف کے دوسرے تمام خطرات
سے محفوظ تھی۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہئے۔

ایک عجیب اتفاق

برطانیہ کی آمد کے بعد ڈاکے اور لوٹ
چوری چکاری کی وہ گرم بازاری ہوئی
کہ رعایا بھونچکی رہ گئی۔ پولیس کا شہر میں کافی انتظام رہتا تھا۔
ملٹری بھی برابر جابجا اپنا رعب جتاتی تھی۔ پولیس بھی ایسی ویسی
نہیں۔ خاص ہندوستان سے ساتھ آئی ہوئی برما پولیس تھی۔
لیکن پھر بھی جرائم کا سد باب ہونا دشوار نظر آتا تھا۔ مگر یہ عجیب اتفاق
ہے۔ ماہ اگست میں شہر رنگون کی پولیس نے ہڑتال کر دی اور
تادم تحریر ہڑتال جاری رہی۔ مگر شہر میں کوئی ایسی واردات سننے
میں نہیں آتی۔ کیا بات ہے سمجھ میں نہیں آتی جرائم کا اس حالت میں

بڑھ جانا قرین قیاس ہے مگر معاملہ اُلٹا ہی نظر آرہا ہے۔ اگر ان نافعات پر متجانہ نگاہ ڈالی جائے تو کہنا پڑے گا۔ کہ جرائم کی کمی اور بیشی کی ذمہ داری پولیس کی ایماندارانہ فرائض کی انجام دہی پر ہے پولیس اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے پیشہ ور مجرموں کو شہ دے کر ان کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ اور رعایا کی میٹھی نیند حرام کرتی رہتی ہے۔

اقتصادی خوشحالی

اس دور میں کیا امیر کیا غریب ہر ایک آسودہ نظر آتا تھا۔ جس کے پلے دیکھے ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں روپے کی مالیت تھی۔ گرانی اس قدر زیادہ تھی کہ ناقابل بیان ہے۔ پھر بھی خرچ اور اخراجات کی بڑھتی ہوئی حالت میں بھی کسی کے چہرے پر فکر کے آثار نظر نہ آتے تھے۔ ہر ایک کھا پی کر مست مولا دکھائی دیتا تھا۔ کھال مست۔ مال مست اور حال مست سب ہی ایک رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ فکر اگر کسی کو تھی تو بیماری یا پھر جنگ کے جلد ختم ہونے اور بخیریت تمام اپنے اپنے وطن پہنچنے کی۔ بعض تو اپنی اندوختہ دولت کو گھر پہنچا کر اطمینان سے زندگی گذارنے کی فکر میں تھے۔ اور بعض اور زیادہ دولت سمیٹ کر جمع کرنے کے خیال میں دن رات لگے رہتے تھے۔ بہر حال سب خوشحال اور آسودہ تھے۔ بھیک مانگنے والوں کی کمر میں بھی ہزاروں کے نوٹ بندھے ہوئے تھے۔ بھیک

بھی پانچ اور دس سے کم کی شاید ہی دیجاتی تھی۔ ہر ایک اپنی اپنی
جگہ پر شاد و خرّم نظر آتا تھا۔ اسے جاپانی عہد کی برکات کہئے
تو زیادہ موزوں ہوگا۔

شہنشاہیت پسند جاپانیوں کی مزدور نوازی سچے معنوں

میں اگر دل بڑھا ہوا تھا تو غریب مزدوروں کا جو جاپانیوں کی حقیقی
سرپرستی کے تحت مگن تھے۔ قلیوں اور مزدوروں کی بڑی تشفی
تھی۔ جاپانی ان پر بھروسہ کرتے تھے۔ کپڑا۔ اناج۔ شکر۔ سگرٹ
وغیرہ ان کو تقسیم کرتے تھے۔ بچنے کی چیزیں وہ بیچ دیا کرتے تھے۔ اور
رکھنے کی رکھ لیا کرتے تھے۔ جاپانی افسر اور سپاہی ان کے میلے
کچیلے لباس کی پروا نہ کرتے ہوئے ان سے برابر کا سلوک روا رکھتے
تھے۔ گلے میں باہیں ڈالکر ان کے ساتھ چلنا ایشیائی اتحاد کا اچھا
منظر پیش کرتا تھا۔ غریب نوازی اور غرباپروری کا یہ نمونہ دلوں
پر اثر انداز ہوتا تھا۔ خصوصاً جبکہ دونوں پیئے ہوئے ہوتے تھے
ان کی رسائی اس درجہ ہوگئی تھی۔ کہ ذرا کسی کے خلاف مزدوروں
نے ان کے کان بھرے کہ شامت آگئی۔ بمباری کے موقع پر قلیوں
کی حفاظت خاص اہتمام سے کی جاتی تھی۔ یہ اسے ماسٹر اور
وہ اسے ماسٹر کہہ کر تخاطب کیا کرتے تھے۔ جاپانی دور میں ماسٹر
بمنزلہ مسٹر استعمال ہوتا تھا۔ جاپانی خود کو بھی ماسٹر اور دوسرے

کو برا ماسٹر۔ انڈو ماسٹر کہا کرتے تھے۔ قلیوں اور مزدوروں کی اس قدر چل گئی تھی۔ کہ کمیونسٹوں کا دعویٰ ان کے روزمرہ کے برتاؤ کو دیکھ کر ہیچ اور بناوٹی معلوم دیتا تھا۔ مزدوروں کے دکھ درد کا ان کو ہمیشہ خیال رہا کرتا تھا۔ ان کے سامنے اچھے اچھوں کی دال نہیں گلتی تھی۔ کمایٹ میں ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک قلی جو کسی جاپانی یونٹ میں کام کرتا تھا۔ کسی وجہ سے کام پر نہ آیا۔ افسر نے دریافت حال کیا۔ معلوم ہوا اس کو کسی بدمعاش شہدے نے مارا پیٹا ہے۔ اور وہ بیمار ہے۔ یہ سنکر جاپانی افسر اس کی تیمارداری کو گیا۔ مزاج پرسی کی اس نے برمی کے تشدد کا حال بتایا افسر نے پوچھا کیا تم نے تھانے میں رپورٹ کی یا نہیں؟ جواب ملا رپورٹ تو کر دی ہے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ تھانہ افسر انچارج برمی انسپکٹر ہے اس نے ٹال دیا ہے۔ جاپانی نے سوال کیا کہ کیا تم اسے شناخت کر سکتے ہو۔ معلوم ہوا کہ دیکھ کر پہچان لیگا۔ یہ سنکر اس نے اس بیمار قلی کو اپنے ساتھ موٹر پر بٹھایا اور سیدھے تھانہ کی راہ لی۔ پولیس اسٹیشن پہونچکر اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بے تحاشہ پولیس افسر انچارج کے تھپڑ اور لاتیں جمانی شروع کر دیں۔ اور ایک درخت سے شارع عام پر باندھ کر اس کے گلے میں تختی لٹکا دی کہ "فرض ناشناس افسروں کی یہ حالت ہوتی ہے" اور اس نے حکم دیا کہ ملزم اگر کل تک نہ آیا تو تمہیں

قتل کر دیا جائے گا۔ یہ سنکر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ افسر چلا گیا اور انسپکٹر صاحب نے اپنے ماتحتوں کی خوشامد شروع کی کہ اس کی جان بچائی جائے اور ملزم ڈھونڈھ نکالا جائے۔ آخر پولیس نے تگ ودو کر کے ملزم کو تلاش کر لیا اور پکڑ کر تھانے میں حاضر کر کے جاپانی افسر کے سامنے پیش کیا۔ افسر کے سامنے بری ملزم نے اقبال جرم کیا۔ اب اس کی درگت شروع ہوئی۔ تین دن تک درخت کے ساتھ اسے بندھا رکھا۔ اور حسب دستور تختی لگا دی "پرامن رعایا کو ستانے والوں کا یہ حشر ہوا کرتا ہے"۔ اب پولیس انسپکٹر صاحب جاپانی افسر کی جان ومال کو دعائیں دیتے ہوئے رہا ہوئے۔ اس کے بعد اسے سگریٹ اور دیگر تحائف سے نوازا گیا۔ یہ تھی ان کی فلی اور مردم نوازی یہ تھی ان کی انصاف پروری اور فرض شناسی۔ انسپکٹر صاحب کاش اپنے فرائض پہلے ہی ادا کرتے تو یہ "فواضح لطیف" نوبت نہ ہوتی اور اس قدر رسوائی سے تو بچ جاتے۔ اس کے بعد انسپکٹر صاحب اپنے فرائض کی بجا آوری میں ہمیشہ چاق وچوبند دیکھے گئے ہیں۔

گرانی اور مہنگائی

جاپانی دور میں پہلے پہل برٹش کرنسی اور جاپانی کرنسی کا بھاؤ دونوں برابر برابر چلتے رہے۔ بعد میں استبداد کا رخ چڑھتا گیا اور اسی تناسب سے روپے کی قیمتیں سستی ہوتی گئیں۔ لوگوں نے آہستہ آہستہ برٹش نوٹ اور چاندی کے روپے اور ریزگاریاں چھپا دیں۔ اور بازار سے یہ غائب

ہونے لگے۔ افواہ یہ اڑی کہ برٹش نوٹ جن کے پاس ہوں گے جاپانی انہیں جاسوس سمجھ کر سزائیں دیں گے۔ مگر حقیقتاً ایسا کوئی حکم سرکاری طور پر نہیں جاری کیا گیا تھا۔ بلکہ اخیر تک یہ بھی دیکھا گیا تھا کہ بینکوں میں لین دین بھی ان نوٹوں سے ہوا ہے۔ لوگوں میں اس وقت یہ خام خیالی پیدا ہو گئی تھی کہ برٹش نوٹ پر امیس PROMISE تحریر ہے اور جاپانی نوٹوں پر نہیں۔ مگر یہ دلیل پوچ قسم کی تھی۔ کیونکہ جاپانی نوٹوں پر حکومت جاپان تحریر تھا۔ بہرحال اس خیال کے پیدا ہونے کی اصل وجہ یہ نہیں بلکہ بازار میں سٹے بازوں نے خصوصاً چینی تاجروں نے دگنے تگنے اور بالکل آخر میں تو ایک کے پچاس گنے تک بھاؤ کر دئے ایک طرف تو وہ اچھے داموں پر بیچتے گئے اور دوسری طرف خرید کر منافع حاصل کرتے رہے اور بجائے جاپانی کرنسی کے تجارتی مال گوداموں میں بھرنا شروع کر دیا۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ دو چار آدمیوں کو انہوں نے جاسوسی کے شبہ میں گرفتار کیا تھا۔ اور جب ان کی تلاشیاں لی گئیں تو ان کے پاس جاپانی نوٹوں کے ساتھ ساتھ برٹش نوٹ اس سے کئی گنا زیادہ ملے۔ جاپانیوں نے ان سے سوالات کئے کہ آخر تم نے کس امید پر یہ رکھے ہیں؟ آیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ انگریز پھر دوبارہ واپس آئینگے اور تم انہیں استعمال کرو گے؟ ان کا جواب تو ضرور نفی ہی میں ہونا چاہیے تھا۔ مگر جاسوسی کے الزام میں کچھ پختگی ضرور پیدا ہو گئی۔ اگرچہ وہ بعد میں

چھوڑ بھی دیئے گئے اور ان پر یہ الزامات ثابت نہ ہو سکے ۔ جاپانیوں نے ان کو برٹش نوٹ بھی واپس کر دئے اور ان کا ضبط شدہ مال بھی ۔ مگر عوام نے اسے دوسری صورت میں سمجھ لیا ۔ کہ وہ برٹش کرنسی رکھنے کی وجہ سے گرفتار ہوئے تھے ۔ یہی باتیں تھیں جن سے خوفزدہ ہو کر انگریزی کرنسی دبا دی گئی ۔ اور ان کو اپنے نوٹ زیادہ تعداد میں جاری کرنے پڑے ۔ ریزگاریوں کے بدلے ایک سینٹ ۔ ۵ سینٹ چار آنے ۔ آٹھ آنے اور روپیہ کے نوٹ کا اجراء بھی کرنا پڑا ۔ جبکہ بازار میں بعض ریزگاریوں کی بڑی قلت ہوتی رہتی تھی ۔ مال کا بھاؤ روز بروز چڑھتا ہی جاتا تھا ۔ جس کی اصلی وجہ ایک اور بھی تھی ۔ کہ مضافات سے مال لانے اور لے جانے میں ٹرانسپورٹ TRANSPORT کی دقتیں بڑھ گئی تھیں ۔ پیٹرول پر اگرچہ راشن RATION نہ تھا پھر بھی عام طور پر نہیں ملتا تھا ۔ برما کی تمام ریلوے لائنوں پر اتحادی طیارے دن دن اور رات رات بھر اڑان کرتے ۔ لائنوں اور ریلوں کو نقصان پہونچاتے ۔ سولین بسوں کو بھی جو باربرداری کے بہت کام آتی تھیں پریشان کیا جاتا تھا ۔ سرچ لائٹوں SEARCHLIGHT کے ذریعہ دیکھ بھال ہوتی تھی ۔ جہاں کچھ ٹرانسپورٹ کا شبہ گزرا ۔ مشین گنوں سے گولیاں برسانی شروع کیں ۔ جس میں زیادہ تر سولین ہی کا نقصان ہوتا رہا ۔ ایسی حالت میں مال کی بازار میں کمی رہتی تھی اور بھاؤ بڑھتے رہتے تھے ۔ چاول کی

کاشت بمباری کے نقصانات کی وجہ سے کم ہو رہی تھی۔ دوسری وجہ یہ
بھی تھی کہ روزانہ مزدوری کی اوسط کھیتی باڑی کرنے سے زیادہ منافع
بخش تھی۔ جس میں ہر وقت بمباری کا خطرہ بھی لگا ہوا تھا۔ چاول کی
کاشت قریب نصف کے رہ گئی۔ دس لاکھ ٹن کا گھاٹا اس کی
پیداوار میں پڑ گیا۔ یہی حال دوسری چیزوں کا بھی رہا۔ جنس کی کمی
گرانی اور مہنگائی کا سبب بن گئی۔ یہ تو تھا اس وقت کا حال جب
جنگ جاری تھی اور اتحادی طیاروں کی تباہ کاریاں عام تھیں گرانی کے
ہم شاکی تھے۔ مگر انگریزوں کی آمد کے بعد کے بازار بھاؤ اور مہنگائی کا
موازنہ اگلے وقتوں سے کیا جائے تو لامحالہ کہنا پڑتا ہے کہ آجکل
کی گرانی اس سے کئی درجہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ آج ہر چیز پر راشن ہے
کنٹرول ہے۔ درآمد ہو رہی ہے۔ جنگی ضرورتوں کے لئے چیزوں کا
اسٹاک بھی نہیں کیا جاتا پھر بھی نرخ آسمان پر اونچا ہی اونچا جا رہا ہے۔
جاپانی دور میں راشننگ اور کنٹرول نہیں تھا۔ بلیک مارکیٹ کا وجود
بھی غائب تھا۔ پھر بھی لوگ گراں سے گراں چیز خریدنے میں نہیں
ہچکچاتے تھے مگر آج سستی سے سستی چیز لینے کو سوچ میں پڑ جاتے ہیں
اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آج آمدکم اور قیمتیں زیادہ ہے اور اس
وقت آمدنی بھی زیادہ تھی اور قیمتیں بھی۔ لوگ فیاضی سے لیتے اور دیتے
تھے۔ تیوری پر بل نہ لاتے تھے۔ ذیل کے زائچے سے قیمتوں کا صحیح
اندازہ معلوم ہو جائیگا۔ ہم آسانی کے لئے جاپانی کرنسی کے آخری بھاؤ

ایک کے سوگنا کو معیار مقرر کرتے ہیں اور اسی کسوٹی پر نرخنامے کو کس لیتے ہیں۔ پتہ چل جائیگا کہ قحط اور گرانی کا کونسا منحوس دور ہے۔

جاپانی دور میں اشیا کی قیمتیں			انگریزی دور میں بازار کا نرخ	جاپانی حساب سے قیمت
گھی	دوسو روپے	فی ڈبہ	اٹھارہ روپے فی ڈبہ برابر ہیں	1800—0—0
نیل تلی	150/-	"	15/- " " "	1500—0—0
گائے کا گوشت	15/-	"	5/- " " "	500—0—0
بکری کا گوشت	30/-	"	12/- " " "	1200—0—0
آٹا	200/-	"	5/- " " "	500—0—0
مرغی	30/-	ایک ڈبہ	5/- " " "	500—0—0
پیاز	12/-	"	2/- " " "	200—0—0
لہسن	30/-	"	5/- " " "	500—0—0
شکر	30/-	"	4/- " " "	400—0—0
لنگی اعدد	500/-	"	20/-	2000—0—0
لٹھا	200/-	"	7/-	700—0—0
اچھے چاول	50/-	بوری	40/-	4000—0—0
دال	10/-	فی ڈبہ	1/8 - 2/-	150—0—0
سگریٹ 20 عدد	30/-		2/-	200—0—0

مندرجہ بالا نرخ نامہ گرانی اور مہنگائی کا ایک صاف و شفاف آئینہ ہے - جو ظاہر کر دیگا کہ وہ کونسا دور ہے جو انسانوں کے لئے وبال جان بنا ہوا تھا یا ہے - اور غریب و مزدور پیشہ انسان اپنے لئے کیسے رحمت تصوّر کرے گا - آج امرار آسودہ ہیں غریب مر رہے ہیں - اسوقت امرار اور غریب دونوں چین کی بنسی بجاتے تھے - اور خدا کی حمد و ثنا کرتے تھے -

بی - آئی - اے برما انڈی پنڈنٹ آرمی (آزاد آرمی فوج) برما میں تکھین یعنی آقاؤں کی ایک جماعت عرصہ سے برما میں اپنا اثر و اقتدار رکھتی تھی - عوام بڑی حد تک اسے اپنا سچا خیر خواہ مانتے تھے - یہ جماعت اصولاً انتہا پسندوں کی نمائندہ تھی - تکھین اون سان کی گرفتاری کے احکامات ان کی واپسی ہندوستان کے بعد جاری ہوئے - اور وہ پُراسرار طریقے پر براہ چین و سیام - جاپان پہونچ گئے اور فوجی تعلیم حاصل کی جو بعد میں برما پر حملے کے وقت جاپانی فوج کے ساتھ ساتھ تھے - ان کا وجود جاپانیوں کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا تھا - یہ انہی کی رہبری کا نتیجہ تھا کہ وہ اندرون ملک میں جنگلوں اور دیہاتوں کے خفیہ راستوں سے ہفتوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کرتے ہوئے اپنی پیدل فوج کو جال کی طرح تمام برما میں پھیلا چکے - جاپانیوں کے داخلہ برما کے بعد اس فوج نے وہ وہ سختیاں کی تھیں کہ الامان والحفیظ - دیہاتوں میں گھس کر گھیرا ڈال لینا - بستی والوں سے

روپے پیسے کا مطالبہ کرنا۔ تجی (تحصیلدار) اور نمبرداروں کو قتل کرنا۔ بستی میں جو پناہ گزین تھے ان کے مال و اسباب کو زبردستی لے لینا۔ اور اپنی حکومت کا اعلان کرنا۔ گویا جاپان کا نہیں انہیں کا راج تھا۔ بعض موقع پر ایسا بھی ہوا تھا کہ ان کی ان چیرہ دستیوں کی شکایتیں نپونی افسروں کو ملیں انہوں نے ان کا سدباب کرنے کے لئے کچھ جوان بھیجے مگر ان کا بھی مقابلہ کیا گیا۔ ایسے متعدد واقعات دیکھ کر پھر تو جاپانیوں نے بالکل ان کا خاتمہ ہی کر ڈالا۔ اب یہ عالم ہو گیا کہ یہ لوگ اپنے اپنے ہتھیار چھپا کر شہریوں میں شامل ہو گئے۔ جاپانیوں کا ان پر سے بھروسہ اٹھ گیا۔ یہ اپنے افسر کو بوموجو کہتے تھے۔ جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ ایک برمی نژاد جاپانی شہزادہ جو طفلی ہی سے جاپان میں رہا تھا۔ اور آزادئی برما کی کوشش کرتا رہا۔ اس کا برمی نژاد ہونا۔ برمیوں میں بہت ہی مقبول ہوا۔ اور لوگوں کو اس سے بڑی ہمدردی ہو گئی۔ ہر ایک کی زبان پر بوموجو (سالار نور افشاں) تھا۔ اسے برمی شاہ مینڈوہن کے بھائی کے سلسلے سے منسوب کرتے تھے۔ مگر یہ صرف ایک پروپیگنڈا تھا در اصل یہ ایک جاپانی افسر کرنل منامی تھا جو برمی معاملات سیاست کا انچارج تھا۔ اور اسی کی شہ پاکر اس وقت یہ برمی فوج منتشر بنی ہوئی تھی۔ جن کے ہاتھوں برمیوں کے ساتھ ہندوستانیوں کا بھی بہت نقصان ہوا تھا۔ اس فوج کے منتشر ہو جانے کے

دوسری فوج بعد میں بنی - یہ موجو (کرنل مینا می) ایک جرائم فطرت جاپانی کرنل تھا - جس کے ہاتھوں ہندوستانیوں برمیوں اور خصوصاً کرینوں کو سخت تکلیفیں پہونچیں - اس نے کرین بستی کے لئے "قتل عام" کا حکم دے دیا - مگر ڈاکٹر بامو نے اس کی مخالفت کی اور افسران بالا سے مل کر یہ احکامات منسوخ کرائے اور یوں اس کا تبادلہ ہو گیا - اسی وقت سے بی آئی اے کو توڑ دینے کا فیصلہ ہو گیا -

برما اور ہندوستانی لیگیں

۱۰ مارچ سنہ ۴۲ء کو برما آزاد لیگ بنائی گئی - برمی شہریوں کا عام جلسہ بڑے پھیا (راہب خانہ) میں ہوا جس میں برما کو آزاد کرنے اور اسے حکومت خود اختیاری دینے کے وعدے وعید ہوئے - اور اس کے لئے اسکیمیں مرتب کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں - جاپانیوں کے کاموں میں ہاتھ بٹانے اور ان کی صحیح رہنمائی کی غرض سے ورکر اور رضا کار بھرتی کئے گئے جنہیں بازوؤں پر لگانے کے لئے بیج (نشانات امتیازی) دئے گئے جس پر جاپانی زبان میں محکمے کا نام درج تھا - رضا کاروں میں کچھ "ابن الوقت" قسم کے لوگ بھی ذاتی مفاد کے لئے جو وقتی طور پر اپنا الو سیدھا کرنے کی غرض سے شامل ہوگئے تھے - بازوؤں پر نشان لگا کر انہوں نے خوب خوب رنگ جاپا اور من مانی کاروائیاں کیں - اس کے علاوہ ایک کمیٹی PECE پیس پریزویشن کمیٹی PRESERVATION COMMITTEE کے نام سے عالم وجود میں آئی جو دیہاتوں میں بھی پھیلادی گئی جس کا کام انتظامی معاملات

کی گتھی سلجھا کر مکمل امن بحال رکھنا تھا اس کمیٹی والوں نے بھی ہر طرف ہاتھ مارے اور دل کا حوصلہ نکالا۔

۱۲ مارچ کو ہندیان مقیم برما کی بھی ایک آزاد ہندوستانی لیگ INDIAN INDEPENDENT LEAGUE کی تشکیل ہوئی۔ مسٹر ایل بی۔ لانٹیا اس کے صدر مقرر ہوئے۔ اور کارکن کمیٹی کے چند ممبران جس میں راقم الحروف بھی شامل تھا۔ عہدیدار منتخب ہوئے اور مسٹر بشیر نے جو جاپانی زبان جانتے ہیں اس کے سکرٹری شپ کا چارج لیا۔ اب یہاں بھی رضا کاروں کی بھرتی ہوئی نشانات (بیج) تقسیم کئے گئے اور کام شروع کردیا گیا۔ یہ لیگ میجر فوجی وارا (FOGI WARA) اور لفٹننٹ رام سروپ سنگھ (جو بعد میں کرنل کے عہدے سے سرفراز کئے گئے) کی کوششوں کا نتیجہ تھی میجر فوجی وارا کے قائم مقام کیپٹن سوچی موچی تھے اور ہندوستانی زبان کے ماہر لفٹنٹ ایغی کا دا مترجم کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آگے چل کر یہ لیگ فوجی وارا کی کان (محکمہ فوجی وارا) کے تحت کام کرتی رہی۔ اس کا دفتر مسٹر جیل کے باغ واقع باندری روڈ میں عارضی طور پر رکھا گیا۔ اس کے بعد جگہ کی قلت کی وجہ سے دفتر صولی پگوڈا روڈ منی بلڈنگ میں منتقل ہوگیا۔ آہستہ آہستہ ممبران کی تعداد بڑھتی گئی۔ اچھا خاصا کام شروع ہوگیا۔ دور دراز مقامات سے شہر رنگون میں دوبارہ ان لوگوں کو لاکر آباد کیا گیا۔ جو بمباری اور انخلائے برما کے وقت رنگون چھوڑ گئے تھے۔ ہندوستانیوں کی دکانوں اور

گو داموں کو بچانے کی کوشش کی گئی۔ یہاں بھی بعض "ابن الوقت" لوگوں کی کمی نہ تھی چھپ چھپا کر بیچ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بعضوں نے اچھی طرح اپنی دنیا بنالی۔ جاپانی بھی اپنی مرضی کے مطابق جو جی میں آیا مال و اسباب اٹھالے گئے۔ مسٹر بشیر سکریٹری کی زبان دانی کے طفیل بہتوں کا مال بچا بھی لیا گیا۔ اوران کی کوششیں بارآور ہوتیں

رنگون پر فوجی تسلط

داخلہ رنگون کے موقع پر سب سے پہلے کیپٹن نی شی اُوراکی فوج کے سر فتح کا سہرا رکھا گیا اس کے ساتھ ساتھ اُوکابے ٹروپس OKABE TROOP نے یہاں کے انتظامی معاملات کی دیکھ بھال شروع کی لوگوں کو شناختی اور تجارتی کارڈ اس کی طرف سے دئے گئے۔ اس موقع پر شرفاء سے زیادہ بدمعاشوں نے کارڈ حاصل کرلئے اور رشوت کے زور سے اچھے خاصے شریف کہلانے لگے۔ اس کے بعض کارکنوں کو جاپانی ملٹری پولیس نے سرراہ درخت سے باندھ کر خوب پیٹا تھا۔ اوران کے ظلموں سے تنگ آئے ہوئے ہزاروں انسانوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور جاپانی انصاف کی تعریف کرتے ہوئے پائے گئے۔ بعد میں ہیرادا کا کمیشن کا دفتر بھی کھل گیا جو جائداد۔ دوکان اور گو داموں کو قبضے میں رکھنے کا سرٹیفکیٹ دیا کرتا تھا۔ اس میں ای شی ڈانامی ایک وہ جاپانی بھی افسر تھا۔ جو مدتوں رنگون میں رہ چکا تھا۔ مگر اب کی اس نے اپنے شناساؤں سے وہ طوطا چشمی دکھائی اوران کی طرف سے آنکھیں پھیرلیں کہ لوگوں اور

میں کون وہ اول درجے کا راشی اور اس کے دلال بھی بنبری لوگ تھے اپنے اپنوں کو سرٹیفکیٹ دیدیتا اور اس میں اپنا ساجھا رکھتا ۔ ملٹری پولیس کو جب اس کی خبر ہوئی تو خوب اس کی بھی مرمت ہوئی اور جیل خانے کی ہوا کھانے کے لئے بھجوا دیا گیا ۔

اوکابے ٹروپس اور فوڈ اسٹف مرچنٹ کی دعوت

جاپانیوں کی آمد

سے پہلے ایڈورڈ اسٹریٹ کے اناج کے تاجروں کی ایک انجمن تھی جس کے کم وبیش تمام ممبر برما چھوڑ کر ہندوستان چلے گئے تھے ۔ اس انجمن کے نام سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس کے ممبر کا ایک ملازم عظیم شیخ اس کا سکرٹری بن بیٹھا اور بعض تاجروں کے گماشتوں اور ایجنٹوں کے ساتھ ملاؤں کے نام سے اوکابے ٹروپس والوں کو سینٹ جان کیتھڈرل واقع سکے ماونگ تالے اسٹریٹ کے گرجے میں دعوت دی ۔ اور ایک ایڈریس پیش کیا جس میں ظاہر کیا گیا کہ غلے کی اور اجناس کی ہر طرح وہ جاپانیوں کو امداد پہونچانے کے لئے تیار ہیں ۔ جلسے کے آخر میں بریانی اور زردے سے ان کی تواضع کی گئی جو ان کے لئے سب سے پہلی نادر ہندوستانی غذا تھی ۔ ایڈریس کا یہ اثر ضرور ہوا کہ دوسرے ہی دن سے گوداموں کے تالے ٹوٹنے شروع ہوگئے جاپانی دھڑا دھڑ لاری بھر بھر کے راشن لے جانے لگے ۔ گویا میں کھل جانے کے بعد تاجروں کی شکل میں جتنے رنگے ہوئے سیار تھے

انہوں نے بھی خوب ہاتھ رنگے اور اپنا گھر بھر لیا۔ بہتی گنگا کے پانی میں راہ چلتوں نے بھی ہاتھ دھو لئے۔ بہتوں کے وارے نیارے ہو گئے۔ اور یوں ہندوستانیوں کے مال کی حفاظت کے بدلے اس کی فاتحہ خوانی ہو گئی۔

دوکانوں اور گوداموں کی لوٹ

جاپانیوں نے پہلے پہل رعایا کے مال سے بہت کم تعرض رکھا۔ لوگ اپنے ہی بھائیوں دوستوں خویش اقارب اور شناساؤں کی دوکانوں اور گوداموں کو لوٹتے رہے۔ جاپانی بھی دیکھتے رہے۔ انگریزی کمپنیاں سرکاری ذخائر خوب لٹتے رہے۔ فوجی گارڈ خاص خاص مقامات پر متعین تھی۔ باوجود اس کے گلی کوچوں کی دوکانیں برابر صاف ہوتی رہیں اور دو کوڑی کے آدمی مالا مال ہو گئے۔ جتنا مال انہوں نے اُڑایا ہے۔ جاپانی اس کا عشر بھی نہ لے گئے۔ البتہ جاپانیوں سے مل کر بہتوں نے اپنا گھر بھر لیا۔ بازوں پر نشان لگا کر جاپان کے نام سے اپنا کام بنا لیا۔

چور بازار

جاپانیوں کے آنے کے بعد کھلم کھلا "تاجر نما ڈاکو" شارع عام پر ہر قسم کا مال بیچتے تھے۔ مال نہایت ہی سستا اور کم قیمت پر ملا کرتا تھا۔ مال کو بیچ کر جمع پونجی بنا لینا ان کا منتہائے نظر تھا۔ چوری کا مال چار چار، پانچ پانچ روپے میں اچھے اچھے اُونی کپڑوں کے تھان ملا کرتے تھے۔ بعض سمجھدار لوگوں نے مال سستے داموں خرید کر جمع کر لیا اور بن گئے۔ سو سو اور ہزار ہزار گنا نفع لیکر اسے پھر بیچا ہے۔ باربرداری کی سہولتیں جس کے پاس تھیں ان کو تو گویا

مفت ہی مفت کا تھوک ہاتھ لگا۔ اور بلی کے بھاگو چھینکا ٹوٹا۔ اسی لئے یہ ضرب المثل بن گئی کہ فیصدی ۹۰ چور اور دو حرام خور۔ پہلے پہل ایک صاحب بازار سے اجناس کی خریداری میں بہت محتاط تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ مال حرام ہے۔ اس کا استعمال جائز نہیں۔ مگر جب بدبھی چیزیں ملنی دشوار ہوگئیں۔ ان کے غلے کا ذخیرہ ختم ہوا۔ تو بازاری مال کی خریداری شروع کردی اور اس عام حرام خوری کے مرتکب ہوگئے۔

نقد پارٹی عموماً ایسے لوگوں کو کہا جاتا تھا۔ جو لوٹ مار اور چوری چکاری کے ذریعے مالدار بنے ہوئے تھے۔ مفت کی ہاتھ آئی ہوئی دولت پر خوب گلچھرے اڑائے جاتے تھے۔ قوالیاں ناچ رنگ کی محفلیں روزانہ جمتی تھیں۔ قوال اور رنڈیاں ان کی فیاضی اور سخاوت سے فیض یاب ہوتی رہیں۔ ایک ایک محفل میں ہزاروں نچھاور کئے جاتے تھے۔ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر نوٹوں سے "دادفن" دینا تھا۔ جوا۔ شراب نوشی اور عیاشی میں یہ دولتیں صرف کی جاتی رہیں۔ بات بات پر اپنی فوقیت دکھانے کے لئے ہزاروں کے نوٹ پھاڑ کر سڑک پر بکھیر دئے جاتے تھے۔ کسی خوانچہ فروش کا مال لٹوا کر اس کی قیمت ادا کر دی جاتی تھی۔ اس طبقے نے جاپانی دور میں بڑے دھوم دھام سے شادیاں کیں اور باوجود گرانی لاکھوں کے زیورات اور کپڑوں سے دلہن کو آراستہ کیا۔ برات سڑکوں پر باجے گاجے کے ساتھ سانڈ کاروں اور رکشاؤں میں جایا کرتی تھی۔ مبصرین کا اندازہ ہے

جتنی شادیاں اور طلاقیں جاپانی دور میں ہوئیں ہیں۔ زمانۂ امن کے بیس سالوں میں بھی مجموعی حیثیت سے نہ ہوئی ہونگی۔ ایسی ایسی سفلہ حرکتیں ان سے سرزد ہوتی تھیں کہ فوراً پہچان لیا جاتا تھا کہ یہ نقد پارٹی کے ممبروں میں سے ایک ہے۔ لباس بھی ان کا عجیب بے تکا ہوتا تھا۔ جو لوگوں کی توجہ فوراً اپنی طرف کھینچ لے۔ چونکہ یہ مخلوق "دنیا داری" سے عاری تھی۔ بیوپار سے بالکل کوری اس لئے نقد پارٹی والوں میں سے بہتوں نے اپنا اندوختہ لہو ولعب میں تباہ کر دیا۔ اور جو ایسے ویسے نہ تھے انہوں نے نقد پارٹی سے علیحدہ ایک بدھوا سایول (جمعیت بدھوّیاں) میں شمولیت اختیار کی۔ یہ لوگ بڑے کائیاں اور گانٹھ کے پورے تھے۔ بدھو بنکر تینوں حکومتوں کو بے وقوف بناتے رہے۔ برما۔ ہندوستانی اور جاپانی حکومتوں میں انہوں نے رسوخ پیدا کرکے خوب خوب لوٹا اور اپنی جھولی بھر لی۔ ٹھیکہ اجارہ سپلائی وغیرہ میں خوب ہاتھ رنگے اور دوسروں کو بدھو بناتے رہے۔ البتہ ان کے پاس مال اور دولت رہ گئی۔ اب یہ بڑے تاجروں اور شرفاء وقت میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مگر یہ ہیں جاپانی دور کی پیداوار۔ برطانیہ کی آمد پر بھی یہ اچک کر حکومت کی گود میں جا بیٹھے۔ اور بڑی بڑی رشوتوں کے ذریعے ماضی کی "سیاہ کاریوں" پر پردہ ڈالکر اس کے منظورِ نظر بن گئے۔ انقلاب زمانہ کا یہ پہلو سب سے زیادہ نمایاں اور سبق آموز ہے۔ انقلاب زندہ باد۔

جاپانی فتوحات پر ایک اجمالی نظر

جاپان کو اتحادیوں کے اعمال سے یہ پتہ چل گیا کہ ایک نہ ایک دن اسے جنگ میں کودنا ہے اور وہ ضرور جنگ میں شمولیت کے لئے مجبور کیا جائیگا۔ امریکہ اور برطانیہ کے دشمن چین کو برابر امداد پہونچا رہے تھے۔ کروڑوں کے صرف سے بر ما روڈ کی تیاری ہوئی تھی۔ جس سے براہ راست چین کو امداد دی جاتی تھی۔ اور جاپانی احتجاج پر بھی یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ چین کا پُشت پناہ امریکہ بھلا جاپان کے احتجاج کو کب خاطر میں لانے والا تھا۔ برطانیہ نے البتہ "دو عملی پالیسی کے تحت" جاپان کے احتجاج پر تین ماہ کے لئے ۱۸ جولائی سے ۱۸ اکتوبر تک کے لئے عارضی طور پر روڈ بند کردیا۔ مگر امریکہ کے تیور چڑھے ہوئے دیکھکر روس اور چین کی مخالفت کا خیال آیا جس سے خوفزدہ ہوکر دوبارہ راستہ کھول دیا گیا۔ مگر جاپان یہ بخوبی سمجھے ہوئے تھا کہ یہ ایک ایسی سیاسی چال ہے جس سے امریکہ کا مفاد بمقابلہ جاپان زیادہ پیش نظر ہے۔

یہی چیز تھی جس نے جاپان پر کھلم کھلا یہ واضح کر دیا۔ کہ اندرونی طور پر برطانیہ
چین کے ذریعے اسے تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اور ایشیا میں وہ جاپان
جیسی طاقت ور حکومت کو اپنے رہتے ہوئے کمزور دیکھنا چاہتا ہے۔
اس لئے اب جنگ سے مفر نہیں۔ ادھر چین کو برطانیہ امریکہ روس
سامانِ جنگ اور قرض بصورت نقد کی امداد برابر پہونچاتے رہے۔
اور سیاست کی ان شاطرانہ چالوں کے پیش نظر اس نے ہند چینی
میں نومبر سنہ ۴۱ء میں اپنی فوجیں اُتار دیں۔ سیگون پر اس کا اقتدار
ہوگیا۔ تھائی لینڈ اس کے زیر اثر بن گیا۔ اور اس کی فوجیں راستہ
صاف کرتی ہوئی ملایا میں عین ۸ دسمبر سنہ ۴۲ء کو داخل ہوگئیں۔
تو پھر اسی تاریخ کو اس نے امریکہ و برطانیہ پر اعلان جنگ کر دیا۔
اور ساتھ ہی ساتھ پرل ہاربر پر ہوائی حملہ کر کے اس نے امریکی
بحری بیڑوں کا سخت نقصان کیا۔

پرل ہاربر پر حملہ

ماہرین سیاست کی نظروں میں جاپان کا
یہ اقدام غلط تھا ان کے خیال میں جاپان نے
سخت غلطی کی کہ وہ امریکہ سے اُلجھ گیا۔ اسے امریکہ سے مخاصمت
نہ لینی تھی یہ بہت صحیح اندازہ ہے۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ موجودہ
سیاست کی گنگا الٹی کیوں بہ رہی ہے؟ جاپان نے امریکہ کے مقبوضہ
پرل ہاربر پر حملہ کیا؟ یا خود امریکہ پہلے کئی سالوں سے چین کو امداد دیکر
جاپان کے دشمن کا ہاتھ مضبوط کرتا رہا؟ کیا امریکی اسلحہ چین کے ذریعہ

جاپان کے خلاف نہیں استعمال کئے گئے؟ کیا اسے دشمنی مول لینا نہیں کہتے؟ کیا جنگ صرف اعلان جنگ کے کاغذی پرزوں کی تحریر ہی سے جنگ کہلاتی ہے؟ کیا دشمن کا دوست بھی دوست ہی سمجھا جائیگا یا دشمن؟ اگر امریکہ اپنا ذاتی مفاد نہ دیکھتا اور دنیا کو جنگ کے شعلوں میں ڈھکیلنا نہیں چاہتا تو جاپان اور چین کو حتی المقدور لڑنے سے باز رکھتا - اگر جاپان ہٹ دھرمی پر اڑا رہتا تو پھر چین کی ہمدردی میں امریکہ کو جاپانیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دینا چاہیے تھا۔ تاکہ آج جاپان ایشیا کی تاخت کرنے کی جرأت ہی نہ کرتا۔ مگر اس کا منشا تو چین کو اقتصادی غلام بنا کر جاپان کو جنگ میں کمزور کرنا تھا۔ جاپان کی اس وقت کی کمزوری اور شکست اچھی تھی۔ بہ نسبت اس کے کہ وہ چین سے لڑنے لڑتے کمزور ہو۔

چین کی پانچ سالہ جنگ نے اس کی فوج کو اچھا خاصا لڑاکا بنا دیا۔ جس کے ذریعہ ایشیا کا امن تباہ و برباد ہوگیا۔ امریکہ کی اس مذبذب پالیسی کی وجہ سے اگر ایشیائی جنگ کا ذمہ دار امریکہ کو ٹھہرایا جائے تو بیجا نا انصافی نہ ہوگی - انصاف کا دامن اگر تنگ نہیں ہے تو ایسی حالت میں جب دشمن پر ایک شخص تو حملہ آور ہے اور دوسرا بندوق میں کارتوس بھر بھر کر اس حملہ آور کو دے رہا ہے - کیا اس کارتوس بھر کر دینے والے کو دوست رکھ سکتا ہے؟ یا پھر یوں کہئے کہ ایک مکاندار ایک شریف کرایہ دار کے پڑوس میں ایک مشتبہ ڈاکو کو بسا رہا ہو

کیا اس شریف کی عزت و دولت محفوظ رہنے کی کوئی ضمانت ہے؟
تو ڈاکوؤں کے ساتھ ساتھ اس کو ٹھہرانے والا بھی اسی طرح مجرم ہو گا۔
قانون کو چاہیئے کہ شراب پی کر جرم کرنے والے کے ساتھ ہی اسے
بھر بھر کر جام دینے والے بھی تو اس کے جرم میں شریک کر لے۔ چین کے
دوست برطانیہ وامریکہ جاپان کے دشمن تھے۔ اور ضرور تھے مگر بہادر
دشمن نہیں بلکہ بغلی گھونسہ تھے۔ جو اس کی پسلیوں کی ہڈی چور چور کر
رہے تھے۔ ہمیں چین کے ساتھ ہمدردی ہے اور گہری ہمدردی۔ لیکن
کیا ہم یہ بھی مان لیں کہ چین مظلوم تھا؟ جبکہ اس نے مالک مکان کی
حیثیت رکھتے ہوئے ایک شریف کے پڑوس میں مشتبہ تاجر نما ڈاکوؤں
کو بسنے کی اجازت دیدی۔ اور چین ان کی استعماری حرص و آز کا شکار
ہو کر محض ایک کٹھ پتلی بن کر رہ گیا تھا۔ امریکہ کو چین سے ہمدردی ہوتی
اسے وہ مظلوم سمجھتا تھا۔ تو جاپان سے بہادروں کی طرح لڑ جاتا جس
طرح اسے اپنے تمام مفاد کو چین میں برباد ہوتے دیکھ کر لڑنا پڑتا! بوقت
جنگ دشمن سے یہ شکوہ کہ تو نے پہلے گھونسہ کیوں مارا؟ اور ناک
ہی پر کیوں مارا کسی اور جگہ مارا ہوتا! یہ ایک لچر۔ پوچ اور بے وقوفانہ
مطالبہ ہو گا! اعلانِ جنگ پہلے جاپان نے کیا اس لئے وہ ظالم ہے!
اس کی زیادتی ہے۔ برطانیہ اور امریکہ سب بے گناہ ہیں! یہ دلائل بھی ہو
بہو گھونسہ مارنے کے اعتراض کے مترادف ہے۔ اس لئے پرل ہاربر
کا حملہ اور اعلانِ جنگ جو اگرچہ دیر ہی میں کیا گیا مگر تھا اسی سلسلے کا

جواب ۔ اور ان جارحانہ اقدامات کا ڈیفنس پرل ہاربر پر جاپانی حملہ
پالیسی کے لحاظ سے بڑی بھاری غلطی تھی۔ مگر قانوناً اور اخلاقاً حق
بجانب فعل تھا جو ہر خوددار کا حفاظتی حق سمجھا جائیگا۔ اس کے بعد

وکٹوریہ پوائنٹ سے برما پر حملہ

شروع ہوا اور ۱۱ر دسمبر کو بمباری
شروع ہوئی اور ۱۵ر دسمبر کو
وہ جاپانیوں کے قبضہ میں آگیا۔ جبکہ برما جنرل الگزنڈر کی کمان میں تھا
وکٹوریہ پوائنٹ کا قبضہ برما کی فتح کے لئے ایک زینہ تھا جہاں سے
چڑھ کر تمام ملک پر قبضہ ہوجانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اس کے قبضہ
سے برطانوی بحری کمزوری کا بھی آہستہ آہستہ یقین ہوتا گیا۔ الغرض جیسا
پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔ جاپانی فوج تاوائی ہولمین مرتبان
کے بعد دریائے بیکن پیگو پر ٹوٹ پڑی معرکہ ہوا پھر پیگو۔ ٹا۔ نیتزا وغیرہ سے
بڑھتی ہوئی جاپانی افواج برطانوی فوجوں سے لڑتی بھڑتی انہیں شکست
دیتی ہوئی رنگون پہونچ گئی۔ اپر برما کی طرف پروم شویڈانگ ٹانگو۔
تگوے ۔ یمیدن ۔ کوکو ۔ چوکسے ۔ مانڈلے مچینیا وغیرہ کی طرف خوب
قسمت آزمائی ہوئی۔ جاپانی اور چینی فوج کا مقابلہ تھا اس طرف چینی
افواج کی تعداد پچاس ساٹھ ہزار کے قریب تھی۔ ۱۳ر اپریل کو مانڈلے
پر بمباری ہوئی۔ اتحادی ہوائی اڈے برباد کردیئے گئے۔ شہر میں آگ
لگ گئی۔ بالآخر مانڈلے مسخر ہوگیا۔ ۲ر اپریل کو پروم اور ٹانگو سر ہوگیا۔
اس طرف چینی افواج نے جتنی بربادیاں کیں وہ بیان سے باہر ہے۔

رعایا پر وہ مظالم ڈہائے کہ خدا کی پناہ ۔ میں نے خود ٹانگوں والوں کی زبانی ایسے ایسے واقعات سُنے جس سے بہیمیت اور حیوانیت ٹپک رہی تھی ۔ ۵ اراپریل کو نخاوں قبضہ میں آگیا ۔ اور تیل کے کارخانے اور چشمے تباہ کر دیئے گئے ۔ شہر گرمی اور آگ سے جہنم بنا ہوا تھا ۔ جاپانی فوج شان اسٹیٹ سے داخل ہو کر برابر فتح کرتی رہی ۔ جاپانیوں کا ہیڈ کوارٹر بنکاک میں تھا ۔ شان اسٹیٹ کی طرف سے کلو اور میمو پر بھی وہ قابض ہو گئے ۔ آوا کا پل انگریزوں کے پار ہو جانے کے بعد توڑ دیا گیا ۔ بھامو اور مچینا کی طرف خوب جھڑپیں ہوئیں اور یکم مئی مچینا فتح ہو گیا ۔ چینی فوج کے چھکے چھوٹ گئے اور چہو کانگ دیلی کے راستے سے ہندوستان کی طرف بھاگی ۔ اتحادی فوج نے کلیوا سے ہندوستان کا رُخ کیا ۔ فوجوں کا ایک حصہ امپھل کے راستے بھی گیا ۔ ۴ مئی کو گورنر برما ریجنالڈ اسمتھ ہندوستان پرواز کر گئے ۔ اور اسی تاریخ کو ٹھیک اکیاب کی بندرگاہ جاپانیوں کے تسلّط میں آگئی ۔

جاپانی اور اتحادی افواج

برما میں جاپانی فوج کی تعداد اسی ہزار کے لگ بھگ تھی ۔ قریب قریب اتنی ہی چینی فوج تھی ۔ اور انگریزی برمی اور ہندوستانی افواج ایک لاکھ سے زاید تھیں ۔ جاپانی بہادری اور فنِ حرب میں بڑے ماہر اور مشاق تھے ۔ انگریزی افواج کی بھگدڑ نے ان کے اوسان خطا کر دیئے تھے ۔ اور جاپانیوں کا مقدر بھی بہت تیز تھا ۔ انگریزوں کی

ایک بدبختی یہ بھی تھی کہ برمیوں نے ان کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں اور سیہ بختی کی تاریکی میں سائے کی طرح سے جدا ہو گئے۔ ورنہ انگریزی اور چینی فوج اگر حواس درست رکھتی تو سامان جنگ کی فراوانی اور بہتات کے ساتھ وہ کچھ دیر اور جاپانیوں کا مقابلہ کر سکتیں۔ الغرض جاپانیوں نے مئی کے اخیر تک برما سے انگریزوں کا صفایا کر دیا۔ اور یوں ملک برما ان کے وجود سے خالی ہو گیا۔

جزیرہ انڈامان

۲۳ مارچ سنہ ۴۲ء کو رنگون پر قبضہ کے ۱۵ دن بعد بحر ہند کے مشہور جزیرہ انڈمان پر قبضہ کر لیا۔ یہ جزیرہ ہندوستان اور برما کا محبس ہے۔ جس میں ہر قسم کے قیدی رکھے جاتے ہیں۔ اس پر بغیر کسی مزاحمت کے قابض ہو کر جون تک جزیرہ نکوبار پر بھی اپنا تسلط جما لیا۔ پرل ہاربر سے لیکر سنگاپور۔ دوسری طرف وکٹوریہ پوائنٹ اور انڈمان و نکوبار پر اپنا اقتدار مضبوط کر کے بحر ہند سے بحر الکاہل تک اتحادی بیڑوں کو ناکام کر دیا۔ حمل و نقل کی برطانیہ کے لئے اس میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہی جاپانیوں کی بری۔ بحری اور فضائی فوقیت کا لوہا کچھ دنوں کے لئے مان لیا گیا۔ سورج بھی قلمروئے برطانیہ کے اس حصہ سے غروب ہو گیا۔ اور سمندر کی موجوں نے بھی برطانیہ کے اقتدار دا اخر پر پانی پھیر دیا۔

حفظان صحت

اپنے تمام دورِ حکومت میں جاپانی برابر بیماریوں سے محفوظ رہنے کے لئے تدابیر کرتے رہے۔

امراض کی روک تھام کے لئے وہ بڑی تندہی سے مشغول رہا کرتے تھے۔
طاعون، ہیضہ، چیچک، ملیریا جیسے متعدی امراض کا سدباب کرنے میں
وہ بے نظیر تھے۔ جابجا سڑکوں اور چوراہوں پر انجکشن اور ٹیکہ لگانے
والے بلائے بے درماں کی طرح آموجود ہوتے۔ پیدل ہوں یا سواری پر
ان سے بچکر نکل جانا مشکل تھا۔ اس مد میں وہ بڑی فیاضی سے کام
لیتے۔ اس سلسلے میں ان کا برتاؤ ذرا سخت تھا۔ ایسے موقع پر جبکہ شہر میں
جابجا کوڑا کرکٹ کے ڈھیر لگے ہوئے تھے صاف اور شفاف پانی
اور ستھری ہوا کی جہاں قلت ہو وہاں ان کا یہ اقدام ضرور قابل ستائش
تھا۔ مہنگائی اور گرانی پرائیویٹ دواخانوں کی طرف رجوع کرنے کی
ہمت نہیں دلاتی تھی۔ ان کا مفت دوائیں دینا غربا کے حق میں
تو ایک رحمت تھا۔ انہیں پبلک کے ساتھ ہی اپنی فوجوں کی سلامتی
کا بھی خیال تھا۔ پلیگ کے لئے انہوں نے عجیب و غریب طریقہ ایجاد
کیا تھا۔ پلیگ زدہ حلقے میں لوہے کی چادروں کا گھیرا ڈالکر وہ محصور
کرلیا کرتے تھے۔ چوہے لوہے کی چادروں کے پار ہوکر دوسرے علاقے
میں وبا نہیں پھیلا سکتے تھے۔ چوہے دانیاں گھر گھر میں دے رکھی تھیں
محصورین کو خوراک بھی وہ بہم پہونچاتے تھے۔ چوہا نہ ملنے پر ان کے
غصہ کا پارہ چڑھ جایا کرتا تھا۔ لوگ بھی کاہلی اور سستی سے اسکی
طرف سے غافل رہتے اور بھلے اور برے کے خیال سے بے نیاز
رہتے تھے۔ اکثر جگہ جاپانیوں نے ایسے لوگوں کو سزائیں بھی دی تھیں۔

محکمہ حفظانِ صحت کے افسرِ اعلیٰ کرنل کاتو نے ایک مرتبہ مجمع عام میں بڑی سختی کے ساتھ کہا تھا کہ ایک چوہا دس انگریز وامریکن کے برابر ہے جب تم چوہا تک نہیں مار سکتے تو انگریزوں کا کیا مقابلہ کروگے؟ افسر مذکور اس محکمے میں بڑا فرض شناس افسر تھا - اگر وہ بیماریوں کی روک تھام میں ویسی سرگرمی نہ دکھاتا تو کیا عجب ہے کہ ان متعدی امراض سے ہزاروں جانیں ضائع ہوجاتیں - صفوں کی صفیں الٹ جاتیں - اور ہر اچھا خاصا قبرستان نظر آتا -

وی - ڈی اور جاپانی

دیگر فوجیوں کی طرح جاپانی بھی سوزاک اور آتشک کی مہلک بیماریوں میں مبتلا تھے - حکومت بھی اس کے استیصال پر بہت زیادہ توجہ دیتی تھی - فوجیوں کو سزائیں دی گئی ہیں - اور ان سے بہت سختی کا برتاؤ کیا گیا ہے - دوسری فوجوں کے مقابلہ میں جاپانیوں کا تناسب ان امراض میں کچھ زیادہ نہیں تھا - مگر پرداخت بھی زیادہ تھی - اسکی روک تھام کے لئے انہوں نے ایک ایسے طبقے کی پرورش کا ذمہ بھی اٹھایا تھا جسے گیشا گرل کہا جاتا تھا - فوجیوں کی یونٹوں (units) اور کیمپوں (camps) کے قریب ایسے قحبہ خانے تھے (comfort houses) جو ان کے لئے مخصوص تھے - اور افسران بالا سے انہیں ایک مقررہ میعاد پر ٹکٹ دیے جاتے تھے - تاکہ وہ اپنا منہ کالا کرسکیں اور باہر جاکر بیماریاں نہ لاسکیں - ان قحبہ خانوں میں

حکومت کی طرف سے طبّی دیکھ بھال ہوتی رہتی تھی - اور خاص نگرانی میں ان امراض خبیثہ کے سدباب کی تعلیم دی جاتی تھی - یہ طریقہ خواہ اچھا ہو یا بُرا - بہرحال اس کے بُرے اثرات سے باہر کی دُنیا محفوظ رہتی تھی - اتحادی فوجیوں میں یہ طریقہ مفقود ہے - جس سے سولین عورتوں کی عصمت ان کی بوالہوسی کا شکار ہوکر رہ جاتی ہے - اور وہ شرفاء کے گھروں کی طرف تاک جھانک لگانے میں حیا محسوس نہیں کرتے -

جاپانیوں کی عُریانی اور یورپ کا ننگا پن

جاپانیوں میں باوجود ایشیائی ہونے کے یہ بہت بڑا عیب تھا کہ وہ بالکل ننگ دھڑنگ نہاتے دھوتے تھے - دیکھنے والے حیا سے آنکھیں نیچی کر لیا کرتے تھے - مگر وہ تھے کہ اس کی طرف مطلق خیال نہ تھا - سوائے اس کے اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ ان کے ملک کا رواج ہے - یہ بے حیائی صرف نہاتے وقت ہی ان سے سرزد ہوا کرتی تھی - جاپان میں یہ عام رواج ہے کہ لوگ بلا امتیاز ماں - بیٹی - بھائی - باپ سب حمام میں ننگے نہاتے ہیں - ان کا قول تھا کہ دل میں اگر کھوٹ ہو تو یہ چیز بُری ہے - ایک دوسرے کی طرف خیال بھی نہیں کرتا - عام حماموں کی بھی یہی حالت ہے ۵ سینٹ دیکر ہر ایک حوض میں عریاں ہی تیرا کرتے ہیں - اس جگہ کپڑے پہن کر نہانا ایک عیب میں شمار ہوتا ہے - ان کو یہ گمان ہوتا کہ کسی

مرض خاص کو چھپانے کی غرض سے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ ان کی عورتوں کا لباس دیکھئے تو عریانی کا کہیں پتہ بھی نہ ملیگا۔ یورپین تہذیب اور شائستگی اور نئی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ اس ننگے پن میں ان سے بدرجہا بہتر ہیں۔ عُریاں کلب اور عُریاں کالونی دُنیا بھر میں "ننگا پن" کا پرچار کرتی رہتی ہے۔ چوبیس گھنٹے مادرزاد عریاں رہنا ان کا اصل الاصول ہے۔ آئے دن لباسوں کا فیشن۔ ان کی تراش خراش بدلتی رہتی ہے۔ جس سے عُریانی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ایکدانہ ایک دن ایسا ضرور آئیگا کہ یورپ کی بڑھتی ہوئی تہذیب اور نئی روشنی میں ہر ایک "ننگا" نظر آئے گا۔ ہندوستان میں (خدا محفوظ رکھے) بھی یہ وبا پھیل رہی ہے۔ انگریزی تہذیب کے دلدادہ آہستہ آہستہ حیا و شرم کی عینک آنکھوں سے اتار رہے ہیں حکومت اگرچہ ابھی قانونی رکاوٹ ڈالے ہوئے ہے مگر لاپرواہی کے ساتھ میں نے جیل میں یہ نظارہ دیکھا تھا کہ تمام قیدی ننگے ہی نہاتے ہیں۔ دریافت حال پر معلوم ہوا کہ بدلنے کے لئے ان کے پاس زائد کپڑے نہیں۔ اور سکھانے کے لئے کافی انتظام نہیں ہو سکتا۔ قیدی دیواروں پر کپڑے سکھاتے ہیں دیواریں نمی رہ جاتی ہے۔ جس سے بیماریاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ابھی اس معاملہ میں قانون کو قابل بحث کرنا چاہئے ورنہ بے شرمی عام ہو جائے گی۔

شراب اور تمباکو نوشی

اسلامی نقطۂ نظر سے شراب پینا بہت بُرا فعل ہے۔ مگر متمدن دُنیا نے اس بُرائی کو رائج کر کے عام کر دیا ہے۔ جو اب عیب کی گنتی میں نہیں شمار کیا جاتا۔ یہی حال تمباکو نوشی کا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بھی ایشیا سے زیادہ یورپ اور امریکہ میں رائج ہیں۔ شراب تو پانی کی جگہ وہاں استعمال کی جاتی ہے۔ اس بُرائی میں بھی وہ نمبر لے گئے۔ اور ان کی اُستادی مسلّم تھی۔

اخلاق عامّہ

انقلاب اسی کا تو نام ہے جس میں الٹ پلٹ ہو جانے جاپانی دور کی آزادی اور دولت کی فراوانی نے بیتوں کے دماغ ٹھکانے نہیں رکھے۔ لوگ زیادہ تر لہو و لعب میں عیش اور عیاشی میں مشغول ہو گئے۔ عادتوں اور طبیعتوں میں نمایاں فرق نظر آنے لگا۔ شراب نوشی بھی پہلے سے کچھ زیادہ ہو گئی۔ اچھے اچھے پارساؤں کو بھی اس میں ملوث پایا۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔ مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک طبقہ بیماری کا خوف اور اس کا اثر زائل کرنے کے لئے شراب نوشی میں پڑ گیا۔ اور بعض "عاقبت کی خبر خدا جانے" کے پھیر میں پڑے ہوئے تھے۔ اور "خود درد" برساتی رئیس کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ "دولت آج ہے اور کل نہیں" کے خیال سے گھر پھونک تماشا دیکھنے اور اخلاق بگاڑنے تھے۔ یا پھر آزادی کی مہلت سے فائدہ اُٹھا کر ایسا ہوتا بعض ایسے بھی تھے جن کے مربی اور سرپرست ہندوستان چلے گئے تھے جواب دہی سے بے نیاز ہو کر اُنہوں نے بھی "ہاتھ پاؤں نکالے" اور

مزہ لوٹ لیا۔ بہر حال یہ ضرور دیکھا کہ اس قلیل عرصے میں اخلاق عامہ بگڑ گیا تھا۔

اطمینان وسکون خاطر

اس دور میں ہر چیز مہیا ہو سکتی تھی۔ مگر اطمینان و سکون نہیں ملتا تھا۔ ہر وقت خطرہ۔ ہر گھڑی خوف اور ہر لحظہ بمباری کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ موت ہر آن آنکھوں کے سامنے پھر جاتی تھی۔ بڑے بڑے سورما خوف زدہ رہتے تھے۔ گو بظاہر "تیس مار خانی" جتاتے تھے۔ مگر دل تھا کہ دھڑکتا تھا۔ زبان سے نہیں تو دل میں خدا کو ضرور یاد کیا کرتے تھے۔ اور یہی ایک ذاتِ واحد تھی جس کے تصور سے دل کو سکون ہو جاتا تھا۔ البتہ بے اطمینانی کے پیش نظر ان لوگوں نے مال جمع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کما کما کر مزے اُڑاتے رہے اور بس!

طاقت برداشت واستقلال

تکلیفوں اور مصیبتوں کا مقابلہ کرتے کرتے لوگوں میں برداشت کی قوت کچھ زیادہ ہو گئی تھی استقلال اور صبر کی عادتیں پیدا ہو گئی تھیں اور یہ وہ بات نہیں رہی جو ۲۳ دسمبر کی بمباری میں نظر آئی تھی۔ لوگ بے اطمینان سہی مگر حادثات کے مقابلے کے لئے کمربستہ رہا کرتے تھے۔

خود غرضی

کی اس دور میں انتہا ہو گئی۔ لوگ بڑے بے مروّت اور طوطا چشم ہو گئے۔ سب کو اپنی اپنی فکر تھی۔ سب

یہی چاہتے تھے کہ میرا کام بن جائے۔ شرفاء کے گھروں سے بھی اس کا امتیاز اُٹھ گیا تھا۔ بھائی بھائی۔ ماں بیٹوں۔ میاں بیوی عزیز اقارب سب کا "خون سفید" ہو رہا تھا۔ بیماری کے موقع پر سب یہی چاہتے تھے کہ میں سب سے پہلے ٹرینچ میں پہونچوں۔ ماں باپ بھائی بچے رہ جائیں تو بلا سے۔ میں اور میرا اندوختہ محفوظ رہے۔ راقم الحروف کے بھائی کے گھر والوں میں تو میں نے اس خود غرضی کی انتہا دیکھی۔ یہ اللہ کے بندے ہمیشہ میرے گھر والوں کو شیلٹر میں جگہ کیلئے بہت کل سے کام لیا کرتے تھے۔ میرے بچوں کو وہ ٹرینچ کے مُنہ پر یا اس کے دروازے کے سامنے بٹھاتے تھے۔ تاکہ اسپلنٹر اور بم کے حادثات سے خود بچ جائیں۔ شیلٹر کے دروازے کے سامنے کے حصہ میں بیٹھنے والے لوگ ڈھال بنے رہیں اور وہ محفوظ رہیں۔ اور جب ان کو یہ گمان ہوتا کہ اب بم سر پر ہی پڑنے والا ہے۔ تو دُعا میں مصروف ہو جاتے۔ مگر انہیں سب دوسرے کو گنہگار سمجھتے ہوئے خوف کھاتے تھے۔ کہ فلاں کی شامت اعمال سے کہیں وہ فنا کے گھاٹ نہ اُتر جائیں۔ زبان پر استغفار اور خیالات میں یہ استکبار! خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کون کس کے نیک اعمالوں سے بچ گیا۔ اور کس کی شامت سے تباہ ہو گیا۔ اجناس کی جب کچھ قلت تھی مال ہر وقت اور ہر جگہ کم ملتا تھا۔ اس وقت بھی ان کا وہی حال تھا۔ دام زیادہ دے کر دوسروں کو لینے نہیں دینا چاہتے تھے بانٹ کر کھانا نہیں جانتے تھے آج مل گیا کل ملے یا نہیں اس کے اندیشے سے

گھلے جاتے تھے - خواہ کوئی بھوکا ہی رہے بلا سے کسی کے گھر آج ہی
کے لئے نہ ہو - اپنا مہینوں کا سامان جمع کر لیا جائے - توکل پر ایمان اور
خدا پر کامل بھروسہ ان کو نہیں رہا تھا کنویں پر پانی لینے کا بھی یہی حال تھا - نوکر
چاکر کے متعلق بھی ایسی ایسی سنگدلانہ حرکتیں اُن سے سرزد ہوتی تھیں جو انتہائی
خود غرضی کہی جا سکتی تھی - جنگ سے پہلے ان کا یہ حال نہ تھا یا شاید
زیادہ خلا ملا نہ ہونے کی وجہ سے مجھے معلوم نہ ہو - یہ وہی لوگ تھے جن کے
طفیل ملک برما میں انڈو برما فساد کی بنیاد پڑی اور بہت خون خرابہ
ہوا تھا لوگ ان سے خوب واقف ہیں - جن کی عاقبت نااندیشی نے ہندوستانیوں
اور خصوصاً مسلمانوں کو بے حد نقصان پہونچایا تھا یہ عورتوں کا اس گھر میں راج
تھا - جن کی کوتاہ فہمی مسلم ہے خدا ایسوں سے بچائے

کامی کازے یا جاپانی ایثار پیشہ فوج

موجودہ دُنیا میں اپنی قوم اور اپنے وطن
کے لئے جاپانیوں سے زیادہ ایثار پیشہ قوم شاید ہی کوئی ہو - یہ ایسی صفت
ہے جو دوسری قوموں میں نہیں - اور اس کے لئے انہیں جس قدر بھی سراہئے
کم ہے - یہ خوبی یا تو تاریخ اسلامی میں نظر آئے گی یا پھر جاپانیوں میں یا قوم کیلئے
اپنے اوپر تنگی برداشت کرنا صحیح معنوں میں اسلام کے فرزندوں نے دنیا
کے سامنے پیش کر دکھایا ہے - یہ چیزیں بار بار دہرانے کے قابل ضرور
ہیں - مگر اس خیال سے کہ ہر تعلیم یافتہ اس کا واقف ہے - اور یہ اس وقت
کا موضوع بحث نہیں اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے - صرف مختصر طور پر

اس کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ یہ وہی فوج ہے جو اپنے خوفناک عزائم اور بہادری کی وجہ سے دشمنوں سے بھی اپنا لوہا منوا چکی ہے۔ مثلاً اپنے جسموں پر بم باندھ کر دشمن کی فوج میں دلیرانہ گھس جانا! ٹینکوں کو تباہ کرنے کے لئے اس کے نیچے لیٹ جانا اور خود بھی تباہ ہو جانا! ہوائی جہاز اور بمبار کو لے کر دشمنوں کی تباہی کے لئے ان پر ٹوٹ پڑنا! زخمی ہو جانے کے بعد بھی بچنے کی کوشش نہ کرتے ہوئے ان کے ہوائی بیڑوں سے ٹکرا جانا اور اپنا خاتمہ کر لینا۔ قید ہو کر اپنی قوم کو ذلیل نہ کرنا اور خودکشی کر لینا۔ اپنے شہنشاہ کی توہین پر "ہاراکاری" یعنی اپنے ہاتھ سے اپنا پیٹ چاک کر کے باعزت خودکشی کرنا اور یوں قومی عزت حاصل کرنا۔ الغرض قوم اور وطن کے لئے ایسے ایسے سنسنی خیز اقدامات کرنا جس سے عقل دنگ ہو جائے اور اس پر یقین کرنے میں سوچ بچار کرنا پڑے!

ہاراکاری

یہ ایک ایسی قربانی تھی جس کی مثال دنیا بھر کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ جاپانی اپنے شہنشاہ اپنے وطن اور قومیت کی توہین نہ برداشت کرتے ہوئے یا شہنشاہ کے حکم کی خلاف ورزی ہو جانے پر کفارہ کے طور پر اس رسم کو ادا کرتے تھے۔ جس کی یہ صورت ہوتی تھی کہ وہ ایک بند کمرے میں اپنے مذہبی عقیدے کے مطابق پوجا پاٹ کرنے کے بعد اپنے پیٹ کو ایک خاص متبرک خنجر سے چاک کر لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اس کی آخری رسم تدفین ہوتی تھی۔ اور وہ بہت ہی معزز و محترم تصور کیا جاتا تھا۔ برطانیہ جب سنگاپور پر دوبارہ قابض ہوا تھا تو ایک بڑی جگہ

تین سو جاپانی افسران نے اپنی قومی آن بان قائم رکھنے کیلئے یہی رسم کفارہ ادا کی تھی۔ یہ سنسنی خیز واقعہ بھی تاریخ عالم کا ایک نادر شاہکار ہے۔

سنگاپور میں ایک لفٹننٹ سے ملاقات

مئی سنہ ۴۲ء کے آخری ہفتوں میں

جبکہ ہم بنکاک کانفرنس سے لوٹ رہے تھے اتفاقاً ایک دوکان میں اس سے میری ملاقات ہوئی۔ وہ ہوا باز افسر تھا۔ دورانِ گفتگو میں جب پرنس آف ویلز نامی جہاز کا ذکر آیا تو اس نے کچھ واقعات سنائے اور ایک مرتبہ اس نے اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف اشارہ کیا اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا اس نے کہا کہ یہ میرے اس دوست کی نشانی ہے جس نے اپنی جان دیکر اس جہاز کو تباہ کر دیا تھا۔ اس نے کہا کہ واقعہ کے وقوع پذیر ہونے سے ایک دن پہلے اس نے مجھے کہا کہ میری یہ گھڑی میری ماں کو دیکر کہنا کہ "میں اپنے وطن پر قربان ہوگیا" دوسرے دن ان جہازوں پر بمباری کی جنگ میں اس کے ساتھ میں بھی شریک تھا۔ اوپر اور نیچے سے برابر ہوا مار توپیں اور مشین گنیں چلتی رہیں۔ ایک مرتبہ ہم نے کیا دیکھا کہ وہ اپنے بمبر سمیت یہ دیکھ کر کہ اتنے بڑے جہاز پر بمباری کا جلد اثر ہونا مشکل ہے جہاز کے دھوئیں کی چمنی میں ٹوٹ پڑا اس کا گرنا تھا کہ تمام گولے انجن پر کام کر گئے۔ بوائلر پھٹ گیا اور جہاز کے پرخچے اڑ گئے اور یوں اس کو وطن کے لئے قربانی کا فخر حاصل ہوا۔ اس نے کہا مجھ سے پہلے میرے دوست نے اپنا فرض ادا کیا اور میں بدقسمت ہی رہا۔ مگر نہیں میں بھی

بہت جلد اس سے جا ملونگا۔ وطن پر قربان ہونے والے ایثار پیشہ جاپانی ہوابازاپنے ساتھ دانستہ پیراشوٹ نہیں رکھا کرتے تھے اُن کا نظریہ یہ تھا کہ ہوائی چھتری کی موجودگی میں جب طیارہ ۔۔۔ تو اپنی جان بچانے کے لئے پیراشوٹ استعمال میں لانے کو دل چاہتا ہے اس لئے وہ ایسے موقع پر بجائے زندہ بچنے کے اس زخمی جہاز کو دشمن کے جہاز سے ٹکرا دیتے تھے۔ یا کسی ڈمپ اور حربی ذخائر پر گر کر خود بھی تباہ ہوجاتے تھے اور ان کا بھی خاتمہ کردیتے تھے۔

اپنے بزرگوں کی راکھ کا احترام

جاپانی فوجیوں کے بڑے بڑے پاس ان کے مرے ہوئے بزرگوں کی ہڈیوں کی راکھ ہوا کرتی تھی۔ جو وہ اپنی کمر میں نہایت احترام کے ساتھ رکھتے تھے۔ جس پر انہوں نے قسم کھائی ہوئی تھی کہ وہ اس کا بدلہ دشمنوں سے ضرور لیں گے۔ یہ جذبۂ انتقامی ان کو جانبازی اور بہادری پر ابھارا کرتا تھا۔ جاپانیوں کو اپنے حصولِ مقصد کی راہ میں جانوں کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ اور اس کے لئے ان سے ایسے ایسے کارنامے سرزد ہوتے تھے۔ جو تاریخ عالم کا سنہرا عنوان بننے کے قابل تھے۔

ایک سخت جان ہواباز

سنہ ۴۲ء کے اوائل میں جبکہ انگریز موجود تھے اور جاپانی بمباری ہورہی تھی ایک بہادر ہواباز لفٹننٹ نے نشگا ٹول کے ہوائی مستقر پر بم برسانے

اور بہت کچھ نقصان کیا۔ اسی دوران میں ہوا مار توپ کا نشانہ اس پر
ٹھیک بیٹھا۔ ٹانگ اڑ گئی سخت زخمی ہو گیا۔ طیارہ نیچے گر پڑا مگر یہ
سخت جان فوراً ٹامی گن لیتے ہوئے کود پڑا اور گولیاں برسانی شروع
کیں۔ زخموں کی تاب نہ لا کر گر پڑا اور پھر اٹھا۔ نزدیک ہی ایک انگریزی
ہوائی جہاز بھی پڑا تھا۔ اس نے کوشش کی کہ اس پر سوار ہو کر اڑان کرے۔
مگر یہ کوشش بیسود تھی کیونکہ اس کے زخم زیادہ مہلک تھے۔ بالآخر وہ
گر پڑا اور دم توڑ دیا۔ برٹش آفیسر بھی اس کی جانبازی اور بہادری کا یہ
منظر دیکھ کر انگشت بدنداں تھے۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ انگریزوں نے
اس کی بہادری کے صلے میں فوجی نشان کے ساتھ تجہیز و تکفین کی۔ مرتا
مر تو گیا مگر اپنے ساتھ دشمنوں کو بھی لیتا گیا۔ جب برما میں جاپانی داخل
ہوئے تھے تو اس کی قبر پر سلامی دی اور یادگار قائم کر دی۔ ایسی نو
کئی یادگاریں وہ چھوڑ گئے ہیں۔ جنہوں نے عدیم النظیر قربانیاں کی تھیں۔

مذہب اور قومیت

جاپان میں تین مذاہب کے پیرو ہیں۔ شینٹو
بدھ مذہب اور عیسائی عقائد کے ماننے والے
زیادہ ہیں۔ اسلام کی طرف بھی چند سالوں سے ان کا میلان ہو رہا ہے
ٹوکیو میں ایک بہت بڑی شاندار مسجد بھی تعمیر ہو چکی ہے۔ جاپانی مختلف
المذاہب اور عقائد میں اختلاف کے باوجود وہ قومیت کے لحاظ سے
کچھ بھی نہیں۔ صرف جاپانی تھے اور نپونی! مذہب کی کوئی پابندی ان میں نہیں
تھی۔ قومیت کا جنون ان میں بدرجہ غایت موجود تھا۔ ایک جاپانی

بس جاپانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس قوم میں جنگجو قبائل کی طرح تمام خوبیاں اور برائیاں موجود تھیں۔

فنِ حرب کے کمالات

اس کا اُتار چڑھاؤ اور اس کے رموز سے بھی پوری طرح سے واقف تھے۔ نئی فوجی تربیت پا لینے کے بعد اپنے پرانے جنگی طریقوں سے بھی وہ کام لیا کرتے تھے۔ جنگ میں دھوکا اور مغالطہ دینا بھی انہیں خوب آتا تھا۔ ملایا اور برما کی جنگ میں اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔ دشمنوں کے کیمپ کے قریب چند جاپانیوں کا اس قدر شور و غوغا کرنا جس سے ان کے اوسان خطا ہو جاتے تھے۔ اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جایا کرتے تھے۔ درختوں پر چڑھ کر مشین گن چلانا۔ اور بعض اوقات بانس کا چرخہ بنا کر مشین گن کی آواز کی نقل پیدا کرنا۔ اور شور مچانا جس سے دشمن یہ سمجھ لیں کہ جاپانی قریب آگئے ہیں۔ پیچھے ہٹ جانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے جو امپھل کے محاذ کے اطراف کا واقعہ ہے اور جو ایک برٹش آفیسر کی روایت ہے کہ انگریزی اور جاپانی پڑاؤ کے درمیان ایک پانی کا چشمہ تھا جس میں سے دونوں پارٹی پانی لیا کرتی تھی۔ پڑاؤ کا فاصلہ اتنا قریب تھا کہ دونوں طرف کے ہندوستانی سپاہی آپس میں "بھونپو" لاوڈ اسپیکر کے ذریعے بات چیت بھی کر لیا کرتے تھے۔ چشمے پر پانی لیتے وقت جہاں کوئی نظر آگیا۔ گولی بھی چل جاتی تھی۔ ایک مرتبہ جبکہ انگریزی دستہ کھلے ہوئے

ٹرینچ میں تھا۔ دیکھا کہ جاپانیوں کی ایک ٹولی باقاعدہ لفٹ رائٹ لفٹ مارچ کرتی ہوئی رائفلیں کندھوں پر رکھے ہوئے بے دھڑک چلی آرہی ہے۔ سفید جھنڈی بھی ساتھ ہے۔ انگریزی فوج ان کی اس بے باکی سے تذبذب میں پڑگئی۔ کسی نے یہ خیال کیا کہ شاید صلح ہوگئی ہے۔ غرض ہر ایک خیالات کی کھچڑیاں پکا ہی رہا تھا کہ وہ ٹرینچ کے منہ پر پہنچ گئے اور سلوٹ کرتے ہوئے اس میں گھس گئے اور حملہ بولدیا۔ ان میں سے بہتوں کا صفایا کرکے کچھ قیدی بنا کر چلتے ہوئے۔ افسر مذکور کا بیان ہے کہ بھلا یہ بات کیونکر جلد دماغ میں آسکتی تھی کہ یہ ایک دھوکا تھا۔ دشمن اتنی بے خوفی اور اطمینان کے ساتھ مارچ کرتا ہوا بندوقوں کی زد پہ کیسے آسکتا ہے؟ ہونہو کوئی خاص بات ہے! دراصل دیکھا جائے تو یہ ایک حربی جدّت اور موقع پر سوجھ بوجھ کا کرشمہ تھا کہ دشمن زیر ہوگئے۔ ورنہ ہماری فوج بڑی سڑتی رہتی۔ وہ اس واقعہ پر بہت شرمندہ تھے کہ اتنی آسانی کے ساتھ ان کو "بدھو" بنایا گیا۔ وہ کہتے تھے کہ مجھے اگر جنگی تاریخ میں کوئی چیز یاد رہے گی تو بس یہی ایک اور اگر میں شرمندہ ہوتا رہونگا تو اس اپنے "بے وقوف" بننے پر! میری آنکھوں کے سامنے ہمیشہ ہوبہو وہی منظر آجاتا ہے۔ اور مغالطہ ہونے لگتا ہے کہ گویا میں ٹرینچ پر اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہوں! ایسے واقعات کی اگر جستجو کیجائے تو سپاہیوں اور افسروں کی یادداشتوں میں ایک دو نہیں سینکڑوں کی تعداد میں ملیں گے جن سے جیرت واستعجاب بڑھتا ہی جائیگا۔

برما میں رعایا سے جاپانیوں کا سلوک

ہر فاتح قوم جب کسی ملک کو فتح کرتی ہے تو ہمیشہ اس کا ارادہ حکومت کرنے کا ہوا کرتا ہے۔ یہی حال جاپانیوں کا تھا۔ وہ بھی برما میں اپنی مستقل حکومت کرنا چاہتے تھے مگر بعد میں حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان کے خیالات بھی بدلتے گئے اور چونکہ برما والوں نے خود ان کی رہنمائی کی تھی۔ انہیں اپنے ساتھ لگا لائے تھے۔ اس لئے ان کا داخلہ پُرامن رہا۔ وہ نرمی اور ملاطفت سے ان کے ساتھ برتاؤ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ یکم اگست سنہ ۴۳ء کو برما کو آزاد کر دیا اور اس نے زمانہ جنگ کی رائج سختیوں کے مقابلے کچھ نہیں کیا۔ اگر کہیں کچھ زیادتیاں بھی ہوئیں ہیں۔ تو ان۔ کو ہمیں اڈمنسٹریشن (Administration) کے قیام کے لئے سمجھنا چاہئے۔ برمیوں نے جب اس کی عزت کا خیال نہ کیا اور انفرادی آزادی کو ناجائز طور پر استعمال کیا تو پھر انہیں بھی ہر قانون کو ہاتھ میں لینے والے کے ساتھ امن و امان کے قیام کی خاطر سختیاں کرنی پڑیں۔ برسوں سے غلام رہنے کی وجہ سے ہندوستانیوں اور برمیوں میں ڈسپلین Discipline اور نظم عمل کی بہت بڑی کمی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں اگر خود کو ذلیل کریں تو اس میں ان کا کیا قصور ہے۔ آنے کے بعد انہوں نے یہاں کے لوگوں کے اخلاق دیکھے۔ لوٹ دیکھی۔ خوشامد اور چاپلوسی کرتے ہوتے انہیں پایا تو پھر اگر وہ ایسے لوگوں کی عزت نہ کریں تو شکایت بھی نہ ہونی چاہئے۔ انہوں نے بُروں کے ساتھ بُرا برتاؤ

بھی کیا اور اچھوں کے ساتھ بہترین تعلقات بھی رکھے۔ البتہ سیاسی
قیدیوں پر دباؤ زیادہ پڑا جو وقت کا تقاضا تھا۔ اس کے بعد جب وہ
بے گناہ سمجھے گئے تو ان کی بہت زیادہ عزت کی گئی۔ جن لوگوں کو ان سے
شکایتیں ہونگی یا تو وہ ایسے لوگ ہونگے جو یہ چاہتے ہیں کہ ان کے جائز
وناجائز افعال کو ہر وقت سراہا جائے اور مطلق بازپرس نہ کی جائے!
یا پھر وہ لوگ ہونگے جنکے رگ وریشہ میں انگریزی نمک سرایت کر کے خون صالح
کو فاسد کر چکا ہوا ہوگا۔ یا پھر وہ لوگ ہوں گے جو دنیا کی سیاست
سے بالکل بے خبر رہا کرتے ہونگے اور کچھ ایسے بھی ہونگے جن کے دلوں
میں ان قیدیوں کا ساجذبہ ہوگا۔ جو سالہا سال قید رہ کر جیل خانے ہی
کو اپنا گھر سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور جیلر ہی ان کے حق میں مربی اور سرپرست
کی حیثیت پیدا کر چکا ہو۔ ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ ان سے خدا واسطے کا
بیر ہے اور کچھ نہیں۔ بہرحال ان کا سلوک جیسا بھی تھا اس سے جنگ
کے پیش نظر نتیجہ نکالنا غلطی ہے اور قبل از وقت کہا جائیگا۔

جاپانی جھنڈے

جاپانیوں کے جھنڈے دو قسم کے تھے۔ ایک
بری فوج کے لئے اور دوسرا بحری فوج میں
مستعمل تھا۔ بری فوج کے پرچم پر خورشید اپنی پوری تابانی دکھاتا تھا۔
اور بحری فوج کے جھنڈے پر سورج کے طلوع ہونے کا منظر تھا۔
جس میں سے اس کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ بری اور بحری فوج ایکدوسرے
سے مسابقت کرنے میں بڑھ جاتی تھیں۔ ایک دوسرے پر اپنی برتری

اور فوقیت کی ڈینگیں مارتی تھیں۔ مگر وطن کی خدمت میں دونوں بڑھ چڑھ کر ایثار اور قربانی کا جذبہ رکھتی تھیں۔ ان کا ہر سپاہی اور جہازی یہی سمجھتا تھا کہ وہ تمام ملک کی فلاح وبہبود اور نقصان کا ذمہ دار ہے۔ اور قوم کی کشتی کو سلامتی سے پار لگانے کا فرض صرف اسی کی ذات سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقوام عالم میں ان سے اچھا سپاہی اور بہتر خیر خواہ شاید ہی کوئی ہو۔

جاپان کی فوجی طاقت

لازمی بھرتی کا قانون جاپان میں رائج ہے۔ اس حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو جاپان کی پوری آبادی فوجی آبادی ہے۔ اور تعلیمی لحاظ سے تمام آبادی سو فیصدی تعلیم یافتہ ہے۔ تین سال کی فوجی ٹریننگ ہر ایک کو لینی ضروری ہے۔ اس کے بعد بصورت جنگ جنگی خدمات کے لئے حاضر ہونا پڑتا ہے۔

سپاہیوں کی تنخواہیں

یہ سپاہی بہت ہی ایثار اور تنگی کے ساتھ خدمت وطن کرتے ہیں۔ سادہ لباس۔ سادی خوراک میں گذارہ کرتے ہیں۔ ان کا مشاہرہ دس روپے (ین) فی کس اور برما الاؤنس (۵-۰) روپے ہوا کرتا تھا۔ البتہ وطن میں ان کے خاندان کی پرورش کا بار حکومت برداشت کرتی تھی۔ برما کی بڑھی ہوئی مہنگائی میں وہ اپنی ضروریات کے لئے ہمیشہ محتاج رہا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے راشن کی چیزیں۔ خصوصیت کے ساتھ سگریٹ

بازار میں بیچ لیتے تھے۔ اور یوں ان کو ۱۵ سے ۲۰ روپے فی پیکٹ مل جایا کرتے تھے۔ سگرٹ بیچکر وہ بر ماچرٹ جو داموں میں سستے ہوا کرتے تھے۔ خرید لیتے اور اپنی خواہش پوری کرتے۔ انگریزی فوج کے شاہی اخراجات بھلا ان کو کہاں نصیب؟ جس کا بار ہندوستان اور نوآبادیات کے خزانے اُٹھاتے ہیں۔ حلوائی کی دُکان پر فاتحہ خوانی کا مرض ان میں نہیں تھا۔ ورنہ ان کا دیدبہ کچھ اور ہوتا۔

رازداری کی عادت

جاپانیوں کی یہ ایک صفت خاص تھی جو چینیوں سے بہت ملتی جلتی تھی۔ ہر ایک جاپانی ایک معمہ تھا ان سے کسی راز کو معلوم کرنے کا خیال بے سود تھا۔ سویلین اور فوجی دونوں بہت زیادہ محتاط تھے۔ ان کی رجمنٹوں اور کیمپوں کی حقیقت معلوم کرنا مشکل امر تھا۔ ان پر جو تختیاں اور بورڈ لگے ہوتے۔ ان پر عجیب وغریب نشانات بنے ہوتے۔ اور نام بھی بڑے بے ڈھب ہوا کرتے تھے۔ کسی یونٹ کو معلوم کرنے کے لئے ہفتوں تلاش کی ضرورت ہوتی تھی۔ جب کہیں جاکر پتہ چلتا تھا کہ اس کا ٹھیک مقام کہاں ہے۔ جاسوسوں کی نوجانوں کے لالے پڑ جاتے تھے۔ ان کے لئے تو کسی راز کا معلوم کرلینا بہت ہی دشوار مرحلہ تھا۔ یہ بات صرف جاپانیوں میں دیکھی گئی کہ وہ انگریزی فوج کی طرح پیٹ کے ہلکے نہیں ہوتے تھے۔

جاپانی شکوک وشبہات کے چند ناکردہ گناہ شکار

بعض ایسے بھی ہندوستانی

تھے جو " تارو مُنّی " کا پارٹ ادا کر رہے تھے۔ جاپانی تاجروں سے ملکر ان کی وساطت سے اپنی ذاتی غرض کے لئے ملٹری کے کان بھرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر شیخ محمد بشیر۔ مسٹر کھنہ۔ مسٹر نظامی۔ مسٹر بی ٹی اہوجا مسٹر بی گھوش۔ گھوش (بڈیو) مسٹر لال خاں۔ مسٹر ڈاجیین۔ وغیرہم کو ملٹری پولیس نے گرفتار کرلیا۔ ان پر جاسوسی کا شبہ کیا جاتا تھا۔ مسٹر بشیر اس سے قبل بھی ہندوستانی دوستوں کی مہربانی کا شکار ہو کر ۱۹ دنوں تک کیمپ پھانی میں رہ چکے تھے۔ ان لوگوں سے ٹرانس میٹر طلب کیا جاتا تھا۔ کہ بتاؤ کہاں چھپا رکھا ہے۔ سختیاں کی جاتی تھیں۔ تکلیفیں پہونچائی جاتی تھیں۔ مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ بالآخر حقیقت معلوم ہوگئی اور چھ مہینے کے قریب رکھ کر چھوڑ دیئے گئے۔ نیتاجی کے اخلاص نے ان لوگوں کو بڑی تندہی کے ساتھ آزاد ہند لیگ میں کام کرنے کا موقع دیا۔ مسٹر بشیر کے متعلق مزے کی بات یہ تھی کہ وہ جاپانی زبان جانتے تھے اور دونوں طرف سے شکوک و شبہات کی نظروں پر چڑھے ہوئے تھے۔ جاپانی یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا بھید معلوم کرنے کے لئے انہوں نے جاپانی زبان سیکھی ہے۔ اور انگریز سمجھے ہوئے تھے کہ وہ جاپانی ایجنٹ ہیں۔ غرض عجیب مضحکہ خیز نتائج دونوں نے اخذ کرلئے اور یوں غریب آئے دن مصیبتوں میں مبتلا ہوتے رہے۔

" اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی گودھکی کے ان دونوں پاٹوں میں گیہوں کے ساتھ گھن بنکر پستے رہے۔ بعد میں جاپانیوں نے ان جاپانی افسروں کی بھی خوب مرمت کی اور انکو سزائیں دلوائیں جنہوں نے ان ناکردہ گناہوں کو جھوٹی سچی رپورٹیں دے دیکر پھنسایا تھا۔

جاپانیوں میں انتظام ملکی کا فقدان

برما میں یوں تو ہنگامی طور پر جاپانیوں نے انتظامات ملکی پر قدرت حاصل کر لی۔ مگر مکمل طور پر کچھ انتظام خراب ہی سا رہا۔ اگرچہ جنگ میں مشغولیت کی وجہ سے وہ اس کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ اور انتظامی معاملات کو حکومت برما کے سپرد کر دیا تھا۔ پھر بھی وہ اس کی ذمہ داری سے ہرگز سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ انتظامات ملکی میں مطلق ناقابل اور نااہل تھے۔

جاپانی اپنے ملک میں نہایت مصلح اور متمدّن قوم ہے تاریخ اس کی شاہد ہے۔ کہ وہ موجودہ دور میں اپنی قابلیت کا ثبوت دے چکے ہیں۔ اور انہوں نے اسی لئے بہت جلد قابلِ رشک ترقی کر کے متمدّن دنیا کے دوش بدوش چل کر صفِ اول کی مہذب قوموں میں شمار ہو گئے۔

جاپانیوں کی فطری صلح پسندی

یہ لوگ عموماً فطری صلح پسند واقع ہوئے ہیں۔ اکثر ان کو دیکھا گیا ہے کہ وہ دو متحارب پارٹیوں میں صفائی کرا دیا کرتے تھے۔ تاکہ معاملہ آگے بڑھنے نہ پائے۔

میرے ایک دوست اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کرتے تھے کہ میں جب جاپان میں تھا۔ اس وقت تجارتی سلسلے میں

ایک فرم کو میں نے اپنی بقایا وصولی کے لئے عدالتی نوٹس دینا چاہی۔ وکیل کے پاس گیا اور واقعات بتائے۔ وکیل صاحب نے تین چار دنوں کے بعد مجھے بلوا کر کہا کہ تمہارا بقایا وصول ہو چکا ہے۔ اور یہ چک حاضر ہے۔

میں نے ان سے پوچھا کہ آخر عدالت گئے بغیر یہ معاملہ کیسے طے ہوا؟ اس وقت انہوں نے بتایا کہ وہ دینیدار کے پاس بذات خود گئے۔ اور اسے اونچ نیچ سمجھایا۔ عدالت میں پریشان ہونے کی برائیاں بتائیں۔ اور معاملہ نبٹا لیا۔

دوسرے دن میں نے ان کی فیس کی رقم بذریعہ چک بھجوائی جو وکیل صاحب نے واپس کر دی۔ میں سمجھا شاید فیس کچھ کم تھی۔ اور وہ کچھ زیادہ لینا چاہتے ہیں۔ دوسرے دن جب میں وکیل صاحب کے پاس گیا اور فیس کی رقم پیش کی تو انہوں نے ہنس کر جواب دیا کہ فیس کیسی؟ میں نے تو اپنا اخلاقی اور قومی فرض ادا کیا ہے۔ عدالت تک تو جانے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ اور میں نے بھی کوئی قانونی خدمت نہیں ادا کی۔ اس لئے فیس لینا میرے لئے زیبا نہیں۔

یہ کہہ کر انہوں نے مجھے زیر بار احسان کر لیا۔ اب میں اس فکر میں لگا رہا کہ کسی طرح فیس جتنی رقم تو کم از کم ان کو کسی بہانے سے لوٹا دوں۔ آخر ان کے بڑے دن

کے موقع پر بہت سی ڈالی لے کر ان کے گھر گیا۔ اور وہ تحفہ پیش کر دیا۔ مگر انہوں نے اسے منظور کرتے ہوئے یہ ضرور دریافت کیا کہ آیا فیس کی رقم تو اس بہانے سے نہیں دی گئی؟

میں نے جب نفی میں جواب دیا اور اس تحفے کو بڑے دن اور بچوں کی خوشی کے لئے بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور قبول کر لیا۔

جاپان میں اکثر و بیشتر ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ جس سے ان کی صلح جویانہ عادت پر روشنی پڑتی ہے۔

آزاد حکومتِ برما

۸ مارچ ۱۹۴۲ء جاپانیوں کے داخلہ کے بعد ۱۰ مارچ کو آزاد برما لیگ بنائی گئی اور برمیوں کے متعلقہ معاملات کے لئے ابتدائی کام کاج شروع ہوگیا۔ رضا کاروں کی بھرتی ہونے لگی۔ اور برمی کارکنوں نے اس کے لئے انتظامی اسکیمیں اور لائحہ عمل تیار کرنا شروع کر دیا۔ ایک آزاد برما حکومت کی انتظامیہ کمیٹی تیار کی گئی اور ڈاکٹر با مو سابق وزیر اعظم برما کو اس کا صدر مقرر کیا گیا۔

برمی وفد ٹوکیو روانہ ہوگیا۔ ۲۸ جنوری ۱۹۴۳ء جنرل ٹوجو وزیر اعظم جاپان نے اپنے ایک اعلان میں برما کی آزادی کے وعدے کئے۔ جس پر یہاں سے تکھیں اول سال، تکھیں میا اور ڈاکٹر تھنیں مونگ پر مشتمل ایک وفد ۱۱ مارچ ۱۹۴۳ء کو ٹوکیو گیا اور وزیر اعظم جاپان سے تبادلہ خیالات کرکے برما کے سیاسی مسائل ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔

کی گتھیاں سلجھا کر ۸ مئی ۱۹۴۳ء کو سب واپس رنگون پہنچ گئے۔ اور جب جنرل ٹوجو سنگاپور آئے تو وزیر اعظم برما نے بھی ان سے ملاقات کی اور آزادی کا پروانہ لے کر رنگون آ گئے۔

برما کی آزادی کا دور۔ یکم اگست ۱۹۴۳ء سے شروع ہوتا ہے۔ رائل لیک پر اس روز ایک جلسہ عام میں شہنشاہ جاپان کا حکم نامہ اور جنرل ٹوجو کا اعلان پڑھ کر سنایا گیا جس میں برما کی آزادی کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ ڈاکٹر باموآزاد برما کی حکومت کے وزیر اعظم مقرر ہوئے اور اس کے بعد سپہ سالار اعلیٰ کا چارج بھی انھیں کو عطا ہوا۔ اور جاپانی میجر جنرل کوابے جو برما کی جاپانی فوج کے افسر اعلیٰ تھے ڈاکٹر باموکی ماتحتی میں آ گئے۔

مجلس وزراء کی تشکیل۔ مجلس وزارت میں ۱۵ وزیر مقرر کئے گئے جن کے زیر اثر مختلف محکمہ جات تھے۔ دفاع، مال و تعمیری شعبہ جاپانیوں کے اختیارات کے سپرد کر دئیے گئے۔

جاپانی مشیر حکومت مسٹر اوگاوا۔ برائے برما مشیر مقرر کئے گئے اور حکومت کے کل پرزے اپنی اپنی جگہ چلنے لگے۔

برمی آزاد فوج بی۔ ڈی۔ اے (برمی ڈیفنس آرمی) کے نام سے قائم ہوئی۔ جس کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ تھکین اون سان اس کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ آپ کو میجر جنرل کا عہدہ دیا گیا۔ اس فوج میں زیادہ تر برما کی پہلی فوج بی۔ آئی۔ اے۔ کے روپوش سپاہی شامل ہو گئے اور ایک باقاعدہ اور تربیت یافتہ فوج تیار ہو گئی۔

برما اسٹیٹ بینک۔ یہ بینک جاپانیوں کے سرمایہ سے قائم ہوا۔ اس کی ساکھ بہت زیادہ مضبوط تو نہ تھی مگر جاپانی حکومت کی سرپرستی کی وجہ سے کام چلتا رہا حکومت برما جاپانیوں کی مقروض تھی انھوں نے کئی کروڑ روپے انتظامی کاموں میں صرف کرنے کے لئے سامان کو قرض دیئے تھے اخیر وقتوں میں برما کی حکومت نے نوٹ بھی جاری کرنے پر غور و خوض کیا گیا۔ اسٹامپ بھی اس کے علیحدہ تجویز ہوئے۔ مگر مصلحت کے خیال سے جاپانیوں نے خود اسے روک لیا۔ ورنہ اس کا اثر برما کی مالی حالت پر اور زیادہ بُرا پڑتا۔ برمی حکومت جاپانی کرنسی کی قیمت اپنی کرنسی سے چوتھائی رکھنا چاہتی تھی اور جاپانیوں کا دعوا تھا کہ برابر قیمتیں ہونی چاہئیں، جب کہ انھوں نے برٹش کرنسی کا نرخ بھی برابری کے معیار پر رکھا تھا۔ عوام کے نزدیک اگر سچ پوچھا جائے تو برمی کرنسی پر کوئی اعتماد نہ تھا۔ اس کے مقابلہ میں وہ جاپانی کرنسی ہی کو ترجیح دیتے تھے برمی سکّہ رائج ہو کر بھی اپنی ساکھ کھو بیٹھتا۔ اچھا ہوا کہ یہ مسئلہ التوا میں پڑ گیا اس کے بعد تو جاپانی اقتدار بھی ختم ہو گیا۔ بینک نے برما گورنمنٹ کی طرف سے ڈبنچر بھی جاری کئے تھے۔ دس روپیہ فی حصہ کے حساب سے ہزار دس حصص بکے ہندوستانی طبقے نے بھی دل کھول کر اس میں حصہ لیا صرف ایک صاحب مسٹر محمد ہاشم نے پچاس ہزار کے حصص خریدے جس کیلئے دس سال بعد مع سود رقمیں واپس کرنے کا اعلان ہوا تھا۔

برما ڈیفنس آرمی فنڈ جس کے چیرمین اوچوزان تھے اور ہندوستانی نمائندہ مسٹر احمد ہاشم منتخب ہوئے تھے۔ ہندوستانیوں نے اس فنڈ میں بھی

جیسے دیکھو اس کا تماشائی نظر آتا تھا۔

برما کی خود مختاری اور جاپان نیت کا حال تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر سیاسی اور قانونی نقطۂ نظر سے تو جاپانیوں نے حکومت برما کو کلی اختیارات دے رکھے تھے۔ مکمل (constitution) باضابطہ حکومت اُن کے ہاتھ میں تھی۔ سیاہ و سفید کے وہ مالک تھے۔ البتہ یہ بات ضروری تھی کہ وہ برما سے دوران جنگ میں کام نکالیں۔ یہاں سوائے اس کے کہ جاپانی فوجیں تھیں اور اس کے کچھ وسائل سے وہ فائدہ اٹھائیں۔ کوئی خاص دباؤ انتظامی معاملات میں نہیں ڈالا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بعد میں فوج کا تمام نظم و نسق بھی انھیں کے ہاتھوں میں آگیا۔ جاپانی اس میں کسی قسم کا دخل نہ دیتے تھے۔ حتّٰی کہ برمی فوج ٹانگو کے اوپر آخری دنوں میں اتحادی فوجوں سے مل گئی اور جاپان سے باغی ہوگئی۔ اس وقت تک ان کو اس کا پتہ بھی نہ لگا۔ اگر ان کا کچھ بھی برمی فوج کے ساتھ لگاؤ ہوتا تو وہ ضرور اس سازش سے باخبر ہوتے اور قبل از وقت اس کا انسداد عمل میں آجاتا۔ جاپانی حکومت نے برمی حکومت کو جو اختیارات دیے تھے اس کی تصدیق ذیل کی مثال سے سمجھیے کہ برمی حکومت نے کپڑے کے ذخائر اور لوہے کے اسٹاک پر اس وقت قبضہ جمایا جب کہ خود جاپانیوں کو شدت کے ساتھ اس کی ضرورت تھی۔ انھوں نے اس کا مطالبہ کیا مگر برمی گورنمنٹ نے صاف طور پر اسے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ تمام گوداموں پر سیلیں (seals) لگ گئیں بہت کچھ مال لے جایا گیا۔ باقی مال جنگ کے خاتمے کی وجہ سے رہ گیا۔

تسلّی بخش حصّہ لے کر برما سے اپنی برادرانہ محبت کا ثبوت پیش کر دکھایا۔

برما کی آزادی کی تصدیق | برما کی آزادی کو جاپان ۔ جرمنی ۔ اٹلی ۔ بلغاریہ ارجنٹائن ۔ منچوریا ۔ تھائی لینڈ ۔ سویڈن ۔ اسپین ۔ سلواکیا اور کواشیا کی آزاد حکومتوں نے تسلیم کرتے ہوئے پیغام تہنیت و مبارکباد ارسال کئے۔

سفراء حکومت کا تبادلہ | برما سے جاپان کے لئے ڈاکٹر تھیں مونگ سیام کے لئے اوباون ۔ منچوریا کے لئے تھمین اوباسین ۔ نانکنگ کی حکومت کے لئے تھمین تھوں اوک سفیر مقرر ہوئے اور اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے روانہ ہوگئے ۔ اور جاپان کی طرف سے برما کے لئے رنزوسوا مُوا سفارت پر مامور ہوئے ۔ دول یورپ اور دیگر سفراء کا تبادلہ تکمیل تک نہ پہونچ سکا۔

محکمۂ انکم ٹیکس | حکومت برما میں یہ محکمہ خاص اہمیت رکھتا تھا ۔ کارکنوں کی بن آئی تھی ۔ رشوت کی خوب خوب گرم بازاری تھی ۔ ایک اندھیر تھا ۔ حساب کتاب کی جانچ پڑتال کیسی ؟ جی میں جس قدر رقم آئی اسامی پر ٹھونک دی ۔ کاغذ کے کاغذ سیاہ ہوتے رہے ۔ لاکھ چیخ و پکار کیجئے کون سنتا ہے ؟ مٹھی گرم ہونے کی دیر تھی کہ تمام کاغذات غائب ! آمدنی کا غلط تخمینہ کرنا ان کی ناواہی کا ثبوت تھا ۔ ہر ایک کو وہ کروڑوں اور لاکھوں کا مالک سمجھتے تھے ۔ ہر ایک ان کی نظر میں تاجر تھا اور منافع کثیر پیدا کرتا تھا ۔ یہ تمام باتیں "منھ میٹھا" کرنے والی تھیں ــــ اور کچھ نہیں ۔

اور برمی حکومت بھی جاپانیوں کے ساتھ ختم ہو گئی۔

اب رہا یہ سوال کہ عوام کو یہ آزادی پسند تھی اور وہ اس سے خوش تھے یا نہیں؟ اس سوال کو حل کرنے کے لیے برمی قوم کی تاریخ اور اس کے باشندگان کے انفرادی حالات عادات وطبیعت کا اندازہ کرنا ضروری ہے واقف کار جانتے ہیں کہ یہ قوم عافیت پسند اور راحت طلب ہے مصیبتوں کی برداشت اور محنت اٹھانے کی قوت اس میں نہیں۔ تکلیفیں جھیلنا اس کے بس کی بات نہیں۔ عادتاً یہ ذرہ میں خوش اور تھوڑی سی بات پر دل شکستہ ہو جایا کرتی ہے۔ پہلے پہل تو یہ جاپانیوں سے بہت خوش تھے۔ ہندوستانیوں سے کہا کرتے تھے کہ "تمھارا باپ گیا اور ہمارا باپ آگیا" مگر جب برما پولیس کی نااہلیت اور ناقابلیت دیکھ کر جاپانی ملٹری پولیس (کیپے تھائی) نے رعایا سے سختی کا برتاؤ شروع کیا اور ایسی سزائیں دینی شروع کر دیں جو اس سے پہلے برما میں رائج نہ تھیں تو وہ بدظن ہونے لگے اور فطرتاً مخالفت شروع کر دی۔ مخالفت کا یہ جذبہ علانیہ تو نہیں ابھرا البتہ اس کا پروپگنڈا مخفی طور سے ہوتا رہا اور جب انگریزوں کے آنے کا وقت ہوا تو یہ کہا کرتے تھے کہ "تمھارا باپ جا رہا ہے اور ہمارا باپ آتا ہے" یہ ہے ان کی فطرت کا نمونہ۔ اب اسے جاپانی حکومت کی مخالفت کہئے یا موافقت؟ اتنا ضرور ہے کہ انھوں نے جاپان کی دی ہوئی آزادی سے کوئی تعمیری فائدہ حاصل نہ کیا۔ صرف اپنے عہدوں، انمائش اور ٹیپ ٹاپ میں اس قیمتی وقت کو ضائع کرتے رہے۔

ڈاکٹر باموکی تقریر کا خلاصہ یکم اگست ۱۹۴۳ء میں جب کہ برما کی آزادی کا پروانہ جنرل ٹوجو کی طرف سے ملا ہے۔ وزیر اعظم نے رائل لیک کے ایک عظیم الشان اجتماع کے سامنے جس میں برمنوں کے علاوہ ہندوستان اور چینی اکابرین اور نمائندۂ حکومت بھی موجود تھے آپنے ایک پر مغز تقریر فرمائی جس میں اس عطیۂ آزادی پر حکومت جاپان کا شکریہ ادا کیا اور اپنی قوم کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے اس آزادی کو ہمیشہ کے لئے بحال اور برقرار رکھنے کے لئے برمی قوم سے مصمم عہد لیا۔ ساتھ ہی ساتھ اینگلو امریکن پالیسی پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے جاپان سے ہر طرح تعاون کرنے کی اپیل کی اور اس وقت تک لڑنے کا وعدہ لیا جب تک کہ مکمل فتح حاصل نہ ہو جائے۔ صدر اعظم نے اسی جلسہ میں حکومت برما کی طرف سے اتحادیوں کے خلاف اعلانِ جنگ بھی کیا اور جاپان و ہندوستانی افواج کے ساتھ دوش بدوش لڑنے کا وعدہ لیکر جاپانی فوجی انتظام کے اٹھ جانے کی رعایا کو خوش خبری دی۔

صدر اعظم برما کا شاہی دربار گورنمنٹ ہاؤس میں حکومت برما کا ایک تاریخی دربار ہوا جس میں ملک برما کی تمام قوموں کے اکابرین۔ شان اسٹیٹ کے راجگان (صوبوا) وزرا، دربار حاضر تھے۔ دربار میں پرانے برما بادشاہوں کی شان کے شایان اور عین اس کے مطابق صدر اعظم کی عزت کی گئی۔ شاہی آداب بھی وہی استعمال کیئے گئے۔ ان کو "نائن گانڈ وادھی پدھی" کے خطاب کا صحیح مستحق قرار دیا گیا۔ اور ہر ایک نے وفاداری کا حلف اٹھایا۔ برمی قوم ان کارروائیوں سے بہت خوش تھی۔ جس سے ان کے ماننی کی

شان و شکوہ کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ ہر ایک آزادی کی شراب کا متوالا اس مسرت و انبساط کے نشے میں چور نظر آرہا تھا۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو صدر اعظم کے لئے برما شاہی آداب کے استعمال کو ناپسند کرتے تھے۔ غرض دربار مذکور ایشیائی روایات کا ایک شاندار نمونہ تھا۔ جس کی یاد مدتوں تک دلوں سے محو نہ ہوسکے گی۔

آرڈر آف رائزنگ سن کے خطابات کچھ عرصے کے بعد صدر اعظم اور میجر جنرل اون سان شہنشاہ جاپان کی طرف سے ٹوکیو مدعو کئے گئے۔ جہاں ان کو شاہی دعوت میں (آرڈر آف رائزنگ سن کے خطابات اور تمغہ جات سے سرفراز کیا گیا۔ ٹوکیو میں ان کا شاندار استقبال ہوا۔ اور بہت عزت افزائی ہوئی۔

جھنڈا زرد سبز اور سرخ رنگ کا سہ رنگا جھنڈا جس پر برما کے ایک ناچتے ہوئے (مقدس) مور کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ زرد رنگ سے مراد مذہب۔ سبز سے خوش حالی۔ سرخ سے قوت مراد لی جاتی تھی۔ حکومت نے باضابطہ اپنا جھنڈا تسلیم کرلیا تھا۔

برما کا قومی ترانہ برما کا مشہور قومی ترانہ جو جنگ سے پہلے بھی رائج تھا۔ برما کا نیشنل ترانہ مقرر کیا گیا۔

شاہی تقریب شادی کا شاندار جلسہ گورنمنٹ ہاؤس میں ہوا۔ جس میں معززین و اکابرین شہر کے خاص خاص لوگ جاپانی بڑے افسران اور برمی حکومت کے کارندے شامل ہوئے تھے۔ نیپاجی۔ سبھاش۔

چند روز میں۔ حکومت آزاد ہند کے سپریم کمانڈ ڈاکٹر باموکے خاص مہمان تھے تقریب بڑی دھوم دھام سے ادا کی گئی تھی۔ کرنل بان نہائن برمی افواج کے کرنل دُولھا بنے ہوئے تھے اور ڈاکٹر باموصاحب کی دختر نیک اختر دُلھن بن کر سجی سجائی تقریب میں حاضر تھیں۔ شاہی طریقے پر مجلس کا اہتمام ہوا تھا۔ سوغاتیں اور تحفے تحائف پیش ہوئے اور ہر طرف سے مبارک سلامت کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اور تقریب بڑی شان کے ساتھ ختم ہوگئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کرنل بان نہائن کا عہدہ بڑھا دیا گیا اور وہ سپہ سالار افواج مقرر ہوئے۔ میجر جنرل اون سان وزیر جنگ کے عہدہ سے سرفراز ہوئے

ایک خاص واقعہ بہت ہی مخفی طور پر یہ معلوم ہو سکا کہ برما کے ایک شہزادے تان پیا جی (Minda Tan Paya Gyi) کو حکومت جاپان نے اپنی خاص نگرانی میں نظر بند رکھا تھا۔ برما کی سیاسی پارٹی میں سے ایک پارٹی شہزادے کو آلۂ کار بنانا چاہتی تھی۔ اور دوسری پارٹی کے خوف سے جاپانیوں نے اسے اپنی حفاظت میں رکھا تھا تا کہ اسے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔ اور اس نظر بندی کو سختی کے ساتھ صیغۂ راز میں رکھا گیا۔

برما کی تاریخی یادگار ۱۹۴۳ء میں برما سیامی راستہ مکمل ہو کر برما کے شاندار کارناموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہو گیا۔ مولمین سے تین بوزیا تک ریلوے بنگئی اور حمل ونقل کیلئے سیام تک راستہ صاف ہو گیا۔ سمندری راستہ بند ہو جانے پر اس سے کام لیا جانا بہت مفید ثابت ہوا۔ برما میں براہ سیام ہر طرح

کا جنگی سامان آنے جانے لگا اور اس سے جنگ میں بڑی امداد ملی یہی وہ راستہ تھا جسے جاپانیوں نے پسپائی کے وقت استعمال کیا۔ اور لاکھوں کی جان بچالے گئے

برما کو موجودہ جنگ نے کیا کیا دیا۔

جنگ کی وجہ سے ملک برما کے سر پر غیر ملکی قرض کا بار پڑ گیا۔ اور اس کی اقتصادی اور مالی حالت تباہ ہو کر رہ گئی۔ البتہ یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس ملک کے چاروں سمت راستے بن گئے۔ (۱) شمال میں بھامو سے لے کر ٹے پنگ کی وادیوں تک (۲) جنوب میں مولین سے لے کر تین بوزیا اور سیام کا راستہ مکمل ہو گیا۔ (۳) شمال مغرب میں شان اسٹیٹ کی طرف سے راہ نکل آئی (۴) مشرق کی طرف سے امپھال کی راہ سے ہندوستان کا الحاق ہو گیا۔ یہ چاروں راستے جنگی نقطۂ نظر سے بہت ہی اہم ہیں۔ اور زمانۂ امن میں اگر اس سے کام لیا گیا۔ تو بلا شک وشبہ برما کی تجارت کو چار چاند لگ جائیں گے۔ اس کے وسائل آمد ورفت وحمل ونقل سے بڑے بڑے مفید کام سرانجام پاسکیں گے۔ اور برما کا خزانہ ہمیشہ بھرپور رہے گا۔ البتہ اس کی دیکھ بھال کی اشد ضرورت ہے، بشرطیکہ اس سے کام لینے کی اہلیت ہو۔

برما روڈ اور تین بوزیا

جاپانیوں پر برمی سیامی ریلوے کی تعمیر میں یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ تین بوزیا کے راستے پر ہزاروں انسان مر گئے لاکھوں مزدوروں کا خاتمہ ہو گیا۔ بیماریوں اور سخت محنت نے اُن کی

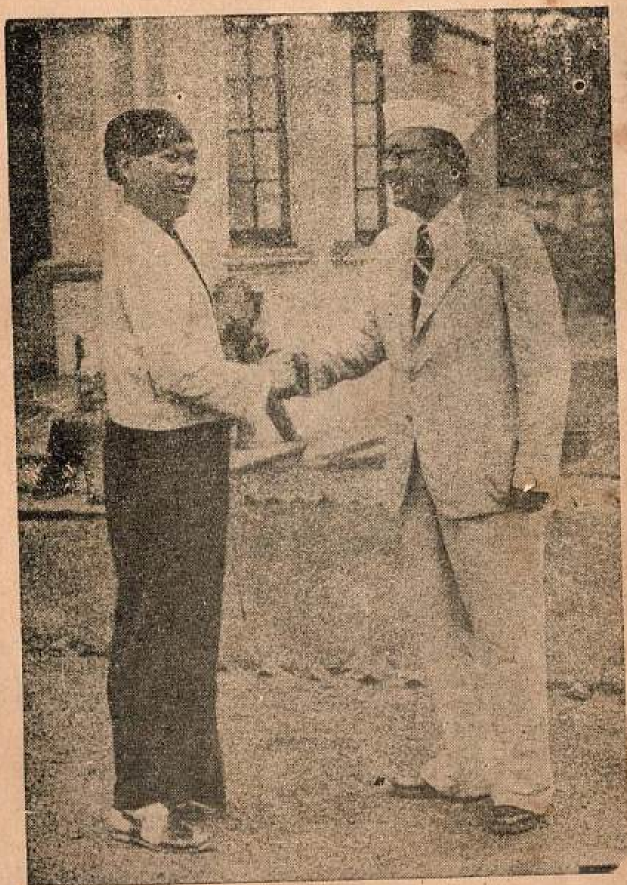
جانیں لے لیں" وغیرہ۔ اگر اس حقیقت کے ساتھ برمی چینی روڈ کا ہم جائزہ لیں جو زمانۂ امن میں تیار ہوا تھا تو کہنا پڑے گا کہ اس سب سے بڑے راستہ میں بھی مالی اور جانی نقصان کچھ کم نہیں ہوا۔ بلکہ اس سے زیادہ ہی ہوا تھا۔ جنگلات کی صفائی نے دور دراز کے بھوکے مزدوروں کی عزیز جانیں اس کی بھینٹ چڑھا دیں۔ اور انہیں مزدوروں کے ہاتھوں جنگی زمانے کے لئے قبریں کھدوائی گئیں۔ تین ہزار سے زیادہ تر مزدور انگریزی بمباری کے نتیجے میں ہلاک ہوئے تھے۔ یہ ایسی حقیقتیں ہیں جو ظالم اور مظلوم۔ فاتح اور مفتوح دونوں کے آئینۂ کردار سے واضح ہو رہی ہیں۔ کسی کی جان گئی، یار کی ادا ٹھہری!

جنگ عظیم ۱۹۱۴ء میں بھی ایسی ہی بے رحمی کا ثبوت دیا جا چکا تھا جب کہ ترکی قیدی برما میں لائے گئے تھے۔ یمنا لیوے ریلوے اور ٹونجی کے ریلوں کی شاخوں کے پھیلانے اور ان کی تعمیر میں، نیز جنگلوں کی صفائی میں ہزاروں انسانوں کی جانیں استعماریت پر قربان ہو چکی تھیں قیدی غریب مصیبتوں کی چکیوں میں اسی طرح پستے آئے اور ان کے ہاں بھی پیسے گئے لیکن دوسرے کے ڈھائے ہوئے مظالم پر شیوے بہائے جاتے ہیں۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی مثال ایسے ہی موقع کے لئے کہی گئی ہے۔

ادھی پدھی ڈاکٹر بامو

صدر اعظم ڈاکٹر بامو - آپ نہایت ہی زیرک - خوش خلق - خوش گو - اوّل درجہ کے سیاس ہیں - ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری کے حامل اور مخلص محب وطن اور آتش مقال مقرر ہیں - اپنی قوم میں آپ ہردلعزیز ہیں - سین بے دا (Sinhaada) غریب پارٹی کے بانی اور سب سے پہلے وزیر اعظم ہیں - جنہوں نے متحدہ پارٹی (کولیشن پارٹی) کاؤنسل میں بنائی تھی - جاپانیوں کی آمد پر آپ موگوک جیل سے رہا ہوکر رنگون لائے گئے اور برما آزاد حکومت کے صدر منتخب ہوئے - آپ نے اپنے دورِ حکومت میں نہایت بے باکی اور خلوص سے اپنے فرائض انجام دیئے - آپ ایک مشہور مقنن بیرسٹر ہیں - ان کی شعلہ بیانی برما میں مسلّمہ ہے - بارہا دیکھا گیا ہے کہ آپ نے اپنے سیاسی مخالفین کے مقابلے میں قابل رشک کامیابیاں حاصل کی ہیں - ۱۹۳۸ء کے انڈو برما فساد کے وقت آپ ہی کی وزارت تھی - جسے دبانے میں آپ کامیاب نہ ہوئے - بالآخر آپ کے سیاسی رقیبوں کی چال چل گئی اور آپ کو وزارت کے عہدے سے الگ ہو جانا پڑا تھا - جاپانی دور کے بعد جب انخلائے برما کی تیاریاں

Netaji and Adipadi, Dr. Ba Maw. Head of the Burma State.



ہوئیں ۔ آپ جاپانیوں کے ساتھ برما چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔
جاپان جاکر روپوش ہو گئے ۔ اور جب جاپان پر انگریزوں کا قبضہ
ہوا تو آپ نے خود جنرل میک آرتھر کے حوالے کر دیا۔ اس کے کچھ
مدت بعد آپ رہا ہو کر برما بھیجدیئے گئے۔ آجکل آپ سیاست سے
بظاہر الگ ہیں ۔ مگر مہابما پارٹی کو منظم کر رہے ہیں ۔ اگرچہ ملک
برما پر اواوسان کا اقتدار ہے۔ مگر سیاسی حالات کے پیش نظر
آپ کا برما حکومت سے الگ رہنا ایک حد تک مضر ہے۔ کیا ہی
اچھا ہو تا کہ ڈاکٹر باموکی پارٹی کا اشتراک اواوسان کو حاصل ہو جاتا
تو ملک برما کی سیاست میں جان پڑ جاتی ۔ اور یہ آئے دن کی خلفشار
ختم ہو جاتی۔ ڈاکٹر باموا ور اواوسان کے سیاسی عقاید میں کچھ زیادہ
فرق بھی نہیں ہے ۔ البتہ دونوں طرف سے ذاتی اقتدار کا رکھ رکھاو
قائم کرنے کی سعی کی جارہی ہے ۔ ملک کے لئے آپ کی بے لوث
خدمات کی آجکل ضرورت ہے ۔ موجودہ باقتدار جماعت کو ہوشمندی
سے کام لینا چاہئیے ۔ موصوف سے میرے ذاتی تعلقات بھی ہیں
میں ان کے خلوص کا دل سے معترف ہوں۔

میجر جنرل اوّل سال

اُ ّاون سال مورخہ ۱۲ ر فروری ۱۹۱۵ء ضلع مگوے میں بمقام نامو پیدا ہوئے۔ آپ بچپن ہی سے ذہین و طباع تھے۔ ایام طفولیت میں ابتدائی تعلیم اسی بستی میں حاصل کی اور ینجا ؤن نیشنل اسکول میں داخل ہو گئے۔ ۱۹۳۰ء میں مڈل کلاس کا امتحان وظیفہ حاصل کر کے پاس کیا۔ ۱۹۳۲ء میں دسویں جماعت پاس کر کے رنگون یونیورسٹی میں داخل ہو کر ۱۹۳۴ء میں آئی۔ اے میں کامیابی حاصل کی اور طالب علموں کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۳۵ء میں انجمن کی زیر نگرانی ایک رسالے کا اجرار کیا۔ جو آپ کی زیر ادارت تھا۔ ۱۹۳۷ء میں بی۔ اے پاس کیا اور اسی سال طلباء کے لیڈر تسلیم کر لئے گئے۔ دو سال تک قانونی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۳۸ء میں آپ نے "تھکین پارٹی" میں شمولیت اختیار کی اور بحیثیت جنرل سکریٹری کام کرتے رہے۔ ۳۶-۱۹۳۵ء میں حکومت نے گرفتار کر لیا۔ کچھ دنوں قید رہ کر ۱۹۳۹ء میں آپ ڈاکٹر باموکی سین یے وا پارٹی

(غریب پارٹی) کے ممبر ہو گئے۔ ۱۹۴۰ء میں تکھیں پارٹی کے ہمراہ آپ
ہندوستان جاکر پنڈت نہرو اور گاندھی جی سے ملے۔ اور اس کے بعد دیگر
ہندوستانی لیڈروں سے بھی ملاقات کی۔ واپسی پر حکومت برما نے آپ کی
گرفتاری کے احکامات جاری کر دئے۔ جس کے نتیجے میں آپ برما سے پراسرار
طریقے پر غائب ہو گئے اور براہ چین جاپان پہنچ گئے۔ جہاں فوجی تعلیم حاصل
کی اور پھر ۱۹۴۱ء میں خفیہ طور پر برما میں داخل ہو گئے۔ اور یہاں کے سیاسی
لیڈروں سے ساز باز کر کے انگریزوں کے مکمل اخراج کا پروگرام بنا کر
واپس جاپان روانہ ہو گئے۔ آپ کی نقل و حرکت راز بن کر رہی۔ ۱۹۴۲ء
میں جب جاپانی فوج برما میں داخل ہوئی تو آپ اس کی رہنمائی کرتے رہے
یہاں برما ڈیفنس آرمی کے کمانڈر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد ٹوکیو جاکر برما
کی آزادی کے متعلق وزیر اعظم سے کچھ معاملہ طے کیا۔ آپ میجر جنرل کے عہدے
پر مامور ہوئے اور حکومتِ جاپان نے آپ کو آرڈر آف رائزنگ سن کا
تمغہ مرحمت کیا۔ کچھ مدت کے بعد برسرِ اقتدار حکومت اور جاپانیوں سے
وہ کچھ کشیدہ ہو گئے۔ بالآخر ۲۷ مارچ ۱۹۴۵ء کو جب ان کی فوج اتحادیوں
سے مقابلے کے لئے نکلی وہ فتح مانڈے کے بعد بڑی ہوشیاری سے
اتحادی فوجوں سے جا ملے۔ اور ان کے حق میں بیحد مفید ثابت ہوئے
جاپانیوں سے ان کا دو بدو مقابلہ بھی ہوا۔ جاپان کی پسپائی کے بعد آپ
نے برمی قوم کے قائد کی حیثیت سے مشرقی ایشیا کے کمانڈر لارڈ لوئی
ماؤنٹ بیٹن سے سیلون جاکر ملاقات کی اور برمی قومی فوج کے متعلق

ان سے ایک معاہدہ کرنے کے بعد آپ فوجی زندگی سے الگ ہو کر سیاسی جدوجہد میں مشغول ہو گئے۔ اینٹی فاسسٹ لیگ کی بنیاد ڈالی اور اس کے صدر منتخب ہو گئے۔

آپ برما کے واحد ہر دلعزیز قائد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کو انکی متحدہ طاقت کے سامنے جھکنا پڑا۔ اور آپ حکومتِ آزاد برما کے ڈپٹی چیرمین ہو کر اگزکٹیو کونسل کی تشکیل میں کامیاب ہو گئے دفتر خارجہ اور دفاعی محکمے بھی آپ کے زیر اثر ہیں۔ اور برما آپ ہی کی رہنمائی میں آج منزل آزادی کی طرف تیزی سے قدم بڑھا رہا ہے۔

ہندوستان میں پہلا انقلاب

۱۸۵۷ء کو ہندوستان میں پہلا انقلاب ہوا۔ تاریخ آزاد ہند میں وہ پہلی آزادی کی جنگ کہی جائے گی۔ صدیوں سے ہندوستانی ہندوستان میں برطانیہ کی ریشہ دوانیوں کا شکار رہ چکے تھے۔ باوجود ان کی قومی بادشاہی ہونے کے مغلیہ دور کے اخیر میں بادشاہ ایک کٹھ پتلی سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے۔ انگریز ہندوستان پر اپنا پورا تسلط جما چکے تھے۔ طرح طرح کے مظالم ہوئے جو تاریخ کے ابواب میں نمایاں سرخی کے ساتھ پائے جائیں گے۔ کیا ہندو کیا مسلمان ہر قوم انگریزوں سے نفرت کرتی تھی۔ ان کا مذہب ان کا کلچر ان کی تاریخ کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو ان کی تحریف سے محفوظ ہو۔ بادشاہ کی بے دست و پائی اور بھی رعایا کو پریشان اور متفکر رکھتی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمام اہلکار فرعون بے سامان بنے ہوئے تھے۔ آخر ان کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہو کر زندہ دلان ہند اور طالبان آزادئ ہندوستان نے سب سے پہلا انقلاب ہندوستان

میں برپا کیا جو تاریخ ہند میں ہندوستان کی پہلی جنگِ آزادی تھی۔ اس جنگِ آزادی میں ہندوستان کے شمعِ آزادی کے پروانے برابر قربانیوں پر قربانیاں کرتے رہے۔ بڑی جی داری اور بہادری کے ساتھ انھوں نے زنجیرِ غلامی کو کاٹ کر پھینکدینا چاہا۔ مگر آہ بد قسمت ہندوستان کو اور بہت کچھ دیکھنا تھا۔ اس سے ہزارہا گنا زیادہ مظالم سہنے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تقدیر نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور یہ جنگِ آزادی میں ناکام رہے۔ ہزارہا انسان گولیوں کا نشانہ بن گئے، ہزاروں تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور سینکڑوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا گیا۔ عورتوں کی عصمتیں محفوظ نہ رہ سکیں۔ بچوں کی معصومیت جان بچانے کے لئے ان کی سفارش نہ کرسکی۔ بیمار اور ضعیف کس شمار و قطار میں تھے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے مگر ان کی لاشوں پر دو آنسو بہانے والا نہ رہا۔ بادشاہِ وقت حضرت ابوظفر سراج الدین ظفر ہمایوں کے مقبرے سے قید کر لئے گئے اور ان کو برما بھیجدیا گیا۔ ان پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ اور سزا دے کر ان کو نہایت بے بسی اور بے کسی کے عالم میں اپنے وطن سے دور قید و بند کی مصیبتیں جھیلنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ بالآخر یہیں انھوں نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی اور رحمتِ خداوندی کی آغوش میں قیامت تک کیلئے ہمیشہ ہمیشہ سو گئے۔

آج بھی رنگون میں ان کا مزار خاص و عام کے لئے دعوتِ عبرت دے رہا ہے۔

جنگ آزادی یا غدر؟

ہندوستان کی بدنصیبی کی انتہا تو دیکھئے۔ کہ کم و بیش ایک لاکھ فرزندانِ ہند کی قربانیوں کے باوجود اس جنگ آزادی کا نام انگریز مورخوں نے غدر اور بغاوت رکھدیا یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ہمیں اس میں ناکامی ہوئی۔ ہماری فوجیں باقاعدہ نہ تھیں۔ ہندوستانی منظم نہ تھے۔ ان میں تربیتِ عسکری نہ تھی۔ ان کے درمیان جعفر بنگالی۔ امی چند اور صادق دکنی جیسے غدارانِ ملت و وطن موجود تھے۔ "یکے نقصان مایہ دیگر شماتتِ ہمسایہ" کے مصداق شکست کے بعد غدر اور بغاوت کا الزام حساس دلوں کے لئے زخموں پر نمک پاشی کا کام کرتا رہتا تھا۔ مگر مجبور تھے کہ شکست خوردہ بے دست و پا تھے۔ ادھر انہیں دنوں امریکہ میں بھی بغاوت اور غدر پھیل جاتا ہے اور امریکی کامیاب ہوتے ہیں۔ تاریخ ان کے غدر اور ان کی بغاوت کو جنگ آزادی امریکہ کے نام سے صفحۂ تاریخ کی زینت بناتی ہے۔ اسے کیا کہا جائے؟ بدقسمتی یا کچھ اور؟ مگر نہیں یہ بدقسمتی نہیں تھی۔ خدا کے گھر میں دیر تھی اندھیر نہ تھا ابھی بھٹی میں کچھ سونے کو تاؤ کھا کر کندن بننا تھا۔ ہندوستان کی شاندار تاریخ بننی تھی۔ مادرِ ہندوستان کے فرزندوں کا ایثار اور ان کی قربانیوں کے جوہر کھلنے تھے۔ ان کی قوت ضبط و برداشت ان کا عزم و استقلال تاریخ کے اوراق میں زریں حرفوں میں لکھا جانے والا تھا۔ وہ دنیا کی نظروں میں ہمالیہ کی سطوت سے زیادہ بلند مرتبہ پانے والے تھے۔ وہ مانگی ہوئی آزادی نہیں بلکہ خون اور پسینے سے کمائی ہوئی آزادی کا سہرا اپنے سر پر باندھنے

والے تھے۔ پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ پہلی جنگِ آزادی میں ناکامی ہماری بدقسمتی تھی؟ دونوں جنگ آزادی کا درمیانی خلا یا غلامی کی اتنی مدت نے ہماری شاندار جدّ وجہد کے ساتھ ساتھ انگریزوں کی تاریخ حکمرانی کو بھی بدنما سیاہ دھبوں سے معمور کردیا۔ ظلم وجور کی سیاہی نے ان کی تاریخ سے عدل و انصاف کے حروف اُڑا دیئے اور ہماری نیک نامی کے پہلو بہ پہلو انگریزوں کو ہمیشہ کے لئے بدنام کردیا۔ الغرض ہماری پہلی جنگ آزادی ہمارے حق میں نقصان رسانی سے زیادہ مفید ثابت ہوئی اور ہم اپنے دل کے آتش فشاں کے لاوے کو اندر ہی اندر پکا کر پھوٹ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ اور یوں دوسری جنگِ آزادی کی تیاریاں مکمل کرلیں۔

شکست و فتح نصیبوں کی ہے ولے اے امیر
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

ہندوستان کے لئے ہندوستان سے باہر دوسرا انقلاب

یا

دوسری جنگ آزادی کا سنگ بنیاد

ٹوکیو کانفرنس ۲۶ر اپریل سنہ ۱۹۴۲ء کو ہندیانِ مقیم جاپان نے ٹوکیو میں ایک کانفرنس منعقد کی۔ جس میں دوسری جنگِ آزادی کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اس کانفرنس میں زیادہ تر ان شخصیتوں کی کوششیں کارفرما تھیں۔ جو مدت دراز سے آزادیٔ ہند کے جرم کی عقوبت برداشت کرنے کے لئے ہندوستان کے باہر مشنگ رہے تھے۔ یہ انقلابی گروہ وقت اور موقع کی تاک میں تھا۔ اور یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ جاپان اعلانِ جنگ کے بعد ایشیا میں فتح کا علم لہراتا ہوا روز افزوں کامیاب ہو رہا تھا۔ اور ادھر یورپ کی جنگ میں اتحادی شکست پر شکست کھا رہے تھے۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان انقلابیوں نے جن میں خصوصیت کے ساتھ مسٹر راش بہاری بوس۔ مسٹر سہائے۔ مسٹر اکرم خاں۔ مسٹر ہری سنگھ۔ (بابا عثمان) بابا امرسنگھ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں انھوں نے مشرقی ایشیائے اعظم کے ہندوستانیوں کے اتحاد سے یہ فائدہ اٹھا کر ہندوستان کی آزادی کی تحریک شروع کرنے کا تہیہ کر لیا۔ جو ٹوکیو

کانفرنس کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ہندوستانی قوم پرستوں نے کانفرنس میں طے کرلیا کہ ایسی حالت میں جبکہ جنگ ہندوستان کی سرحد کے قریب تر ہورہی ہے۔ اور برطانیہ ہندوستان کو بھی جنگ کی آگ میں ڈھکیلنا چاہتا ہے جس سے کروڑوں بے گناہوں کو مصیبتوں اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ کانگریس ہندوستان میں برطانیہ کے وسائل جنگ پر قابض ہوکر فوراً آزادی کا اعلان کردے اور کھلم کھلا جنگ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے بغاوت پر آمادہ ہوجائے۔ مذکورہ قراردادیں بڑے جوش و خروش کے ساتھ منظور ہوئیں۔ اور ہر ایک ہندوستانی وطن پر قربان ہونے کے لئے تیار ہوگیا۔ اس کے بعد!

شنگھائی کانفرنس ٹھیک ایک مہینے کے بعد ۲۶ جنوری ۱۹۴۲ء کو ہوئی جس میں ٹوکیو کانفرنس کی قراردادوں کی تصدیق ہوئی۔ بعدہ سنگاپور کا سقوط ۱۵ فروری کو ہوا۔ مارچ کے اواخر میں سنگاپور میں بھی اس مسئلہ پر غور و خوض کیا گیا۔ اور طے پایا کہ تمام مشرقی ایشیا کے نمائندوں کی ایک متحدہ کانفرنس تھائیلنڈ میں بلائی جائے۔ اور اس انقلابی تحریک کو کامیاب بنایا جائے۔ ٹوکیو میں ایک صدر دفتر کھلوایا گیا اور کارروائیاں شروع ہوگئیں۔ جاپانی وزیراعظم جنرل ٹوجو نے ہندوستان کی تحریک آزادی کے ساتھ دلچسپی کا اظہار کیا اور اپنی حکومت سے ہر ممکن امداد کا وعدہ کیا اور اس سلسلے میں سفری سہولتیں بھی بہم پہنچائی گئیں۔

فوجی وار اگیکان (محکمہ میجر فوجی وارا) یہ کیکان یا محکمہ ہندوستانی

معاملات سے متعلق تھا جس کے افسر اعلیٰ میجر فوجی وارا تھے۔ برما کی فتح کے
ساتھ ساتھ یہ محکمہ بھی اپنے کام میں برابر مشغول رہا۔ ۸ر مارچ سنہ ۴۲ء کو رنگون
فتح ہونے کے بعد ۱۲ر مارچ کو آزاد ہندوستانی لیگ کی بنیاد ڈالی گئی لفٹننٹ
رام سروپ صاحب جو کہ بعد میں آئی۔ این۔ اے۔ کے کرنل ہو گئے تھے۔
برما کی انگریزی فوج کی شکست کے بعد جاپانیوں کے ساتھ امداد میں لگے رہے
اور ان کی کوششوں سے جاپانی برما کے پبلک کارکنوں کو تلاش کرنے
اور ہندوستانیوں کو متحد کرنے میں کامیاب ہو گئے یاڈنڈری روڈ میں
لیگ کا دفتر قائم کیا گیا۔ اور مسٹر لاٹھیا اس کے صدر بنا دیئے گئے۔

۱۳ر مارچ سنہ ۴۲ء کو راقم الحروف کو کمایت سے شمولیت کے لئے بلایا
گیا جب کہیں معلوم ہوا کہ لیگ کی بنیاد پڑ چکی ہے۔ کمایت رنگون سے چھ
میل کے فاصلہ پر ہے اور ایسے وقت میں سفر کی سہولتیں نہ ہونے کے
سبب حالات سے باخبر رہنے میں بڑی دقتیں پیش آتی رہیں۔ الغرض جب
یہ معلوم ہو گیا تو میں مسٹر بشیر اور مسٹر لال خان صاحبان کی معیت میں لیگ
کے دفتر میں پہونچا۔ اور ہم سب اس کی کارروائیوں میں شریک ہوئے کیپٹن
سوچی موچی میجر فوجی وارا کا قائم مقام تھا۔ جس نے ہندوستانیوں کو جاپانی
امداد کا یقین دلایا۔ اور اتحاد و اتفاق کی تلقین کی۔ اسی جلسہ میں مسٹر بشیر
جاپانی زبان جاننے کی وجہ سے لیگ کے سکریٹری بنائے گئے۔ ممبروں کی
بھرتی شروع ہوئی اور ہندوستانی دھڑا دھڑ اس کے ممبر اور رضاکار بنتے
گئے۔ اس کے بعد اپریل میں لیگ کا دفتر منتقل ہو کر سونی پچوڈا روڈ میں

آگیا۔ جو شہر رنگون کے عین وسطی حصہ میں واقع ہے۔ یہاں آکر لیگ نے خوب ترقی کی اور لوگ جوق جوق اس میں شامل ہوتے گئے۔ اس نے ہندوستان کی ترجمانی کا فرض حتی الامکان ادا کیا۔ کچھ بدعنوانیاں بھی ہوئیں جن کی روک تھام اس وقت مشکل تھی کیوں کہ وہ وقت ہی ایسا تھا۔ اچھوں کے ساتھ برے بھی " ابن الوقت " بن کر شریک ہو گئے تھے۔ مگر اتنا تو ضرور ہوا کہ جاپانیوں پر یہ واضح ہو گیا کہ ہندوستانیوں میں اپنے وطن کی آزادی کا جذبہ ضرور ہے۔ اب مئی کے آخر میں بنکاک کانفرنس کی تیاریاں ہونے لگیں جو سنگاپور میں طے پا چکی تھی۔

بنکاک کانفرنس ۱۵ جون کو بنکاک کانفرنس منعقد ہونے والی تھی جس میں تمام مشرقی ایشیا کے نمائندے شریک تھے۔ فلپائن۔ سماٹرا۔ جاوا۔ ملایا۔ بورنیو۔ ہانگ کانگ۔ شنگھائی۔ جاپان۔ برما۔ انڈمان۔ نکوبار۔ کے ہندوستانی ڈیلیگیٹس شریک تھے۔ برما سے ۱۵ نمائندے کانفرنس میں گئے تھے جن میں مسٹر لاٹھیا۔ مسٹر ای۔ پی۔ پلے۔ مسٹر معظم۔ مسٹر مشتاق رانڈیری۔ مسٹر جعفر۔ مسٹر عبدالستار۔ مسٹر جن والا۔ مسٹر شفیع۔ مسٹر حکیو دری۔ مسٹر ای۔ ناؤ۔ مسٹر ڈیسائی۔ مسٹر بکل۔ مسٹر سنگھ۔ مسٹر سلطان محمود۔ مسٹر یعقوب۔ اور مسٹر........ تھے۔ ان نمائندوں کو اگر تین حصوں میں تقسیم کریں تو بے جا نہ ہوگا۔ جن میں کچھ منتخب کردہ کچھ نامزد شدہ اور کچھ فراہم کردہ تھے۔ یعنی Elected - Selected and Collected قسم کے حضرات شامل تھے۔ وقت کی تنگی اور عجلت نے اسے اچھا خاصا بھان متی کا پٹارا بنا دیا تھا

بنکاک جا کر بھی ان میں کا ہر ممبر "ہر کسے را بہر کارے ساختند"
کے مصداق موقع بموقع کام آتا رہتا تھا۔

رنگون سے یہ قافلہ ماہ مئی کے آخری ہفتے میں روانہ ہو کر بذریعہ
اسٹیمر پیناگ پہونچا۔ اور ایک دن ٹھہر کر ریل پر سوار ہو کر بنکاک
پہونچ گیا۔

تھا کریڈو ہوٹل میں قیام

بنکاک کا یہ ایک مشہور و معروف ہوٹل ہے۔ جو نہایت ہی
شاندار اور اونچے طبقے کے مسافروں کے لئے مخصوص
ہے۔ اس ہوٹل میں کانفرنس کے خاص خاص ڈیلیگیٹس ٹھرائے گئے تھے
اور بقیہ شہر کی دوسری ہوٹلوں میں رکھے گئے۔ برما ڈیلیگیٹس میں بعض ایسی
چھچوری طبیعت کے لوگ بھی تھے جنھوں نے صرف نام و نمود اور اپنی ذاتی
غرض کے تحت صرف اسلئے کہ مذکورہ ہوٹل میں بااثر شخصیتوں سے ملاقات ہوتی
رہے گی۔ انسانیت سے گرے ہوئے درجے تک ہوٹل میں جگہ پانے کے لئے
خوشامدیں شروع کر دیں۔ جو اس وفد کے لئے باعث ندامت ہوئی مسٹر
بھاٹیا۔ راقم الحروف۔ مسٹر سلطان محمود۔ مسٹر جعفر۔ مسٹر ای۔ پی۔ پٹیل۔
تھا کریڈو ہوٹل میں ٹھہرائے گئے۔ ہوٹل میں جگہ بھی بالکل نہ رہی تھی۔ بڑی
مشکلوں سے بعد میں مسٹر ستار کو بھی جگہ دلوائی اور ہم سب لوگ شہر کے
سیر سپاٹے میں مشغول ہو کر اس تاریخی دن کا انتظار کرنے لگے جس میں
ہندوستانیوں کی قسمت کا کچھ فیصلہ ہونے والا تھا۔ خدا خدا کر کے
۱۵ جون کو ایک نہایت ہی شاندار ہال میں جناب راس بہاری بوس

کی صدارت میں کانفرنس کا افتتاح ہوا۔ جس میں کانفرنس کی غرض و غایت پر تقریریں ہوئیں۔ اور اس کی کامیابی کے لئے مختلف مقامات سے آئے ہوئے تار اور پیغامات پڑھے گئے۔ جلسے کے افتتاح کے موقع پر مجھ سے نظم پڑھوائی گئی۔ جو بیحد مقبول ہوئی۔ میرا یہ قومی ترانہ۔ ہندوستان ہمارا ہندوستان ہمارا۔ اس وقت لکھا گیا تھا، جب ہندوستان ہندو مسلم کے جھگڑوں میں الجھ چکا تھا۔ اور اس وقت کانگریس نے مسلمانوں کے اس جائز مطالبہ کے پیش نظر ایک کمیٹی بنائی تھی۔ جس نے شعرائے ہندوستان سے قومی ترانے لکھنے کی درخواست کی تھی اور جس پر بہت سے ترانے لکھے گئے۔ منجملہ ان کے یہ ترانہ بھی تھا۔ جو ہند کلکتہ، مدینہ بجنور اور ہندوستان کے مختلف اخبارات میں شائع ہو کر سند قبولیت حاصل کر چکا تھا۔ اور جسے خود کمیٹی کے سکریٹری جناب رضوی صاحب نے منظور ہو جانے کی امید دلائی تھی۔ آخر یہ مسئلہ بھی ہندوستان کے دیگر مسائل کی طرح کھٹائی میں پڑ گیا۔ اور بات آئی گئی ہو گئی۔ ترانے کی معنویت جامعیت اور اس کی دلپذیری کے متعلق فیصلہ ہم اپنے قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ اور اسے صفحۂ مابعد پر نقل کئے دیتے ہیں :-

قومی گیت

از لسان القوم معلم مشتاق راندیری

بھارت کے جاں نثار وہل مل کے گیت گاؤ
ہندوستاں ہمارا، ہندوستاں ہمارا

قربانیوں نے اپنی دن آج یہ دکھایا
ہم کو زمیں سے لے کر آکاش پر بٹھایا
ماتھے پہ تھا کلنکی ٹیکہ وہ سے ہٹایا

بھارت کے جان نثار وہل مل کے گیت گاؤ
ہندوستان ہمارا، ہندوستان ہمارا

پیارے وطن کی مٹی سونے سے قیمتی ہے
امرت سے اس زمیں کے پانی کو برتری ہے

اس باغ کی ہوا ابھی مستی میں مدبھری ہے

بھارت کے جان نثارو مل مل کے گیت گاؤ
ہندوستان ہمارا ہندوستاں ہمارا

گنگ و جمن ہیں دونوں ماتا کے دودھ دھارے
ہم پل رہے ہیں جس کی آغوش کے سہارے
دل کش ہیں کتنے اس کے آرام دہ کنارے

بھارت کے جان نثارو مل مل کے گیت گاؤ
ہندوستان ہمارا ہندوستان ہمارا

سارا گھمنڈ ہم نے ظالم کا توڑ ڈالا
ظلم و ستم کا بند مضبوط موڑ ڈالا
قوموں کا پریم بندھن آپس میں جوڑ ڈالا

بھارت کے جان نثارو مل مل کے گیت گاؤ
ہندوستاں ہمارا ہندوستاں ہمارا

دنیا میں سب سے اونچا اس کا نشان ہوگا
اس کا ہر ایک بچہ اک پہلوان ہوگا
ہندوستاں میں ہر سو امن و امان ہوگا

بھارت کے جان نثار وہل مل کے گیت گاؤ
ہندوستان ہمارا، ہندوستان ہمارا

علم و ہنر کا اس میں دریا بہائیں گے ہم
خوشیاں منائیں گے ہم آنند پائیں گے ہم
جنت نشان زمیں کو اس کی بنائیں گے ہم

بھارت کے جان نثار، وہل مل کے گیت گاؤ
ہندوستان ہمارا، ہندوستان ہمارا

ہے شانتی کی دنیا ہم کو نئی بسانی
کمزوریاں مٹا کر پیدا کرو جوانی
اگلی وہ بھول جاؤ کہ دری کی کہانی

بھارت کے جان نثار وہل مل کے گیت گاؤ
ہندوستان ہمارا، ہندوستان ہمارا

ہندو ہو یا مسلماں، سکھ یا اچھوت سارے
ماتا کے تین سکھ ہیں ماتا کے ہیں دلارے
ماتا کی آبرو پر ہر ایک جان کو وارے

بھارت کے جان نثار وہل مل کے گیت گاؤ

ہندوستاں ہمارا، ہندوستاں ہمارا

امن و اماں کا جھنڈا ہم اس میں گاڑ دیں گے

ظالم فسادیوں کا لنگر اکھاڑ دیں گے

آئیگا جو مقابل اس کو پچھاڑ دیں گے

بھارت کے جان نثارو مل کے گیت گاؤ

ہندوستاں ہمارا، ہندوستاں ہمارا

انصاف کے عمل میں ہوگا نہ غم کسی کو

ہرگز کوئی نہ دے گا رنج و الم کسی کو!

جو حق ہے وہ ملے گا زیادہ نہ کم کسی کو

بھارت کے جان نثارو مل کے گیت گاؤ

ہندوستاں ہمارا، ہندوستاں ہمارا

اک گھاٹ شیر و بکری پانی ہم پئیں گے

آپس کی دوستی سے زخم جگر سئیں گے

آزاد ہی مریں گے آزاد ہی جئیں گے!

بھارت کے جان نثارو مل کے گیت گاؤ

ہندوستاں ہمارا، ہندوستاں ہمارا

اس کے سپاہیوں کے جب دم میں دم نہ ہوگا
قطرہ لہو کا تن میں جب یک قلم نہ ہوگا
مشتاق پھر بھی جھنڈا بھارت کا خم نہ ہوگا

بھارت کے جان نثارو مل کے گیت گاؤ
ہندوستاں ہمارا، ہندوستاں ہمارا

اورینٹ ہوٹل یہی وہ تاریخی مقام ہے جہاں کانفرنس کی نشستیں ہوتی رہیں اور مشرقی ایشیاء اعظم کے ہندوستانی سرجوڑ کر آزادیٔ وطن کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے میں رات دن مشغول رہے۔ کانفرنس میں متعدد تجاویز منظور ہوئیں۔ خوب خوب بحث مباحثے ہوئے۔ خصوصیت کے ساتھ کیپٹن موہن سنگھ صاحب جی اوسی کی وہ فوجی رپورٹ اور ان کا پرخلوص انداز بیان بے حد جاذب توجہ تھا۔ ڈیڑھ دن اسی میں صرف ہوا۔ آپ نے اس کے حسن و قبح کے پہلو پر روشنی ڈالی۔ اور اس کی اہمیت واضح کر دی۔ کانفرنس نے آئی۔ این۔ اے۔ کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے اُسے ہندوستان کی آزاد فوج ہونے کا فخر بخشا۔ اور اسی دن سے صحیح طور پر یہ جاپانی اثر سے نکل کر ہندوستانی فوج ہو گئی۔

کانفرنس میں مستقبل کا نظامِ کار اور دستور اساسی مرتب کیا گیا تھا جس کی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ البتہ بعض ضروری امور کی طرف توجہ

دلانے سے پیشتر ہم اس کی ہیئتِ ترکیبی پر بھی ایک نظر ڈال لیں تو بہتر ہوگا۔

کانفرنس کی ہیئتِ ترکیبی:- اس میں دو گروپ تھے۔ ایک فوجی۔ دوسرا سویلین فوجی گروپ جس کے نمائندہ کانڈر موہن سنگھ تھے۔ جو فیصدی پچاس ووٹ کے مختار تھے۔ بقیہ پچاس میں تمام مشرقی ایشیا کے نمائندے شامل تھے۔ کانفرنس کے چیرمین مسٹر راگھون بیرسٹرایٹ لا تھے جو ملایا کے ایک قابل قانون داں کہلاتے تھے۔ فوجی رایوں کے مقابلہ میں اگر دیکھا جائے تو ان کے خلافِ مزاج کوئی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اپنی من مانی کاروائی کر سکتے تھے۔ اور سویلین گروپ کو دم مارنے کی گنجائش نہ تھی۔ دوسری طرف سویلینوں میں مقامی برتری اور اقتدار کی بڑائی کا مرض بھی چھپا ہوا تھا۔ اس میں زیادہ نمایاں ملایا کا گروپ تھا۔ وہ اپنی فوقیت اور برتری کا لوہا منوانے کے لئے بہت زیادہ دباؤ ڈالنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ جس کا کانفرنس کے دوسرے ڈیلیگیشنوں پر بُرا اثر پڑ رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ملایا کے ممبران دوسرے وفود سے زیادہ قابل تھے۔ مگر خدمتِ وطن نیز ایثار اور قربانی کے لئے علمی قابلیت کو معیار بنا لینا ایک بھاری غلطی ہے۔ اور وہی ہوا کہ راس بہاری بوس کے دور میں تو یہ لوگ سب کچھ رہے مگر سوبھاش چندر بوس جیسے پیکر خلوص کے سورج کے سامنے ان کی روشنی ماند پڑ گئی اور پھر یہ اپنا چراغ ناموری روشن نہ کر سکے۔ فوجیوں کے پچاس فیصدی ووٹ میں تو ملٹری ڈسپلن کے پیش نظر پھوٹ پڑنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ البتہ سویلین آپس ہی

میں دست و گریباں بن کر ایک دوسرے کی دھجیاں اڑا سکتے تھے۔ ان باتوں کو مبصرین نے محسوس کرلیا۔ اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب تمام جگہ کی نشستوں کی تعداد مقرر کی گئی تو راقم الحروف نے برما کی چودہ نشستوں کے خلاف آواز بلند کی اور بتایا کہ برما ہی ایک ایسی جگہ ہے جو ہندوستان کا دروازہ ہے اور میدان کارزار بھی وہی بنے گا۔ ایسی حالت میں ملایا سے کم پر برما کو ٹالنا قرین انصاف نہیں۔ آخر کیپٹن موہن سنگھ کا خلوص بروئے کار آیا اور تقسیم شدہ نشستوں کا معیار بدل دیا گیا۔ خود انھوں نے اپنے فوجی ووٹ کم کردیے اور یوں برما کو اکیس رایوں کے حقوق مل گئے۔ اور وہ فوجی تناسب بھی ختم ہو گیا۔ جسے جمہوریت کے خلاف کہا جاسکتا تھا

کانفرنس میں فرقہ دارانہ تعصب کی جھلک۔

بدقسمتی سے ہماری غلامی کی یہ یادگار بھی دلوں میں چھپی ہوئی تھی اور اس کانفرنس میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے حرکات و سکنات سے کبھی کبھی اپنے جذبے کا اظہار کرلیا کرتے تھے۔ جسے اگر ہم ہندوستانیوں کی فطرت پر محمول کریں تو بے جا نہ ہوگا۔ ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے عموماً مسلمانوں کو شکایت رہی جس کی وجہ سے وہ دل کھول کر کانفرنس میں اور اس کے افتتاحی جلسے میں بھی شریک ہونے سے محترز رہے۔ معتبر لوگوں سے مجھے بنکاک میں معلوم ہو کر بے حد افسوس ہوا مگر یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ مسلمان جنگِ آزادی میں شریک ہونے کے لئے بے تاب تھے سوال تھا تو صرف اس بات کا کہ وہ باعزت اس تحریک میں شامل

گئے جائیں، اور بس! ذکر آگے آئے گا۔

بندے ماترم۔ کانفرنس میں اس کا جب ذکر آیا تو میری مخالفت پر ایسے ہی لوگوں نے اس کی حمایت کی۔ مگر بعد میں سنجیدہ طبقے نے اس کے اثرات و نتائج پر غور کیا اور بندے ماترم کا گیت نامنظور کر دیا گیا لیکن افسوس کہ جب تک یہ لوگ برسرِ اقتدار رہے، مسٹر راس بہاری بوس کے تمام دور تک اس کا بے جا استعمال ہوتا رہا۔ اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کو بھی شکایتیں رہیں۔ مگر یہ تجویز کہ ہندوستان کی واحد سیاسی جماعت کانگریس ہے منظور ہو کر رہی اور مسلم لیگ کا نام اس کے ساتھ شامل نہ ہو سکا۔ حالاں کہ ہندوستان میں آزاد ہند فوج کو (جس میں دونوں جماعتوں کے عقائد رکھنے والے فوجی ہیں) ہندو اور مسلمان دونوں کا تعاون حاصل کرنا ضروری تھا۔ کانفرنس میں (The Congriss is ony Politie organisation) کانگریس کی واحد نمائندگی پر بحث تھی اور لفظ (Only) کی تنسیخ کا مطالبہ تھا۔ بات تو معمولی تھی مگر نتائج اس کے غیر معمولی نکلے۔

کانفرنس کے افتتاحی جلسے میں ایک غیبی آواز پہلے دن جب کانفرنس کا افتتاح ہوا تھا ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک ہندوستانی والنٹیر نے سوبھاش چندر بوس کا نعرہ لگایا۔ اور ان کی قیادت کا مطالبہ کرتے ہوئے پلیٹ فارم پر جانے کی کوشش کرتا رہا۔ دوسرے رضاکاروں نے اُسے روک لیا اور یہ بتایا گیا کہ وہ پاگل ہے نیکل وصورت

سے وہ نیم پاگل تو ضرور معلوم ہوتا تھا۔ مگر یہ کسے خبر تھی کہ ٹھیک ایک سال اور اُنیس دن کے بعد ۴ر جولائی ۱۹۴۳ء کو راس بہاری بوس کی جگہ نیتا جی سو بھاش چندر بوس قائد بن کر آزاد ہند کی کشتی کو پار لگانے کے لئے جرمنی سے آجائیں گے۔ اور اس پاگل رضا کار کی دلی تمنائیں بار آور ہوں گی۔ کیا معلوم تھا کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ بڑے بڑے عقلمندوں کو اس پاگل کے سامنے ہتھیار ڈال دینے پڑیں گے؟ کاش مجمع میں کوئی اہلِ دل ہوتا۔ اور ان لفظوں کی قدر و قیمت سمجھ سکتا جو اس غیبی آواز میں پوشیدہ تھی۔

جنرل ٹوجو وزیر اعظم جاپان کا پیغام ہندوستانیوں کے نام

کانفرنس میں وزیر اعظم کا پیغام سنایا گیا۔ جس میں کانفرنس کی کامیابی پر مبارک باد دی گئی تھی۔ اور ہندوستان کی آزادی کے لئے ہر ممکن امداد دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اسمیں جاپانی حکومت کی اس خواہش کا اظہار تھا کہ ہندوستان صرف ہندوستانیوں کے لئے مخصوص ہونا چاہئے۔

حکومت جرمنی۔ حکومتِ اٹلی۔ حکومت سیام وغیرہم کے پیغامات ہمدردی بھی اسی قبیل کے تھے۔ جرمنی سے نیتا جی سو بھاش چندر بوس کا پیغامِ مبارک باد آیا۔ اور آپنے کانفرنس میں عدم شمولیت کے لئے افسوس کا اظہار فرمایا تھا۔

کانفرنس میں طے شدہ تجاویز مشرقی ایشیا کے مختلف ممالک سے

ہندوستانی نمائندوں کی موجودگی میں حسب ذیل تجویزیں منظور ہوئی تھیں۔

(۱) ہندوستان کی آزادی کی جنگ کے لئے ایک آزاد نیشنل آرمی کی تشکیل کی جائے جس کے سپہ سالار کیپٹن موہن سنگھ جی اوسی ہوں

(۲) ایک کونسل آف ایکشن بنائی جائے جو عملی اقدامات کے لئے جلد سے جلد اپنا کام شروع کر دے۔ جس کے پانچ ممبران ہوں۔ صدر راس بہاری بوس۔ مسٹر مینن۔ مسٹر راگھونند۔ کرنل گیلانی کیپٹن موہن سنگھ۔

(۳) آزاد ہند لیگ کی شاخیں قائم کی جائیں۔

(۴) آزاد ہند لیگ کی پالیسی آل انڈیا کانگریس کی پالیسی کے مطابق ہو۔

(۵) لیگ کی زبان ہندوستانی زبان ہو۔

(۶) لیگ کا جھنڈا سہ رنگا ہو جو ہندوستان کا قومی نشان ہے مگر اس پر چرخے کی تصویر نہ رکھی جائے۔

(۷) آزاد ہند لیگ فوج اور دیگر اخراجات کے لئے سامان اور روپئے فراہم کرے اور اپنی اس آزادی کی تحریک کو خود اپنے بل بوتے پر چلائے۔ تاکہ ہندوستان کسی غیر حکومت کا بیجا مقروض نہ ہو۔

(۸) البتہ ہتھیار حکومتِ جاپان سے قرض لیا جائے جس

کی رقمیں آزادی حاصل ہونے کے بعد ادا کی جائیں۔

(۹) ہندوستانیوں کی جائداد اور انکی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لیگ کے حوالہ کی جائے۔

(۱۰) فوجی بھرتی کیجائے۔ اور ٹریننگ کیمپ قایم کئے جائیں۔

(۱۱) جاپانی حکومت ہماری حلیف ہے اور دونوں کے درمیان مساویانہ دوستانہ رشتہ قایم کیا جائے۔

(۱۲) حکومت جاپان سے کانفرنس میں پاس شدہ تجاویز کی تصدیق کرائی جائے اور شہنشاہ جاپان اس کی منظوری دیدیں۔ تاکہ پھر کسی ہندوستانی کو ان کی دوستی میں شک وشبہ نہ رہے۔

راش بہاری بوس:- پرانے انارکسٹ اور انقلابی پارٹی کے ایک ممبر تھے۔ جنھوں نے ۱۹۱۲ء میں لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند پر بم سے حملہ کرنے والے گروہ میں حصہ لیا تھا۔ وطن کی آزادی کا جذبہ ان کے دل میں تھا۔ بغاوت پسند ان کی طبیعت تھی۔ ان کی گرفتاری کے لئے مبلغ ۱۲ ہزار روپئے کا انعام مشتہر کیا گیا تھا۔ مگر آپ بچکر ہندوستان کے باہر نکل گئے۔ اور کسی صورت سے جاپان میں داخل ہوگئے۔ اور مدت کے بعد جاپانی حق توطن اختیار کرلیا۔ جاپان میں انھوں نے جرنلسٹ کی حیثیت سے اپنا وقت گزارا۔ جاپانی اخبارات میں ہندوستان کے متعلق مضامین لکھ لکھ کر اس کا تعارف کراتے رہے۔ وہاں انھوں نے ایک ہندوستانی انجمن بھی قایم کرلی تھی۔ اور اس کے صدر کے فرائض

انجام دیتے رہے۔ جاپان میں شادی بھی کر لی تھی اور ان کی اولاد بھی جاپانی عورت کے بطن سے موجود ہے۔ ذریعہ معاش نامہ نگاری رہا۔ ایک ہوٹل بھی ان کی ملکیت میں تھا۔ جہاں صرف ہندوستانی کھانے ملا کرتے تھے۔ جاپانی عموماً ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تو خسر نے اپنی دوسری لڑکی بھی بیاہنا چاہی۔ مگر انھوں نے انکار کیا اور حسب معمول خدمتِ وطن میں لگے رہے۔ مذہباً ان کا کوئی عقیدہ نہیں تھا۔ بلکہ ان کو لامذہب ہی کہنا درست ہے۔ جاپانیوں نے ان کی حب الوطنی کی قدر کرتے ہوئے ہندوستان کی جنگِ آزادی میں امداد کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ موصوف میں انتظامی قابلیت سے زیادہ ایثار اور قربانی کا مادہ تھا۔ ۴ جولائی ۱۹۴۳ء کو انھوں نے آزاد ہند لیگ کی صدارت سے علیحدگی اختیار کر لی اور اس کی زمام قیادت نیتاجی سوبھاش چندر بوس کے حوالے کر دی۔ کچھ مدت تک آپ لیگ کیبنٹ کے صلاح کار اعظم کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور پھر بیمار ہو کر سرگباشی ہو گئے۔

بنکاک کانفرنس اور ہندوستانی زبان

کانفرنس مذکور نے اگرچہ لیگ کی زبان ہندوستانی کو قرار دیا تھا۔ مگر قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ اس کی تمام کارروائیاں انگریزی ہی میں ہوتی رہیں۔ خود کانفرنس کے چیئرمین مسٹر راگھوند مطلق ہندوستانی نہیں جانتے تھے۔ ڈیلیگیٹوں میں بہت سے لوگ انگریزی سے پوری طرح واقف نہ تھے۔ کوئی انگریزی

بگھارتا تھا تو کوئی ویدانت کے سنسکرت اشلوک پڑھ پڑھ کر اپنے
پنڈت ہونے کا ثبوت پیش کر رہا تھا۔ میں نے اس کا حل دریافت کیا
اور خواہش کی کہ دونوں طرف کے لوگ اپنا اپنا مفہوم سمجھ سکیں۔ مگر
بعض لوگوں نے اس کی ضرورت نہ سمجھی۔ تب میں نے ہندوستانی زبان
کا معیار دریافت کیا۔ جسے جناب صدر بالکل نہ سمجھے۔ میں نے جناب
صدر کی ناواقفیت پر اعتراض کیا۔ وہ بہت سٹ پٹائے۔ اور کرسی صدارت
سے یہ کہہ کر الگ ہو گئے کہ میں چونکہ ہندوستانی بالکل نہیں جانتا اس لئے
دوسرا کوئی صدر منتخب کر لیا جائے۔ بڑی دیر تک کاروائی رکی رہی۔
صدر صاحب کسی صورت رضا مند نہیں ہوئے۔ مجبوراً میں نے عرض کیا
کہ ہاؤس واک آوٹ کر دیا جائیگا اگر صدر ہماری استدعا قبول کر کے دوبارہ
کرسی کو زینت نہ دیں گے۔ بالآخر انھوں نے میری نیک نیتی کی داد
دیتے ہوئے صدارت منظور فرمائی اور عام طور پر بولی جانے والی
ہندوستانی زبان کو لیگ کی قومی زبان قرار دیا۔ اور اس طرح سنسکرت
اور عربی فارسی کے غیر مانوس الفاظوں کا جھگڑا ختم ہوا۔ اور انگریزی و
ہندوستانی زبان میں کاروائی ہونے لگی۔ اس سلسلے میں جو بحثیں
ہوئیں وہ بڑی دلچسپ تھیں:۔

آزاد ہند فوج کی تشکیل

جو فوج ملایا، ہانگ کانگ اور سنگاپور میں جاپانیوں کے مقابلے میں ہتھیار ڈال چکی تھی۔ اس میں ہندوستانی۔ اسٹریلین اور انگریزی گورا فوج شامل تھی جس کی تعداد سوا لاکھ کے قریب تھی۔ انگریزی اور اسٹریلین فوجیوں کو چھوڑ کر خالص ہندوستانی فوج کم وبیش اسی ہزار کے قریب تھی جو جاپان کی قید میں آئی۔ اور یہ وہی فوج تھی جس کا بہت بڑا حصہ آزاد ہند فوج بن کر دنیا کی تاریخ کو منور کر چکا ہے۔ ہندوستانی فوج کی بہادری محتاج بیان نہیں۔ دنیا نے اس کا لوہا مانا ہے۔ جرمنی۔ اٹلی۔ جاپانی۔ افریقی۔ ہر ایک اس سے جنگ آزما ہو کر اس کی قوت بازو کا امتحان کر چکا ہے اور اسے ہر معرکے میں سخت جان پایا ہے۔ کیا جنگِ عظیم اور کیا جنگِ عالمگیر، ہر میدان میں یہ داد شجاعت پا چکے ہیں۔ فرانس میں ان کے جنگی کارنامے سینۂ تاریخ پر کندہ نظر آئیں گے۔ برطانوی پشت پناہی میں اس نے آج تک متعدد ملکوں پر اپنی شمشیر کی دھاک جمادی

اور ان کو غلام بنایا۔ مگر سامان کی کمی ذخائر حرب کی قلت نے انہیں ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کر دیا۔ اب ان کی آنکھوں کے سامنے دنیا اندھیر تھی۔ اور یہ دنیا کو غلام بنانے کا کفارہ اس طرح ادا کرنے کے لیے بیتاب ہو گئے کہ انھیں ہاتھوں سے اپنے وطن کے ساتھ ساتھ مشرقی ایشیا کو بھی آزاد کرانے کا تہیہ کر لیا۔ اب جو جذبۂ خلوص ان کا تھا وہ بے نیاز تھا۔ ان کی بہادری میں حقیقی مقصد حیات کے پیش نظر چار چاند لگ گئے اور انھوں نے وہ کر دکھایا جو اگلی تمام تاریخی شجاعت پر پانی پھیر دے۔ ان کے اس عزم نے دنیا کی ایک نئی تاریخ مرتب کر لی۔ جس کا ہر ورق روشن، جس کا ہر باب منور اور جس کی تاریخ کا ایک ایک نکتہ تابناک بن گیا۔

۱۶ر جنوری ۱۹۴۲ء کو سنگاپور میں کپتان بلونت سنگھ نے Raffle ریفل پارک میں ہندوستانی فوج کو جمع کیا۔ جس کے سامنے کرنل ہنٹ نے تقریر کرتے ہوئے بطور قیدی انھیں میجر فوجی وارا کے حوالہ کر دیا۔ میجر فوجی وارا نے جاپانی گورنمنٹ کے نمائندے کی حیثیت سے ان کا چارج لیا۔ اور یہ خواہش ظاہر کی کہ ہندوستانی سپاہیوں کو اپنے وطن کی آزادی کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔ جاپانی ہندوستانیوں کو قیدی کی حیثیت سے نہیں رکھیں گے۔ بلکہ انھیں اپنے ملک کو آزاد کرانے میں مدد دیں گے۔ ہمارے پاس سامان کی بھی قلت ہے مگر باوجود اس کے آپ ہمارے شریک ہیں۔ آج سے کپتان موہن سنگھ

آپ کے کمانڈر ہیں جن کے احکام کی تعمیل آپ لوگوں پر فرض ہے

میجر فوجی وارا اور کپتان موہن سنگھ۔

یہ کپتان موہن سنگھ ہی کی ذات تھی جن کی تدبیر نے ہندوستانی فوج کو زیادہ نقصان اٹھانے سے بچالیا۔ ہندوستانی فوج کے پاس ہوائی جہاز، ٹینکیں اور دیگر ذخائر حرب کی قلت تھی۔ باوجود اس کے وہ اپنی روایتی شجاعت و مردانگی پر حرف آنے دینا نہیں چاہتے تھے۔ اور صرف تلوار و بندوق ہی کے ساتھ گوریلا جنگ ملایا میں جاری رکھنا چاہتے تھے۔ کپتان موہن سنگھ نے ان کو بتایا کہ انگریز خود تمہیں کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ کر الگ ہو گئے ہیں۔ اور اپنی گورہ فوج کو بچالیا ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم ان کے لئے لڑکر تباہ ہو جاؤ البتہ اگر لڑنا ہی ہے تو ہندوستان کی آزادی کے لئے جنگ کرو جس سے کہ دنیا میں تمہاری واہ واہ ہو جائے اور تم اپنے ماتھے سے غلامی کا کلنگی ٹیکہ مٹا سکو۔ بات پتہ کی تھی سمجھ میں آگئی۔ اب انھوں نے میجر فوجی وارا سے اس کا بند و بست کیا اور وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے معاملہ طے ہوا۔ اور ہندوستانی آزاد ہند فوج کی تشکیل کی گئی۔ اس فوج کے انتظامات ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں دے دیے گئے۔

ہندوستانی فوج کا ایک حصّہ اس میں شامل ہوا۔ اور دوسرا تذبذب کی حالت میں رہا۔

جن کے دلوں میں آزادی کی تڑپ اور غلامی سے نفرت تھی وہ تو بے دھڑک اس میں شامل ہو گئے۔ اور بعضوں نے قید و بند

کی مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے عافیت اسی میں سمجھی کہ ان کا ساتھ دیں۔ البتہ ایک گروہ ایسا بھی تھا۔ جو اس آزادی کو شک وشبہ کی نظروں سے دیکھتا رہا۔ اور وقتاً فوقتاً شامل ہوتا گیا۔ مگر دوسرے ایک بہت بڑے حصے نے انگریزوں کی وفاداری سے منہ نہ موڑا اور اخیر دم تک تکلیفیں اٹھانے کے بعد بھی الگ ہی رہے۔

انگریزی وفادار ہندوستانی فوج

یہ آزاد ہندی فوج سے بالکل الگ ہی رہے۔ ان میں برابر پروپگنڈا ہوتا رہا مگر یہ اپنی جگہ پر ہی اڑے رہے۔ ان میں زیادہ تر حسب ذیل اقسام کے سپاہی تھے۔ (۱) وہ جو ہندوستانی ریاستوں کی طرف سے شامل ہوئے تھے۔ (۲) وہ جو خاندانی فوجی تھے اور پشتہا پشت سے انگریزوں کا نمک کھا رہے تھے (۳) جنکی خدمتیں بہت پرانی تھیں اور ان کی پنشن کا وقت قریب تھا (۴) جن کے کارنامے اچھے تھے اور وہ سرٹیفکٹ اور تمغے جات پا چکے تھے۔ (۵) ایسے ایسے جاہل اکھڑ قسم کے لوگ تھے جو ہندوستان کی مشہور روائتی نمک حلالی اور نمک حرامی کے گورکھ دھندے میں پھنسے ہوئے تھے (۶) ایسے بھی لوگ تھے جن کو آزاد ہند فوج کے سخت برتاؤ پر شکایت تھی۔ جو اُن کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے وہ روا رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں مخالفین تحریک کو بہت کچھ شکائتیں بھی تھیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انھیں جبراً تحریک میں شامل کیا جاتا تھا۔ ان کو اُلٹا لٹکا کر بید لگائے جاتے تھے۔ بھوکا رکھا جاتا تھا۔ گالیاں دیجاتی تھیں اور انھیں طرح طرح سے ذلیل کیا جاتا تھا۔

۱۴ پنجاب رجمنٹ کے جمعدار فتح سنگھ اور صوبہ دار سنگھارا سنگھ کا بہت زیادہ نام لیا جاتا تھا۔ کہ انھوں نے اتنی سختیاں کی تھیں۔ مسلمانوں اور گورکھوں کو دوسروں سے بہت شکائتیں تھیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان سختیوں کے نتیجے میں کیمپ میں شورش بھی ہو گئی تھی، ڈنڈے بازی تک نوبت پہونچ گئی اور گولیاں تک چلائی گئیں۔ متعدد گھائل اور ہلاک ہوئے۔ مخالفین کو سختیاں جھیلنے کے لئے جاپانی کیمپ میں بھیجدیا جاتا تھا۔ ایک یہ خبر بھی تھی کہ جاپانی کئی سو ہندوستانی فوجیوں کو کسی جزیرے میں لے گئے جہاں سے وہ لوگ واپس نہ ہو سکے۔ سمندر کی جو اڑا اور وبائی آب وہوا نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ اس لئے مخالفین کو ایک قسم کی ضد سی پڑ گئی کہ جاپانی بھی تکلیف ہی تو دیں گے پھر تکلیف کے لحاظ سے دونوں کیمپ برابر ہیں۔ تحریک میں شریک ہونے سے صاف انکار کر دیتے تھے۔ مگر یہ ابتدائی دور کا حال ہے۔ بعد میں ہر شخص اپنے خیال میں آزاد تھا۔

(۷) مذہبی بے اعتمادی بھی کار فرما تھی، جو مسلمانوں کو ہندوؤں کے برتاؤ سے پیدا ہو گئی تھی وغیرہ مذکورہ بالا وجوہات ان کی آزاد ہند فوج سے علحدگی کا باعث رہی۔ مگر نیتاجی سوبھاش چندر بوس کے عہد قیادت میں ان کے خیالات کی بہت کچھ اصلاح ہو گئی تھی۔

آئی۔ این۔ اے کے جنگی سامان۔

آزاد ہند فوج بننے کے بعد انگریزی آلات حرب جو ضبط ہو چکے تھے، انھیں واپس دے دئے گئے۔ اس لحاظ سے اُن کے پاس

جنگ کا مکمل ذخیرہ مہیا ہو گیا تھا۔ آلاتِ حرب کی ان کے پاس کمی نہیں رہی تھی۔ پھر بھی بوقت ضرورت محاذ کے لئے جاپان کی طرف سے امداد ملا کرتی تھی۔ وردی اور ساز و سامان کے لحاظ سے یہ فوج جاپانی فوجوں سے بدرجہا اچھی تھی۔ افسروں کی وردیاں بہت خوشنما تھیں۔ تین سادے فیتے مونڈھوں پر کپتانوں کے لگے ہوئے تھے۔ ایک سنہری فیتہ اور سدرشن چکر تارہ نما میجر اور دو فیتے اور تارہ لفٹننٹ کرنل۔ تین سنہری فیتے کرنل اور دو سنہری تلواریں کراس میجر جنرل کے مونڈھوں پر سجے ہوا کرتے تھے۔

بنکاک کانفرنس میں۔ آئی این۔ اے ڈیلیگیٹس۔

اس وفد میں شامل ہونے والے مخصوص افسران کے نام حسب ذیل ہیں۔

کیپٹن موہن سنگھ جی۔ او سی۔ لفٹننٹ کرنل نرنجن سنگھ گل۔ لفٹننٹ کرنل گیلانی۔ میجر عزیز احمد۔ میجر پرکاش۔ لفٹننٹ کرنل جیٹرجی۔ کرنل بھگت۔ لفٹننٹ کرنل لوگا ناتھن۔ کیپٹن مصرا۔ کپٹن برہان الدین (پرنس آف چترال) کیپٹن جہانگیر (پرنس لوہارو) کیپٹن عنایت کیانی کیپٹن ملک شوکت۔ کیپٹن رام سروپ۔ کیپٹن ملک فتح خاں۔ کیپٹن اللہ دتا۔ وغیرہ باقی دوسرے افسران بھی تھے جن کا نام اس وقت ذہن میں نہیں ہے۔

مذکورہ افسران کا عہدہ ان کے فرائض کی انجام دہی اور

اچھی کارکردگی کے صلے میں نیتاجی سوبھاش چندر بوس کے زمانے میں بتدریج بڑھتا گیا۔ سنگاپور میں بہت سے ایسے افسران تھے جنھوں نے تاریخ میں اپنے کارناموں سے چار چاند لگا دیے تھے۔ مثلاً میجر جنرل محمد زماں کیانی۔ کرنل احسان قادر۔ میجر جنرل بھونسلے۔ کرنل گلزار سنگھ کرنل سہگل میجر جنرل شاہنواز۔ کرنل ڈھلن۔ کرنل ارشد۔ کرنل عبدالرشید کرنل محبوب وغیرہ۔ یہ افسران بعد میں برما تشریف لائے اور محاذِ جنگ پر داد مردانگی دے چکے ہیں۔ اگلے صفحوں میں اگر ان کے فوٹو بلاک اور ان کی مختصر سوانح حیات حاصل کرنے کا انتظام ہو سکا۔ تو ہم اُن کا قلمی تعارف بھی کرا سکیں گے۔

بنکاک میں ڈنر اور ضیافتیں۔ یوں تو یہاں کئی شاندار ضیافتیں ہوئیں جن میں حکومتِ سیام اور شہریان بنکاک کی طرف سے جو دعوتیں دی گئی تھیں وہ اور راس بہاری بوس نیز مسٹر سہائے کی دعوتیں بڑی پر تکلف اور شاندار تقریبیں تھیں۔ ۱۲ ار جون ۴۲ء کو ایسے ہی ایک پر تکلف ڈنر کے موقع پر جس میں کہ ڈیلیگیٹوں کا ذاتی تعارف ہو رہا تھا۔ راقم الحروف نے ڈنر کے دوران میں چند تعارفی قطعات برجستہ موزوں کر کے پڑھے تھے۔ جسے حاضرین نے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اور بڑی فیاضی سے جس کی داد دی گئی تھی۔ وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک پرائیویٹ دعوت بھی قابلِ ذکر ہے۔ جو بنکاک میں سورت کے چند مسلمان تاجروں نے

دی تھی۔ جس میں مسٹر عباس تہائی والا کمپنی کے منیجر اور مسٹر مستفیٰ سٹر عبدالمومن لال محل سورت والے، نیز راندیر ضلع سورت کے رئیس اعظم ای نانا صاحبان نے چند ڈیلیگٹوں اور آئی۔ این۔ اے۔ کے اُن اعلیٰ افسران کو دی تھی۔ جو بنکاک کانفرنس میں شریک ہوئے تھے یہ دعوت بالکل ہندوستانی طرز کی تھی۔ یہاں بنکاک کے بعض ذی شعور شہریوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اور ان سے تبادلۂ خیالات سے ان کی بعض شکایتوں کا ازالہ کر دیا گیا۔ جس سے ان کو تسلی ہوئی اور پھر وہ جی کھول کر تحریک میں شرکت کرنے لگے۔

قطعات

صدر محترم شری راش بہاری بوس:-

خادم ہے تو وطن کا سپاہی دلیر ہے
میدانِ حریت کا تو بے باک شیر ہے
ایثار تیرا بوس نہ جائے گا رائگاں
آزادیٔ وطن میں کہیں اب بھی دیر ہے؟

جنرل موہن سنگھ

موہن یوں ہی تو پریم کی بنسی بجائے جا
اُلفت کی آگ سب کے دلوں میں لگائے جا
بھر بھر کے سب کو حُبِّ وطن کی شراب دے
بیخود بنائے جا ہمیں بیخود بنائے جا!

کرنل گیلانی

جزاک اللہ اُٹھ کروٹ بدل اے شیر جیلانی
غلام آباد بھارت میں دِکھا زورِ مسلمانی
شبِ ظلم و ستم کا چاک کر دے پردۂ ظلمت
نظر آجائے آزادی کی ہم کو شکلِ نورانی

کپتان ملک شوکت

ڈال دشمن کے گلے میں موت کی بڑھ کر کمند
راہِ آزادی میں دوڑا اپنی ہمت کا سمند
کھلبلی پڑ جائے جس سے لشکرِ اشرار میں
اے ملک شوکت خدا بخشے تجھے عزمِ بلند

کپٹن برہان الدین آف چترال

تو وطن کے واسطے قرباں اپنی جان کر
اس طرح سے تازہ اپنا گلشنِ ایمان کر
قوم کی امید وابستہ ہے تیری ذات سے
جاں نثاری میں نہ کوتاہی تو اے برہان کر

کپٹن عبدالحکیم

فخر کے قابل ہے تو بھی اے جری عبدالحکیم
تو بہار باغِ آزادی میں ہے تازہ شمیم
جنگِ آزادی میں کچھ ایسا دکھا اپنا کمال
کانپ جائے دیکھ کر جسکو ترا بزدل غنیم

کپٹن اسیرالدین جہانگیر آف لوہارو

قوم کی نظروں میں ہو کیوں کر نہ توقیر آپکی
جب کہ بھارت کے لئے نکلی ہے شمشیر آپکی
آپ کا ہر وار ہو دشمن کو اِک پیغام موت
دھوم مچ جائے جہاں بھر میں جہانگیر آپکی

کیپٹن عنایت کیانی

بدل دے عزمِ راسخ سے تو اپنے ہند کی دنیا
مٹا دے صفحۂ ہستی سے ظلم و جور کا نقشہ
روایاتِ کیانی تازہ کر اپنی شجاعت سے
بنا دے بچہ بچہ کو تو اپنا والہ و شیدا

شری آنند موہن سہائے

سب کی نظر میں تیری نہ کیوں ہر ادا سمائے
اخلاق تیرا کیوں نہ ہر اک دل میں گھر بنائے
جادو بھرا ہوا ہے تیری بات بات میں
چھوٹے بڑے کو کیوں نہ تیری گفتگو سہائے

میجر عزیز احمد

تو چشم و قوم و ملک میں انمول چیز ہے
دشمن وطن کا تیرے مقابل میں حیز ہے
بیشک تو ہے شبیہ جمال و جلال کی
تو مصر دل میں قوم کی مثلِ عزیز ہے

مسٹر سراج الحق ممبر وفد جاوا

بزم جہانِ دوست میں تیرا ہی راج ہے
سر پہ ترے وفا و محبّت کا تاج ہے
ہے سب کے دل میں تیری محبت کی روشنی
تو محفلِ حبیب کا روشن سراج ہے

مسٹر بشیر ملال ممبر وفد ملایا

آزادئ وطن کے لئے تو بشیر ہے
حسن و عمل یہ تیرا عدیم النظیر ہے
دشمن ترے ملال کریں اور غم کریں
آزاد تو ہے ہم ہیں ہمارا ضمیر ہے

ڈی۔ ایم۔ خان ممبر وفد ہانگ کانگ

خان کی الفت نے ہر دل میں بنایا اپنا گھر
خلق انکا دلپسند باتیں ہیں ان کی با اثر
مادر ہندوستاں اُن سے بھی کرتی ہے طلب
پیش کر دیں وہ بھی خدمت میں وطن کے اپنا سر

برما ڈیلیگیشن کی کانفرنس سے واپسی۔

وفد ریل پر سوار ہو کر سنگاپور پہونچا۔ اور یہاں تین دن قیام رہا۔ سنگاپور کے قیام میں جناب اسماعیل منصور صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جن کے توسط سے مسٹر انوری صاحب سے ملنے کا بھی موقع ملا۔ منصور صاحب راندیر کے متوطن تاجر ہیں۔ جن کے والد مرحوم گذشتہ جنگِ عظیم کے دوران میں سنگاپور کے ایک انقلاب میں شرکت کی بدولت حکومت کے دستِ ظلم کا شکار ہو کر پھانسی کے تختے پر چڑھا دئے گئے تھے۔ باپ کی طرح بیٹے میں بھی قوم کا درد بھرا ہوا پایا۔

مسٹر انوری ایک مخلص مسلمان قومی ورکر ہیں۔ جنکا دل بھی وطن کی شراب محبت سے لبریز تھا۔ اس کے بعد ۲۲ر جون کو ہمارا وفد برما واپس ہونے کے لئے جہاز پر سوار ہو گیا۔ اس مرتبہ جہاز میں بڑی تکلیفیں ہوئیں۔ جگہ کی قلت اور فوجیوں کے ہمراہ سفر کرنا ایک مصیبت تھی۔ جہاز پر سوار ہو جانے کے بعد خبر ملی کہ دشمنوں کے یو بوٹ سمندر میں گشت کر رہے ہیں۔ اور راستہ خطرناک بنا ہوا ہے۔ جہاز کے متعلقہ افسروں نے دریا میں لنگر ڈال دیا۔ اور اس ناگہانی مصیبت کی وجہ سے ہم لوگوں کو مسلسل چھ دنوں تک کنارے کے قریب دریا ہی میں جہاز پر گزارنا پڑا۔ اس عرصہ میں دریائی گرمی اور حبس نے ادھموا کر دیا۔

راشن اور پانی کی بھی کچھ کمی ہو گئی۔ کنارہ نزدیک تھا مگر ہم لوگ

دوبارہ شہر کی طرف واپس بھی نہیں جا سکتے تھے۔ وہاں کمیونسٹ پارٹی
کے چینی جاسوسوں کی مخبری کا خطرہ تھا۔ بارے خدا خدا کر کے جہاز
چل پڑا اور ہم لوگ چوتھے دن ۲ر جولائی کو خدائے رحمان کا شکر کرتے ہوئے
ہوئے رنگون کی جٹی پر آ پہونچے۔ جہاں دیگر شہریوں نے ہمارا استقبال
کیا۔ اس کے بعد ہم لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

سپاس نامے تیسرے دن رنگون کی لیگ نے وفد کے ممبران
کی خدمت میں ان کی کامیاب واپسی پر شہریوں
کی طرف سے سپاس نامے پیش کئے۔ گلوب سنیما میں ایک شاندار جلسہ
ہوا۔ اور وفد کی خدمتوں کو سراہا گیا۔ اُس وقت رنگون کی لیگ
میں نئے نئے ممبر شامل ہو گئے تھے۔ مسٹر کریم غنی جو بعد میں منسٹر کے
عہدے تک ترقی کر گئے تھے۔ اُس میں نظر آ رہے تھے۔ بنکاک کی روانگی
سے پہلے میں نے انھیں ہندوستانی مفاد کے تحفظ کے لئے آمادہ کیا تھا
مگر وہ اسی بات پر مُصر رہے کہ "مجھے برمی سیاست سے متعلق رہنا ہے
میں ہندوستانی معاملات میں دخل نہیں دوں گا" مگر میں نے یہ دیکھکر
تعجب کیا کہ وہ اتنی جلد اپنے اصول سے کس طرح گریز کر چکے؟ اب برابر
لیگ کے جلسے ہوتے رہے۔ اور اس میں زیادہ تر کام کی جگہ تو تو
میں میں ہوتی رہی۔ ہر ایک اپنے اقتدار کے لئے مرا جا رہا تھا مسٹر
لاٹھیا صدر لیگ اپنی کمیٹی کے ممبران کا اعتماد کھو چکے تھے۔ اور ہر جلسے
میں ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی رہتی تھی۔ ان کی پشت پر جاپانی

حمایت تھی۔ جو معاملے کو سلجھانے کی کوشش کرتی تھی۔ صدر اپنی من مانی کارروائیاں کرنا چاہتے تھے۔ اور ممبران مخالفت پر آمادہ رہا کرتے تھے۔ واک آؤٹ تو روزمرہ کا مشغلہ بن گیا تھا۔

ایواکورو کیکان بنکاک کی واپسی کے بعد ایواکورو کیکان ہندوستانی معاملات کے لئے بنایا گیا۔ یہ کیکان۔ کرنل ایواکورو کے نام سے منسوب تھا۔ اس کے افسر اعلیٰ لفٹننٹ کرنل کتابے تھے۔ جو ایک جاپانی انقلابی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی قابلیت مسلمہ تھی۔ اور جو بظاہر ہندوستانیوں اور ہندوستان کے بڑے خیرخواہ مانے جاتے تھے۔ انھوں نے بھی آپس کے اختلافات کو مٹانے کی کئی بار کوششیں کیں۔ مگر صدارت کی طرف سے ممبروں کا دل صاف نہیں ہوا حتیٰ کہ رنگون میں راش بہاری بوس کی سنگاپور سے آمد پر ملٹری ٹوریل کمیٹی کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور معاملہ کچھ حد تک سلجھ گیا۔

برما میں لیگ کی شاخیں۔ بنکاک سے واپسی کے بعد تمام برما بھر میں لیگ کی شاخیں پھیلانے کا کام شروع کیا گیا تھا۔ مختلف حلقوں کے لئے پارٹیاں بنائی گئیں۔ اپر برما کیلئے بیموسکے ڈیلیگیشن مشن کیلئے مقرر ہوئے ایک پارٹی مسٹر سلطان محمود کے زیراثر پروم لائین کیلئے روانہ ہوئی۔ دوسری پارٹی مسٹر محمد جعفر صاحب کے ساتھ ڈیلٹا بھیجی گئی اور تیسری پارٹی راقم الحروف کی سرکردگی میں پیگو سے زیاواڈی کی طرف والے حلقے کے لئے مامور ہوئی۔ میرے حلقے میں زیاواڈی اور جونگا کا حصہ بہت اہم تھا۔ جہاں تقریباً ۹۰ فیصدی ہندوستانی کاشتکار آباد تھے

اور جس کے قرب و جوار میں تقریباً چالیس ہزار ہندوستانی بستے تھے۔ یہ علاقہ برما
ہندوستان کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے۔ پیگو سے لے کر زیاواڈی
تک کئی برانچیں بنائی گئیں۔ جو بعد میں نہایت اہم ثابت ہوئیں۔

ٹیری ٹوریل کمیٹی

برما میں شاخوں کے پھیل جانے کے بعد راش بہاری بوس ۱۲ ستمبر ۱۹۴۲ء شونان (سنگاپور) سے رنگون
تشریف لائے اور ٹیری ٹوریل کمیٹی کی بنیاد ڈالی گئی۔ صدارت کے اُمیدوار
میں مسٹر بی پرشاد جو صوبہ بہار کے رہنے والے زیاواڈی شکر فیکٹری
والوں کے کچھ رشتہ داری میں تھے۔ کامیاب ہو گئے۔ یہ ایک جوشیلے
مگر ناتجربہ کار نوجوان تھے۔ بے جا جوش و خروش اور معاملہ فہمی کی قابلیت
نہ ہونے کی وجہ سے ان کے دور میں بھی کام کچھ زیادہ سدھر نہ سکا۔ ان
کے ساتھی بھی عموماً ایسے نوجوان تھے جو صرف ظاہرا ٹھاٹھ باٹھ کے سوا
بالکل کورے ہی واقع ہوئے تھے۔ کچھ دنوں ان لوگوں نے بھی اپنی
طوطی بلوائی۔ اور بالآخر ایک کانفرنس کے سلسلے میں جب سنگاپور گئے تو
پھر واپس نہ ہو سکے۔ اور وہیں کسی وجہ سے نظر بند ہو گئے۔ ان کی غیر موجودگی
میں جاپانی ایواکورو کیکان کی طرف سے مقرر کئے ہوئے ممبر مسٹر کریم غنی۔
جاپانی اعتماد کی بدولت عارضی طور پر ٹیری ٹوریل کے صدر مقرر کئے گئے۔
اور اس وقت تک رہے۔ جب تک کہ عارضی حکومتِ ہند کی تشکیل ہو
گئی۔ اور راش بہاری بوس نے نیتا جی سوبھاش چندر بوس کو لیگ
کی زمامِ قیادت حوالے کر دی اور یوں برما ٹیری ٹوریل کمیٹی کے ساتھ

ساتھ مسٹر کریم غنی کی صدارت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

موصوف کی صدارت ختم ہوتے ہی جاپانیوں کا دباؤ لیگ پر سے کم ہوتا گیا۔ ادھر نیتاجی سوبھاش چندر بوس کی آزاد آزادانہ ہندوستانیوں کے مفاد کی حفاظت میں لگ گئی۔ مسٹر کریم غنی کی موجودگی میں سوائے اس کے کچھ نہیں ہوا کہ روز کی نئی نئی اسکیمیں بنائی گئیں۔ اور اپنے خاص خاص معتمدوں میں کام تقسیم کر کے وہ لیگ کے قیمتی وقت کو ضائع کرتے رہے اور معاملات میں الجھاؤ پیدا ہوتا رہا۔

سنگاپور میں آئی۔ این۔ اے کا انحطاط

جنرل موہن سنگھ اور کاؤنسل آف ایکشن میں اختلاف۔

یہ اختلاف دراصل جنرل موہن سنگھ اور جاپانی حکام کے درمیان تھا اس کی تہ میں دیگر چند باتیں بھی پوشیدہ تھیں جن میں کچھ کچھ فرقہ دارانہ ذہنیت (۲) ذاتی رقابت اور عہدوں کی برتری کا خیال۔ (۳) دل میں برطانیہ کی دبی ہوئی محبت (۴) مزید جنگ سے بیزاری (۵) جاپان پر بد اعتمادی۔ (۶) خود غرضی اور نفسانیت (۷) جاپانی دخل اندازی، اور کچھ موہن سنگھ کی تند مزاجی۔

جاپانی چاہتے تھے۔ کہ آئی۔ این۔ اے۔ کے فوجی دستوں کو برما بھیجا جائے۔ اور ہندوستان کی سرحدی جنگ شروع کر دی جائے۔ مگر جنرل موہن سنگھ ان سے مطالبہ کرتے تھے کہ ایسی حالت میں جب کہ اُن سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔ اور بنکاک کانفرنس کی منظور شدہ تجویزوں کو شہنشاہِ جاپان نے منظوری نہیں دی۔ ہندوستانی فوج کس طرح بلا سوچے

سمجھے جان پر کھیل جائے۔ اس کی کوئی ضمانت ضرور ہونی چاہئے۔ کہ ان کے تمام حقوق اور مطالبات پر کسی قسم کی زد نہیں پڑے گی۔ یہ سن کر جاپانی افسران نے برا محسوس کیا۔ جس پر راش بہاری بوس اور کونسل آف ایکشن کے بعض ممبران نے بھی جنرل موہن سنگھ کو مجبور کرنا چاہا کہ وہ جاپانیوں کی یہ خواہش پوری کر دیں۔ مگر موہن سنگھ تھے کہ کسی صورت راضی نہ ہوتے تھے۔ بات بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی۔ بالآخر جنرل موہن سنگھ نے فوج کو توڑ دیا۔ کاغذات جلا دئے۔ رجسٹر اور حساب کتاب اور دیگر دستاویزات کو ضائع کر کے کاؤنسل آف ایکشن کی کھلی مخالفت شروع کر دی جس پر راش بہاری بوس کے ایما سے ان کو قید کر لیا گیا۔ اور ایک مخصوص جگہ وہ نظر بند کر دئے گئے۔ یہی وہ پہلا اختلاف تھا جو تحریک کے لئے بہت مبارک ثابت ہوا۔ جس کی وجہ سے نیتاجی سو بھاش چندر بوس کی قیادت مشرقی ایشیائے اعظم کو نصیب ہوئی۔

کرنل گل برطانوی فوجی افسران میں افسرِ اعلیٰ کی حیثیت رکھتے تھے ان کی قابلیت مسلّمہ تھی۔ بنکاک کانفرنس میں کاؤنسل آف ایکشن میں شمولیت کا جب سوال پیدا ہوا تو انھوں نے جنرل موہن سنگھ ہی کو اپنے اوپر ترجیح دی۔ مگر اسے بھی میرے خیال میں آئی۔ این اے کے اختلاف کا ذمہ دار ٹھہرانا چاہئے۔ بظاہر ایثار سے کام لیا گیا تھا۔ بہ باطن سینیئر اور جونیئر کی رقابت کار فرما تھی۔ جو رنگ لائے بغیر نہ رہی۔ کرنل گل میں عہماتی قابلیت اچھی تھی اور وہ محاذِ جنگ کے نقشہ جات

مرتب کرنے میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ وہ معہ اپنی پارٹی کے برما کے محاذِ جنگ کا نقشہ تیار کرنے برما آئے تھے۔ اور کچھ عرصے کے بعد سُنا گیا تھا۔ کہ ان کے دو تین ساتھی معہ مہابیر سنگھ ڈھلن سرحد چندوئن اور کلیوا پر گرفتار کر لئے گئے۔ جن کے پاس کرنل گل کے خطوط دستیاب ہوئے تھے جن میں انھوں نے ہندوستان کے کسی برطانوی بڑے افسر کو اپنی تنخواہ اور بے گناہی کے بارے میں کچھ تحریر کیا تھا۔ یہ دیکھ کر جاپانیوں نے کرنل گل کو گرفتار کر لیا۔ اور وہ سنگاپور میں قید کر لئے گئے ان کے متعلق راش بہاری بوس صدر کاؤنسل آف ایکشن کی سفارش کام آگئی۔ ورنہ ان کی زندگی سخت خطرے میں تھی۔ جاپانی بغیر ان کی جان لئے چھوڑنے والے نہ تھے۔

ملٹری بورڈ کا قیام اور آزاد ہند فوج کی از سرِ نو تنظیم۔

میجر جنرل محمد زماں کیانی۔ اور میجر جنرل شاہنواز اور دیگر محبانِ وطن افسرانِ فوج نے ازسرِ نو فوج کی تنظیم شروع کر دی اور ہر ایک کے ذہن نشین کر دیا۔ کہ سلامتی اسی میں ہے۔ کہ فوج میں ڈسپلن قایم رہے۔ اور کسی طرح کی بدنظمی نہ ہونے پائے۔ اب فوج کسی ایک کے کمانڈ کے بدلے ملٹری بورڈ کے ماتحت رہے گی۔ جو ان کی تمام شکایتوں کی تلافی کرے گا۔ اور ہر طرح کی نگرانی کا ذمہ وار رہے گا۔ ملٹری بورڈ کی تشکیل کے بعد فوج میں اعتماد و اعتبار کی لہر دوڑ گئی۔ سب دوبارہ برضا و رغبت اس

ہیں کام کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ اب جو نیا جذبہ اس فوج میں پیدا ہو گیا
تھا۔ وہ مستقل اور ٹھوس تھا۔ یہ دیکھ کر فوج کو ایسے رہنما کی تلاش ہوئی
جس کی قیادت اس کو صحیح راستے میں ڈالدے اور اس کے جذبہ قومی
سے فائدہ اٹھائے۔ یہ دیکھکر طے پایا۔ کہ جرمنی سے سوبھاش چندر بوس
کو بلایا جائے۔ سب نے حکومتِ جاپان سے ان کے بلانے کا مطالبہ کیا
جو منظور ہوا۔ اور سوبھاش چندر بوس جرمنی سے بذریعہ ہوائی جہاز ۲ جولائی
۱۹۴۳ء کو جاپان پہونچ گئے۔ اور یہاں آکر ۴ جولائی ۱۹۴۳ء کو انھوں نے
راش بہاری بوس سے لیگ کی صدارت کا چارج لے کر مشرقی ایشیا
کے تیس لاکھ ہندوستانیوں کی قیادت کا بار اپنے کاندھے پر اٹھا لیا۔

مضامین نظم و نثر کا مقابلہ۔

آزاد ہند لیگ کی ٹیریٹوریل کمیٹی کے حسب
اعلان پہلے تو ایک قومی ترانے کے مقابلے
کا اعلان ہوا تھا جس پر مشرقی ایشیاء کے شعراء
نے اس پر طبع آزمائی کرکے کچھ ترانے لکھے بھی تھے۔ مگر سنگاپور میں
کونسل آف ایکشن اور آئی۔ این۔ اے کے اختلاط کا دور شروع ہوا
اور یہ معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ اس کے بعد ہمارا ایشیاء کے عنوان
پر نظم و نثر کے مقابلے کا اعلان ہوا۔ جس کے لئے آزاد ہند لیگ نے
مشرقی ایشیاء کے شعراء کو صلائے عام دے کر طبع آزمائی کی دعوت
دی۔ اور کامیاب نظم پر طلائی تمغہ انعام مقرر کیا۔ راقم الحروف نے بھی
منجملہ دیگر شعراء کے ایک نظم لکھی تھی۔ جس کا تذکرہ حضرت العلامہ حکیم

اسماعیل احسن علیش صاحب مدظلہٗ مصنف "برما میں جاپانی دور" کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

"آزاد لیگ کے حسب اعلان برما ٹیری ٹوریل کمیٹی کی طرف سے مشرقی ایشیاءِ اعظم کے شعراء کو نظم و نثر دونوں میں مضامین لکھنے کی دعوت دی گئی تھی۔ بہترین مضمون پر انعام تھا۔ نظم بہ عنوان "ہمارا ایشیا" مشتاق رانڈیری کی بہترین قرار پائی۔ قادر الکلام مشتاق صاحب نے ایسے شیریں، سلیس اور دل میں اُتر جانے والے مصرعے ڈھالے کہ جس نے یہ نظم پڑھی جھوم گیا۔ انعام میں ایک سونے کا تمغہ اور ایک سرٹیفکیٹ پبلسٹی ڈپارٹمنٹ سے عطا ہوا۔ یہ تمغہ اور سند یوم آزادی کی تقریب پر ۲۶ر جنوری ۱۹۴۳ء کو راس بہاری بوس نے ایک عظیم الشان مجمع میں لسان القوم مشتاق رانڈیری کے سامنے پیش کیا۔ اُردو کے جادو نے اس ادھوری بنگالی متوطن ٹوکیو کو بھی رام کر لیا۔ بات یہ ہے کہ اُردو کا منتر بہت پہلے یہ بوس بابو بنکاک کانفرنس میں کھا چکے تھے اُنہی مشتاق زاد لطفہٗ نے اپنا وہ قومی ترانہ "ہندوستان ہمارا، ہندوستان ہمارا" پڑھا تھا۔ جو کبھی ہندوستان میں بندے ماترم کی جگہ شعراء سے طلب کی ہوئی

نظموں میں شامل تھا۔ ان سب میں سے کسی ایک
کا انتخاب زیرِ غور تھا۔ آخر اُن بہت سے ترانوں میں سے
چھ منتخب ہوئے تھے اور ان چھ میں رضوی صاحب کی
اطلاع کے مطابق مشتاق صاحب کا ترانہ اول آجانے کے لئے
ظنِ غالب تھا۔ خیر وہ جھگڑا تو نہ چکا، گڑبڑ جلد ہو کے
رہ گیا۔ مگر بیباک ہیں وقت کی بات ہے کہ کچھ تو ترانے
کی دلپذیری اور اثر اندازی نے اچھے پڑھنے کے ڈھنگ
نے خوب ہی سماں باندھا۔

نثر کے مضمون میں غالباً میمیو کی کوئی عزیزہ تھیں
اُن کا مضمون بہترین نکلا۔ خوشی کی بات ہے کہ بہار کی خواتین
اُردو مضمون نگاری میں ہر موقع پر اپنا پایہ خاصا اونچا
ثابت کرتی رہتی ہیں۔ لیگ کی یہ حیثیتیں کتنے صحیح رویہ
پر تھیں۔ (ماخوذ)

مذکورہ نظم صفحۂ آئندہ پر پیش قارئین کی جاتی ہے۔

نظم ہمارا ایشیا

یہ وہ نظم ہے جو کہ مشرقی ایشیا کی اعظم کی نظموں
کے مقابلے میں کامیاب ہو کر اوّل نمبر کے
انعام میں آزاد ہند لیگ کی طرف سے سونے کا
تمغہ حاصل کر چکی تھی۔

از لسان القوم معلّم مشتاق راندیری

یورپ اے یورپ حریف ایشیا اے بد نہاد
دشمنِ دنیا و دیں اے کینہ تو زا بن الفساد
مانگتا ہے شورہ پشتی سے تری شیطاں پناہ
امنِ عالم کو کیا اے زشت خو تونے تباہ
تیرے دم سے چار سُو دنیا میں برپا ہے فساد

مچ رہا ہے ہر طرف کہرام تجھ سے نامُراد
زہر میں تو نے بجھا رکھا ہے اپنے تیر کو
خاک کر ڈالا جلا کر امنِ عالم گیر کو
ہر اَدا تیری ہلاکت خیز حشر انگیز ہے
گل فشانی کے عوض تو دہر میں بم ریز ہے
جان لیوا ہو گئی تہذیبِ انسانی تری
آدمیت سوز ہے تعلیم شیطانی تری
ایشیا کے امن میں بھی تو خلل انداز ہے
اُف رے اے بیگانہ خو اتنی تری پرواز ہے

ایشیا وہ ایشیا پہلے جو تھا محسن ترا
ایشیا وہ ایشیا آقا جو تھا اِک دن ترا
ایشیا جس نے سبق تجھ کو دیا تہذیب کا
جس کا باغِ علم تیرے واسطے گُل ریز تھا
آشنا جس نے کیا تجھ کو خدائے پاک سے
لرزہ بر اندام تھا جس کی تو علمی دھاک سے
جس نے بخشا عیسیٰؑ مریم سا اک رہبر تجھے
اور دیا انجیل کا بھی تاج بر گوہر تجھے!

موسیٰؑ عمران جس کے باغ کا ایک پھول تھے
ظلم کی تخریب میں جو رات دن مشغول تھے

کرشن و گوتم، رام کا یہ ایشیا گہوارہ تھا
چشمِ زرتشت و گرو نانک کا یہ اک تارہ تھا

ایشیا میں حضرتِ ختمِ رسلؐ پیدا ہوئے
حق کے بندے اس زمیں پر جتنے ہیں شیدا ہوئے

اس زمین کا ذرّہ ذرّہ ہمسرِ افلاک ہے
طیّب و طاہر ہے اس کا گوشہ گوشہ پاک ہے

تو چلا ہے اس کی عظمت کو مٹانے کے لئے
آسمانوں سے اُسے نیچے گرانے کے لئے

اپنی خود غرضی کا اس کو بھی بناتا ہے ہدف
دیکھ تو اے بوالہوس تو جا رہا ہے کس طرف؟

اُف رے یہ جراءت تری! اُف رے تری بیباکیاں
یہ تری جلّادیاں! اللہ رے یہ سفّاکیاں

دیکھ یہ محسن کشی یہ سرکشی اچھی نہیں
بے گناہوں پہ تری غارت گری اچھی نہیں

اپنے ہی ہاتھوں سے ظالم خودکشی کرتا ہے تو
اپنے ہی خنجر سے دیکھ لے بےخبر مرتا ہے تو

اس دورِ زیست میں فرعونِ بےساماں نہ بن
خالق و معبود سے اپنے تو روگرداں نہ بن

ڈر خدا کے قہر سے مضبوط ہے اُس کی پکڑ
انتقام اس کا بُرا ہے سخت ہے اس کی جکڑ

دیکھ وہ مشرق سے پھر خورشید تابندہ ہوا
روح پرور ذرہ ذرہ اس کا پھر زندہ ہوا

وہ خدا کا نام لے کر آگیا میدان میں
خود بخود تو پھنس چکا ہے موت کے طوفان میں

اک طرف خورشید ہوگا اک طرف ہوگا ہلال
دونوں مل کر لائیں گے اقبال پر تیرے زوال

آنکھ اُٹھائی اس طرف تو پھوڑ ڈالینگے اُسے
سر اُٹھائے گا جو اپنا توڑ ڈالیں گے اُسے

موت ہی آ کر اگر تجھ کو بچا لے تو بچے
اور اس دنیا سے اے ناداں اُٹھا لے تو بچے

بچھ چکا ہے بدنصیبی کا تری ہر سمت جال
صاف بچ جانا یقیناً اب کی ہے تیرا محال

تیر کی زد سے ہمارے بچ کے جا سکتا نہیں
چوٹ ہے استاد کی اس کو بچا سکتا نہیں

باغِ تاریخ جہاں میں رنگ اُس کے دم سے ہے
اُس سے ہے عزت ہماری اسکو نسبت ہم سے ہے

ترکی و جاپان و ہندی اس کے سب دربان ہیں
ایشیا کی آبرو پہ سب کے سب قربان ہیں

اپنی یورپ کی زمیں میں جا کے گڑ جائے حبا!
ایشیا والے ہیں ہم یہ ہے ہمارا ایشیا!!

راس بہاری بوس کے ایک ریڈیائی پیغام کا خلاصہ۔

ہندوستانی بھائیو! پچھلے پچاس سال سے ہمارے ہندوستانی بھائی ہندوستان کے اندر اور اس کے باہر ہندوستان کو انگریزوں کے پنجۂ ستم سے رہائی دلانے کے لئے اور ہندوستان کو ہندوستانیوں اور ایشیا کو ایشیائیوں کے لئے مخصوص رکھنے کے لئے بے انتہا قربانیوں کے ساتھ جدّو جہد کر چکے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے نہتے ہونے کے سبب ہم اپنے مقصد میں اب تک کامیاب نہ ہو سکے۔ مگر آج انگریزی اور امریکی طاقت اور ان کے رعب و داب کو ختم کرنے کے لئے ایشیا کے مفاد کی خاطر جاپان نے جنگ شروع کر دی ہے۔ جس سے ہماری دیرینہ آرزو پوری ہونے کا سنہرا موقع ہمارے ہاتھ لگا ہے۔

آؤ ہم سب مل کر پروردگار کی رہبری اور اس کے فضل و کرم کے سایے کے نیچے برطانیہ سے اپنے تمام پرانے تعلقات اور رشتے منقطع کر لیں۔ اور خود کو بھگوان کرشن کی "کرم بغیر پھل" کی فلاسفی اور ان کی نفس کشی۔ نیز حضرت محمدؐ صاحب کی راہ حق کی تعلیم گرو گوبند سنگھ کی اونچی سکھیا۔ اور مہاتما گاندھی کے ستیہ گرہ کے عقیدوں کے پیروکار بن جائیں۔ اور یک جان ہو کر کھڑے ہو جائیں۔ ہمیں یہ دیکھ کر از حد خوشی حاصل ہوئی ہے۔ کہ ہانگ کانگ اور ملایا میں ہندوستانی سپاہی انگریزوں کا ساتھ چھوڑ کر جاپان کے ساتھ آملے

ہیں اور ایشیا کو ایشیائیوں اور ہندوستان کو ہندوستانیوں کا بنانے کی خاطر برطانوی طاقت کو ختم کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ ہماری یہ زبردست آرزو ہے کہ تمام ہندوستانی اپنا فرض پہچانیں گے۔ اور اسے پورا کریں گے۔

(ماخوذ از ٹوکیو ریڈیو مورخہ ۱۶ر فروری ۴۲ء)

قائدِ اعظم مسٹر محمد علی جناح کی خدمت میں راس بہاری بوس کا پیغام۔

اس پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ کئی سال گذرے انڈین نیشنل کانگریس کی چلائی ہوئی تحریک کے کارکنوں میں آپ ان بڑے چند قوم پرستوں میں سے ہیں جن کی خدمات مشرقی ایشیا میں رہنے والوں کی طرف سے میں پوری طرح تسلیم کرتا ہوں، اور آپ کا ممنون ہوں۔ مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے آپ کو ہندوستان اور غیر ممالک میں ہندوستانی مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقے کا واحد رہنما مانا جاتا ہے۔ لیکن میں صرف ایک طبقے کا نہیں بلکہ ہندوستانی قوم کے تمام صوبوں اور جماعتوں کے رہنما بننے کی خداوند تعالیٰ سے آپ کے لئے التجا کرتا ہوں۔ ہندوستان ہندوستانیوں کا اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ ہندو اور مسلمان دونوں ہر جگہ اور ہر وقت راستی پر رہ کر آپس میں متحد رہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی کی سخت ضرورت ہے۔ غیر ملکیوں کی غلامی کے جال سے آزادی حاصل کرنا۔ ہندو اور مسلمان اور سکھ قوم کا مشترکہ فرض ہے۔ برطانیہ ہندوستان پر جب تک حکمراں ہے آپ کا پاکستان بھی فضول ثابت ہوگا۔ دیکھنا یہ ہے

کہ انگریزوں کی غلامی سے نجات مل جانے پر پاکستان کا مسئلہ کہاں تک حل ہو جائے گا۔ اِس پر غور کرنا عبوری حکومتِ ہند (انٹرم گورنمنٹ) کا فرض ہے۔) اس لئے آپ اپنے اثر و رسوخ کو زیادہ سے زیادہ کام میں لائیں۔ اور ہندوستان کو غلامی سے نجات دلانے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں (بنکاک ریڈیو مورخہ ۱۴ اگست ۴۲ء)

بوس بابو اس کے علاوہ مختلف موقعوں پر ہندوستان کے دیگر رہنماؤں۔ مثلاً مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد ار جندو جی، مسٹر راج گوپال اچاریہ، مسٹر ولبھ بھائی پٹیل، مسٹر ساورکر مسٹر خان عبدالغفار خاں اور ہندوستان کے لیڈروں کے تمام متفقہ پیغامات بھیجتے رہے۔ مگر حقیقت دیکھی جائے تو ان کی خلوص نیتی کا اعتراف کرتے ہوئے کہنا پڑے گا۔ مگر ان کے دور میں تحریکِ آزادی صرف زبانی جمع خرچ تک محدود رہی۔ ٹھوس اور اصلی کام نیتا جی سوبھاش چندر بوس کی آمد کے بعد ہی شروع ہوا۔

نیتاجی سوبھاش چندر بوس کی آمد

آمدنت باعث آزادی ما

مشرقی ایشیا میں آزاد ہند لیگ اور آزاد ہند فوج کے اعمال میں سست رفتاری کی وجہ سے یہ ضروری ہو گیا کہ یہاں کی بدنظمیاں دور ہوں، اور اس کے دور کرنے کے لئے ایک ایسے مدبّر اور فرض شناس فیاض و مخلص لیڈر کی ضرورت تھی۔ جو اس کی کایا پلیٹ کر رکھدے ایسا لیڈر کون ہو سکتا تھا؟ ہندوستان کے باہر اس وقت کون ایسا موجود تھا۔ جو ان کی رہنمائی کرے؟ اور اگر رہنمائی ان کے حوالے کیجائے تو سول اور فوجی دونوں طبقے ان کی لیڈری کو تسلیم کر سکیں۔ یہ سوال قدرتی طور پر دلوں میں پیدا ہوتا تھا۔ اور قدرت کی طرف سے اُس کا جواب یہی ملتا تھا۔ کہ ایسی رہنمائی اور لیڈری کے لئے صرف سوبھاش چندر بوس ہی موزوں ہو سکتے ہیں۔ اور اس کی اہلیت اور قابلیت اُن ہی کی ذات سے مخصوص ہے۔ جو اس وقت جرمنی میں بھی صرف

ابھی لیے وقف ہو چکے تھے کہ وہاں ہندوستان کی آزادی کے لئے ہندوستانیوں کو منظم کریں۔ بنکاک کانفرنس میں پہلے ہی دن کچھ عجیب طریقے پر بعض لوگوں نے سوبھاش چندر بوس کی ضرورت کو محسوس کیا تھا۔ جس واقعہ کا ذکر پچھلے صفحوں میں آچکا ہے۔ اب وہی ضرورت قدرت کی طرف سے پوری ہوئی۔ اور اس کا وقت ۲؍ جولائی سنہ ۴۳ء کو مقدر ہو چکا تھا۔ آپ جرمنی سے بلوائے گئے۔ حکومتِ جاپان نے جرمنی سے ان کو عارضی طور پر مانگ لیا۔ اور بذریعہ ڈبکیتی کشتی ۲؍ جون سنہ ۴۳ء کو جاپان پہونچ گئے حالات کا مطالعہ کیا۔ اور ۴؍ جولائی سنہ ۴۳ء کو راس بہاری بوس نے آزاد ہند لیگ کا پورا پورا انتظام آپ کے حوالے کر دیا۔ پھر کیا تھا۔ تحریک کا بے جان مجسمہ حرکت کرنے لگا۔

مشرقی ایشیا کے آزاد فطرت ہندوستانیوں کے چہرے مارے خوشی کے دمک اُٹھے۔ دلوں میں نیا جوش نیا ولولہ پیدا ہوا۔ قربانیوں کی نئی نئی امنگیں پیدا ہونے لگیں۔ آزادی کی منزلیں ہر ایک کی نگاہوں میں بہت ہی قریب نظر آنے لگیں۔ فوجی اطمینان محسوس کرنے لگے کہ اب آزادی کی جنگ میں ہم ایک بہادر جنرل کی سرکردگی میں خوب خوب دل کے حوصلے نکالیں گے۔ سویلین کو بھروسہ ہونے لگا کہ اب جاپانیوں کا ایک ایسے مُدبّر کے ساتھ واسطہ پڑا ہے جو جرمنی کی امانت ہے۔ اور سیاستِ عالم کا ایک بے نظیر مبصّر بھی۔ جس کے سامنے ان کا سیاسی داؤ پیچ بیکار ثابت ہوگا۔ اور جاپانی بدنیتی کا ہر غلط مہرہ خودداری اور

خلوص کے شاطرانہ ہاتھوں سے پٹ کر رہ جائے گا۔ آپ کی آمد کی خوشی کچھ نہ پوچھئے کہ ہندوستانیوں کو کس قدر مسرور کر رہی تھی۔ ہر اک ہندوستانی کا دل جذباتِ محبت و عقیدت سے لبریز تھا۔ اور اب کسی کے دل میں ہندوستان کی آزادی اور اس جنگ میں کامیابی کے لئے شک و شبہ کی گنجائش مطلق باقی نہیں رہی تھی۔ ہر ایک کی زبان پر یہی کلمہ تھا۔ کہ حق آزادی کا سچا حقدار اور حریت کا بے لوث تاجدار آگیا! چلو اس کے ساتھ مل کر ہندوستان کی غلامی کی زنجیروں کو کاٹ دو۔ اور آزادی کا جھنڈا دہلی کے لال قلعہ پر گاڑ دو۔



استقبالیہ نظم

برما میں نیتاجی کی آمد پر عظیم الشان استقبالیہ جلسہ

۹؍ جولائی سنہ ۴۳ء کو بی۔ اے۔ اے گراؤنڈ میں ایک عام جلسہ ہوا۔ جس میں ہزارہا انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر آزادی کی موجیں لے رہا تھا۔ ہر شخص والہانہ اور بے تابانہ اظہار عقیدت کے لئے بڑھ رہا تھا۔ ایک عجیب جوش اور خوشی کا عالم نظر آرہا تھا۔ نعرہ ہائے مسرت ومبارک سے تمام فضا گونج رہی تھی۔ پھولوں کی بارش میں آپ پلیٹ فارم پر تشریف لائے۔ تالیوں اور نعروں نے آسمان سر پر اٹھالیا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ عرصے تک یہی عالم رہا۔ فوجی سلامی اتاری گئی۔ آزادی کا جھنڈا لہرایا گیا۔ جھنڈے کی سلامی ہوئی اور پروگرام شروع ہوا۔ اب مجمع خاموش تھا۔ ہر

ایک اپنے لیڈر کے حکم پر گوش بر آواز تھا۔

حضرتِ اقبال کا ترانہ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" اور بندے ماترم کا گیت گایا گیا۔ اس کے بعد میں نے حسب ذیل استقبالیہ نظم پڑھی۔ جو پبلک نے بیحد پسند کی۔ اس کے بعد نیتاجی کی تقریر شروع ہوئی۔ تقریر میں آپ نے انقلابی تحریک پر مبسوط تبصرہ فرمایا۔ اور اس آزادی کی جنگ اور اپنی جرمنی سے آمد کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔ مجمع ساڑھے تین گھنٹوں کے بعد منتشر ہوا۔ اور آپ نعروں اور جے کاروں کے درمیان تشریف لے گئے۔

نذرانۂ عقیدت بخدمت نیتاجی سوبھاش چندر بوس دام اقبالہ

منجانب لسان القوم معلم مشتاق احمد نذیری

مرحبا صد مرحبا اے رہنمائے نامدار

جان نثارِ ملک و ملت رہبرِ عالی وقار

باغِ عالم میں صبا لائی ہے پیغامِ بہار

ایشیا میں چل رہی ہے پھر نسیم خوشگوار

جس گھڑی سے مژدہ تیری آمد کا سنا

ہے عجب مستی میں بلبل اور کبک کوہسار

بلبلو سُن لو کہ آئے ہیں تری یت بوس جی
وقت کا نقارچی گلشن میں آیا ہے پکار

تری آمد سے تنِ مردہ میں اک جان آگئی
جاں بلب بیمار اُٹھ بیٹھے ہیں سپنوں کو اُبھار

پھر بھلا کیوں کر نہ اُٹھ بیٹھے غلامی کا مریض
اَے مسیحا تو ہو جس بیمار کا تیماردار!

تو نسیم صبح بن کر جرمنی سے آگیا!
باغِ آزادی میں پھر آئے نہ کیوں تازہ بہار

شمعِ آزادی ترے ہاتھوں میں روشن دیکھ کر
ٹوٹ کر آئے ہیں جانبازِ وطن پروانہ وار

نوجوانانِ وطن شیدائے آزادی میں سُن!
جان دے دیں گے اشارے پر ترے سب جاں نثار

آفتابِ قسمتِ ہندوستاں ہوگا طلوع
اَب خدا چاہے بدل جائیں گے یہ لیل و نہار

اب ذرا للکار کر شیرانِ آزادی بڑھیں
دیکھ لیں وہ بھاگنے والا ہے دشمن نابکار

جرمنی تیرا ثنا خواں دوست ہے مِتّن ترا
حُرّیت پرور جہاں بھر کے ہیں تیرے یار غار

تیری سرداری میں ہم دِلّی میں رکھینگے قدم
آسماں ٹوٹے کہ ہو جائے زمیں ساری فگار

ہم چکایا لینے کو ہیں گن گن کے بدلے ظلم کے
دشمنوں سے رُک سکیگا اب نہ اپنا سخت وار

سر ہتھیلی پر لئے بیٹھا تھا تیرے واسطے!
تھا ترے مشتاق کو تیرا ہی اب تک انتظار



نیتاجی سوبھاش چندر بوس کا تعارف

۱۸۵۷ء کی پہلی جنگِ آزادی کے بعد سے ہندوستان میں انفرادی یا جماعتی حیثیت سے جتنی بھی کوششیں ہوئیں ان میں صوبۂ بنگال ہمیشہ پیش پیش رہا۔ اس نے ہندوستان کے تمام صوبوں سے زیادہ قربانیاں کیں۔ اور ہمیشہ نہایت مردانگی کے ساتھ اغیار و اجانب کے استعماری پنجوں کے ساتھ پنجہ کشی کرتا رہا۔ جس طرح بنگال میں سراج الدولہ کی شکست اور جنگِ پلاسی نے اسے غلامی کی بندشوں میں جکڑ لیا۔ اسی طرح یہی بنگال اس سے گلوخلاصی کی تدابیر بھی سوچتا رہا۔ اور اس پر عمل پیرا ہوکر آزادی کی خونیں تاریخ مرتب کرتا رہا۔ میر جعفر اور امی چند جیسے غداران ملک وملت نے اس کی پیشانی پر سیاہ داغ لگاکر بنگال کو بدنام کرنے کو تو کیا۔ مگر یہی مردم خیز سرزمین ایسے ایسے ہونہار سپوت پیدا کرچکی ہے۔ جنھوں نے مادرِ وطن کی پیشانی کا یہ بدنما ٹیکہ مٹانے کے لئے ہزاروں کے خون پیش کردئے اور اس خون

نے یہ سیاہی مٹا دی۔ یہ خوش نصیب صوبہ عجیب و غریب تاریخی شخصیتیں پیدا کر چکا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ کو یہاں سے کامیاب ہستیاں ملیں ہیں۔

آربند وگھوش۔ بپن چندر پال۔ جے ایم سین گپتا۔ ویش بندھو سی آر داس سیاست اور تدبر کے مشہور شہسوار میدان بنگال ہی میں ظاہر ہوئے ہیں۔ انقلابی ادب کے آسمان پر درخشندہ ستارے بنکر قاضی نذر الاسلام۔ اور رابندر ناتھ ٹیگور روشن نظر آئیں گے اور سب سے آخر میں بنگال کی قسمت کا ستارہ ویش بندھو سی آر داس کے شاگرد رشید نیتا جی سوبھاش چندر بوس کے عظیم الشان انقلابی کارناموں کی وجہ سے آسمان تاریخ پر ماہ کامل بن کر چمک اُٹھا۔ جو دنیا کے ہر آزاد فطرت انسان سے خراج تحسین حاصل کرتا رہے گا۔ کاش سی آر داس اپنے اس ہونہار شاگرد کے کارنامے دیکھنے کے لئے زندہ ہوتے۔

اُن کی بیش بہا قربانیوں کی داد وہی دے گا۔ جس کے دل میں آزادی کا جذبہ، جذبۂ عشق کے درجے تک پہونچا ہو۔ جو دل میں سچی لگن رکھتا ہو۔ اور اس سے والہانہ محبت ہو۔ کمل آزادی کو چھوڑ کر مول تول کرنے والے نیتے تاجر بھلا اس کی کیا داد دے سکیں گے کمل آزادی کی بلندی سے نیچے از کر مراعات وحقوق کی بستیوں کا نظارہ کرنے والے سوبھاش چندر بوس سے آنکھیں ملانے کی کب

تاب لا سکتے ہیں؟ آتش کدۂ حق و آزادی میں جو یہ کہتا ہوا کود جائے کہ

پروانہ وار آتشِ الفت میں کود جا

اُس کے مآل کار کا پھر انتظار کر (مشتاق)

وہ بھلا تھوڑی سی جیل کی سختیوں کو "بہت بڑی قربانی" سمجھنے والوں سے کب "ایثار و خلوص" کی داد کا متوقع ہو سکتا ہے اور وہ ہے کون؟ جو حقیقی معنوں میں ان کی بے لوث قربانیوں کی داد دے سکے۔ جو راہِ خدمتِ قوم و وطن میں مِٹ چکا ہو۔ اگر رسمی طور پر کچھ اس کی خدمتوں کو سراہا بھی گیا تو یہ بھی صرف اپنی اہلیت اور قابلیت کی نمائش ہی کے لئے!

آزادیٔ وطن کے دو پُر جوش مجاہد

یہ بھی عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ ہندوستان کے دو فدائے وطن سپاہیوں کی زندگی اور ان کی موت میں ایک قسم کا تطابق اور یکسانیت تھی۔ حضرت مولانا محمد علیؒ مرحوم جو ایک ایسے سپاہی تھے، جنھوں نے عین دشمنوں کے قلب پر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس پر حملہ کیا اور اپنی جان یہ کہتے ہوئے دے دی۔ کہ "مجھے ایسی کامل آزادی چاہیئے جس کی میں حفاظت کر سکوں اور جس کے ذریعہ میں لارڈ ریڈنگ کو بھی اسی طرح جیل خانے بھجوا دوں، جس طرح اس نے اپنے دورِ حکومت میں مجھے بھجوایا تھا۔"

اُدھر سر گیا تھا نیتا جی سوبھاش چندر بوس تھے جو دشمنوں کے میمنہ و میسرہ (مشرقی ایشیا سے) پر حملہ آور تھے اور جن کا ہمیشہ یہی قول رہا کہ "میں ایسی مکمل آزادی چاہتا ہوں، جسے لے کر اس کی حفاظت کر سکوں، کمزور آزادی ہمارا نصب العین نہیں۔ آزادی جلد ملے یا بدیر ٹھوس اور مستحکم ہونی چاہیے۔ چاہے اس کے لئے مجھے تمام عمر لڑنا پڑے۔"

محمد علی مرحوم، گول میز کانفرنس میں بیماری کی حالت میں اسٹریچر پر لائے گئے تھے۔ اور سوبھاش چندر بوس تری پورہ کانگریس کے پنڈال میں ایمبولنس سے اسٹریچر پر اتارے گئے۔ یہ بھی کانگریس کے صدر اور وہ بھی اس کے پریسیڈنٹ رہ چکے تھے۔ آخر میں یہ بھی اس سے بیزار اور وہ بھی اس کا شکار ہو کر بد دل ہو چکے۔ دونوں کی قربانیاں بے نظیر و بے مثل تھیں۔ ایک مو قر جریدہ کامریڈ کا مدیر تو دوسرا فارورڈ بلاک کے معزز صحیفے کا اڈیٹر ــــ دونوں شعلہ بیان مقرر اور جادو نگار ادیب تھے۔

بڑے بھائی محمد علی کی طرح چھوٹے بھائی نیتا جی بوس نے بھی میدانِ کارزار میں آزادی کی جدوجہد کرتے ہوئے اپنی جان، جانِ آفریں کے حوالے کر دی۔ اور یہ دونوں مجسمۂ قربانی "محبانِ وطن کو اپنی اپنی یاد میں سر دھننا چھوڑ گئے۔ اب مسلمانوں میں نہ محمد علی پیدا ہوں گے۔ نہ ہندوؤں میں سوبھاش چندر بوس۔ بلکہ یہ کہیں تو

بالکل بجا ہوگا۔ کہ اب نہ ہندوؤں کو محمد علی ملیں گے نہ مسلمانوں کو سوبھاش چندر بوس۔

اور ہندوستان ان دونوں سپوتوں سے اپنا آغوش خالی کر چکی ہے۔ اس کے لئے جس قدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔

پیدائش آپ ۱۸۹۷ء میں شہر کٹک صوبہ اڑیسہ کے ایک گاؤں کوڈالیہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا وطن مالوف صوبہ بنگال ہے۔ آپ کے والد رائے بہادر جانکی ناتھ بوس بڑے قابل قانون دان تھے۔ جو شہر کٹک کے سرکاری وکیل کے عہدے پر مامور تھے۔ آپ کے چار بھائی ہیں۔ دولت خاندانی ورثے میں چلی آئی ہے۔ سوبھاش بابو کی ذات سے ان کے گھرانے کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں۔ خوش نصیب ہے وہ گھرانہ جس کا ایسا چشم و چراغ ہو۔ جو آباؤ اجداد کا نام روشن کرے

تعلیم آپ نے ابتدائی تعلیم مٹریکولیشن ایک یوربین اسکول میں حاصل کی اور پریسیڈنسی کالج میں داخل ہو گئے۔ ۱۹۱۴ء میں دوران جنگِ عظیم جب آپ وہیں تعلیم حاصل کر رہے تھے ابھی چودہ برس کی عمر تھی کہ دنیا سے دل بیزار ہو گیا۔ ڈاکٹر ہریش کے آشرم میں سوبھاش چندر بوس نے ہمیشہ کے لئے شادی نہ کرنے کا عہد کر لیا۔ (جو آخر دم تک نبھ گیا۔) اور تلاشِ حق و کسی مرشد کامل کی جستجو میں میدان و جنگلوں کی خاک چھانتے ہوئے ہمالیہ کی وادیوں

میں پہونچکر سمادھی اختیار کی۔ مرشدِ کامل کو پالیا۔ جنہوں نے نصیحت کی اور اپدیش دیا کہ جاؤ خدمتِ قوم وطن میں اپنی زندگی کے ایام گزارو۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں حق کی تلاش بے سود ہے۔ حق اس کے بندوں کی خدمت سے ملا کرتا ہے۔ اپاہج اور تارک الدنیا ہوکر نہیں ملتا۔ بس پھر کیا تھا چل پڑے، گھر آئے اور اپنی تعلیم شروع کردی۔ ایف۔ اے پاس کیا۔ اور اسکاٹش چرچ کالج میں اعزاز کے ساتھ بی۔ اے میں کامیاب ہو گئے اس کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان گئے اور کیمبرج یونیورسٹی میں آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ فلسفہ مضمون نگاری اور عام قابلیت و فضیلت میں ممتاز رہے۔

انگریزوں سے نفرت اور سیاست سے لگاؤ

کالج کے تعلیمی زمانے میں بعض ایسے واقعات پیش آ چکے تھے۔ جس میں آپ کافی ہر دلعزیز مانے گئے اور کالج کے اشاف کی نظروں میں ایک انگریز دشمن باغی تصور کئے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ کالج کے ایک پروفیسر مسٹر اوٹن نے ہندوستانی طلباء پر اپنی قصاحیت کے تحت کچھ زیادتی کی۔ اور طلباء نے آپ کی رہنمائی میں ہڑتال کردی۔ بالآخر کالج والوں کو طلباء کے سامنے جھکنا پڑا۔ مگر پھر بھی "صاحب کی رگ" حکومت پھڑکتی رہی۔ طلباء کو سخت شکایتیں رہنے لگیں۔

ایک مرتبہ طلباء نے پروفیسر صاحب کو سیڑھی سے اترتے ہوئے ایک ایسی لات رسید کی کہ پروفیسر صاحب اپنا تمام علمی پشتارہ لئے ہوئے زینے

کے نیچے دھڑام سے آرہے۔ اس کے بعد لاتوں سے ان کی خوب تواضع ہوئی۔ اس سلسلے میں آپ کو کالج بھی چھوڑنا پڑا تھا۔

انگلستان سے واپسی

تعلیم حاصل کر چکنے کے بعد آپ جب وطن واپس تشریف لائے۔ تو یہ وہ زمانہ تھا۔ جب ہندستان میں سیاسی بے چینیاں شروع ہو گئی تھیں۔ آپ نے اپنی ضمیر کی آواز پر کان دھرے اور سرکاری نوکری کے بدلے قوم کی خدمت کا عزم صمیم کر لیا۔ دیش بندھو داس کی معیت میں سرگرمی کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ اس وقت ہندوستان میں ستیہ گرہ کی تحریک زوروں پر تھی۔ آپ نے اپنی مخلصانہ قربانیوں سے کافی شہرت حاصل کر لی۔ پرنس آف ویلز کے دورہ ہندوستان کو آپ نے بنگال میں ماتمی بنا دیا۔ بائیکاٹ کی تحریک کامیاب رہی۔ حکومت نے تاڑ لیا کہ یہ تمام بوس بابو کا کیا دھرا ہے۔ پھر کیا تھا۔ حکومت نے "گوشۂ چشم التفات" کے مستحق ٹھہرے اور جیل بھیج دیئے گئے۔ جب جیل سے رہا ہو کر باہر آئے، تحریک ستیہ گرہ ختم ہو چکی تھی۔ خیالات بدل چکے تھے حکومت سے کونسلی تعاون کا عقیدہ پیدا ہو چلا تھا۔ مہاتما گاندھی اگرچہ اس کے خلاف تھے۔ مگر دیش بندھو داس کی پارٹی سوراج پارٹی کے نام سے کونسلوں کی حامی بنی۔ سوبھاش چندر بوس نے نہایت کامیاب پروپگنڈا کیا۔ فارورڈ نامی اخبار کے ذریعہ، مزدوروں۔ کسانوں اور نوجوانوں کو متحد اور سرگرم کار کیا۔

کانگریس باہمی اختلافات میں الجھی ہوئی تھی۔ مگر سوبھاش بابو اس

سے بے نیاز ہوکر اپنے کام میں لگے رہے۔ آپکی بڑھتی ہوئی قربانیوں کو دیکھ کر نوجوان اور انقلابی ہمیشہ آپ پر کلی اعتماد کرتے رہے۔ آپ کی ہر دلعزیزی کی بدولت آپ کلکتہ کارپوریشن کے میئر منتخب ہوئے۔ جس کے دوران میں آپ نے بہت سی مفید اصلاحات کیں۔ بنگال کی سیاسی سرگرمیوں کے پیش نظر آپکی بڑھتی ہوئی ہر دلعزیزی اور ٹھوس پروگرام قوم کے سامنے پیش کرنے پر حکومت کی نظروں میں چڑھ گئے۔ اور گرفتار کر کے سینٹرل جیل علی پور میں نظر بند کر دیئے گئے۔ اس کے بعد مانڈے جیل برما میں بھیجدئے گئے۔ جہاں آپ کی صحت خراب ہو گئی۔ خرابی صحت کے پیش نظر کچھ عرصے کے بعد حکومت نے مشروط رہائی کا وعدہ کیا مگر آپ نے ٹھکرا دیا۔ بالآخر بمجبوری غیر مشروط رہائی ملی جیل سے آنے کے بعد پھر اسی دُھن میں لگے۔ دوبارہ قید کر لئے گئے اور چھ ماہ کی سزا ہوئی۔ اس کے بعد لاہور کانگریس میں شریک ہو کر مکمل آزادی کے لئے پر زور موافقت کرتے ہوئے عدالتی اور فوجی اسکیم پیش کی، جو اعتدال پسندانِ کانگریس کو پسند نہ آئی۔ اس کے بعد جلال پور تمک کی تحریک میں شریک ہوئے۔ اور غیر معین میعاد کے لئے پھر نظر بند کر دیے گئے۔

گول میز کانفرنس سے واپسی پر گاندھی جی کی تحریک بند کرنے پر سخت مخالفت ہوئی۔ اس عرصے میں آپ علالت کے باعث یورپ ہو آئے تھے۔ دوبارہ قومی کاموں میں لگ گئے۔ کراچی میں بھارت نوجوان سبھا کی صدارت کی اور خطبۂ صدارت کی آتش بیانی نے ایک مرتبہ پھر ۱۹۳۱ء میں آپ کو قید و بند کی مصیبتیں جھیلنے پر مجبور کیا۔ جہاں آپ کی

صحت پھر خراب ہو گئی۔ متعدد جیلوں میں آپ کا تبادلہ ہوتا رہا، مگر بے سود۔ طبیعت زیادہ بگڑ گئی آخر پبلک کے پُر زور مطالبے کو دیکھ کر حکومت نے رہا کر دیا۔ رہائی پاکر آپ علاج کے لئے دوبارہ یورپ تشریف لے گئے۔ جرمنی۔ فرانس۔ اٹلی۔ اور انگلینڈ کی سیاحت میں مختلف ملکوں کے مشاہیر سے تبادلہ خیالات کرتے پھرے۔ اور جب ہندوستان واپس ہونا چاہا تو حکومت نے قیود عائد کرکے اجازت نہیں دی ———

سنہ ۳۶ء میں آپ کو کانگریس کا سکرٹری منتخب کیا گیا۔ اور اب ہندوستان کیا آئے کہ پھر گرفتار کر لئے گئے۔ رہا ہو کر سہ بارہ یورپ تشریف لے گئے۔ اب کی سنہ ۳۸ء میں ہری پورہ کانگریس کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے لئے آپ کا نام تجویز ہوا۔ اور آپ بذریعہ ہوائی جہاز ہندوستان پہونچے۔ اور ۱۶ فروری سنہ ۳۸ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں کرسئی صدارت پر رونق افروز ہوئے۔ اسی طرح۔ آپ تری پورہ کانگریس کے دوبارہ صدر ہوئے اور اس مرتبہ گاندھی جی کے خاص نمائندہ مسٹر سیتا رامیہ کے مقابلہ میں بہت بڑی اکثریت سے کامیاب ہو گئے۔ جس پر گاندھی جی کو بہت صدمہ پہنچا۔ کچھ لوگ گاندھی جی کی حمایت میں مستعفی بھی ہو گئے۔ جس سے کانگریس میں پھوٹ پڑ گئی۔ مگر سوبانش بابو کی پارٹی بڑی مضبوط تھی۔ تیری پورہ کے کانگریسی اجلاس میں آپ بحالت علالت اپنے فرائض کو انجام دے رہے تھے۔ گاندھی جی کی ڈکٹیٹری سے آپ کو بڑا قلبی صدمہ پہونچا۔ صحت روز بروز خراب

ہوتی جارہی تھی۔ پھر بھی آپ نے آپس کی مخالفت اور کانگریس کی اندرونی پھوٹ کا سدباب کرنا چاہا۔ مگر انتہائی کوششوں کے باوجود کامیاب نہیں ہوئے۔ جس کے نتیجے میں آپ خود کانگریس کی صدارت سے مستعفی ہو گئے۔ باہر آکر آپ نے کانگریس کے غیر منصفانہ روش کے خلاف احتجاج شروع کیا۔ اور فارورڈ بلاک، کے نام سے ایک انتہا پسندوں کی پارٹی مرتب کی جس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ خداوندانِ کانگریس کو یہ بات بری معلوم ہوئی اور انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ تین سال کے لئے آپ کو کانگریس سے خارج کر دیا۔ مگر اس مخلص کے خلاف سنتا کون تھا؟ ورکنگ کمیٹی کی اس غیر منصفانہ تجویز کو بنگال صوبائی کانگریس کمیٹی نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں وہ بھی معطل کر دی گئی۔

بلیک ہول کا طلسم

استعمار مغرب نے ہندوستان کو بدنام کرنے کے لئے جو بلیک ہول کا فرضی طلسم بنا رکھا تھا۔ مدتوں کی کوشش کے بعد جب اس کو ہٹانے میں ناکامی ہوئی تو یہ بھی آپ ہی کی امداد اور کوششوں کا نتیجہ تھا اس کا وجود ختم کر دیا گیا۔ اور آپ کو پھر قید کر لیا گیا —— قید میں آپ نے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ جس کے جواب میں مختلف جگہ اور خصوصیت سے جیل میں بھوک ہڑتالیں ہونے لگیں۔ بھوک ہڑتال نے آپ کی صحت پر دوبارہ حملہ کیا۔ طبیعت زیادہ خراب ہونے کا خطرہ محسوس کر کے حکومت نے

آپ کو رہا کر دیا۔

پُر اسرار گُم شدگی

رہا ہو کر آپ بالکل خلوت گزیں ہو گئے۔ آپ کے کمرے کے دروازے ہمیشہ بند رہنے لگے اور رات دن تنہائی میں گزارنا شروع کر دیا۔ گھر والے کھانے پینے کا سامان رکھ جاتے تھے۔ مگر ملنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ ہر وقت پوجا پاٹ اور سمادھی میں گزرتا تھا۔ یکایک ۲۶ر جنوری سنہ ۴۱ء کو ان کے محیر العقول طریقے پر غائب ہو جانے کی خبر مشہور ہو گئی —— اب چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ کوئی ان کی پوجا پاٹ کا خیال کرتے ہوئے کہتا تھا کہ سنیاس دھارن کر لیا ہے! کوئی کچھ کوئی کچھ کہتا تھا۔ حکومت کے حواس بجا نہ رہے۔ خفیہ پولیس کے افسر حیران و پریشان تلاش میں زمین و آسمان ایک کر رہے تھے۔ مگر آپ کی ہوا تک کو نہ پہونچے۔ آپ کے چھوٹے بھائی گرفتار کر لیئے گئے۔ اور ان کو جیل میں ٹھونس دیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد برلن ریڈیو سے خبر آئی کہ آپ مع الخیر جرمنی پہونچ گئے ہیں۔ اب حکومت سٹ پٹائی۔ مگر مجبور تھی۔ دنیا یہ خبر سُنکر عش عش کرنے لگی۔ اور آپ کی سلامتی کی دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھنے لگے —— جب جرمنی سے آپ نے ہندوستانیوں کو جانفزا پیغام بھیجا۔ اس وقت اس امر کی مزید تصدیق ہو گئی۔

سبھاش چندر بوس کی گم شدگی کی حیرت داستان

نیتا جی نے جیل سے رہا ہو کر خلوت گزینی اختیار کی تھی۔ آپ ہمیشہ سوچتے رہتے

تھے۔ کہ وہ کونسی صورت ہے جس سے ہندوستان کی آزادی میں سہولت پیدا ہو جائے۔ وہ گاندھی جی کی اہنسا (عدم تشدد) کے بالکل مخالف عقیدہ رکھنے والوں میں سے تھے۔ وہ بغیر ہتھیار اٹھائے ہندوستان کی آزادی کے قائل نہ تھے۔ وہ صاف دل انسان تھے۔ گندم نما جو فروشی ان کا شیوہ نہ تھا۔ جو خیال دل میں جم گیا کر گزرتے تھے۔ بظاہر اہنسا اور بہ باطن ہنسا (تشدد) کا بنیادی اور منافقانہ عقیدہ اپنے لئے وہ باعث ذلت سمجھتے تھے۔ وہ نہایت صفائی سے تلوار کے استعمال کو اپنا نصب العین قرار دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فقط اس ایک سوال ہی پر اتنی مدتوں میں غور کیا۔ اور اس نتیجے پر پہونچے کہ ہندوستان گاندھی جی کی موجودگی میں تشدد پر کاربند نہیں ہو سکتا اور اس کے لئے یہاں وسائل و ذرائع بھی نہیں۔ اندرونی انقلاب کے ساتھ ساتھ بیرونی حملہ بھی ضروری ہے۔ بیرونی حملے سے ان کی مراد غیر اقوام کی چڑھائی نہیں تھی۔ بلکہ خالص ہندوستانیوں کے ہاتھوں سے یہ کام سرانجام دیا جائے۔ تنہائی کی فرصت نے ان کے دماغ میں یہ اسکیم پیدا کردی کہ بیرونِ ہند سے مسلح حملہ کرنے کے لئے دشمن ممالک سے امداد حاصل کرنے کی ضرورت آسانی سے پوری ہو سکتی ہے۔ ہندوستانی قیدیوں اور باہر کے مقیم ہندوستانیوں سے یہ کام لینا مشکل نہیں۔ اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے آپ نے جرمنی کا رخ کیا۔ اور جو کچھ دل میں تھا اور جسے صحیح سمجھا کر گزرے۔ تنہائی کے دنوں میں آپ نے

داڑھی بڑھا کر اپنی صورت و شکل میں تبدیلی پیدا کر لی۔ اور سیدھے چھپ چھپا کر دہلی روانہ ہو گئے۔ وہاں فرنٹیر میل میں سوار ہو کر پشاور پہنچ گئے راستے میں کسی نے بھی آپ کو نہیں پہچانا۔ پشاور میں ایک مسلمان ڈرائیور کو اپنا ہمراز بنایا اور اس کی موٹر میں کلینر کی حیثیت سے دوسرے کے پاسپورٹ کے ذریعے کابل پہونچے۔ کابل کی سرائے میں اترے اور پولیس کی باز پرس سے بچنے کے لئے اسے کچھ رشوت دی۔ رشوت کا دینا ان کے حق میں مضر ثابت ہوا۔ اب روپے کے لالچ میں دوسرے پولیس والوں نے بار بار پریشان کرنا شروع کر دیا۔ آخر تنگ آکر اپنے ایک ہندوستانی تاجر مقیم کابل بنام رام داس سے ساز باز کر لی اور اس کے گھر اٹھ آئے۔ اور اسی کے ذریعے روسی قنصل سے اپنا تعارف کرایا۔ ایک دن جب روسی قونصل کی موٹر جا رہی تھی آپ دور کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ نزدیک پہنچ کر کچھ گفتگو کی۔ مگر اس سے کچھ نا امیدی سی ہو گئی۔ بعدہٗ اطالوی قونصل نے اپنی اور جرمنی حکومتوں سے استصواب کیا اور وہاں کی منظوری پر قونصل خانے کے ایک اسسٹنٹ کے ساتھ جو پہلے کبھی کلکتہ میں مقیم رہ چکا تھا بذریعہ ہوائی جہاز ماسکو ہوتے ہوئے جرمنی پہونچ گئے۔ جرمنی میں پہونچ کر آپ نے آزاد ہند فوج کی تشکیل کی اور اُسے منظم کرتے رہے۔ جب مشرقی ایشیا میں جاپان نے اعلانِ جنگ کیا تو آپ کے آنے کی توقع تھی۔ مگر راستے کے خطرات اور کام کی زیادتی نیز جرمن حکام کا اصرار انہیں جرمنی میں رہنے پر مجبور

کرتا رہا۔ جب سنگاپور میں آزاد ہند فوج کا انحطاط شروع ہوا تو پھر ہندوستانی فوجیوں کے بلاوے کو آپ رد نہ کر سکے۔ اور جاپان کی وساطت سے آپ ایشیا میں تشریف لے آئے۔ اور بگڑتے ہوئے حالات کو درست کر دیا ——— یوں تو نیتا جی کی گم شدگی کے متعلق عجیب عجیب قیاس آرائیاں ہوئی ہیں ان میں مذکورہ بالا واقعات کچھ کچھ صداقت لئے ہوئے ہوں تو ہوں۔ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ نیتاجی کے سُرگباش ہونے پر یہ راز راز ہی ہو کر رہ گیا۔ جہاں تک مجھے علم ہے۔ نیتاجی نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ خود راقم الحروف اور دیگر شرکار کار کو صرف یہی کہہ کر ٹال دیا کہ۔ وقت آنے پر سب کچھ بتا دیا جائے گا۔ ممکن ہے وہی راستہ پھر استعمال میں لایا جائے! جب اخفاءِ راز کا یہ عالم تھا۔ تو ہم مذکورہ واقعات کی صحت کو تسلیم کرنے میں ضرور تامل کریں گے۔

برطانوی پروپگنڈا کے باوجود عقلمند ہندوستانیوں پر یہ بخوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ اس وسیع دنیا میں ہندوستانیوں کا واحد دشمن جو ایک صدی سے اس کا خون چوس رہا ہے۔ برطانوی سامراج ہے۔ محوری طاقتوں کی ثنا خوانی میرا مقصد نہیں۔ میرا تعلق تو فقط ہندوستان سے ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر برطانوی شہنشاہیت کو شکست ہوئی تو ہندوستان ضرور آزاد ہو جائے گا۔ لیکن اگر کسی وجہ سے اس کے برعکس اس شہنشاہیت کو کامیابی ہو گئی اور بچ نکلا تو ہندوستان کی

غلامی کی زنجیریں پہلے کی نسبت کئی گنا زیادہ مضبوط ہو جائیں گی۔ اور پھر کبھی غلامی کی زنجیریں کاٹے نہ کٹ سکیں گی۔ پس ہندوستان کے سامنے اس وقت صرف ایک یہی اہم مسئلہ درپیش ہے کہ وہ آزادی چاہتا ہے یا غلامی؟

برطانوی پروپگنڈسٹ مجھے دشمنوں کے ایجنٹ کا خطاب دیتے ہیں۔ مگر مجھے اپنے بھائیوں سے مخاطب ہو کر اپنی صفائی پیش کرنے کی حاجت محسوس نہیں ہو گی۔ میری تمام زندگی مکمل طور پر شہنشاہیت کے خلاف متواتر جنگ کرنے ہی میں گزری ہے۔ اور یہی میری سچائی اور وطن پرستی کا ثبوت ہے کہ میں عمر بھر ہندوستان اور صرف ہندوستان کی خدمت کا دم بھرتا رہا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ زندگی کے آخری لمحوں تک میں وطن کی خدمت اور اس پر جان نثاری سے منہ نہ موڑوں گا۔ میری اطاعت اور فرمانبرداری محض ہندوستان سے وابستہ ہے۔ خواہ میں دنیا کے کسی گوشے میں چلا جاؤں ہندوستان کی اطاعت کے سوا دوسرے ممالک کی اطاعت کا دم نہیں بھر سکتا۔

اگر آپ بہ نظر غور غیر جانبدارانہ جنگ کے مختلف محاذوں کا مطالعہ کریں تو آپ بھی میری طرح اسی نتیجہ پر پہونچیں گے جس نتیجے میں پہونچا ہوں کہ اب دنیا کی کوئی بھی طاقت برطانیہ کی بڑھتی ہوئی تباہی کو نہیں روک سکتی۔ بحر ہند کی بیرونی چوکیاں برطانوی بحری بیڑے کے ہاتھ سے نکل چکی ہیں۔ ملایا کے بڑے حصے اور سنگاپور پر جاپانی قبضہ ہو چکا ہے۔

برطانیہ تیل کے ان ذخائر سے بھی محروم ہو چکا ہے۔ جو اس کی مساعیٔ جنگ کے لئے ضرب کاری ثابت ہو گا۔ برلن ریڈیو سے سوبھاش چندر بوس نے حسب ذیل پیغام ہندوستانیوں کے نام بھیجا:۔

"پیارے ہم وطنوں! آج جب کہ برطانوی سلطنت مٹ جانے کو ہے تو ہندوستان کی آزادی کا سورج بھی طلوع ہونے کو ہے۔ میں آپ کو ۵۷ء کی یاد دلاتا ہوں جب کہ ہم نے آزادی کی پہلی جنگ لڑی تھی۔ اب ۴۲ء میں اس اپنی آخری جنگ کا آغاز کر دیا ہے۔ آزادی کی دیوی ہندوستان میں تمہاری منتظر ہے۔ اٹھو اور آگے بڑھو۔ فتح و نصرت تمہارے قدم چومنے کو بیتاب ہے۔ تمہارا منتہائے نظر ہے آزاد ہند! اس کے لئے تمہیں اپنی عزیز جانوں کی قربانی دینی ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے لئے لڑنا ہے۔ اور آزادی حاصل کرنے کے بعد نئے ہندوستان کی تعمیر کرنا ہے۔ جس میں کسی بیرونی طاقت کا عمل دخل نہ ہو گا۔ جس میں ہر ہندوستانی کو اپنا مستقبل بنانے کے لئے پوری پوری آزادی ہو گی اور آزاد ہند کی بنیاد ایسے مجلسی نظام پر رکھی جائے گی جو انصاف و مساوات اور اخوت کے اصولوں پر مبنی ہو گا۔"

نیتاجی نے جرمنی میں سب سے پہلے آزاد ہند فوج کی بنیاد ڈالی

جرمنی پہنچ کر آپ نے سیاسی حالات کا جائزہ لیا اور اپنے دیرینہ مقصد کی کامیابی میں لگ گئے۔ آپ نے ہندوستانی قیدیوں اور جرمنی میں متوطن شہریوں کو آزاد ہند فوج بنانے پر آمادہ کر لیا۔ افریقہ میں جب ہندوستانی فوج لڑ رہی تھی۔ اس وقت نیتاجی کے دستے اس فوج پر بذریعہ ہوائی جہاز اشتہارات پھینکے گئے تھے جس میں درج تھا کہ "ہندوستانی بھائیو! یہ لڑائی جرمنی اور برطانیہ کے درمیان ہو رہی ہے۔ یہ ہمارے ہندوستان کی جنگ نہیں ہے۔ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں مہربانی کر کے آپ لوگ نہ لڑیں" جس کے نتیجے میں ۲۷ ہزار محبانِ وطن سپاہیوں نے نیتاجی کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے ہتھیار رکھ دیئے اور قید ہو گئے۔ جنہیں نازی فیلڈ مارشل جنرل

Meeting of two great men of the World.



Netaji shaking hands with Adolph Hitler.

رومیل نے قید کر لیا تھا اور ان کو ڈریسڈن میں لے جایا گیا۔ جہاں آزاد ہند فوج بنائی گئی۔ اور اس کا ہیڈ کوارٹر بھی ڈریسڈن ہی میں رہا۔ نیتا جی نے بذات خود بھی وہاں ٹریننگ لی۔ آپ نے فوج سے یہ بھی فرمایا۔ کہ "میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو آپ لوگوں کی مرضی کے خلاف فیر کروں۔ ہندوستانیوں کے لئے یہ ایک ایسا سنہرا موقع ہے۔ جو ہزاروں سال میں حاصل ہونا ممکن نہیں۔ جرمنی اور ہم دونوں کو ایک ہی دشمن سے لڑنا ہے۔ جو خوشی سے فوج میں بھرتی ہونا چاہے۔ مادر وطن کو آزاد کرنے کے لئے آزاد ہند فوج میں بھرتی ہو کر آخری جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔"

جرمنی میں آزاد ہند فوج کا پہلا مجاہد

عابد حسین جو جرمنی میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے تھے۔ نیتا جی کی آمد پر یہی پہلا مسلمان مجاہد تھا جس نے لبیک کہتے ہوئے آزادی اور حریت کے پیدائشی حقوق کو دشمنوں سے چھین لینے میں نیتا جی کا ساتھ دیا۔ اور نہایت خلوص سے آزاد ہند لیگ میں شامل ہو کر بہت کچھ خدمت وطن کی۔ مسٹر عابد حسین اپنی خدمتوں اور قابلیتوں کے سبب بعد میں میجر تک کے فوجی عہدے تک پہنچ گئے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہی صاحب "جے ہند" کے نعرے کے موجد ہیں۔ اور نیتا جی کا لفظ بھی اپنے لیڈر کے لئے انہوں نے ہی استعمال کیا تھا۔

سازوسامان یہ فوج پورے فوجی ہتھیاروں سے مسلح تھی۔ رسالے پیدل۔ سفرمینا۔ ٹینک توڑ توپچی دستہ۔ غرض جرمنی میں ان کو ہتھیاروں کی کیا کمی تھی ؟ سامانِ جنگ و خوراک جرمنوں سے قیمتاً لیتے تھے۔ یہ خودداری قابل قدر تھی۔

نشانات (بیج) ہندوستان کے جھنڈے کے نیچے ایک چیتے کی تصویر تھی اور اس پر جرمنی زبان میں آزاد ہندوستانی کے الفاظ کندہ تھے۔

جھنڈا ترنگا تھا۔ پہلے دن جب جھنڈے کو نیتا جی نے سلامی دی تھی۔ اس ترنگے جھنڈے میں ٹیپو سلطانؒ کی تصویر بنی ہوئی تھی —— نشرو اشاعت کے لئے ایک آزاد ہند براڈکاسٹنگ اسٹیشن بھی تھا۔ شہریوں کو پوری وطنی حقوق حاصل تھے۔ فوجیں ہندوستانی افسرانِ کے ماتحت تھیں۔ ان کے نظام حکومت میں جرمنی کا کوئی دخل نہ تھا۔ حتیٰ کہ آزاد ہند حکومت کی ہدایت کے پیش نظر جرمنی کی آزاد ہند فوج کو روسی محاذِ جنگ پر بھی بھیجا گیا۔ دُور دراز کے محاذ پر بھی ان کو نہیں بھیجا جاتا تھا۔ فرانس اور ہالینڈ کے محاذ و مدافعتی لائن پر وہ بھیجے گئے تھے۔ یہ فوج بحری جنگ میں بھی لڑچکی ہے۔ فوجی روزینہ ایک روپیہ دو آنے (ایک مارک) ملتا تھا۔

ہرہٹلر کی تقریر نیتا جی کی غیر موجودگی میں جرمنی کے ڈکٹیٹر ہرہٹلر

نے آزاد ہند جھنڈے کی سلامی اُتاری اور فوج کے سامنے یوں تقریر کی "آپ لوگ بڑے خوش قسمت ہیں کہ اس ملک میں پیدا ہوئے جہاں کی تہذیب بہت پرانی اور شاندار تہذیب ہے۔ اور جس ملک کی آبادی کثیر ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت حاصل ہوئی ہے کہ آپ لوگ اپنے وطن کی آزادی کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ آپ کے نیتا جی مجھ سے زیادہ بڑے ہیں۔ میں آٹھ کروڑ جرمنوں کا لیڈر ہوں اور وہ چالیس کروڑ ہندوستانیوں کے رہنما ہیں۔ ان کو مبارک ہو۔ آپ کا اور ہر ہندوستانی کا فرض ہے کہ وہ نیتا جی کے نقش قدم پر چلے اور انہیں کو اپنا واحد رہنما تصور کرے۔ اگر ہندوستانیوں نے ایسا کیا تو مجھے یقین ہے کہ نیتا جی کی رہنمائی میں ہندوستان بہت جلد آزاد ہو جائیگا"۔

جنرل رومیل نے بھی مختصر تقریر میں ہندو مسلم منافرت پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور ہندوستان کے اتحاد کی تلقین کی۔

مسٹر حسن نیتا جی کے ساتھ جرمنی سے جاپان آئے تھے۔ آپ حیدرآباد کے متوطن سویلین تھے مگر بعد میں فوج میں شامل ہو کر میجر حسن ہو گئے۔ سنگا پور ٹریننگ کیمپ کے نگراں رہے تھے۔ یہ جرمنی میں نیتاجی سے جرمنی زبان کے مترجم تھے۔ بڑے خلیق اور محب وطن انسان تھے۔ رنگون کے ٹریننگ کیمپ S.Y.T.9. سوراج ٹیگ مین ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں بھی کچھ عرصے تک رہے تھے۔

نیتا جی اور جے ہند ان دونوں مقبول عام الفاظ کی ایجاد

سہرا جرمنی کے ہندوستانیوں کے سروں پر یادگار رہے گا۔ دونوں نے مل کر عجیب تاریخی حیثیت حاصل کر لی ہے۔

بہادر گڈھ کیمپ اور لکھنؤ کے اطراف کی جیلوں میں جرمنی کے آزاد ہند فوجی رکھے گئے ہیں۔

۱۰ر جون ۱۹۴۳ء کو آپ نے ٹوکیو سے مندرجۂ ذیل پہلا پیغام ہندوستانیوں کے نام دیا:۔

"گذشتہ جنگ عالمگیر ۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸ء کے وقت چالاک برطانوی سیاست دانوں سے ہمارے ہندوستانی رہنما دھوکہ کھا گئے۔ اور انہیں خوب بے وقوف بنایا گیا۔ اسی کے پیش نظر ہم لوگوں نے بیس سال پہلے یہ حلف اٹھایا تھا کہ آیندہ ہم ان سیاسی انگریزوں کی چالوں میں نہ آئیں گے۔ بیس سال پہلے سے اپنے ہموطنوں کی آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور اسی وقت کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں جو وقت کہ اب آیا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جسے ہم صحیح معنوں میں آزادی کی ساعت کہہ سکتے ہیں۔ ہمیں اچھی طرح یہ معلوم ہے کہ آیندہ سو سال تک بھی ایسا نادر موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ اس لئے ہم نے یہ عزم مستحکم کر لیا ہے کہ اس سے پورا پورا فائدہ حاصل کر لیں —— یہ برطانیہ ہی کی ملوکیت کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان اخلاقی پستی۔ تہذیبی زوال۔ اقتصادی بدحالی اور سیاسی غلامی کی منحوس بلاؤں میں گھرا ہوا ہے —— یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم

آزادی کے لئے اپنا خون بہائیں ۔ جو آزادی ہم اپنی قربانیوں اور کوششوں سے حاصل کریں گے اس کی حفاظت بھی ہم اپنی طاقت سے کر سکیں گے ۔ دشمن نے جب تلوار اٹھائی ہے تو ہمیں تلوار ہی سے مقابلہ کرنا ہوگا ۔ عدم تشدد کی جگہ اب تشدد سے کام لینا پڑے گا ۔ ہندوستانی آزادی سے اسی وقت ہم کنار ہو سکیں گے جب وہ متفقہ طور پر آزادی کی آگ میں مردانہ وار کود پڑیں گے ۔"

نیتا جی کو آزاد ہند لیگ کی قیادت حوالے کی گئی

۴- جولائی ۴۳ء کو سنگاپور میں مشرقی ایشیائے اعظم کے نمائندوں کے سامنے مسٹر راش بہاری بوس نے آزاد ہند لیگ کا کا حوالہ دیتے ہوئے۔ آپ کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیا۔ اور متفقہ طور پر نیتا جی سوبہاش چندر بوس کو اس تحریک آزادی کی قیادت سونپ دی گئی ——— فوجی اور سویلین دونوں طبقے آپ کی اس رہنمائی پر مطمئن نظر آرہے تھے۔ جاپانی حکومت نے بھی اظہار خوشنودی کرتے ہوئے آپ کو اس قومی ذمہ داری پر مبارکباد پیش کی ——— اس کے بعد،

سنگاپور کانفرنس میں نیتا جی کی تقریر

جرمنی سے نیتا جی کی تشریف آوری کے بعد سنگاپور میں مشرقی ایشیا کے نمائندوں کی جو پہلی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس میں آپ نے فرمایا:-

Supreme Command of I. N. A. and Azad Hind Government.



دوستو! اب وہ گھڑی آگئی ہے جب آزادی کے چاہنے والے ہندوستانی حرکت کریں۔ جنگ کے زمانے میں حرکت کے معنی ہیں کہ ہم میں جنگی ڈسپلن ہو اور اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے ناقابل شکست وفاداری کی ضرورت ہے۔ میں مشرقی ایشیا میں رہنے والے ہندوستانی بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایک جماعت میں منظم ہو جائیں اور سخت لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں جس کا عنقریب ہم کو سامنا کرنا پڑے گا۔ مجھے امید واثق ہے کہ ہندوستانی ایسا کریں گے۔ میں نے بار بار علانیہ کہا ہے کہ جب میں نے ۱۹۴۱ء میں اپنا گھر بار چھوڑا تو وہ ایک مقصد خاص کے لئے تھا۔ اور اس زمانہ جلا وطنی میں میرے ہم وطنوں کی اکثریت مجھ سے متفق ہے۔ اور اس وقت سے آج تک خفیہ پولیس اور سی آئی ڈی کی نگرانی کے باوجود اپنے ہم وطنوں سے میرا رشتۂ ربط وضبط بھی بدستور قائم ہے ———

ہندوستان سے باہر جو ہندوستانی ہیں۔ وہ ہماری آزادی کی جدو جہد کے امین ہیں۔ اور وہ اسی طرح اپنے اپنے کاموں میں لگے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم لوگوں نے جو کچھ اب تک کیا ہے۔ اور آئندہ جو کچھ بھی اس سلسلے میں کریں گے۔ وہ صرف ہندوستان کی آزادی کے لئے ہوگا۔ اور ہم لوگ کوئی ایسا کام نہ کریں گے۔ جو جو ہندوستان کے مفاد یا ہندوستانیوں کی خواہش و مرضی کے خلاف ہوگا۔ اپنی تمام طاقتوں اور وسائل کو بروئے کار لانے اور اُسے

مؤثر بنانے کے لئے میں آزاد ہندوستان کی ایک عارضی حکومت بنانا
چاہتا ہوں۔ صرف اپنی کوششوں اور قربانیوں ہی سے آزادی حاصل
کرنے سے ہم میں وہ طاقت پیدا ہو جائے گی۔ جس سے ہم اس حاصل
کردہ آزادی کی حفاظت کر سکیں گے اور وہ برقرار رہ سکے گی
میں آپ لوگوں پر واضح کر دیتا ہوں۔ کہ اگرچہ ہمیں آخری فتح حاصل
کرنے کا یقین ہے۔ تاہم ہم کو اپنے دشمنوں کی طاقت کا غلط اندازہ
نہیں لگانا چاہئیے۔ اور ہمیں اس کے لئے بھی تیار رہنا چاہئیے کہ
ہمیں پہلے پہل کچھ ہزیمتیں بھی اٹھانا پڑیں گی۔ ہمارے سامنے
ایک سخت لڑائی ہے۔ دشمن نہ صرف طاقتور ہے۔ بلکہ ظالم اور
بے باک بھی ہے۔ آزادی کی اس جنگ میں آپ کو بھوک پیاس۔
دکھ۔ خستہ حالی اور موت کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر آپ اس
میں جمے رہے اور ثابت قدمی دکھائی تو آزادی آپ کی ہو گی۔ مجھے
امید ہے کہ آپ اس دشوار اور کٹھن منزل سے گزر کر آزادی اور
خوش حالی سے ہمکنار ہوں گے۔ اور ہمارا وطن محکومی اور افلاس کے
پنجوں سے آزاد ہو جائے گا۔

آزاد ہند فوج سے تخاطب

نیتاجی نے فوجیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

آج میرے لئے زندگی کا یہ سب سے زیادہ قابل فخر دن ہے۔

آج قدرت نے مجھے یہ قیمتی موقع بخشا ہے کہ میں اس دنیا کے سامنے اعلان کردوں کہ آزاد ہند فوج تیار ہو گئی۔ یہ فوج سنگاپور میں منظم ہوئی ہے جو برطانیہ کا فوجی قلعہ ہے۔ یہ وہ فوج ہے جو ہندوستان کو برطانیہ کی غلامی سے آزادی دلوائے گی۔ ہر ہندوستانی کو فخر کرنا چاہئے کہ آج آزاد ہند فوج ہندوستانی افسروں کے ماتحت منظم ہو گئی۔ اور جب جنگ کی وہ تاریخی گھڑی آئے گی۔ یہی آزاد ہند فوج میدانِ کارزار میں کودے گی۔ آج میں برطانی شہنشاہیت کے مزار پر کھڑا ہوں۔ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ ہمہ گیر طاقت کی مالک برطانی شہنشاہیت ماضی کے ایک قصے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

رفیقو! میرے سپاہیو! تمہارا نعرہ صرف یہ ہونا چاہئے کہ دہلی چلو دہلی چلو! میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم میں سے کتنے آدمی اس جنگ کے بعد زندہ رہیں گے۔ لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ کامیابی ہماری ہے۔ اور ہمارا فرض اس وقت تک ساقط نہیں ہو سکتا۔ جب تک ہم فتح کی پریڈ برطانی شہنشاہیت کے دوسرے مقبرے یعنی دہلی کے لال قلعہ پر نہ منعقد کرلیں ——

میں اپنی سیاسی زندگی میں ہمیشہ یہ خیال کرتا رہا ہوں کہ ہندوستان ہر طرح اور ہر حیثیت سے "آزادی" کا مستحق ہے۔ اس اس کو صرف ایک ایسی مسلح فوج کی ضرورت ہے۔ جو اس کو آزاد

کرا دے - جارج واشنگٹن کے پاس مسلح فوج تھی - اس لئے وہ
برطانیہ سے لڑ سکا - اور امریکہ کو آزادی دلوا سکا - گریبالڈی نے اطالیہ
کو اپنے مسلح رضاکاروں کے بل پر آزاد کرایا! یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ
تم آج پہلے آزاد ہند فوج کی تنظیم میں شامل ہوئے - فوجیو! یہ تمہاری
خوش نصیبی ہے کہ آج تم نے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے
فوج مرتب کی اور تم اس کے دست و بازو ہو جو اپنی قوم کی وفادار
ہے - جو ہر مشکل اور دکھ میں اپنا فرض ادا کرنے کو تیار ہے - جو اپنی
عزیز ترین جان بھی آزادی کی قربان گاہ پر بھینٹ دینے کو تیار ہے
جن کا عزم ایک مضبوط قلعہ ہے - اب انہیں کو اپنا نصب العین
بنائیں - رفیقو! تم ہندوستان کی عزت کے علم بردار ہو، تم سے
ہندوستان کا مستقبل وابستہ ہے - ہندوستان کی امید تم ہو، ہندوستان
کی عظمت کا نشان تم ہو - اس لئے تم اس طرح کام کرو کہ ہندوستان
کی آئندہ نسلیں تم کو مبارکباد دیں - اور تمہارے کارناموں پر فخر
کریں - میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ خواہ کتنا برا وقت بھی کیوں نہ
آئے - تاریکیاں ہر طرف چھا جائیں - میں تمہارے ساتھ رہوں گا
زمانہ تاریک ہو یا روشن تم مجھ کو ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گے - دکھ درد
مصیبت، خوشی، فتح، غرضیکہ ہر وقت میں تمہارے ساتھ ہوں گا
اس وقت میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا، میں صرف بھوک، پیاس،
دکھ، درد ہی دے سکتا ہوں - یہ کافی سمجھنا چاہئے کہ ہندوستان

آزاد ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ ہندوستان کی آزادی کو دیکھنے کے لئے موجود نہ ہوں۔ لیکن کوئی اہم بات نہیں ہمیں اور آپ کو فقط یہی بس ہے کہ ہندوستان آزاد ہو جائے۔ یہی ہماری قربانیوں کا صلہ ہے۔ خدا ہماری کوششوں کو کامیاب کرے گا۔ خدا ہماری فوج کو طاقت دے گا۔ اور ہمیں فتح و کامرانی نصیب ہوگی ——— اسی دن آپ نے فری پریس کو حسب ذیل بیان مرحمت کیا۔

فری پریس کو نیتاجی کا بیان

سب سے پہلے میں آپ سے اپنے متعلق کہوں گا کہ معلوم ہو جائے کہ میں کیا ہوں اور میری زندگی اور مقصد حیات کیا ہے۔ جب میں نے کالج کی زندگی ختم کی اور سیاسی دنیا میں قدم رکھا تو میرے سامنے سب سے پہلا یہ اہم سوال تھا کہ جنگ عظیم میں ہندوستانیوں نے کیا کیا؟ اس کا کیا نتیجہ ہوا۔ مستقبل کے لئے ہمیں کیا ملا اور ہم نے اس سے کیا کیا سبق حاصل کئے۔ ہندوستان اور انگلینڈ میں ہمارے لیڈروں کی غلط پالیسی معلوم ہوئی لیکن پھر بھی ہم کام کرنے کی خاطر اپنے لیڈروں کے احکام پر چلتے رہے اگرچہ ہم اور ہمارے طالب علم ساتھی ناامید ہو چکے تھے۔ ہمارے سامنے اب یہ اہم مسئلہ تھا کہ جو غلطی ہمارے لیڈروں نے پچھلی لڑائی میں کی تھی وہ اب دہرائی نہیں جا سکتی ہم نے محسوس کیا کہ اگر آئندہ ہمیں موقع ملا تو

کبھی ایسی غلطی نہیں کریں گے۔ ایک اہم سوال اور بھی تھا کہ یورپ
میں لڑائی کے درمیان کافی تبدیلیاں ہوئیں۔ نئی نئی سلطنتیں بن رہی
تھیں۔ چیک قوم کے لوگ آسٹرو ہنگیرین شہنشاہیت سے علیحدہ
ہو گئے پول قوم نے اپنی الگ حکومت بنالی تھی۔ جب میں یورپ گیا
تو وہاں کے چند یورپی رہنماؤں سے ملا۔ جنہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ
کہ اگر میں اپنے وطن کی کچھ خدمت کرنا چاہتا ہوں تو مجھ کو جنگ کی
تاریخ پڑھنی چاہیئے۔ نیز تمام حالات و کوائف سے باخبر رہنا چاہیئے
ہم نے یہ بات ذہن نشین کرلی اور اس پر غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا
چیک قوم کے لیڈر کس کس طرح بغرض پروپگنڈا آسٹریا ہنگری کے دشمنوں
سے مدد حاصل کرنے کے لئے باہر گئے اور انہوں نے فرانس اور برطانیہ کے
ساتھ کیسے تعلقات پیدا کر لئے۔ جن حکومتوں کے چیک قوم کے لیڈروں
کی مدد کی اور جنگ کے بعد اُن کی آزاد حکومت کے حق کو بھی تسلیم کرلیا۔
برطانیہ اور فرانس نے ان کے ملکی انقلاب اور تبدیلی میں ہر ممکن امداد
دینے کا یقین دلایا۔ اپنے ملک کے باہر ان لوگوں نے اپنی قومی فوج
بنائی جس میں بیس ہزار سپاہی بھرتی ہو گئے تھے۔ اس کا نام چیک
کی قومی فوج تھا۔ برطانیہ اور فرانس سے مل کر یہ فوج آسٹریا اور
جرمنی سے لڑی تھی ——— پول قوم کے لوگوں نے بھی تیس ہزار
کے قریب فوج ترتیب دے دی تھی۔ جس نے جنگ میں بھی حصہ لیا تھا
یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ جرمنی اور ان کے ساتھی ہار گئے اور جنگ کے بعد

وہ (پول چیک) اپنی حکومت قائم کر سکے۔

پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم بھی اسی راہ پر نہ چلیں اور اس بین الاقوامی تاریخ کو پڑھ کر مکمل آزادی حاصل کرنے کے لئے برطانیہ کے دشمن کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملاکر جنگ نہ کریں! آخر کیوں؟ تاریخ سے ہمیں سبق لینا چاہیئے۔

آئرلینڈ کے لوگوں نے بھی اسی جنگ سے فائدہ اٹھایا اور "سین فین" جماعت کے ماتحت برطانیہ کے خلاف آواز اٹھائی۔ ڈبلن میں "سین فین" پارٹی کی تین ہزار فوج تھی۔ ان کی فوج میں کچھ غلطی ہو گئی جس سے ڈبلن میں کئے ہوئے ایجی ٹیشن کا پھیلاؤ گاؤں اور دیہاتوں میں نہ ہو سکا۔ پھر بھی انہوں نے ڈبلن شہر پر متواتر آٹھ دن تک قبضہ رکھا۔ اس ایجی ٹیشن کو ایسٹر ایجی ٹیشن کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایسٹر کے دنوں میں شروع ہوئی تھی۔ ۱۹۱۶ء میں یہ جھگڑا پھر کھڑا ہوا۔ ان کے پاس پانچ ہزار فوج تھی۔ جس سے اس تحریک کا دوبارہ آغاز ہوا۔ آخر برطانیہ کو گھٹنے ٹیکتے ہی بنی۔ گذشتہ جنگ عظیم کے تجربے کے بعد ۱۹۲۱ء میں ہم نے بھی ایک تحریک ہندوستان میں چلائی تھی۔ جس میں مہاتما گاندھی کے عدم تشدد پر عمل کیا گیا تھا۔ اس وقت خلافت کمیٹی نے بھی کانگریس کے ساتھ مل کر کام کیا تھا۔

ہم لوگوں نے بھی دوسری راہ عمل نہ دیکھ کر ۲۱ء میں عدم تعاون کی تحریک میں شرکت کی۔ اور انگریزوں کے جابرانہ ظلم کے مقابلے

میں اپنے ملک کی عزت بچانے کی خاطر کانگریس میں شریک ہو گئے ہندو مسلمان بھی متفق ہو گئے تھے۔ مگر ہمیں یقین تھا کہ عدم تشدد سے ملک کو مکمل آزادی نہیں مل سکے گی۔ البتہ اس تحریک نے عوام میں بیداری ضرور پیدا کردی اور ان کو مستقبل کیلئے ہوشیار کردیا۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو عدم تشدد پر یقین رکھتے تھے۔ مگر تشدد کے حامی زیادہ تھے۔

میں جب ۳۶ء میں یورپ میں تھا تو میرے وہاں ٹھیرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ میں اندازہ لگاؤں کہ اب وہاں کونسا واقعہ ہونے والا ہے؟ وہاں کی سیاسی فضا کیا ہے؟ میں برلن بھی گیا تھا وہاں بعض سرکاری افسران سے واقفیت ہوگئی اور ہر ہٹلر سے بھی ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آیا وہ جنگ کے لئے تیار ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ برطانیہ سے بالکل لڑنا نہیں چاہتے۔ ان کو امید تھی کہ برطانیہ کی وساطت سے جرمنی کا مطالبہ پورا ہو جائے گا۔ وہ برطانیہ سے صلح کے طالب تھے۔ کسی قدر انہوں نے ہندوستان کی آزادی سے ہمدردی کا اظہار کیا ——

یہ تمام واقعات دہرانے کا مقصد یہ ہے کہ۔ میں جب یورپ سے لوٹا تو آئندہ ہونے والے حادثات کا خیال لے کر لوٹا۔ جرمنی میں جو طاقت برسر اقتدار آئی تھی۔ وہ ہمیشہ جنگ کی حامی رہی۔ مجھے یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو گیا تھا کہ برطانیہ جرمنی کا مطالبہ پورا نہیں کرے گا۔ اور جس وقت برطانیہ یہ دیکھ لے گا کہ جرمنی کی طاقت کچھ اور بڑھ گئی ہے۔

تو وہ نازیوں سے جنگ کرے گا۔ ۱۹۳۱ء میں جب میں یورپ گیا تو کچھ تبدیلی دیکھی۔ جرمنی سمجھ گیا کہ برطانیہ اس کے مطالبہ کو پورا نہیں کرے گا ستمبر ۱۹۳۸ء میں جرمنی نے سٹیڈن جرمنوں کا معاملہ پیش کیا۔ برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چیمبرلین ہر ہٹلر سے صلح کرنے کے لئے میونچ پہونچے۔ ایک وقت ایسا بھی تھا جب بین الاقوامی فیصلے انگلینڈ میں ہوا کرتے تھے۔ اب جب میں نے برطانوی وزیر اعظم کو صلح کے لئے اپنا وطن چھوڑ کر جرمنی بھاگتے دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ برطانیہ کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ اور جرمنی مضبوط ہے۔ اب میں نے یہ غور کرنا شروع کیا کہ جنگ یورپ میں لازمی ہے۔ ہندوستانیوں کا اب یہ فرض ہے کہ وہ ہوشیار رہیں۔ اور برطانیہ سے اپنی مانگیں منظور کرانے کی کوشش کریں۔ اور اگر برطانیہ ان کے مطالبات نہ مانے تو جنگ کے لئے تیاری کریں۔ مجھے ضرور عوام کا اعتماد حاصل ہے مگر ہمارے لیڈر دوسری طرف غور کر رہے ہیں۔ خاص کر مہاتما گاندھی ابھی اور حالات کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم لوگ اس سے متفق نہیں۔ ہم ہندوستانی عوام سے کہتے تھے کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

مارچ ۱۹۳۹ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا تری پورہ میں اجلاس تھا۔ میں نے چھ مہینے میں مکمل آزادی دینے اور حکومت کو اس کی آخری اطلاع دینے کی تجویز پیش کی۔ اور کہا کہ ہماری جتنی بھی طاقت ہے اس سے اپنا مطالبہ پورا نہ ہونے پر برطانیہ سے جنگ کرنی چاہئے۔ یہ باتیں صرف اطلاع کی شکل میں تھیں۔ اور آئندہ چھ مہینے

میں جنگ چھڑ جانے کے پورے وثوق اور بین الاقوامی حالات کو اچھی طرح مدنظر رکھتے ہوئے یہ تجویز پیش کی تھی۔ جب ستمبر ۱۹۳۹ء میں یورپ کے اندر جنگ چھڑ گئی۔ تب عوام سمجھے کہ مارچ میں میں نے جو کچھ کہا تھا وہ صحیح تھا۔ اس وقت ہمارا فرض تھا کہ ہم اپنی تمام طاقت کو مرکز پر لاکر برطانیہ سے اپنے مطالبات منظور کرانے کے لئے اسے مجبور کرتے۔ اگر اس گفت وشنید سے کام نہ بنتا تو اپنے حقوق کے لئے ہم جنگ چھیڑ دیتے۔ لیکن ہمارے لیڈروں کے خیالات کچھ اور تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ برطانیہ جنگ کے زمانے میں کمزور ہو جائے گا۔ اور ہندوستان کی امداد حاصل کرنے کے لئے اس سے سمجھوتہ کرے گا۔ میں نے اس خیال کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اور کہا کہ برطانیہ کی خواہ کیسی ہی حالت کمزور ہو وہ ہندوستان میں اپنی طاقت کو گھٹنے نہیں دے گا۔ ہندوستان کے بغیر وہ کامیابی کے ساتھ جنگ کو جاری نہیں رکھ سکتا۔ جوں جوں وہ کمزور ہوگا ہندوستان پر اس کا پنجۂ استعمار مضبوط ہوگا اور وہ زیادہ اس کو مصیبتوں میں پھانستا جائے گا۔

مارچ ۱۹۴۰ء میں جب کانگریس کا اجلاس ہوا۔ ہم نے قدم آگے بڑھانے کا ارادہ کیا۔ لیکن اب بھی گاندھی جی اپنے خیالات پر اڑے رہے ہم نے خیال کیا کہ جو کچھ بھی ہو۔ اپنی تحریک شروع کرنی چاہیئے۔ چنانچہ اس میں کامیابی ہوئی اور جنگ کے خلاف ہندوستان میں تحریک شروع ہو گئی۔ بہت سے لوگ جیل بھیج دیئے گئے۔ اس عرصہ میں مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ

چونکہ حکومت کی طرف سے اب کچھ امید مفاہمت نہیں اس لئے نومبر تک گاندھی جی خود جنگ کے خلاف تحریک میں حصہ لیں گے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور غور کرنا شروع کیا کہ اب تمام دنیا کو معلوم ہوجائے گا کہ ہندوستان آزاد ہونے کے قابل ہے اور آزادی کے لئے جنگ کر رہا ہے اس صورت میں دنیا کی ہمدردی حاصل ہوجائے گی یقین نہ پڑتا تھا کہ ستیہ گرہ سے آزادی حاصل ہو سکے گی۔ ستیہ گرہ سے حکومت پر دباؤ ضرور پڑے گا۔ اور جنگ کے کاموں میں تعطل پیدا ہوجائے گا۔ مگر حکومت ہمارے مطالبات پر توجہ نہ دے گی بموں اور ریوالوروں سے انقلابی نوجوان جو تھوڑا بہت کام کر رہے ہیں۔ ان کی طاقت سے میں بخوبی واقف تھا۔ یہ لوگ بلند خیال مخلص صادق کام کرنے والے لوگ ہیں۔ ان کی طاقت اور قربانیاں ہندوستان کو مکمل آزاد کرانے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ ہم نے غور کیا۔ تاریخ کے صفحات پر نظر ڈالی۔ اب ہمارے سامنے امریکہ کی ایک مثال موجود تھی۔ امریکہ نے فرانس سے بیش بہا امداد لی تھی۔ اور یہ دنیا کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں تھی کہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے دوسرے ممالک سے امداد لی جائے۔ ہندوستان بھی بغیر کسی ایک کی مدد کے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہمیں یہاں رہ کر پوری خبریں تک نہیں ملا کرتی تھیں۔ حکومت کی طرف جو خبریں ملا کرتی تھیں وہ زیادہ تر تحریف شدہ تھیں۔ ہندوستان میں رہ کر غیر ممالک کے حالات معلوم کرنے میں بہت دشواریاں تھیں۔

جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا؟ کس طرح اس کا خاتمہ ہوگا؟ آخر میں کس کی فتح ہوگی؟ غیر ملکیوں کے ہندوستان کی تحریک کے متعلق کیا کیا خیالات ہیں؟ ہندوستان کے لئے کس سے اور کس طرح امداد لی جائے؟ ہم انہیں سوالات کی پیچیدگیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ ہم نے نتیجتاً یہ اخذ کیا کہ یہاں سے کسی کو باہر بھیجنا چاہئے۔ مگر یہ بڑا مشکل سوال تھا۔ ہندوستان کے باہر ایسے آدمیوں کی ضرورت تھی۔ جسے یورپین لوگ بھی پہچانتے ہوں اور وہ اتنا باثر بھی ہو کہ ہندوستانی عوام بھی اسے مانیں۔

آخر میں نے خود جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر میں خود جیل میں پڑا ہوا تھا۔ جیل سے بھاگ کر جانا میرے لئے دشوار تھا۔ اس لئے میں نے بھوک ہڑتال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور طے کر لیا کہ یا تو جیل میں مر جاؤں گا۔ جب افسران بالا کو میرا عندیہ معلوم ہوا تو ان میں سراسیمگی پھیل گئی۔ وہ میرا جیل میں مرنا گوارا نہ کرتے تھے۔ جیل سپرنٹنڈنٹ آیا اور اس نے مجھ سے بھوک ہڑتال نہ کرنے کی درخواست کی۔ میری ہڑتال چھ دنوں تک جاری رہی۔ انہوں نے مجھے زبردستی کھلانا چاہا۔ میں جتیندر ناتھ داس کی طرح مرنے کو تیار تھا۔ سات دن بعد حکومت کو تشویش ہوئی اور گورنمنٹ ہاؤس میں ایک خفیہ جلسہ ہوا۔ میری ڈاکٹری رپورٹ پیش ہوئی جو خطرناک تھی۔ حکومت نے اس خیال سے کہ ایک ماہ بعد پھر دوبارہ گرفتار کر لیں گے مجھے رہا کر دیا گیا۔ مجھے صحیح وقت پر رہائی ملی۔ اور بعد میں میری فرار کی خبر بھی دنیا کو مل گئی

ہیں وطن کو چھوڑ کر عجیب مخمصے میں پھنس گیا۔ دونوں طرف کے ریڈیو میں سنا کرتا تھا۔ جرمنی کے حکام کی طرف سے مجھے یہ رعایت بھی مل گئی کہ میں دشمنوں کا ریڈیو بھی سن سکوں۔

مجھے اسی اثنا میں یورپ کے مورچوں اور قلعہ بندیوں کو بھی دیکھنے کا موقع مل گیا۔ اب مجھے یہ فکر لاحق تھی کہ ہندوستان کی کیا حالت ہو گی؟ میرے سامنے یہ تین اہم سوال قابلِ غور تھے:-

(۱) جنگ سے علیحدہ رہ کر خطرناک حالات میں دن گزارنے۔

(۲) برطانیہ کے پاس جا کر آزادی کی بھیک مانگنا۔

(۳) برطانیہ کے دشمنوں کے ساتھ مل کر جنگ میں حصہ لینا۔ اور آزادی حاصل کرنے کی طاقت پیدا کرنا۔

مجھے مذکورہ سوالوں میں سے تیسرا سوال مفید اور نتیجہ خیز نظر آیا۔ اور میں نے برطانوی حکومت کے خاتمہ کے لئے اس کے دشمنوں سے مل کر جنگ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ ہندوستان کے عوام برطانیہ کے خلاف تھے۔ اور ہندوستان کی اندرونی حالت پریشان کن تھی جو قوتیں ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف کام کر رہی تھیں۔ اُن کی ہمتیں بڑھانا بھی ہمارا فرض تھا۔ ہندوستان کی آزادی کی اس وقت دو صورتیں میرے ذہن میں آئیں۔ اول سب سے پہلا اور اہم کام یہ کہ برطانیہ سے لڑا جائے۔ دوسرے ہندوستان میں اتنی بہادر فوج تیار کی جائے جو ایک یا کئی حکومتوں کی مشترکہ قوت

ہے ہندوستان کی مناسب خدمت کر سکے۔ دوستو! ہمیں اب یہ سوچنا ہے کہ ہم کسی حالت میں اب غلام نہیں رہیں گے۔ کیونکہ ہم غلامی کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ اپنے وطن کی خدمت کرنے کے لئے آپ لوگوں کا فرض ہے کہ سب سے بہادر اور منضبط فوج منظم کریں۔ طاقت قوت اور بہادری کا جہاں تک تعلق ہے ہندوستانی سپاہی ہرگز کسی سے گیا گزرا نہیں۔ جب تک ان میں یہ دو باتیں رہی ہیں انہوں نے ہمیشہ اپنی اہلیت ثابت کر دی۔ صرف ایک فوج ہی پہ کیا منحصر ہے ریاست علمیت اور کھیلوں وغیرہ میں بھی ہم پھسڈی نہیں کہلا سکتے۔ ہندوستانی ہر چیز میں قابل ہیں اور بہت ہی قابل! خدا نے ان کو ایسا ہی بنایا ہے۔ دنیا سے ہمیں بہت کچھ تجربہ حاصل کرنا ہے۔ اور ہم اس کے لئے تیار ہیں۔ اسی یقین پہ ہم لوگ آزاد ہند فوج کو منظم کر رہے ہیں۔ فوج کی کامیابی اس کی تعداد و طاقت پر منحصر نہیں۔ فرانس کی مثال لے لیجئے۔ ۱۹۳۹ء میں دنیا میں اس سے بہتر کوئی فوج نہیں تھی۔ سب اس کا لوہا مانتے تھے۔ اس کے پاس سب کچھ تھا۔ لیکن بہت جلد جرمنی کے قبضے میں آگئی۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ اس میں اسپرٹ اور جذبہ نہ تھا وہ اسپرٹ سے خالی تھی۔ سابقہ جنگ عظیم کے بعد یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ دشمن کو بالکل ختم کر دیا گیا ہے اس لئے اسے اب آرام کرنا چاہئے۔ لیکن جرمنی کی یہ حالت نہ تھی۔ وہاں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی۔ یہ ایک بدلہ لینے اور قربانی کرنے پر تلا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جرمنی

کے مقابلے میں فرانس کو بری طرح شکست ہوئی۔ فرانس کے عوام اپنی اسپرٹ اور روح کھو چکے تھے۔ ادھر جرمنی اسی جذبۂ انتقامی سے بھرپور تھا۔ پس ہمیں بھی اپنی فوج میں ایسی ہی اسپرٹ پیدا کرنی چاہیے۔ ایک سپاہی جنگ کے میدان سے ہٹ سکتا ہے۔ لیکن ایک افسر ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ ایک ذمہ دار شخصیت ہوتی ہے۔ اور ایسے ہی ذمہ دار لوگوں کے ذریعہ فوج کامیابی حاصل کیا کرتی ہے۔

"جے ہند"

۵ر جولائی کو آپ نے فوج کی عام نمائش دیکھی۔ اور ان کا جائزہ لیا۔ آپ نے آزاد ہند فوج کی نمائش کے موقع پر حسب ذیل پیغام دیا:-

اس بل کھاتی ہوئی ندی کی دوسری جانب ان لہراتے ہوئے جنگلوں سے دور۔ اس بلند و بالا پہاڑیوں کی اوٹ میں ہمارا وطن ہے ہماری جنم بھومی ہے۔ وہ وطن جس پر فریفتہ ہو کر آسمانی دیوتا بھی اتر آئے تھے۔ وہ وطن ہے۔ جس کی خاک میں رام اور کرشن گھٹنوں کے بل چلے تھے۔ اسی خاک میں ہم نے اور تم نے جنم لیا ہے۔ اسی میں ہم پلے اسی میں بڑھے۔ اسی مادرِ وطن کی محبت ہماری رگ رگ میں پیوست ہے۔ آج ہم اپنے وطن سے دور پڑے ہوئے گم کردہ آشیاں طائر کی طرح آسمانوں میں منڈلا رہے ہیں۔ یاد رکھو ہمیں پھر ایک بار اپنے وطن واپس جانا ہے۔ سنو، سنو! ہوا کی لہروں میں یہ صدا گونجتی ہوئی سنائی دے رہی ہے۔ ہمارا وطن ہمیں پکار رہا ہے ہم کو بلا رہا

ہے۔ ہمارے لئے دار السلطنت ہند دہلی نے ہمارے استقبال کے لئے آنکھیں بچھا دی ہیں۔ سنو، سنو! وطن کے کونے کونے سے سندھو گنگا۔ جمنا اور راوی کے کناروں سے ۴۰ کروڑ آوازیں ہم آہنگ ہو کر ہمیں پکار رہی ہیں۔ ۴۰ کروڑ انسانوں کے دل ہمارے استقبال کے لئے دھڑک رہے ہیں۔ اسّی کروڑ بازو ہم پر پھول برسانے کے لئے اٹھے ہوئے ہیں۔ خون نے خون کو پکارا ہے! ماں نے اپنی روٹھی اور بچھڑی ہوئی اولاد کو پکارا ہے ——— اب ہم وقت ضائع نہیں کر سکتے ہمارے ہتھیار اب میان میں نہیں رہیں گے۔ سامنے کے پتھریلے پہاڑ پر لہراتا ہوا یہ پہاڑی راستہ ہمارے اور ہمارے وطن کے درمیان لہرا رہا ہے۔ آگے بڑھو اس راستے کو کچل کر پہاڑیوں اور گھاٹیوں کے پار ہو جاؤ! ——— اس پار جاکر آسمان سے بھی اپنی آزادی کو چھین لینا ہے۔ قدرت تمہاری مدد کرے گی۔ لیکن قدرت انہیں کی مدد کرتی ہے جن کے سانس میں طوفان ہوتا ہے۔ جن کی پسلیوں میں بھونچال آئے۔ دشمنوں کے سینوں کو چیر کر ہم کو اپنے وطن پہونچنا ہے۔ آزادی یا موت! یا تو ہمیں اپنا ترنگا جھنڈا لہراتے ہوئے دہلی کا قلعہ فتح کرنا ہے یا لڑتے لڑتے اپنی جان دے دینی ہے۔ دہلی کی راہ آزادی کی راہ ہے۔ یا تو ہم دہلی میں فاتح ہو کر داخل ہوں گے۔ یا ہماری لاشیں خون آلود ہوں گی۔ شام کے خونیں ہوا کے لہراتے ہوئے جھونکے اس بات کے گواہ ہوں گے کہ آزادی کے لئے ہم موت کی قیمت دینے

ہیں کبھی نہیں چوکے ۔۔

دہلی چلو! دہلی چلو! دوران تقریر میں آپ نے فرمایا۔ آج سے ہمارا یہی نعرہ ہوگا۔ ہر قوم اور ہر فوج کا ایک خاص نعرہ ہوا کرتا ہے۔ جس سے اس کی منزل مقصود معلوم ہوتی ہے۔ آغاز جنگ میں جرمنی کا نعرہ تھا "پیرس چلو" اسی طرح جاپانیوں کا نعرہ تھا "سنگاپور چلو" ٹھیک اسی طرح ہمارا بھی نعرہ ہونا چاہیئے۔ "دہلی چلو" اور یہ نعرہ ہمیں اس وقت تک بلند کرنا چاہیئے جب تک کہ ہندوستان غیروں کی غلامی کے اثر سے کلیۃً پاک نہیں ہو جاتا۔

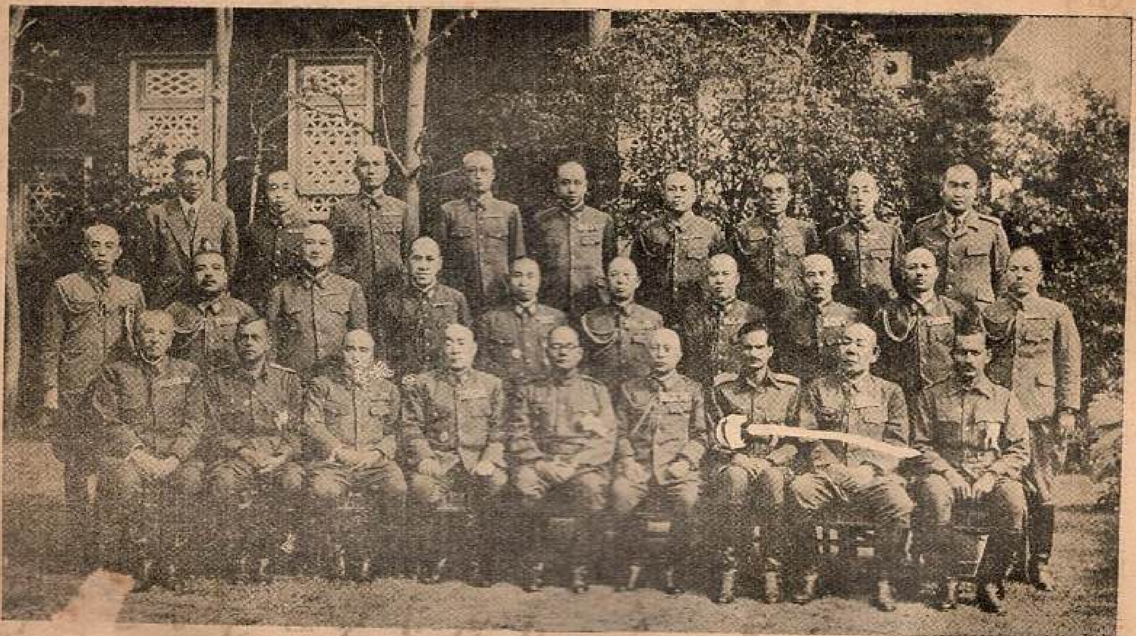
آزاد ہند فوج نے نیتاجی کو سپہ سالار اعظم تسلیم کر لیا

۸۔ اگست ۱۹۴۳ء کو متفقہ طور پر تمام آزاد ہند فوج نے آپ کو سپہ سالار اعظم اور سپریم کمانڈر تسلیم کر لیا۔

نیتاجی کی فوجی قابلیت

سپہ سالار اعظم بننے کے بعد آپ نے اپنی قابلیت سے یہ ثابت کر دیا کہ سول نظام کی اصلاح اور ملکی تنظیم میں آپ کو جتنی مہارت تھی اس سے کسی طرح فوجی قابلیت میں آپ کم نہ تھے۔ فوج میں آپ نے وہ وہ قابل قدر اصلاحات کیں تھیں کہ آپ پر "پیدائشی اور خاندانی فوجی" ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ خود اعلیٰ افسران فوج یہ دیکھ کر دنگ ہو جاتے تھے کہ نیتاجی اُن کی خامیاں معلوم کر لیتے تھے اور ان کی اصلاح میں ہدایتیں دیا کرتے تھے۔ بہ نفس نفیس ہر ایک کیمپ میں جاتا۔ فوجیوں کے اخلاق کا جائزہ لیتا۔ بلند تر اخلاق و عادات کو سختی سے ان میں رواج دینا۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا۔ ان کی چھوٹی سے چھوٹی شکایتوں کو سُن کر فیصلہ دینا۔ ہر ایک

IN TOKYO.



Chiefs of the Japanese General Staff and war Ministers with Netaji. Maj. Gen. M. Z. Kiani Maj. Gen. Chatterjee and Col. Habib-ur-Rahman.

کی دلجوئی کرنا۔ ان کی صحت و بیماری کا خیال رکھنا۔ کیمپ کمانڈروں کے فوجی فیصلے پر خود بھی نظر ثانی کرنا۔ ان کا روزانہ مشغلہ رہتا تھا۔

پریڈ کی نگرانی

آپ بہت ہی کاوش سے فوجی پریڈوں کی نگرانی رکھتے تھے۔ ہر ایک خاص پریڈ کے موقعے پر آپ تقریر فرماتے اور ان کو عزت نفس کا سبق دیتے۔ فوجیوں میں اخلاقی بلندی پیدا کرنے کا خیال بڑی سختی سے رکھتے تھے خاص پریڈوں کے موقعے پر ہر ایک زبان میں نیتا جی کا یہ حکم سنایا جاتا۔ کہ :-

"تمام دنیا کی آنکھیں آزاد ہند فوج پر لگی ہوئی ہیں۔
آزاد ہند فوج جاپانیوں کے ساتھ مل کر دشمنوں پر جوابی حملہ کرے گی۔ اور وہ ارکان کی پہاڑی پر آزاد ہند کا جھنڈا لہرائے گی۔ اس کے بعد ہندوستان میں داخل ہو کر وائسرائیگل لاج اور دلی کے لال قلعہ پر جھنڈا گاڑا جائے گا۔ فتح یقیناً ہماری ہے۔ انقلاب زندہ باد!
ہندوستان زندہ باد!!"

فوجیوں کا عہدنامہ

یہ عہد نامہ ہر ایک فوجی کو ازبر تھا۔ پریڈ کے وقت صبح و شام اس کے الفاظ دہرائے جاتے۔ ہر فوجی سختی سے اس کا احترام کرتا۔ عہدنامے کے الفاظ یہ ہیں :-

"میں رضاکارانہ طور پر اور اپنی مرضی سے آزاد ہند فوج

میں بھرتی ہوتا ہوں۔ میں حلفیہ اور صدق دلی سے خود کو
ہندوستان کے لیے وقف کرتا ہوں۔ اور عہد کرتا ہوں
کہ اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر اپنی پوری طاقت سے
ہندوستان کی تحریک آزادی کے لیے کام کروں گا اور
اپنے ملک کی خدمت کرنے میں اپنے لیے کسی سے ذاتی
فائدہ نہ چاہوں گا۔ میں تمام ہندوستانیوں کو بلالحاظ
مذہب، زبان یا علاقہ اپنا بہن بھائی سمجھوں گا۔"

فوج میں جبری بھرتی

ممنوع تھی۔ آئی این اے کے دورِ انحطاط کے بعد سے جب کہ فوج ایک ملٹری بورڈ کے تحت میں رکھی گئی۔ جبری بھرتی کو سختی سے روکا گیا۔ تقریروں اور اشتہارات کے ذریعے آزادی اور فوج کی اہمیت بتائی جاتی تھیں اور رغبت دلائی جاتی تھی۔ افسروں کو سوالات کی فہرست دی جاتی تھی۔ ان کی مرضی دریافت کی جاتی اور شکوک و شبہات پر ان کو سمجھایا جاتا۔ رضامندی سے شامل ہونے والے کو فارم پر اور حلف نامے پر دستخط کرنا پڑتا تھا۔ نیتاجی کو ہمیشہ اس کا خیال رہا ہے۔ وہ اپنی تقریروں میں بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے بے دلی فوج کی ضرورت نہیں ہے ایسے لوگ جو ہمارا ساتھ آخر وقت تک نہیں دے سکتے وہ علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ جنگ آزادی کے لئے خلوص کی ضرورت ہے۔ جو لوگ نیشنل آرمی سے الگ ہونا چاہیں۔ وہ خوشی سے ایسا کر سکتے ہیں میری طرف سے انھیں

اجازت ہے" اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ آزاد ہند فوج در اصل بنائی ہوئی فوج نہ تھی۔ بلکہ بنی ہوئی قوم کی دیوار تھی۔ یہاں جبر اور قہر کا سوال ہی فضول تھا۔ صرف یہی نہیں کہ رسمی طور پر ناراضامند فوجیوں کو کہہ دیا جاتا تھا۔ بلکہ اس کے لئے فوجی احکامات بھی نافذ کئے جاتے تھے۔ چنانچہ امپھل کی جنگ میں ناکامی کے بعد ناراضامند، بزدل اور غدار قسم کے سپاہیوں کے لئے مندرجہ ذیل فوجی سرکلر ۱۳ر مارچ ۱۹۴۵ء کو جاری ہوا تھا کہ:۔

(۱) آزاد ہند فوج کا ہر ممبر۔ افسر۔ نان کمیشن افسر اور سپاہی کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ آزاد ہند فوج کا ہر ممبر ہر اس شخص کو گرفتار کر سکتا ہے جو بزدلی دکھائے خواہ وہ کسی حیثیت کا اور نیک کار ہو۔ اور اگر وہ غداری کا مرتکب ہو تو اسے قتل کرنے کا بھی اختیار ہے۔

(۲) اگر آزاد ہند کا کوئی ممبر اپنے فرائض صحیح طور سے ادا نہ کر سکتا ہو یا میدان جنگ میں بہادری سے لڑنے کی ہمت نہ رکھتا ہو تو وہ خوشی سے آزاد ہند فوج سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے ان کو آج سے ایک ہفتہ کی مہلت دی جاتی ہے۔

(۳) فوج سے علیحدگی کی پوری آزادی دینے کے بعد ہم کو جن کے متعلق لڑائی میں بزدلی دکھانے کا شبہ ہوگا۔ یا اس نازک دور میں دھوکہ دینے کا شک ہوگا۔ اسے برطرف کر دیا جائے گا۔ آزاد ہند فوج سے ایسے عناصر کو صاف کرنے کے لئے فوجیوں کو چاہیئے کہ وہ ہماری

مدد کریں اور ایسے بزدل یا غداروں کے متعلق اپنے افسران کو معلومات بہم پہنچا کر اس کی رپورٹ پیش کریں۔ اس لئے آزاد ہند فوج کے ہر ایک سپاہی کا فرض ہے کہ وہ ہر قسم ان باتوں کی نگرانی رکھتے ہوئے حالات کا جائزہ لیتا رہے کہ جس سے آزاد ہند فوج کے ہر سپاہی پر آزاد ہند فوج اور تمام ہندوستانیوں کی حفاظت کی ذمہ داری ہے۔

(۴) علیحدگی کا پورا اختیار دینے کے بعد بھی اگر کسی بزدل یا غدار کا پتہ چلا اور وہ غداری کے جرم میں ماخوذ ہوا تو اس کو موت کی سزا دی جائے گی۔

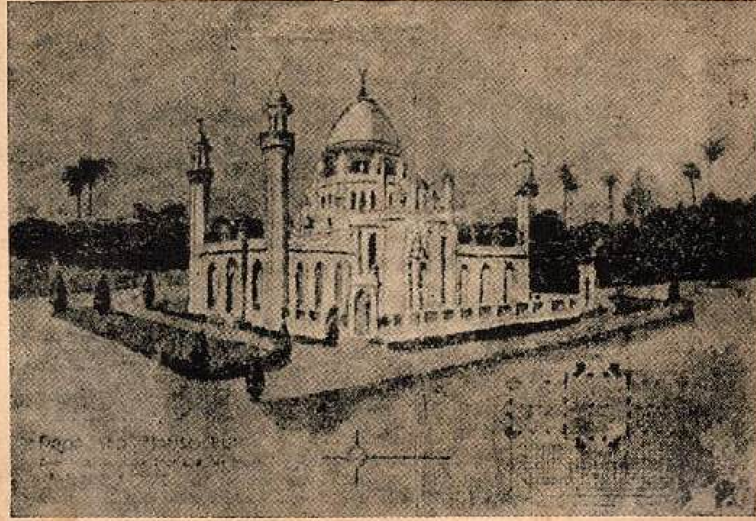
(۵) ہمیں بزدلی اور غداری سے بچنے کے لئے فوج کی عام اخلاقی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس کے خلاف نفرت و بیزاری کی عام فضا پیدا کرنی چاہیے۔ اور لوگوں میں یہ احساس پیدا کرانا چاہیے کہ ایک انقلابی فوج کے لئے اس سے بڑا دوسرا کوئی ذلیل اور شرمناک جرم نہیں۔

(۶) اس ہدایت کے بعد آزاد ہند فوج کے ہر سپاہی کو از سر نو حلف وفاداری اٹھانا پڑے گا۔ کہ وہ اس وقت تک لڑتا رہے گا جب تک مادرِ وطن کو آزادی حاصل نہ ہو جائے اور ہندوستان دشمنوں کے اثر سے بالکل پاک نہ ہو جائے۔

(۷) وہ شخص مخصوص انعام پانے کا مستحق ہوگا جو آزاد ہند فوج میں ایسے بزدل اور غداروں کے متعلق صحیح رپورٹ پیش کرے یا پھر میدان جنگ میں اُن کو گرفتار کرے یا پھر قتل کردے۔



Zafar Shah Ex-Emperor
of India.



Mausoleum proposed by Netaji over the graves of Zafar Shah and Zeenat Mahal.

بہادر شاہ ظفرؒ کے مقبرے پر نیتا جی کے عقیدت کے پھول

ہندوستان کے آخری تاجدار شاہنشاہ ہند سراج الدین ابوظفر ظفرؔ بہادر نوراللہ مرقدہ رحمہٗ کے مقبرے پر ۲۶ ستمبر ۱۹۴۳ء کو تحریک آزادی کے علمبردار نیتا جی سوبھاش چندر نے عقیدت کے پھول چڑھائے۔ اس سے پیشتر بھی جاپانی حکام اور راس بہاری بوس نے کئی مرتبہ احترام و عزت کے ساتھ مقبرے کی زیارت کی اور بے انتہا عقیدت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے اپنے اپنے طور پر آزادئ ہند کا عہد کر چکے تھے۔—— نیتا جی خود کئی مرتبہ تشریف لائے تھے۔ آپ کے ساتھ جاپانی اعلیٰ افسران اور آزاد ہند فوج کے عہدہ داران شامل تھے۔ بڑی شان کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ متولیان درگاہ نے خاص اہتمام کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا۔ آپ نے درگاہ کے باحصہ فوجی جوتے اتار دیئے۔ قبر پر پھول چڑھائے۔ عقیدتمندی کے ساتھ سر خم کرتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے۔ تمام جاپانی افسران نیز ہندوستانی عہدہ داران و وزراء کے سر بھی جھک گئے۔ آپ نے —— بچشم پُرنم —— ذیل کا عہد و اقرار فرمایا اور روتے ہوئے گویا ہوئے۔

اے شہنشاہ ہند! آپ کا خادم سوبھاش چندر بوس آپ کے مزار پر آیا ہوں۔ ایک وہ زمانہ تھا جب آپ ہمارے شاہنشاہ تھے۔ لیکن آج ہم آپ کو بے کسی اور بے چارگی میں کنج مزار میں آرام کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں میں آپ سے

وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہی پہلا وہ شخص ہوں گا جو آپ کو ہندوستان واپس لے جاؤں گا"۔۔۔۔۔۔

"یہ تاریخ کا عجیب واقعہ ہے کہ ہندوستان کا آخری شاہنشاہ برما کی سرزمین میں دفن ہے اور برما کا آخری بادشاہ ہندوستان کی سرزمین میں آرام کی نیند سو رہا ہے۔ برما اور ہندوستان کا یہ کس قدر مضبوط رشتہ ہے جس سے دونوں قوموں کے محبت بھرے تعلقات معلوم ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔

اس مقدس یادگار کے سامنے کھڑے ہو کر ہم عہد واثق کرتے ہیں کہ اس جنگ میں جو ہندوستان کی آزادی کی آخری جنگ ہے ہم اس مستحکم عزم و ارادے کے ساتھ آخر تک لڑتے رہیں گے خواہ کتنی ہی رکاوٹیں اور مصیبتیں پیش آئیں اور کتنی ہی قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں۔ اور خواہ کتنے ہی عرصے تک جنگ کرنی پڑے۔ جب تک ہندوستان اور برما کا ایک بھی دشمن باقی رہے۔ اور ہم جب تک آزاد نہ ہو جائیں ہماری جدوجہد برابر جاری رہے گی"۔۔۔۔۔۔

اس کے بعد دیگر وزراء اور جاپانی حکام نے بھی ولولہ انگیز تقریریں کیں اور ہندوستان کی آزادی کا عہد کیا۔۔۔۔۔۔ راقم الحروف نے ایک نظم "نوائے انقلاب اور ظفر شاہ کا روحانی جواب" پڑھی جس نے سامعین پر رقت طاری کر دی اور مجمع بے حد متاثر ہوا۔۔۔۔۔۔





Zeenat Mahal Ex-Empress
of India.



انقلاب زندہ باد۔ ہندوستان آزاد کے نعروں سے عہدِ مذکور کی تجدید ہوئی۔

اذنِ انقلاب اور ظفر شاہ کا روحانی جواب

(از لسانِ القوم معلم مشتاق رامپوری)

اے تاجدارِ ہند ہمارا سلام لے — اپنے سپوت بچوں کی یہ نذرِ عام لے
اے روحِ پاک حکم تو دے انقلاب کا — پھر ان سپاہیوں سے وہی آج کام لے
کیا ہے ہمارے پاس جو دیں نذر کیلئے — گلدستۂ عقیدت صد احترام لے
آزادیٔ وطن کا سنا دے پیام تو — ہیں جان و مال سب ہی ترے تو تمام لے
آزادیٔ وطن کا یہ نذرانہ کر قبول — لائے ہیں سر ہتھیلی پہ تیرے غلام لے

آنکھیں بچھانے آیا ہوں تیرے مزار پر
مشتاق کا تو اپنے ہزاروں سلام لے

ظفر شاہ کا روحانی جواب

جاگ اے غلامِ ہند کے کیا سو رہا ہے تو — شمشیر کھینچ ہاتھ سے مولا کا نام لے
اُٹھ ہند کے سپوت اکہ اب وقت آ گیا — جو تو نے کھو دیا ہے وہ اپنا مقام لے
ٹھوکر سے توڑ دے تو طلسمِ سفید فام — ایران و ہند و مصر حجاز اور شام لے
وہ زلزلہ تو ڈال دے لندن کے کیمپ میں — جس سے سبق ہمیشہ کو شام اور سام لے
پی اور پلا شرابِ محبت کی ہند میں — اُٹھ اور اپنے ہاتھ میں اُلفت کا جام لے
تیری غلامیوں نے تجھے کر دیا تباہ — ہاتھوں میں اپنے ملک کا خود انتظام لے

پیرزن میں اپنے رہ نہ دو سے تو ہوش کا نشان	اور صلح و امن عام کا اٹھا انصرام لے
انگریزیت کے ہند سے ٹکڑے اڑا کے چھوڑ	ان سے تو ظلم و جور کا آج انتقام لے
تائید ایزدی بھی تیرے ساتھ ساتھ ہے	ہاتھوں میں ذوالفقار جو تو بے نیام لے

فضل خدائے پاک سے تو کامیاب ہو
فتح و ظفر کا میری طرف سے پیام لے

۱۵ر اگست ۱۹۴۳ء کو نیتا جی نے ایک عظیم الشان جلسے میں ملایا میں تقریر فرماتے ہوئے کہا ——

"آج کامل سال بھر کا عرصہ گزر چکا۔ ... کہ حکومت برطانیہ نے مہاتما گاندھی کو قید کیا تھا۔ ان کا جرم کیا تھا؟ صرف یہی کہ انہوں نے ہندوستان سے انگریزوں کو نکل جانے کا نوٹس دیا تھا۔ جس وقت سے وہ قید کئے گئے۔ ہندوستان میں بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔ ہر طرف سول نافرمانی اور خفیہ سرگرمیاں کافی جوش و خروش کے ساتھ جاری ہیں لیکن ہمیں اب تک آزادی نہیں ملی۔ اور اس وقت نہیں مل سکتی جب تک کہ ہم برما کی سرحد پر ایک دوسرا جنگی محاذ قائم نہ کرلیں۔ اور ہم کو تمام ہندوستانیوں اور ہندوستانی برطانی افواج کو دعوت دینی ہوگی کہ

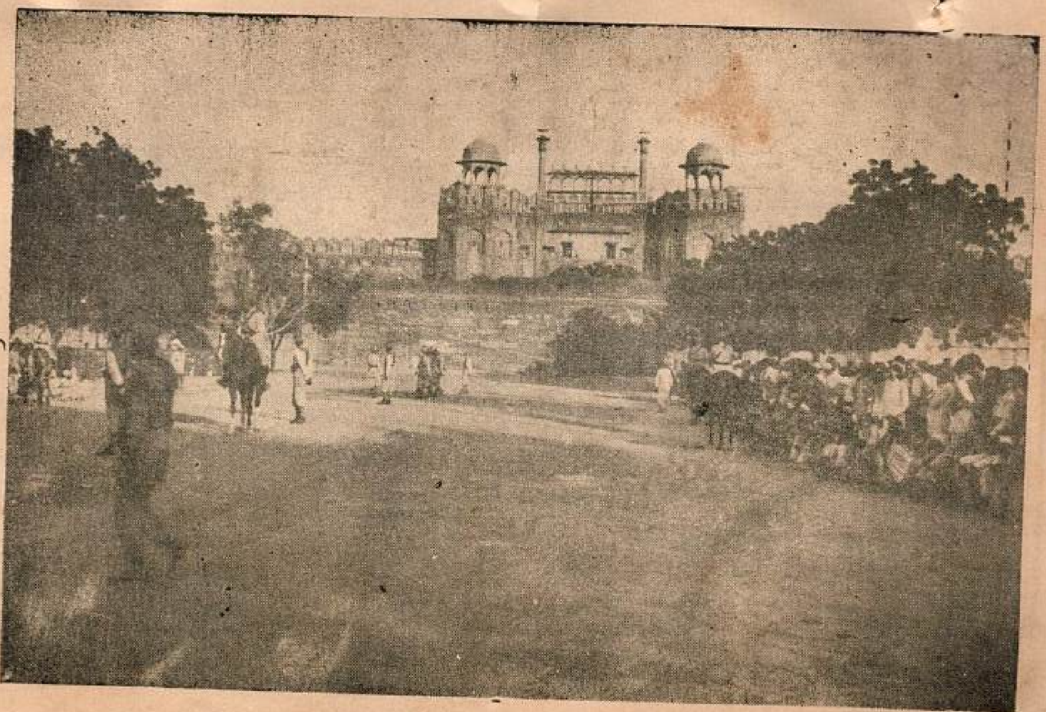
وہ برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف جنگ کریں۔

آج میں بے حد خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ جب میں اس مجمع میں اپنے سامنے مسلمانوں کی کافی تعداد دیکھ رہا ہوں۔ جنہوں نے محبت اور جوش سے میرا خیر مقدم کیا اور تحریک آزادئ وطن کی خاطر تھیلی پیش کی ہے۔ میں ان کا شکر گزار ہوں۔ تمام دُنیا کو یہ بتلا دو اور خصوصاً اپنے دشمنوں کو یہ خبر کر دو کہ مشرقی ایشیا میں اختلاف مذاہب کے باوجود تمام ہندوستانی ایک مقصد پر متفق اور متحد ہیں۔ اور انہوں نے یہ عہد صمیم کر لیا ہے۔ کہ مادر وطن کی آزادی کی خاطر وہ متحد اور شانہ بشانہ ایک ہو کر ہر طرح کی قربانیاں کریں گے اور اس جنگ کو کامیاب بنائیں گے ———

آزاد ہند کی عارضی حکومت

۲۱ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو آزاد ہند کی عارضی حکومت کا قیام عمل میں آیا یہی وہ مبارک دن اور ساعت تھی جب سے مشرقی ایشیائے اعظم میں متوطن باشندگانِ ہند کی خمیدہ گردنیں افتخار قومی اور خودداری سے بلند ہونے لگیں اسی گھڑی سے ہندوستانیوں نے خود کو آزاد تصور کر لیا. اغیار نے احترام کی نظروں سے انہیں دیکھا۔ جاپانی اور برمی۔ جاوی اور ملائی۔ چینی اور فلپینی ہر ایک قوم نے اپنی اپنی نگاہوں میں ہندوستان اور ہندوستانیوں کے لئے جگہ مخصوص کر لی۔ جاپانیوں سے آزاد ہند کی عارضی حکومت منوا لینا یہ صرف نیتاجی سوبھاش چندر بوس کی شخصیت سے مخصوص تھا۔ انہی آمد کے تین ماہ بعد ہندوستانیوں کے سر پر کلاہ افتخار رکھ دینا۔ ہر کسی کا کام نہ تھا۔ بے سروسامان فوج۔ بے یارومددگار سویلین۔ آخر کس کے بل اور بوتے پر حکومت دی جاتی کس پر بھروسہ کیا جا سکتا کہ اس میں نظم عمل پیدا کر کے رکھ دے گا۔ یہ صرف ان ہی

RED FORT DELHI.



کے اعتماد اور بے لوث قربانیوں ہی کا نتیجہ تھا۔ یہ عارضی حکومت بنی بھی تو ایسی جس کے ضبط اور نظم ونسق پر مستقل حکومتوں کو رشک آنے لگا تھا۔ برمی حکومت کے پُرانے کارکنانِ حکومت اور وزراء سلطنت اس کی روز افزوں ترقی پر عش عش کر رہے تھے۔ کیوں نہ ہو جبکہ مخلص معمارِ حکومت نے عمارت کی ایک ایک اینٹ ایسی متانت سے رکھی تھی کہ اس کے استحکام کو چار چاند لگ گئے۔ اور وہ ہر ایک انجینئر کی نظروں میں بچ کر تعریف و توصیف کا مرکز بن گئی۔

نیتاجی کی مردم شناسی

منجملہ دیگر خوبیوں کے آپ میں قدرت نے مردم شناسی کا جوہر بدرجۂ اتم رکھا تھا۔ بساطِ سیاست کے اس ماہر نے جو مہرہ جہاں رکھدیا اپنی جگہ سے ہٹنے کے قابل نہ تھا۔ کسی مشین میں پرزہ لگا لینا اتنی خوبی کی بات نہیں بلکہ خوبی یہ کہ اس جگہ وہ پُرزہ برابر حرکت بھی کرنے لگے یہ بہت بڑی خوبی آپ میں تھی کہ کسی کو کوئی عہدہ وہ اس وقت تک نہیں دیتے تھے جب تک کہ وہ پوری طور پر ان کی نظروں میں اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جب کسی کو کسی عہدے سے سرفراز کیا تو وہ اپنی قابلیت سے زیادہ ہی اس کا اہل ثابت ہوا۔ اپنے ساتھی ورکروں کی وفاداری حاصل کرنے میں وہ بہت زیادہ خوش نصیب واقع ہوئے تھے۔ نیتاجی اکثر

فخریہ اس کا اعلان بھی کر چکے ہیں کہ "مجھے جہاں بھی کوئی ساتھی ملا مخلص اور وفادار ملا۔ مجھے ہمیشہ اپنے ساتھیوں کی وفاداری اور اخلاص پر ناز رہا ہے"۔ ——— یہ ان کی مردم شناسی ہی کا نتیجہ ہے کہ وہ لاکھوں میں اپنا مقصود انتخاب کر لیتے تھے۔ اور کامیاب و بامراد ہوتے تھے ——— عارضی حکومت آزاد ہند کی مجالس وزراء اور دیگر شعبہ جات میں عہدوں کی تقسیم میں آپ بہت محتاط رہے اور حسب ذیل تقسیم کی گئی:

مجلس وزراء عارضی حکومت آزاد ہند

وزیر اعظم و وزیر جنگ ... نیتاجی سوبھاش چندر بوس

وزیر محکمۂ خواتین ... ڈاکٹر میجر ایس لکشمی

وزیر اشاعت و پروپگنڈا ... مسٹر ایر

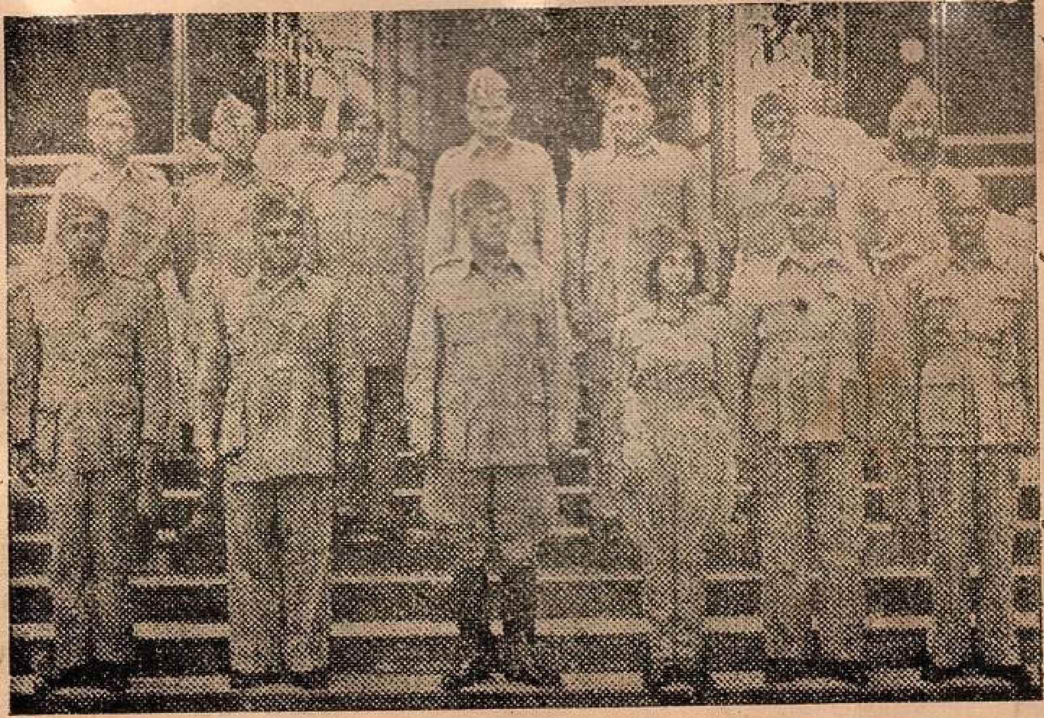
وزیر مالیات ... مسٹر راگھون

وزیر خارجہ ... میجر جنرل چیٹرجی

مسٹر سہائے اے ایم مسٹر بلیا
مسٹر سرکار و مسٹر کریم بھنی } سکرٹری جنرل

منسٹر آف اسٹیٹ } منسٹر ... مسٹر پرمانند (محکمہ سپلائی)
ڈپٹی منسٹر ... مسز چدامبرم

Group Photograph of Azad Hind Cabinet.



وار کونسل ممبران وزارت جنگ

میجر جنرل عزیز احمد — کرنل حبیب الرحمٰن — میجر جنرل چٹرجی

" ایم زیڈ کیانی — میجر جنرل } بھونسلے (جے کے) شری راگھون۔

کرنل احسان قادر — " } شری اہر۔ شری بلیپا، شری پرانند۔

میجر جنرل شاہ نواز — کرنل گلزارا سنگھ — میجر جنرل لوگا ناتھن

کرنل الاگپن — (منسٹر آف سپلائی)

مشیران حکومت

صلاح کار اعظم (راس بہاری بوس)۔ دیبی ناتھ داس۔ ڈی ایم خان جے تھیوی۔ سردار ایشر سنگھ۔ مسٹر شیخ محمد بشیر۔

ابتدائی دور کے عہدوں میں اضافہ ہو کر مذکورہ بالا تقسیم آخری دور کی مکمل تقسیم ہے۔

عارضی حکومت آزاد ہند کا اعلان اور حلف وفاداری

نیتاجی کا حلف نامہ عارضی حکومت کے قیام کا اعلان فرماتے ہوئے سب سے پہلے نیتاجی نے حلفِ وفاداری اٹھایا اور حسب ذیل عہد نامے پر دستخط ثبت کئے

"میں سوبھاش چندر بوس۔ خدا اور آزاد ہند اور ۳۸ کروڑ ہندوستانیوں کے نام پر حلف اٹھاتا ہوں کہ میں اس عہد پر مرتے دم تک عمل کروں گا۔ اور میں اپنے ملک کی آزادی کے لئے ہمیشہ کوشش کروں گا اور ہندوستان کی آزادی کے بعد بھی وطن کی خدمت کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔"

مذکورہ حلف نامہ پر تمام وزراء کونسل۔ افسران وعہدہ داران ملٹری کونسل اور مشیر کاران پارلیمنٹ نے دستخط کئے اور عہد وفاداری کیا۔

۲۱ ، اکتوبر کو بعد قیام و تشکیل عارضی حکومت آزاد ہند نیتا جی اور اور تمام اراکین کے دستخط سے مندرجہ اعلان مختلف زبانوں میں شائع کیا گیا۔

اعلانِ حکومت

ہندوستانیوں نے ۱۷۵۷ء میں انگریزوں سے پہلی دفعہ بنگال میں شکست کھائی تھی۔ اس کے بعد وہ متواتر ایک صدی تک بہت سی صبر آزما اور خون ریز جنگوں میں اس کا مقابلہ کرتے رہے۔ اس عرصے میں ہندوستانیوں نے جس ایثار، جاں بازی، اور بہادری کا ثبوت دیا ہے۔ اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ تاریخ کے صفحات میں بنگال کے سراج الدولہ ہوں یا جنوبی ہند کے حیدر علی یا ٹیپو سلطان، ویلو تا جی۔ مہاراشٹرا کے آپا صاحب، بھونسلے، اور پیشوا باجی راؤ۔ اودھ کی بیگمات، پنجاب کے سردار شیام سنگھ اٹاری والا۔ اور سب سے آخر میں جھانسی کی رانی لکشمی بائی، تانتیا ٹوپی مہاراجہ کنور سنگھ آف ڈمراؤں، نانا صاحب، اور ہندوستان کے دوسرے سپوتوں کے نام ہمیشہ سنہرے حروف میں نقش رہیں گے۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے بزرگ ابتداء میں اس کا اندازہ نہ کر سکے کہ برطانوی اقتدار تمام ہندوستان کے لئے ایک زبردست خطرہ ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دشمنوں کے مقابلے میں متحدہ محاذ بنانے کی کبھی

کوشش نہیں کی، لیکن ایک عرصہ بعد ہندوستانی حقیقت حال سے اچھی طرح آگاہ ہو گئے۔ اب انہوں نے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے متحدہ کوششیں شروع کر دیں اور تمام ہندوستان میں ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ یہ ان کی آخری لڑائی تھی جو انہوں نے غیر ملکی اقتدار کے خلاف آزاد باشندوں کی حیثیت سے لڑی تھی لڑائی کے ابتدائی دور میں وہ ہر جگہ نہایت شاندار کامیابی حاصل کرتے رہے۔ لیکن اب ان کی قسمت کا ستارہ گردش میں آچکا تھا۔ اور ان کی رہنمائی غلط لوگوں کے ہاتھ میں تھی انجام کار جنگ آزادی کے سپاہی ہار گئے اور غلامی کی مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود جھانسی کی رانی، تانتیا ٹوپی کنور سنگھ اور نانا صاحب جیسے ہیرو ہمارے دلوں میں اپنی عظمت و بہادری کی یاد چھوڑ گئے ہیں، جو ہمیں ایثار اور جانبازی کے بلند کارناموں پر اکساتی رہتی ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے ہندوستانیوں کو غیر مسلح کر دیا اور ان پر مصائب و مظالم کے پہاڑ توڑنا شروع کر دیئے۔ ناکامی کے بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہندوستانی کر ہی کیا سکتے تھے۔ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی اور اس کی رہنمائی میں ہندوستان کی تھکی ہوئی فوج پھر منظم ہو گئی۔ اس

پہلی جنگ عظیم تک اپنی غصب شدہ آزادی کو حاصل کرنے کے لئے تمام ممکن تدابیر اختیار کیں، ایجی ٹیشن، پروپیگنڈا، ٹالز وی بال کا بائیکاٹ سے لے کر دہشت انگیزی تک تمام طریقے آزمائے گئے۔ اور آخر میں مسلح انقلاب کی بھی کوشش کی گئی۔ لیکن یہ تمام کوششیں ناکام رہیں۔ ہندوستانی باشندے شکست خوردہ ذہنیت کا شکار ہوتے جا رہے تھے۔ اور انہیں کسی نئے ہتھیار کی ضرورت تھی جس کے ذریعے ان کی جنگ آزادی میں پھر جان پڑجائے ۱۹۲۰ء میں گاندھی جی آگے بڑھے اور انہوں نے ملک و قوم کو ترک موالات اور سول نافرمانی جیسے نئے ہتھیاروں سے مسلح کر دیا۔

اس کے بعد متواتر بیس سال تک ہندوستان والے حب وطن کی تحریک کو انتہائی سرگرمی کے ساتھ چلاتے رہے۔ آزادی کا پیغام ہر ہندوستانی کے گھر تک پہنچایا گیا۔ لیڈروں نے اپنے ذاتی عمل کے ذریعے عوام کو آزادی کے راستہ میں مصیبتیں اٹھانے ایثار و قربانی کا پیکر بننے اور آزادی کی لگن میں مرنے تک سے گریز نہ کرنے کی تعلیم دی۔ بڑے بڑے شہروں سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے گاؤں تک ہر جگہ عوام کو ایک سیاسی تنظیم میں منسلک کر دیا گیا۔ اس طرح ہندوستانی عوام میں سیاسی بیداری پیدا ہو گئی۔ اور وہ ایک بار پھر سیاسی وحدت بن گئے۔ اب ان

میں یکجہتی پیدا ہو گئی کہ وہ اپنے مشترکہ مقاصد حاصل کرنے کے
لئے ہم آواز اور ہم آہنگ ہو کر قدم اٹھائیں۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء
تک آٹھ صوبوں میں کانگریس کی جو وزارتیں قائم رہیں اُن سے
یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہندوستانی اپنے معاملات کا خود انتظام
کرنے کے لئے کس قدر بے چین ہیں - اور ان میں اس کام کو انجام
دینے کی کتنی زبردست اہلیت موجود ہے -

اس طرح موجودہ جنگ کے شروع ہونے تک یہ سب سامان مہیا
ہو چکے تھے - جن کی ہندوستان کی آخری جنگ آزادی لڑنے
کے لئے ضرورت تھی - موجودہ جنگ کے دوران میں جرمنی نے اپنے
ہمنوا ملکوں کی امداد سے یورپ میں ہمارے دشمنوں پر پے در پے
نہایت تباہ کن حملے کئے ہیں - اور ادھر مشرقی ایشیا میں جاپان
نے ہمارے دشمنوں کو بُری طرح شکست دی ہے - یہ حالات ہندوستان
کی جنگ آزادی کے لئے بہت سازگار ہیں - اپنی قومی آزادی
حاصل کرنے کے لئے ہندوستانی عوام کو قدرت کی طرف سے
یہ بہت عمدہ موقع مل گیا ہے -

غیر ممالک کے ہندوستانی تاریخ میں پہلی مرتبہ سیاسی طور پر
بیدار ہو چکے ہیں - اور ایک جماعتی نظام میں منسلک ہیں - وہ
ہندوستان میں رہنے والے اپنے وطنی بھائیوں کے ساتھ صرف خیالات
اور جذبات ہی میں اتحاد نہیں رکھتے بلکہ ان کے شانہ بہ شانہ

آزادی کی جنگ میں عملی طور پر شامل ہیں۔ خاصکر مشرقی ایشیا میں اس وقت بیس لاکھ سے زیادہ ہندوستانی فوجی تنظیم سے وابستہ ہیں اور ان کے سامنے جنگ آزادی کی فوج کی مثال موجود ہے جو "دہلی چلو" کے نعرہ کو عملی شکل دینے کے لئے سرگرم عمل ہے۔

برطانی حکومت نے چونکہ اپنے ظاہر دارانہ رویہ سے ہندوستانیوں کو بددل کر دیا ہے۔ اور اپنی لوٹ کھسوٹ کے ذریعہ انہیں فاقہ کشی کی حالت تک پہنچا دیا ہے۔ اس لئے اس کی بنیادیں متزلزل ہیں۔ اور ہندوستانیوں کو ان پر بالکل اعتماد نہیں رہا۔ اس ناخوشگوار حکومت کی عمارت کو خاکستر کرنے کے لئے صرف ایک چنگاری کافی ہے۔ اس چنگاری کو سلگانا ہندوستان کی آزادی کے لئے لڑنے والی فوج کا کام ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ ہندوستان کے باشندے اس فوج کی مدد دیں گے اور انگریزوں کی بنائی ہوئی فوج کا بڑا حصہ انگریزوں سے کٹ کر یقیناً جنگ آزادی کے پروانوں کا شریک کار ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے باہر اس فوج کے بہت سے طاقتور ہمدرد ممالک موجود ہیں۔ ان حالات میں ہندوستان کی آزادی کے لئے لڑنے والی فوج کو اپنی طاقت پر پورا بھروسہ ہے کہ وہ اپنی تاریخی کارنامہ کو انجام تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائے گی۔

آزادی ہند کی منزل قریب ہے۔ ہندوستانی عوام کا فرض ہے

کہ وہ اپنی ایک عارضی حکومت تشکیل دے لیں۔ اور اپنی جنگ
آزادی کی یہ آخری جدوجہد اس عارضی حکومت کے جھنڈے کے
نیچے شروع کردیں۔ لیکن ہندوستان میں چونکہ اس وقت تمام لیڈر جیل
میں جا چکے ہیں اور دوسرے وہاں عوام بالکل غیر مسلح ہیں۔ اس لئے اس
کا بالکل امکان نہیں ہے کہ یہ عارضی حکومت ہندوستان کی
سرزمین پر تشکیل پائے۔ لہذا اس کام کی ذمہ داری اب انڈین
انڈی پنڈنس لیگ پر عائد ہوتی ہے۔ جو مشرقی ایشیا میں قائم
ہے۔ اور جسے ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے تمام
محب وطن ہندوستانیوں کی ہمدردیاں حاصل ہیں۔ اس جماعت
کو آزادی ہند کی عارضی حکومت بنانا چاہئے۔ تاکہ یہ حکومت
ہندوستان کی آزادی کے لئے لڑنے والی فوج (جسے انڈین
انڈیپنڈنس لیگ نے تنظیم دی ہے۔) کی مدد سے آزادی کی جنگ
شروع کرسکے۔

مشرقی ایشیا کی انڈین انڈی پنڈنس لیگ نے چونکہ یہ عارضی
حکومت قائم کردی ہے۔ اور ہم لوگوں کو اس حکومت کا عہدہ دار
مقرر کیا ہے۔ اس لئے ہم پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ
ان فرائض کو ادا کرنے کا ذمہ لیتے ہیں جو ہم پر عائد ہوگئے ہیں۔
خالق کائنات سے دعا ہے کہ مادر وطن کی آزادی کے لئے ہماری
جدوجہد کو مقبول بنائے اور ہمیں اس کا موقع دے کہ ہم ہندوستان

کی جنگ آزادی کے سپوتوں کو آزاد کرائیں، جو ہندوستان کی
فلاح و بہبود اور دُنیا کی اقوام میں اس کی عزت بلند کرنے کے لئے
مسلسل جد و جہد میں مشغول ہیں۔
اس عارضی حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہندوستان کی سرزمین کو
انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کے منحوس وجود سے نجات دینے
کے لئے جد و جہد شروع کرے اور اس مقصد میں کامیاب ہونے
کے بعد اس عارضی حکومت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ آزاد ہندوستان
میں ہندوستانی عوام کی مرضی کے مطابق ایک مستقل حکومت
بنائے، ہندوستان کے تمام باشندوں کا اعتماد حاصل ہو جب تک
ہندوستان میں یہ مستقل حکومت قائم نہ ہو۔ یہ عارضی حکومت
ہندوستانی عوام کی امانت کے طور پر ملک کے معاملات کا انتظام
کرے گی۔ ان حالات میں عارضی حکومت کو یہ حق کہ وہ ہر ہندوستانی
سے اطاعت و فرمانبرداری کا مطالبہ کرے۔ عارضی حکومت مذہبی
آزادی اور تمام شہریوں کے لئے مساوی حقوق اور مواقع کی ضمانت
لیتی ہے۔ وہ اپنے اس مستحکم ارادے کا اعلان کرتی ہے کہ ہندوستانی
قوم کے ہر حصے کی خوشی اور خوشحالی کے لئے جد و جہد کرے گی اور
قوم کے تمام سپوتوں کے لئے ترقی کے مواقع بہم پہنچائے گی۔ یہ
عارضی حکومت ان تمام اختلافات کو ختم کر دے گی جو غیر ملکی حکومت
نے نہایت عیاری کے ساتھ ہندوستانی سرزمین میں پیدا کر دیئے ہیں۔

پروردگار کے نام پر، ان نسلوں کے نام پر جنہوں نے ہندوستانی باشندوں کو ایک قوم کا درجہ عطا کیا ہے، نیز ان شہیدوں کے نام پر، جو ہمارے لئے بہادری، ایثار و قربانی کی مثال چھوڑ گئے ہیں، ہم تمام ہندوستانیوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہمارے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں۔ اور ہندوستان کی آزادی کے لیے جدوجہد کریں۔ ہم انہیں انگریزوں اور ان کے ان تمام ہمدردوں کے خلاف جو ہندوستان میں موجود ہیں۔ ایک آخری جنگ لڑنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور ان سے یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ اپنی یہ جنگ بہادری و استقلال کے ساتھ جاری رکھیں گے اور یقین و ایمان کو کبھی متزلزل نہ ہونے دیں گے کہ آخری فتح انہیں کی ہو گی ہماری یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک سرزمین دشمنوں سے خالی نہ ہو جائے۔ اور ہندوستانی قوم ایک مرتبہ پھر آزادی کی فضا میں سانس لینے لگے۔

عارضی حکومت ہند کی طرف سے مذکورہ اعلان پر مندرجہ ذیل حضرات نے دستخط ثبت کئے ہیں:۔

۱ نیتاجی سوبھاش چندربوس (صدر حکومت، وزیر اعظم، وزیر جنگ و وزیر امور خارجہ)

۲ کیپٹن مسز لکشمی (ویمنز آرگنائزیشن)

۳ ایس۔ اے۔ امیر (نشر و اشاعت و پروپگنڈا)

۴ لفٹنٹ کرنل چٹرجی (وزیر مالیات)

(۵) لفٹنٹ کرنل عزیز احمد
(۶) " " این ایس بھگت
(۷) " " جے کے بھونسلے
(۸) " " گلزار سنگھ
(۹) " " محمد زمان کیانی
(۱۰) " " اے ڈی لوگا ناتھن
(۱۱) " " احسان قادر
(۱۲) " " شاہ نواز
(۱۳) وزیر اے ایم سہائے
(۱۴) مشیر اعلیٰ - راس بہاری بوس
(۱۵) مشیر کار - کریم غنی
(۱۶) " - دیبی ناتھ داس
(۱۷) " - ڈی - ایم خان
(۱۸) " - اے - ایلپا
(۱۹) " - جے تھیوی
(۲۰) " - سردار ایشر سنگھ
(۲۱) " - اے این سرکار

عارضی حکومت آزاد ہند کی پالیسی

اس کی پالیسی کا ایک مجمل خاکہ عارضی حکومت کی تشکیل کے بعد والے اعلان میں نظر آتا ہے - پھر بھی اس کے دور حکومت کے اعمال ناموں سے جو اندازہ لگایا جا سکتا ہے - وہ مختصراً عرض کر دینا ازدیاد معلومات کے لئے ضروری ہے - مشرقی ایشیائے اعظم کے ہندوستانیوں کی وحدت قومی کا استقرار - ان میں فوجی تعلیم و تنظیم پیدا کرنا - ان میں خودداری اور خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کرنا - قربانی اور ایثار کا بلند معیار بنانا - قومی اور وطنی خدمات پر ہر ایک کو آمادہ کرنا - ان میں دفاعی اسپرٹ کے ساتھ ساتھ عزت و حرمت سے زندگی بسر کرنے کا ولولہ پیدا کرنا - جاپانیوں کے مظالم سے ہندوستانیوں کو

بچا لینا۔ ان کی جائداد اور دولت کی حفاظت کی ذمہ داری لینا۔ جاپان کا قرضدار نہ بنتے ہوئے اس قومی تحریک کو صرف ہندوستانیوں ہی کے بل بوتے پر چلانا اور ان کی قربانیوں سے ہندوستانیوں کو آزاد کرانا اس کا نصب العین رہا ہے۔ الغرض مشرقی ایشیائے اعظم میں ہندوستانیوں کو حقیقی معنوں میں ہندوستانی بنانا اور ان کی قومیت کا احترام دوسری قوموں سے کرانا ہی عارضی حکومت آزاد ہند کا مقصد حیات تھا۔ اور اسی پالیسی کے پیش نظر نیتاجی سوبھاش چندر بوس نے ہندوستانیوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔

عارضی حکومت آزاد ہند کی تصدیق

یہ حکومت قانونی حیثیت سے ایک مسلمہ حکومت تسلیم کر لی گئی۔ دنیا کی آزاد اور طاقت ور حکومتوں نے بھی اس کے قانونی وجود کو تسلیم کر لیا۔ حکومت جاپان۔ جرمنی۔ اٹلی۔ بلغاریہ۔ ارجنٹائن۔ حکومت برما۔ منچوریا فلپائن۔ تھائی لینڈ۔ سویڈن۔ اسپین۔ سلواکیا۔ کروشیا۔ نے اس کے ساتھ روابط سیاسی قائم کرنے کے لئے سفراء کا تبادلہ بھی منظور کیا تھا اس کے علاوہ مشرقی ایشیائے اعظم کے تمام ہندوستانی بلا لحاظ مذہب وملت اس کے پشت وپناہ تھے۔

جزیرہ انڈمان اور نیکوبار

عارضی حکومت آزاد ہند کی تشکیل کے بعد بین الاقوامی قوانین کی رو سے جب یہ سوال اٹھایا گیا کہ حکومت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے قبضہ اقتدار میں ملک ہو اور ایسی زمین ہو جس پر اس کا تسلط قائم ہو۔ اس سوال کے پیش نظر

حکومت جاپان نے ہندوستان سے متعلق جزیرۂ انڈمان اور نیکوبار
عارضی حکومت آزاد ہند کے زیر اثر کر دیا اور ایک شاہی فرمان کے ذریعے
دونوں جزیرے اس کے حوالے کر دیئے۔ اب قانونی حیثیت سے کوئی کمی
بھی باقی نہ رہی اور یوں عارضی حکومت آزاد ہند ایک ذمہ دار حکومت
مانی جانے لگی ——— اس کے بعد میجر جنرل لوگاناتھن ان دونوں
علاقوں کے افسر اعلیٰ یعنی گورنر کی حیثیت سے مقرر کئے گئے تھے۔ اور
انڈمان کا نام شہید اور نیکوبار کا نام جزیرہ سوراجیہ رکھا گیا ———
گورنر صاحب کی امداد کے لئے میجر علوی وزیر تعلیم۔ کپتان صوبہ سنگھ
وزیر ریونیو۔ کپتان اقبال وزیر محکمہ پولیس مقرر کئے گئے۔

عارضی حکومت آزاد ہند کے مالی وسائل

تحریک کو کامیابی سے چلانے کے لیے نیتاجی
سختی سے اس کے مخالف تھے کہ حکومت
جاپان سے کسی قسم کا قرض لیا جائے۔ وہ ہمیشہ
اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس کی مخالفت کرتے رہے ان کا قول تھا کہ جاپانیوں
کا قرضدار بننے کے دوسرے معنی ہندوستان کو غلامی میں جکڑ دینے کے ہیں۔
جاپانیوں سے خواہ ہماری کیسی ہی دوستی کیوں نہ ہو ہم یہ نہیں چاہتے کہ
اس سے کسی قسم کی مالی امداد حاصل کر کے اس کے سامنے ہندوستان کے
وقار کو صدمہ پہنچائیں۔ البتہ جو چیزیں کہ مہیا کرنا ہمارے حیطۂ امکان کے باہر
ہو مثلاً ہتھیار گولہ بارود وغیرہ ایسی چیزیں بھی ہم ان سے خرید کر حاصل کریں گے
جب یہ حالت تھی تو یہ کہنا کس قدر بے جا ہے کہ عارضی حکومت آزاد ہند

جاپانیوں کے رحم و کرم پر نجہ رہی تھی ——— اس کے اخراجات و بجٹ خاص ہندوستانیوں کی قربانیوں اور ایثار کے مرہون منت تھے۔ انہی کی جیب خاص سے اس کی ضروریات پوری ہوتی رہتی تھیں۔ اس کا

ہر فرد مجسمہ ایثار تھا۔ کفایت شعاری سے تمام فوجی اور سویلین اہلکار گذر بسر کرتے تھے۔ مگر بہت ہی خودداری۔ بڑی شان اور ٹھاٹھ کے ساتھ اپنے "دال دلیہ" میں خوانِ یغما کا لطف حاصل کرتے تھے۔ اور اپنی "فقیرانہ کملی" میں ایسے مست نظر آتے تھے۔ کہ شاہوں کا جلال ان کی نظروں میں نہ جچتا تھا۔ ——— خود جاپانی ان کے لباس اور ان کا ظاہر اٹیپ ٹاپ دیکھ کر محوِ حیرت تھے کہ عارضی حکومت اور یہ آن بان! یہ صرف ان کے اخلاص اور سچی حب الوطنی کا کرشمہ تھا کہ وہ عزت و آبرو کے ساتھ مصیبتوں کے دن کاٹ رہے تھے۔

افسرانِ فوج کی تنخواہ یا جیب خرچ

جاپانی فوجیوں کے مقابلے میں اگر دیکھا جائے تو ان کو جو رقمیں تنخواہ یا جیب خرچ کے لئے ملا کرتی تھیں۔ وہ بہت زیادہ تھیں مگر برطانوی فوجی تنخواہوں کے معیار پر یہ رقمیں بہت ہی قلیل تھیں۔ اور وہ بھی اس زمانے میں جب کہ کرنسی کی قیمت سستی اور ضروریات زندگی مہنگی ہوتی چلی جا رہی تھیں ——— تنخواہوں کا مقررہ معیار حسب ذیل تھا:۔

سکنڈ لفٹننٹ اسی روپے کیپٹن سب افیسر ایک سو بیس روپے

لفٹننٹ	سو روپے	میجر	ایک سو اسی روپے
لفٹننٹ کرنل	تین سو روپے	کرنل	چار سو روپے
میجر جنرل	پانسو روپے		

نیتاجی سوبھاش چندر بوس کے ذاتی مصارف

کیمپ اور یونٹوں میں افسرانِ فوج اور سپاہیوں کے لئے جو کچھ معمولی کھانا پکتا تھا۔ وہی آپ کے لئے بھی ہوا کرتا تھا۔ بعض مخلص اگر کوئی اچھوتی قیمتی چیز تحفۃً بھیجدیا کرتے تھے۔ وہ بھی آپ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کردیا کرتے تھے۔ حکومت کے صدر اور فوج کے سپریم کمانڈر کی حیثیت کے سوا کوئی خاص امتیاز آپ کے لئے روا نہیں رکھا گیا تھا۔

نیتاجی کی سواری

اکثر و بیشتر سواری کے سلسلے میں آپ کو تکلیف ہوتی رہتی تھی۔ آپ کی موٹر پوری طرح کام نہیں دیتی تھی۔ جس سے بعض وقت کام میں رکاوٹ پیدا ہوتی تھی۔ کانتینہ نے نئی موٹر خریدنے پر اصرار کیا۔ آرڈر دے دیا گیا۔ مگر جب بل پیش ہوا تو سینتالیس ہزار روپیہ کی رقم تھی۔ آپ نے فرمایا کہ "قوم کے پیسے اس بیدردی سے صرف کرنا میں گناہ سمجھتا ہوں۔ یہ خطیر رقم میں اپنی سواری پر صرف نہیں کرسکتا۔ یہ کہکر آپ نے موٹر واپس کردی۔ اتفاق سے وہاں شیخ محمد بشیر صاحب بھی آگئے جب انہوں نے یہ معلوم کیا تو فوراً ایک چیک لکھ دیا اور اپنی طرف سے تحفۃً موٹر نیتاجی کی خدمت میں پیش کردی، مگر پھر بھی انہیں اتنی بڑی رقم کا افسوس ہی رہا۔

بنگال کے قحط زدگان کیلئے

عارضی حکومت کی پیشکش

آزاد ہند کی عارضی حکومت نے بنگال کے قحط زدگان کے لئے ۲ لاکھ من چاول کی پیشکش حکومت برطانیہ کی وساطت سے کی۔ اور سنگاپور ریڈیو نے اس کو نشر کیا۔ نیتاجی نے فرمایا "اگر برطانیہ نیک نیتی سے ہماری اس امداد کو قبول کرے اور جہازوں کی سلامتی کی ضمانت دے تو ہم چاول روانہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔" جس پر دہلی ریڈیو نے جوابا نیتاجی کا مذاق اڑایا تھا۔ یہ پیشکش ٹھکرا کر لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتر جانا پڑا تھا۔ اور ایک لاکھ ٹن چاول لینے کے عوض برطانوی بمباروں نے تقریباً ایک ہی لاکھ ٹن بم برسا کر یہاں بھی وہی جان لیوا کھیل کھیلا

نیتاجی کی ایک تقریر

مشرقی ایشیا میں نیتاجی کی تشریف آوری نے آزاد ہند تحریک کے لئے ہندوستانی تھیلیوں کے منہ کھلوا دیئے۔ ہر طرف سے ہن برسنے لگا۔ باوجود اس کے تحریک کے لئے بہت زیادہ ایثار و قربانی کی ضرورت تھی جس کے پیش نظر نیتاجی نے ہندوستانی تاجروں کے جلسے میں حسب ذیل تقریر کی تھی۔

"آپ لوگ دیکھتے ہوں گے۔ بہت سے ہمارے بھائیوں نے

آزاد ہند فوج کے لئے رضا کارانہ خدمتیں پیش کی ہیں اور وہ اس وقت جنگی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان میں نہ جانے کتنے لوگ ایسے ہوں گے جو خوش قسمت ہوں گے اور ہندوستان کی آزادی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں گے لیکن ان کی تیاری صرف اس لئے ہے کہ اپنے خون کا آخری قطرہ وطن کو آزاد کرنے کے لئے بہادیں اور سرخرو ہوکر آزاد ہندوستان میں داخل ہوسکیں۔ اور اس راہ میں قربان ہوجائیں۔ پسپائی اور گریز کا ان کے پاس کوئی پروگرام نہیں۔ ایسی حالت میں جب کہ اپنی جانوں پر کھیلنے والے آزاد ہند کے بہادر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہاکر وطن کی راہ میں آگے ہی بڑھنے کی تمنا رکھتے ہیں۔ تو پھر ہمارے دولتمند ہندوستانیوں کو کیا ہوگیا ہے جو وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم اپنی دولت کا پانچ یا دس فیصدی حصہ دیں گے۔ میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ ہمارے بہادر سپاہی بھی اگر یہی کہیں کہ ہم بھی جنگ آزادی کے لئے اپنے خون کا پانچ یا دس فیصدی حصہ دیں گے تو کس قدر عجیب اور مضحکہ خیز بات ہوگی۔ فیصدی کا حساب کرنے والوں کو ذرا اس پر غور کرنا چاہیے۔ غریب لوگ ہمارے پاس تن من دھن سب کچھ نچھاور کرنے پر تیار ہو کر آتے ہیں اور بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ آتے ہیں۔ ہندوستانیوں کا وہ غریب طبقہ۔ دھوبی۔ نائی چوکیدار گوالے اور پھیری والے اور چھوٹے چھوٹے دکانداروں کا طبقہ ہے جو اپنا سب کچھ دے کر خود بھی رضاکارانہ اپنی خدمات دیتا ہے۔ بعض تو ایسے لوگ بھی میرے پاس آئے جنہوں نے اپنی جیبیں تک خالی کردیں اور سیونگ بینک کی کتاب تک میرے سامنے رکھ دی۔ جو اُن کی تمام زندگی کی کمائی تھی۔ یہ سب

دے چکنے کے بعد وہ آزاد ہند فوج میں داخل ہو گئے۔

کیا ملایا میں ایسے دولت مند ہندوستانی ہیں؟ جو یہ کہیں کہ وطن کو آزاد کرانے کے لئے یہ بینک کی کتاب اور ہماری یہ کل پونجی حاضر ہے! ہندوستانی قوم! قربانی پر عقیدت رکھنے والی قوم ہے۔ ہندوؤں میں کتنے دولت مند لوگ سنیاسی ہو گئے۔ اور مسلمانوں میں کتنے امیر فقیر ہو گئے۔ جنہوں نے دنیاوی عیش و عشرت کو ایک مقصد کے لئے چھوڑ دیا۔ تو پھر بتائیے کہ کیا اس سے زیادہ اور کوئی اچھا مقصد ہے؟ اور کیا آج سے زیادہ کوئی اور مناسب وقت آئے گا؟ ۳۸ کروڑ ہندوستانیوں کی آزادی سے زیادہ کوئی اور مقدس کام نہیں ہو سکتا! جس کے لئے آپ انتظار کریں۔ میں اس متبرک کام کے لئے ملایا سے دس کروڑ روپے چاہتا ہوں۔ جو ہندوستانیوں کی جائداد کا صرف دس فی صدی ہے —— وقت کو پہچانو اور مقصد کے لئے قربانی کرو۔"

Rani of Jhansi on the March



عورتوں کی فوج

عورتوں کی فوج نیتاجی کا عقیدہ تھا کہ "جس طرح مردوں کا پیدائشی حق آزادی ہے اسی طرح عورتوں کا بھی اس فطرتی حق سے محروم کیا جانا ایک گناہ عظیم ہے۔ جب تک طبقہ اناث جنگ آزادی میں شریک نہیں ہوتا۔ اس وقت تک ہندوستان کو آزادی نہیں مل سکتی۔"

تاریخ عالم کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ آزادیاں حاصل کرنے کے لئے عورتیں مردوں کے مقابلے میں کسی طرح کم نہیں رہیں۔ یہ دیکھکر آپ نے عورتوں کی بھی ایک فوج تیار کرنے کا عزم بالجزم کر لیا۔ اور اس میں نمایاں کامیابی حاصل کر لی۔ چنانچہ انہوں نے عارضی حکومت کے قیام کے بعد ۲۲ر اکتوبر کو باقاعدہ یہ فوج تیار کر لی۔ اور اس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"بہنو! ہندوستان کی عورتیں مردوں سے کسی حالت میں بھی

کسی وقت پیچھے نہیں رہیں - انہوں نے باقاعدہ بڑی بڑی حکومتیں چلائی ہیں اور نہایت عقلمندی اور سلیقہ مندی سے انتظامات ملکی کی اصلاح میں حصہ لیا ہے - اور ایسی ایسی شاندار روایتیں قائم کی ہیں - جن کی مثال صفحۂ تاریخ میں کم یاب ہیں - مہاراشٹرا کی اہلیہ بائی - بنگال کی رانی بھوانی - رضیہ سلطانہ بیگم - نورجہاں وغیرہ کے نام تاریخ میں روشن ہیں - اور وہ اپنی اولوالعزمی کا سکہ دُنیا سے منوا رہی ہیں - ان کی لیاقت اور ان کی بہادری پکار پکار کر دُنیا کو اپنی طرف مخاطب کر رہی ہے -

رانی آف جھانسی سے آپ کو انقلابی زندگی کی بہترین مثال ملے گی بیس سال کی عمر میں انہوں نے جس جرأت و ہمت کا ثبوت پیش کیا ہے اس کی مثال ملنی دشوار ہے - عورت ہو کر اس کمسنی میں جس بہادری سے انہوں نے مردوں کا مقابلہ کیا اور برہنہ شمشیر لے کر ان پر ٹوٹ پڑیں - اس کا اعتراف خود انگریزی فوج کے کمانڈر تک کرنے پر مجبور ہوئے ہیں - ان کے بے پناہ جذبۂ وطنی کو - ان کی بہادری اور بڑھے ہوئے حوصلے کی دشمنوں تک نے داد دی ہے -

یہ غلط ہے کہ رانی جھانسی کو شکست ہوئی! کون کہتا ہے انہیں شکست ہوئی؟ ان کی اسپرٹ اب بھی موجود ہے - ان کی قربانیاں اب بھی زندہ ہیں - ۱۹۲۱ء کی تحریک عدم تعاون میں عورتوں

نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ ملک کی ہر ایک انقلابی تحریک ان کی مرہون منت رہی بلا مبالغہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ عورتوں نے قومی کاموں میں نہایت اہم خدمتیں انجام دی ہیں کوئی کام ایسا نہیں جس میں عورتیں پیش پیش نہ ہوں۔ برطانوی سنگینوں کے سائے تلے گاؤں گاؤں پیدل جا جا کر تقریریں کرنا۔ اور گھر گھر آزادی کا پیغام پہنچانا۔ انتخابی مہموں میں سرگرمی دکھانا۔ ظالم پولیس والوں کی سختیوں کا مقابلہ کرنا۔ ان کی لاٹھیاں کھانا۔ قید و بند کی مصیبتیں برداشت کرنا۔ ہنسی خوشی وطن کے لئے تکلیفیں اٹھانا۔ ان کا معمولی کام رہا ہے۔ اگر میں اپنے پختہ تجربے کی بنا پر آپ بہنوں پر بھروسہ کروں۔ تو غلطی نہیں ہوگی —— تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا میں حکومتیں بنتی بھی ہیں اور بگڑتی بھی ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب برطانوی سامراجی حکومت یہاں کی طرح ہندوستان اور دنیا کے دوسرے حصوں سے بہت جلد ختم ہو جائے گی۔

اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ بندوق چلانا عورتوں کا کام نہیں۔ تو میں اس سے کہوں گا کہ وہ تاریخ کا مطالعہ کرلے۔ کہ رانی جھانسی نے ۱۸۵۷ء کی ہماری پہلی انقلابی جنگ میں کس قدر نمایاں کام کیا ہے۔ یہ وہ پہلی ملکہ ہے جس نے ننگی شمشیر سونتے ہوئے فوج کی رہنمائی کی تھی۔

ہمارا فرض ہے کہ جو کام کہ شروع ہو چکا ہے۔ اسے پھر جاری کریں اور مردہ روایت کو پھر زندہ کریں۔ ہمیں اس جنگ میں ایک رانی جھانسی کافی نہیں بلکہ ہزاروں رانیوں کی ضرورت ہے۔ اس لئے میں آپ بہنوں سے اپیل کروں گا کہ وہ خود کو صحیح معنوں میں رانی جھانسی ثابت کرتے ہوئے اسی بہادری

حوصلہ مندی اور حب الوطنی کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں تاکہ دنیا پھر ایک بار محو حیرت ہو جائے۔

رانی جھانسی رجمنٹ کی تشکیل

عجیب اتفاق ہے کہ لکشمی بائی آف جھانسی کی ہم نام ڈاکٹر لکشمی بائی رانی جھانسی رجمنٹ کی کمانڈر مقرر ہوئیں۔ اس بہادر عورت نے اپنی رجمنٹ کی اس باقاعدگی سے تنظیم کی جو قابل تعریف ہے۔ اس فوج کا ڈسپلن صرف دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ تحریر یا تقریر میں اس کے متعلق کچھ کہنا بے سود ہے۔ ڈاکٹر لکشمی اور اُن کی اسسٹنٹ مسز مکرجی اور مس پانڈے نے اس رجمنٹ کو اس قابل بنا دیا تھا کہ جسے دیکھ کر دشمنوں کے پتے پانی ہو جائیں۔

فوجی نمائش میں جب یہ فوج بائنٹ چارج کرنے کی مشق کرتی تھی تو دیکھ کر اچھے اچھے سپاہی عش عش کرنے لگ جاتے تھے۔ پہلے پہل تو یہ پروپگنڈا اور نرسنگ وغیرہ کے لئے استعمال ہوتی رہیں۔ اس کے بعد فوجی خدمات کی اجازت ملنے پر بھی انہوں نے فرنٹ پر بھی محیر العقول کام کئے تھے۔

رانی جھانسی کیمپ

رنگون میں باقاعدہ ٹریننگ کے لئے کیمپ کھول دیا گیا تھا۔ کیمپ میں برابر زنانہ گارڈ متعین رہتا تھا۔ دو دفعہ ٹریننگ ہوا کرتی تھی۔ نیتاجی کے ہر جلسے میں گارڈ آف آنر بھی اس رجمنٹ کی طرف سے پیش ہوتا تھا۔

نیتاجی سے جنگ کی اجازت طلبی

ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جب اس رجمنٹ

کی بعض بہادر عورتوں نے کیپٹن لکشمی کے توسط سے نیتا جی سے محاذِ جنگ پر جانے کی اجازت طلب کی تھی۔ اور اپنے خون سے لکھی ہوئی ایک تحریر بھیجی تھی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

"آپ کے فرمان کے مطابق مرد اور عورتیں دونوں مساوی ہیں۔ آپ نے ہمیں لڑنے اور ہتھیار استعمال کرنے کی ٹریننگ بھی دی ہے ہمیں اب تک ہسپتالوں سے باہر نہیں نکالا گیا۔ ہم میدانِ جنگ میں وطن کی خدمت کرنا چاہتی ہیں۔ ہم آپ کو اس بات کا یقین دلاتی ہیں کہ ہم مردوں سے زیادہ لڑنے اور مشکلات برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتی ہیں۔ اور ایک مرتبہ قدم اٹھانے کے بعد پیچھے ہٹنا ہمارا دھرم نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں محاذِ جنگ پر جانے کی اجازت ملنی چاہئے۔"

ڈاکٹر لکھشمی

عمر ۲۲ سال۔ آپ مدراس کے ایک معزز خاندان کی نور نظر ہیں۔ آپ کے والد ایک مشہور قانوندان بیرسٹر تھے۔ دورانِ تعلیم ہی میں باپ کا سایہ سر سے جدا ہو گیا۔ مدراس میں یہ خاندان ایک علم دوست خاندان کی حیثیت سے مشہور رہا ہے۔ مسز سروجنی نائڈو جیسی مشہور عالم قابل خاتون کے فیض صحبت سے یہ خاندان اکثر و بیشتر فیضیاب ہوتا رہا۔ والد کے انتقال کے بعد ان کی والدہ شریمتی رمولا بائی نے ڈاکٹر لکشمی کی تعلیم کو جاری رکھا اور اس پر خاص توجہ مبذول کی۔ یہ اسی اعلیٰ تعلیم اور بہترین سوسائٹی کا نتیجہ تھا کہ ان میں ایسی روشن خیالی پیدا ہو گئی۔ آپ

نے خدمت خلق کے جذبے کے پیش نظر طبی تعلیم حاصل کی۔ اور کچھ عرصے کے لیے مزید تجربات حاصل کرنے کیلئے انگلستان کا سفر بھی کیا۔ لکشمی باٹی ناز و نعم میں پلی ہوئی خاتون ہیں۔ مگر بنگلور کے ایک ہوا باز نوجوان سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو کر ناچاقی کی بنا پر دور دراز کے سفر پر آمادہ ہو گئیں اور ۱۹۴۰ء میں سنگاپور پہنچ کر ڈاکٹری کی پریکٹس شروع کر دی — ملایا پر جب جاپانیوں کا تسلط ہوا تو وہ سنگاپور ہی میں مقیم تھیں۔ آپ میں تعلیمی روشن خیالی اور مشاہیر کی صحبتوں کی وجہ سے خدمت قومی کا جذبہ۔ حب الوطنی کی لگن پہلے ہی سے موجود تھی۔ بھلا ایسا نادر موقع ان کے ہاتھ سے کب جا سکتا تھا پہلے تو تحریک کا سرسری طور پر مطالعہ کرتی رہیں۔ مگر نیتا جی سوبھاش چندر بوس کی آمد نے کلیتہً اسی تحریک کے لئے سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ کر دیا اور اس طرح تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گیا۔

رانی جھانسی رجمنٹ کی تعداد اور وردیاں

عورتوں کی اس رجمنٹ کی تعداد قریب پندرہ سو تھی جن کی بارکیں علیحدہ تھیں۔ اور جن کا کلی انتظام ویمنز ڈیپارٹمنٹ کے حوالے تھا۔ سپریم کمانڈ ان کی فوجی تربیت وغیرہ کی ذمہ دار تھی۔ ویمنز ڈیپارٹمنٹ کی انچارج مسز نگرجی اور مسز پانڈے تھیں۔

وردی۔ ترچھی ٹوپی۔ برجس اور پوری پتلون — یہ فوج بھی پورے ہتھیاروں سے مسلح تھی۔ رائفل اور سنگین کی مشق میں خوب مہارت پیدا کر لی تھی — باقاعدہ مارچنگ اور فوجی پریڈ میں ان کا ڈسپلن قابل دید تھا۔

کیپٹن ڈاکٹر لکشمی ۔ نیتا جی کے آخری فرمان کے مطابق جس میں فوجیوں کے عہدوں میں ترقی دی گئی تھی۔ لفٹننٹ کرنل کے عہدے کی مستحق قرار پاتی ہیں۔

ویمنز ڈیپارٹمنٹ کی فرمائش پر راقم الحروف نے رانی جھانسی کے لئے ایک نظم تحریر کی تھی جو حسب ذیل ہے:۔

رانی جھانسی

(از لسان القوم معلم مشتاق راندیری)

شیروں سے وہ لڑنے والی
موت کو بس میں کرنے والی
بھول میں رنگت بھرنے والی
ایک خدا سے ڈرنے والی
قلعوں کو سر کرنے والی
رانی جھانسی آتی ہے ـــــ رانی جھانسی آتی ہے

دُنیا سے وہ مُنہ کو موڑے
عیش کا ساز و ساماں توڑے
ظلم و ستم کا پنجہ مروڑے
پریم کا رشتہ ملک سے جوڑے
ہاتھ میں لیکر نیائے کے کوڑے

رانی جھانسی آتی ہے ــــ رانی جھانسی آتی ہے

مردوں کو شرمانے والی
ٹھنڈے دل گرمانے والی
توپوں میں گھس جانے والی
جیت سندیسہ لانے والی
نیا جگت سجانے والی

رانی جھانسی آتی ہے ــــ رانی جھانسی آتی ہے

آگ کی جب دم برکھا برسے
کھیلیں جب رن ویر سر سے
شیر بھی جب چھپ جائیں ڈر سے
باندھ کفن یہ نکلے گھر سے
کھینچ کے ہندی تیغ کمر سے

رانی جھانسی آتی ہے ــــ رانی جھانسی آتی ہے

کیمپ میں دشمن کانپ رہا ہے
پتہ پانی سب کا ہوا ہے
حیرت میں ہر ایک پڑا ہے
دشمن نے یہ جب سے سنا ہے
چار طرف ایک شور مچا ہے

رانی جھانسی آتی ہے ــــ رانی جھانسی آتی ہے

ملک کی خدمت جان ہے اس کی

قوم کی سیوا آن ہے اُس کی
لڑنا مرنا شان ہے اُس کی
ہر مشکل آسان ہے اُس کی
دیس پہ جان قربان ہے اُس کی
رانی جھانسی آتی ہے — رانی جھانسی آتی ہے

مرد بھی اس سے شرما جائے
شیر بھی اس سے لرزہ کھائے
دشمن اس سے جان چُرائے
لڑنے میں وہ آفت ڈھائے
دشمن کو یہ مار بھگائے
رانی جھانسی آتی ہے — رانی جھانسی آتی ہے

دشمن اس کا لوہا مانے
رستم اس کو ویر جانے
سینے پہ وہ گولی کھانے
دیش کی دیپک جوت جگانے
مشتاق کی سب کو گیت سنانے
جاتی ہے آزادی دلانے
رانی جھانسی آتی ہے — رانی جھانسی آتی ہے

عارضی حکومت آزاد ہند کے قیام کے بعد نیتا جی کی تقریر

ہندوستان میں گزشتہ چند ماہ سے جو حالات اور شورشیں رونما ہیں وہ ہمارے مقاصد کے لئے سازگار ہیں۔ ہم نے یہ مانا کہ اس عرصے میں ہندوستانیوں کو زیادہ سے زیادہ دکھ اور مصیبتیں بھی سہنی پڑیں۔ ان مصیبتوں میں ایک قحط کی بلا بھی ہے۔ یوں تو ہندوستان میں ہر جگہ ہی قحط اور کال ہے۔ جس نے مادر وطن کے بچوں کا حال بد سے بدتر بنا دیا ہے۔ مگر صوبہ بنگال پر اس کا بہت ہی برا اثر پڑا ہے۔ اور وہ قابل رحم حالت میں قحط کی بلا میں پھنس کر تباہ ہو رہا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس بات پر غور کرنے کے بعد پتہ چلے گا کہ اس قحط سالی اور بھوک کی سب سے بڑی وجہ خود برطانیہ ہے۔ جس نے اپنے جنگی اغراض کے لئے ہندوستان میں لوٹ مچا رکھی ہے۔ ذخیرہ اجناس اور غلے کی پیداوار کو کھینچ لینے کی "قزاقانہ" پالیسی مسلسل چار برس سے جاری ہے۔ آپ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہوگا کہ میں نے آزاد ہند لیگ کی طرف سے ایک لاکھ ٹن چاول بنگال کے قحط زدگان کی امداد بھیجنے کی پیشکش کی تھی۔ اور برطانیہ کو بلا معاوضہ بغیر کسی شرط کے پہلی قسط روانہ کرنے کے لئے اپنا ارادہ بتایا تھا۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے صرف ہندوستان کے باہر والے ہندوستانیوں کی یہ امداد منظور ہی نہیں بلکہ اس کے جواب میں آزاد ہند لیگ اور خود مجھے پیٹ بھر کر گالیاں دی گئیں یہ ہے برطانیہ کی رعایا پروری۔ اور یہ ہے "بھوک مروں" کے ساتھ انکا سلوک!

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں نے گزشتہ ماہ جولائی کے بعد ملایا

تھائی لینڈ۔ برما۔ انڈوچائنا وغیرہ کا دورہ کیا تھا اور ہندوستانیوں کا وہ بڑھتا ہوا جوش خروش دیکھا جو صرف نمائش اور حوصلہ افزائی کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ اس نے آزاد ہند کی تحریک پر میرے یقین اور اعتماد کو بہت مضبوط کردیا ہے۔ ہمیں بہت کچھ کام کرنا ہے۔ ہم لوگوں کو صرف موجودہ جنگ ہی کے متعلق اسکیمیں نہیں بنانی ہیں۔ بلکہ جنگ کے بعد ہندوستان کے لئے کون کون سا تعمیری کام کرنا ہے۔ اس پر بھی ہم غور کر رہے ہیں۔ جب انگریز اور امریکن ہندوستان چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اس وقت ہندوستان کی کیا حالت ہو گی؟ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے۔ جس کے لئے ہم نے ایک "تعمیر نو" کا محکمہ ان تعمیرات کے لئے بنایا ہے۔ جو سیاسی اقتصادی اور معاشی اعتبار سے ضروری ہیں۔ اور جن کے لئے ہم ایسے ورکر اور کام کرنے والے بھی تیار کر رہے ہیں۔

جلد سے جلد ہندوستان کی خستہ حالی کو دور کرنے کے لئے تعمیری کام شروع کردیں۔ ہم کسی حالت میں بھی غافل نہیں ہیں اور کسی کام کو ادھورا چھوڑنا نہیں چاہتے خواہ وہ موجودہ جنگ آزادی کے متعلق ہو یا آزادی حاصل کر لینے کے بعد کا تعمیری پروگرام ہو۔ ہمارے پیش نظر دونوں صورتیں ہیں اور بہت کچھ کام ہے۔

میری دلی خواہش تھی جو قدرتاً بھی مناسب تھی کہ آزادی کی یہ آخری جنگ ہندوستان کی طرف سے لڑی جاتی اور ہندوستان ہی میں عارضی حکومت آزاد ہند کا قیام ہوتا۔ مگر ایسا ہونا دشوار ہے۔ کیونکہ ہمارے مخلص

اور تمام سچے رہنما جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے ہیں اور یہ ناممکن سا ہو گیا ہے کہ موجودہ حالات میں ہندوستان کے اندر سے کوئی جنگی کارروائی شروع ہو۔ ایسی حالت میں یہ فرض ہم پر عائد ہو گیا ہے کہ مشرقی ایشیا میں رہنے والے ہندوستانی اپنے وطن کی آزادی کے پاک مقصد کے لئے جدوجہد کریں ہمیں یقین واثق ہے۔ جب ہماری فوجیں ہندوستانی سرحد کو عبور کر کے ہندوستان میں داخل ہوں گی اور آزادی کا جھنڈا نصب کریں گی۔ اس وقت ہندوستان میں حقیقی انقلاب ہو گا اور وہی انقلاب ہندوستان میں برطانوی حکومت کا خاتمہ کر دے گا ـــــــ ہندوستان کی سرحدوں کو عبور کرنے اور اس میں داخل ہونے میں ذرا برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ آزاد ہند فوج کے قیام نے اس تخیل کو حقیقت بنا دیا ہے۔ اور مشرقی ایشیا میں آزادی ہند کی تحریک بہت ہی موثر اور کامیاب ہو گئی ہے۔ اور پھر آزاد ہند فوج سے اس میں اور بھی جان پڑ گئی۔ اگر آزاد ہند فوج کی تشکیل نہ ہوتی تو مشرق میں آزاد ہند لیگ محض پروپگنڈا کمیٹی بن کر رہ جاتی۔ فوج کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ ایک عارضی حکومت کا قیام بھی عمل میں لایا جائے ـــــــ اب یہ کام بھی پورا ہو گیا۔ اور آزاد ہند لیگ کی بدولت عارضی حکومت آزاد ہند بھی بن گئی ہے۔ جس کا مقصد اپنی فوجوں کے ساتھ ہندوستان کو آزاد کرنے کے لئے جنگی کارروائیاں شروع کر دینا ہے۔

آزاد ہند حکومت کو قائم کرنے میں ہم نے غلطی نہیں کی۔ ہم تاریخی تجربات حاصل کرنے کے بعد اس کی مثالوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں

آئرلینڈ ہی میں عارضی حکومت قائم کی گئی تھی۔ گذشتہ جنگ عالمگیر میں زیک قوم نے بھی ایسی ہی حکومت بنائی تھی۔ اور ترکوں نے بھی مصطفے کمال پاشا کی سرکردگی میں ایسی ہی ایک عارضی آزاد حکومت کی بنیاد ڈالی تھی جس کا صدر مقام اناطولیہ میں تھا۔ ہم نے بھی اسی مناسبت سے عارضی حکومت آزاد ہند بنا کر اپنی بہت بڑی ضرورت پوری کر لی۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم بہت تیزی کے ساتھ آزادی کی منزل پر پہونچ جائیں گے اور ہندوستان کو طرح طرح کے دکھوں اور غلامی کی مصیبتوں سے آزاد کرائیں گے۔

عارضی حکومت آزاد ہند کا اعلان جنگ

۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۳ء ٹھیک عارضی حکومت آزاد ہند کی تشکیل کے تیسرے دن بعد شب کو ساڑھے بارہ بجے پوری مجلس وزراء اور مشیر کاران حکومت کی موجودگی میں نیتاجی سوبھاش چندر بوس کے مکان پر حکومت امریکہ اور برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا گیا۔ اعلان جنگ کے الفاظ کا ملخص حسب ذیل ہے:۔

"عارضی حکومت آزاد ہند برطانیہ اور امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کرتی ہے"۔ اعلان جنگ پر بحیثیت صدر حکومت اور بحیثیت سپہ سالار اعظم آزاد ہند فوج۔ نیتاجی سوبھاش چندر بوس کے دستخط ثبت تھے۔

شونان کلب

۲۸ر اکتوبر ۱۹۴۳ء کو سنگاپور میں نیتا جی نے اخباری نمایندوں کو مندرجہ ذیل بیان دیتے ہوئے فرمایا:۔

"عارضی حکومت آزاد ہند کی تشکیل سے۔ میری سیاسی زندگی کے دوسرے خواب کی تعبیر بھی پوری ہوگئی۔ میرا پہلا خواب تو یہ تھا کہ ایک آزاد ہند فوج ترتیب دی جائے۔ پہلے اور دوسرے خواب کی کامیاب تعبیر کے بعد اب یہی آرزو ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے عملی جدوجہد جلد شروع کردی جائے اور اس میں کامیابی اور کامرانی حاصل ہو۔ دنیا جانتی ہے کہ مدت دراز سے ہندوستان کا آزادی پسند طبقہ اور انقلابی گروہ برطانیہ سے برسر پیکار رہتا چلا آیا ہے۔ مگر اب جبکہ عارضی حکومت آزاد ہند وجود میں آچکی ہے۔ ہمیں امریکہ اور برطانیہ کے متعلق صاف اور واضح طور پر اپنی پالیسی کا اظہار کردینا چاہیئے تاکہ کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ نہ رہے۔ اور ہر قسم کی غلط فہمی کا احتمال جاتا رہے۔ ہم نے ان کے خلاف اعلان جنگ کردیا ہے۔ اور یہ اعلان جنگ محض پروپیگنڈے کی خاطر دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لئے نہیں۔ ہم اپنے اعمال و کردار سے بتادینگے کہ ہم جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں وہی ہمارا مطلب اور منشائے دلی ہے میں ہرگز کوئی ایسا اعلان کرنا نہیں چاہتا جو مشتبہ ہو۔ اور جس کی تعمیل میں مجھے دشواریاں نظر آئیں۔ انڈمان اور نکوبار کے جزائر ہمارے ہاتھوں میں آچکے ہیں۔

جو اس بات کی شہادت ہیں کہ ہم نے برطانوی اقتدار سے ایک زمین کا ٹکڑا
آزاد کرا لیا ہے۔ جس کی آزادی یہ ظاہر کر رہی ہے کہ ہماری حکومت حقیقتاً
ایک آزاد حکومت ہے۔ انڈمان کا جزیرہ ہمیشہ قید خانے کے طور پر استعمال
کیا جاتا رہا۔ جہاں ہمارے سیاسی قیدی بھیجے جاتے رہے۔ اور یہ جزیرہ
برطانیہ نے انہیں قیدیوں سے بسایا ہے۔ جن سیاسی قیدیوں کو عمر قید کی
سزائیں ملا کرتی تھیں وہ یہاں بھیجدئے جاتے تھے۔ ایسے ہزاروں بے گناہ
قیدی مصیبت اٹھا چکے ہیں۔ یہ قیدی مجھ سے ملے تھے۔ اور مجھے ان کی
بے گناہی کا پورا علم ہے۔ اور ان کی معصومی پر کامل اعتماد ہے۔ فرانس میں
بھی ایسے ہی سیاسی قیدیوں کا ایک جیل خانہ برسٹل میں ہے۔ مگر انقلاب
فرانس کے بعد اسے کھول کر قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح آج ہم بھی
انڈمان کے بے گناہ سیاسی قیدیوں کو آزاد کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔
اور جس طرح یہاں کے قیدیوں کو آزادی نصیب ہوئی ہے ہم آہستہ آہستہ تمام
ہندوستان کو آزاد کر کے رہیں گے۔ لیکن اہمیت تو دراصل اس جگہ کی ہوتی
ہے۔ جو سب سے پہلے آزاد ہو۔ اس لئے ہم نے ان محبانِ وطن کی یاد میں
جو یہاں رکھے گئے تھے۔ جزیرۂ انڈمان کا نام جزیرۂ شہید رکھا ہے۔ اور
اسی طرح چونکہ یہاں کے ہندوستانیوں کو برطانی قید سے نجات مل گئی ہے۔
جزیرۂ نکوبار کا نام جزیرۂ سوراج رکھا ہے۔ یہی ہماری پہلی فتح ہے۔ اعلانِ جنگ
کے بعد خدا چاہے تو آزاد ہند فوج روز بروز نئی نئی فتوحات کی خوشخبریاں آپ کو
دیتی رہے گی۔ یہ اعلانِ جنگ کامل سوچ بچار کے بعد دیا گیا ہے۔ جس میں کسی قسم کا

تبلیغی مواد شامل نہیں۔"———

آزاد ہند فوج اور آزاد ہند حکومت کے ہیڈ کوارٹر کی برما میں تبدیلی

ماہ جنوری ۱۹۴۴ء میں سنگاپور کے مراکز کی رنگون میں تبدیلی ہوئی اور یہاں سے ہندوستان کی سرحد پر حملے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ہیڈ کوارٹر کی تبدیلی سے صحیح معنوں میں برما کی سیاسی سرگرمیاں بڑھ گئیں اور عملی اقدام کے لئے یہاں کا بچہ بچہ کمربستہ نظر آنے لگا۔

دوسرے مہینے سے فوجیں مختلف محاذ جنگ پر بھیجی جانے لگیں اور کام میں باضابطگی اور باقاعدگی کا رنگ پیدا ہو گیا۔ ہیڈ کوارٹر کے آنے کے بعد کم و بیش نئے نئے محکمے جات قائم کئے گئے۔ اور عہدوں میں تبدیلیاں ہونے لگیں۔

محکمہ جات یوں تو بہت سے محکمے بنائے گئے مگر مخصوص اور قابل ذکر حسب ذیل ہیں۔

پروپگنڈا اور پبلسٹی۔ رنگروٹ اور ٹریننگ۔ محکمہ مال۔ سپلائی۔ ٹرانسپورٹ۔ ہاؤسنگ۔ ویمنز۔ اور سینٹر۔ اور نیتاجی فنڈ کمیٹی وغیرہ۔

اخبارات یوں تو پمفلٹ کی شکل میں اردو ہندی انگریزی اور رومن میں بہت کچھ شائع ہوتا تھا۔ مگر مستقل طور پر آزاد ہندوستان (مسٹر مرزا صغیر الحسن بیگ) کی ادارت میں اور انگریزی میں نیو آرڈر نکلا کرتا تھا۔ محاذ جنگ پر بھیجنے کے لئے بھی ایک اخبار کی

طباعت ہوا کرتی تھی ـــــــ ملایا میں جے ہند اور سوراجیہ نامی اخبار بھی جاری تھے۔ اور چار براڈ کاسٹنگ اسٹیشن بھی استعمال کیئے جاتے تھے۔

آزاد ہند دل

نیتا جی نے برما آنے کے بعد سول رضا کاروں کی ایک ایسی جماعت بھی بنائی جس میں ہر قسم کے فنی لوگ شامل تھے۔ یہ رضا کار اڈوانس ہیڈ کوارٹر بھیجے جاتے اور محاذ پہ مختلف ضرورت کے موقع پہ کام آتے۔ تعمیری کاموں میں ان کی امداد کی ضرورت تھی۔ مفتوحہ علاقوں میں پہونچکر سول معاملات کی درستگی ان کا کام تھا۔

ہر ایک فن اور پیشہ کے ماہر خدمت وطن کے لئے نیتا جی کے حکم پہ گھروں سے نکل آئے تھے۔ اور اپنی اپنی خدمتیں پیش کر دی تھیں۔ یہ گروپ بہت تھوڑے وقتوں میں تیار ہو کر محاذ پر روانہ ہو گیا۔ اس میں ایسے نازک مزاج لوگ بھی شامل ہو گئے تھے جو جفاکشی اور محنت سے جان چرایا کرتے تھے۔ مگر بعد میں اچھے خاصے سپاہی بن گئے تھے۔ اور خدمت وطن کے جذبے نے ان کو ایسا مانجھا کہ بڑے کام کے لوگ اس میں سے نکل آئے۔

اس کے کمانڈر کرنل احسان قادر اور شری اے ایم سہائے مقرر کیئے گئے تھے۔ لال قلعہ اور قومی جھنڈا ان کے بیج کا نشان تھا۔

حکومت آزاد ہند کو سب سے زیادہ مستقل امداد دینے والے علاقے

زیاواڈی یا راجہ بستی

زیاواڈی ضلع ٹانگو میں ایک ہندوستانیوں کی بستی ہے۔ جس کی آبادی تقریباً بیس ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً پچاس مربع میل ہے۔ یہاں تمام ہندوستانی کسانوں کی آبادی ہے جو زیادہ تر گنے کی کاشت کرتے ہیں۔ اور عموماً صوبۂ بہار کے باشندے ہیں۔ یہ ایک گرانٹ ہے جو دیوان بہادر شری جے پرکاش لال صاحب نے لیا تھا۔ اب یہ گرانٹ ان کے صاحبزادے رائے بہادر شری ہری ہر پرشاد سنگھ صاحب کے قبضے میں ہے۔ اس کی سالانہ آبادی لاکھوں کی ہے۔ سنہ ۱۹۳۲ء سے یہاں انہوں نے ایک شکر کا کارخانہ زیاواڈی شوگر فیکٹری کے نام سے جاری کیا تھا۔ برما میں یہ سب سے اچھی اور بڑی فیکٹری شمار کی جاتی ہے۔ جس میں روزانہ ڈیڑھ ہزار بنتہ تک شکر تیار کی جاتی ہے۔ ریاست اور کارخانے کے منیجر بابو برمانند صاحب تھے۔ شری جی پرشاد صاحب، بابو برمانند کے اسسٹنٹ منیجر تھے۔ دونوں کی آزاد ہند تحریک میں شمولیت کے بعد مسٹر بی رامچندر پرشاد صاحب اس کے منیجر ہوئے۔ اس کارخانے اور گرانٹ کی آمدنی آزاد ہند حکومت کو ملتی رہی فیکٹری اور گرانٹ نے آزاد ہند حکومت کی مالی اور سپلائی کی بڑی مفید خدمتیں انجام دی ہیں۔ یہاں سے جنگ کے لئے مختلف قسم کی چیزیں تیار کر کے

فوج کے لئے مہیا کی جاتی تھیں۔ آزاد ہند فوج کو محاذ جنگ پر روانگی کے موقع پر راستے کے لئے ہر قسم کی آسائش بہم پہونچائی جاتی رہیں۔ یہاں فوجی ضرورت کے لئے کمبل بنانے کا کارخانہ۔ مرغی خانہ اور غلے کا اسٹور بنایا گیا تھا۔ فوجی اسپتال قائم کیا گیا۔ جس میں بیک وقت ہزار مریضوں کے لئے انتظامات مکمل رہا کرتے تھے۔ فوج کے لئے ایمرجنسی راشن سپلائی کا بندوبست یہاں سے اچھے پیمانے پر ہوا کرتا تھا۔ مریضوں کے لئے یہاں سے خالص دودھ کی سپلائی ہوا کرتی تھی۔ رنگون کے اسپتالوں میں بھی دودھ اور انڈے مہیا کئے جاتے۔ نیتاجی یہاں کی خوش انتظامی سے بہت خوش تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ۔

"بابو یہاں سے نہیں ہر چیز زیاواڈی سے مہیا کردیا کرتے ہیں۔ صرف بم اور گولہ بارود نہیں دیتے"۔ الغرض زیاواڈی کی امداد نے ہمیشہ آڑے وقتوں میں آزاد ہند فوج اور حکومت کا ہاتھ بٹایا تھا۔

چونگا گرانٹ

یہ گرانٹ ایک انگریز کی ملکیت تھا۔ اس کے اصلی مالک کنور سنگھ رئیس بہار تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں حصہ لیا تھا۔ جس کی پاداش میں یہ ضبط ہو کر اس انگریز فوجی افسر کو سرکاری خدمات کے صلے میں ملا تھا۔ اس کا رقبہ ۱۴۰ مربع میل کے قریب ہے۔ آبادی تقریباً پچیس ہزار ہے۔ یہاں بھی تمام بہاری کسان آباد ہیں۔ چونگا پیگو ڈویژن میں واقع ہے۔ زیاواڈی اور چونگا کے اطراف میں کم و بیش پچھتر ہزار ہندوستانیوں کی آبادی تھی۔

سول اور تہری رضاکاروں کا عہدنامہ

آزاد ہند لیگ کی طرف سے جو لوگ سول رضاکار کی حیثیت سے شامل ہوتے تھے۔ اُن کو ذیل کے عہدنامے پر حلیفہ دستخط کرنے پڑتے تھے۔

(۱) میں آزاد ہند لیگ کے سول رضاکار تنظیم میں برضا و رغبت اپنی خدمت رضاکارانہ پیش کرتا ہوں۔

(۲) میں ہندوستان کی خدمت کے لئے پورے اخلاص کے ساتھ اپنی زندگی وقف کرتا ہوں اور اسے آزاد کرانے کا عہد کرتا ہوں۔

(۳) ملک کی خدمت میں اپنے ذاتی مفاد کا خیال نہ رکھوں گا۔ اور اپنی ذات کے لئے کوئی فائدہ حاصل نہ کروں گا۔

(۴) بلا امتیاز مذہب و ملت تمام ہندوستانیوں کو میں اپنا بھائی بہن سمجھوں گا۔

(۵) میں پوری وفاداری سے ساتھ آزاد ہند لیگ کے تمام احکامات کی تعمیل کروں گا۔ اور اپنے متعلقہ افسران کے ہر ایک جائز اور منصفانہ حکموں کو پورا کروں گا۔

بال سینا

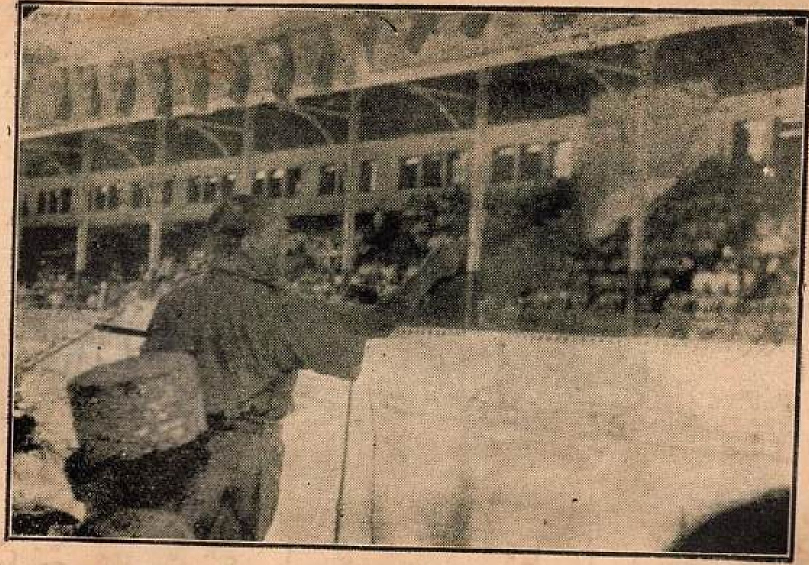
یعنی بچوں کی فوج۔ بچوں اور نئی پود کے دلوں میں حب الوطنی کے جذبات کی پرورش اور قوم اور ملک کی خدمت کرنے کا ولولہ اور اس کی نشو و نما کا خیال بھلا نیتاجی جیسے لیڈر کی نگاہوں سے کب اوجھل ہو سکتا تھا۔ آپ نے بچوں کی ایک فوج تیار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہی

تھا کہ ہزاروں مادر وطن کے لال صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ حلقہ وار بچوں کی فوجیں تیار ہونے لگیں۔ ان کو فوجی ڈرل سکھایا جانے لگا۔ ان کا شوق اتنا بڑھا کہ گلی کوچوں میں ایک دو ایک۔ ایک دو ایک اور جے ہند کا غلغلہ اٹھنے لگا۔ بچوں کا اٹن شن (ساودہان) ہو کر سلوٹ کرنا۔ دلوں میں عجیب کیفیت پیدا کرتا تھا۔ ۸ سال سے لے کر ۱۰ سال تک کے لڑکے مختلف گروپ میں ٹریننگ لیتے تھے۔ ان میں وطن پروری کے جذبات اس قدر ریختہ ہو گئے تھے کہ بڑے بڑوں کو وہ اپنی ضد اور "ہٹ" کے مقابلے میں شرما دیا کرتے تھے۔ انگریزوں کے آنے کے بعد ان کے سوالات کا وہ معقول جواب انہوں نے دیا ہے کہ سب عش عش کرنے لگے ــــ آج تک بھی ان لڑکوں کے سینوں پر نیتاجی کا بٹن فوٹو نظر آئے گا۔ جو وہ سینوں سے لگائے پھرتے ہیں۔ اگرچہ یہ فوج صرف نمائشی تھی مگر مستقبل میں اس کا ہر بچہ ایک سچا خادم قوم بن کر چمک جائے تو کچھ بعید نہیں ــــ ان بچوں کی فوج کے متعلق بعض بے اصل اور غلط واقعات اکثر مصنفین نے اپنی کتابوں میں تحریر کئے ہیں کہ وہ "اپنی کمر میں بارودی سرنگیں باندھ کر دشمنوں کی ٹینکوں کے نیچے لیٹ جایا کرتے تھے۔ اور خود بھی تباہ ہو کر دشمن کو تباہ کر دیا کرتے تھے" ــــ محبت اور تحریک آزاد ہند سے عقیدت کے جوش میں ایسی من گھڑت اور سنی سنائی خبریں اڑانا دراصل دیانتداری کے خلاف ہی نہیں بلکہ تحریک کو بدنام کرنا ہے۔ اور یہ نیتاجی پر کھلا ہوا بہتان ہے کہ وہ اتنی بڑی

جان باز اور بہادر آزاد ہند فوج کی موجودگی میں معصوم بچوں کے قاتل تھے جن کے ایک اشارے پر لاکھوں جوان اپنی جانیں ہتھیلی پر لئے رہا کریں انہیں کونسی ایسی ضرورت پیش آئی تھی کہ وہ ان معصوم بچوں سے ایسے بے رحمانہ اور سنسنی خیز سفاکانہ اقدامات کرائیں۔ "نادان دوستوں" کی یہ باتیں آزاد ہند کی سنہری تاریخ پر ایک بدنما دھبہ لگائے بغیر نہیں رہتیں۔ ایسا کوئی بھی واقعہ آزاد ہند حکومت کی تاریخ میں کبھی بھی ظہور پذیر نہیں ہوا۔

رضاکاروں اور رنگروٹوں کی بھرتی وحربی تعلیم کا محکمہ

اس ادارے کے افسر اعلیٰ اور انچارج کرنل اسیرالدین صاحب جہانگیر تھے۔ جو لہارو خاندان کے پرنس ہیں۔ آپ نہایت قابل اور فرض شناس افسر تھے۔ محکمہ کے اڈوائزر جناب طلا محمد خاں صاحب تھے جو رنگون کے ایک مشہور رئیس ہیں۔ چیف ریکروٹنگ افسر اور اصلاحی مقرر (Lecturer) کے فرائض راقم الحروف مشتاق اندوری انجام دیا کرتا تھا تمام برما میں جہاں جہاں لیگ کی شاخیں تھیں۔ بھرتی کا کام بھی جاری تھا۔ بال سینا بچوں کی تربیت کا بار بھی اسی ادارے پر تھا۔ ابتدائی ٹریننگ کے بعد رضاکار مختلف (units) یونٹوں میں بھیج دیئے جاتے تھے۔ برما میں لیجیے رنگروٹوں کی جملہ تعداد لگ بھگ سات ہزار کے قریب تھی ــــ جو اس محکمہ کا ایک روشن کارنامہ تھا۔



Mr. Randeri, Chief Recruiting Officer, addressing I. N. A. and a huge crowd of Public in B. A. A. Grounds.

پارٹ ٹائم ٹریننگ

شہر کے مختلف حصص میں ایسے کیمپ تھے جن میں صبح و شام ٹریننگ (حربی تعلیم) دی جاتی تھی۔ کم از کم تین ماہ کا کورس تھا۔ جس میں ایک نوآموز رنگروٹ اچھا خاصا سپاہی بن جاتا تھا۔ شہری ڈیفنس کے لئے یہ رکار بہت مفید تھے۔ عام بھرتی اور فوجی تعلیم کی اسکیم کے ماتحت یہ سلسلہ قائم تھا کچھ مدت اور اسی طرح کام ہوتا تو تمام شہری عسکری تعلیم کے ماہر ہو جاتے۔ رضا کاروں کو بلند اخلاق کی صبح و شام تقریروں کے ذریعہ تعلیم دی جاتی تھی ان کے جذبات وطنیہ کو ابھارا جاتا۔ اور ہر ایک کو بھائی بھائی بن کر رہنا سکھایا جاتا۔ ہندوستانی ہونے پر فخر کرنے کا سبق دیا جاتا۔ اور ایسی تربیت دی جاتی جس سے ذات پات سے بالاتر ہو کر ہر ایک دوسرے کے مذہب کا احترام کرنے لگتا ——

مستقل فوجی کیمپ

منگلاڈون کیمپ۔ کوشن ہائی اسکول کیمپ۔ پیاؤنگ کیمپ۔ بہادر گروپ۔ ٹریننگ کیمپ۔ سوراج بنگ مین ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ۔ گوسالہ کیمپ۔ پاؤنٹو کیمپ۔ تنگانجون کیمپ فیلڈ پروپگنڈا یونٹ۔ کمایٹ کیمپ۔ کالاستی کیمپ۔ منی گون کیمپ۔ ان کیمپوں میں شہریوں کو پریڈ سکھائی جاتی۔ اور بعد میں مستقل فوجوں میں منتقل کیا جاتا۔

پروپگنڈا

کے لئے فیلڈ پروپگنڈا یونٹ کام کرتا تھا۔ ڈرامے وغیرہ کے ذریعے شہریوں میں یہ بہت کام کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔

بہادر گروپ

کے افسر اعلیٰ کرنل برہان الدین صاحب تھے جو مہتر چترال کے چھوٹے بھائی ہوتے ہیں۔ اس گروپ کے بعض حصوں نے محاذ پر بڑے کارنامے کیئے ہیں۔ دشمنوں کو مختلف صورتوں میں نقصان پہونچائے ہیں۔ سردار جنگ میجر مصلر۔ کرنل رام سروپ لیفٹنٹ کرنل مہرداس (سردار جنگ) کی بہادری کی داستانیں زبان زد خاص و عام ہیں۔ جو اسی گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔ ارکان کے مورچہ پر بھی اس گروپ والوں نے اچھے کام کیئے تھے۔ مخبری اور جاسوسی کر کے دشمن کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ فوجیوں میں ڈرامہ اور کھیل کود کے ذریعے پروپگنڈا کرنا بہادر گروپ کے متعلق تھا۔۔۔۔۔ کماٹ اور سنگسویں اس کے کیمپ تھے شہریوں میں بہادر گروپ بہت مشہور تھا۔ حقیقتاً یہ گروپ اسم بامسمیٰ تھا۔

ملایا میں ٹریننگ کیمپ

ملایا میں ٹریننگ کیمپ بہت پہلے کھل چکے تھے۔ سنگاپور اور کوالمپور یہ کیمپ رونق پر تھے۔ چھ ٹریننگ مراکز تھے۔ جن میں خاص تعداد رضاکاروں کی رہتی تھی۔ ان سنٹروں سے کافی رضاکار تحریک میں شامل ہو کر فوج میں بھرتی ہو چکے تھے۔ یہ برما کے محاذ جنگ پر بھی لڑ چکے ہیں۔ ——

IN TOKYO.



(Seated) *Netaji*

(Left to Right) Maj. Gen. Chatterjee, Maj. Gen. Kiani and

سپریم کمانڈ

سپریم کمانڈ کا اسٹاف حسب ذیل تھا۔

سپریم کمانڈ - نیتاجی سوبھاش چندر بوس - اے ڈی سی کپتان تمبیر سنگھ، میجر خمشیر سنگھ۔ پرسنل نزبش کرنل راجو - چیف آف دی جنرل اسٹاف میجر جنرل جے کے بھونسلے - اسسٹنٹ چیف آف دی جنرل اسٹاف۔
کرنل حبیب الرحمن ـــــــ ملٹری سکرٹری لفٹنٹ کرنل محبوب - جوائنٹ میجر راوت
ڈائرکٹر میڈیکل سروس - کرنل کے رائے - ڈی - پی - ایم - کرنل مان سنگھ (بعد میں کرنل رام سروپ)
سی پی - ایم - میجر مورتی ـــــــ جج ایڈوکیٹ جنرل میجر ناگ (غدار وطن)
سپلائی اور ٹرانسپورٹ میجر ایم - اے خاں - چیف آرڈیننس آفیسر - میجر اکبر علی -
فوجوں کے سب سے اعلیٰ ڈویژنل کمانڈر میجر جنرل ایم زید کیانی - جن کے زیر کمان تین ڈویژن تھے -

رجمنٹل کمانڈر نمبر ۱ رجمنٹ (سوبھاش گوریلا رجمنٹ) کمانڈر کرنل شاہ نواز خان
رجمنٹل کمانڈر نمبر ۲ رجمنٹ (گاندھی گوریلا رجمنٹ) کمانڈر کرنل عنایت کیانی
رجمنٹل کمانڈر نمبر ۳ رجمنٹ (آزاد گوریلا رجمنٹ) کمانڈر کرنل گلزار سنگھ
} کمانڈر میجر جنرل ایم زید کیانی محاذ جنگ امپھال

رجمنٹل کمانڈر نمبر ۴ رجمنٹ (نہرو گوریلا رجمنٹ) کمانڈر کرنل ڈھاوان } کمانڈر میجر جنرل عزیز احمد
رجمنٹل کمانڈر نمبر ۵ رجمنٹ ـــــــ کمانڈر کرنل منور حسین } کے بعد شاہنواز

انفنٹری رجمنٹل کمانڈر ـــــ کرنل جی کے سہگل } محاذ جنگ اپر برما۔
ڈویژنل کمانڈر نمبر۲ ـــــ میجر جنرل عزیز احمد خاں۔
ڈویژنل کمانڈر نمبر۳ ـــــ کرنل ناگر تھے۔
رجمنٹل کمانڈر نمبر۶
رجمنٹل کمانڈر نمبر۷
رجمنٹل کمانڈر نمبر۸
رجمنٹل کمانڈر نمبر۹

کرنل عزیز احمد رنگون کی بمباری میں مجروح ہو کر بیمار ہو گئے اور ان کی جگہ ڈویژن نمبر۲ کی کمان کرنل شاہنواز کو ملی۔ بعد صحت یابی انہوں نے ری اوگنائز فورس کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔جن کا محاذ جنگ زیاواڈی اور ٹانگو کی طرف تھا۔ برطانیہ کی آمد پر یہ فوج یہیں مقید ہوئی تھی ـــــ

مذکورہ ہر ڈویژن کے تحت اپنی آٹھ یونٹیں رہتی تھیں۔جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) سپلائی ڈپو (۵) پٹرول اینڈ لبریکٹنگ سپلائی ڈپو۔
(۲) ورک شاپ ڈپو (۶) ملٹری پولیس
(۳) انجنیئرنگ ڈپو (۷) یونیفارم ڈپو
(۴) تعمیری ڈپو (۸) مال غنیمت کا ڈپو۔

مذکورہ ڈویژنوں کے علاوہ ملایا کا تمام فوجی نظام سپریم کمانڈ ہیڈ کوارٹر (رنگون برما) کے زیر تحت و اثر تھا ـــــ

وار کونسل اور اس کے ارکین

میجر جنرل بھونسلے۔ میجر جنرل ایم زیڈ کیانی۔ میجر جنرل عزیز احمد میجر جنرل چٹرجی (سکرٹری)، کرنل حبیب الرحمن۔ کرنل گلزارا سنگھ۔ کرنل احسان قادر میجر لکشمن آف رانی جھانسی۔

مسٹر راگھون بیرسٹر۔ مسٹر ائیر۔ مسٹر سیہاٹند۔ مسٹر الیپا بیرسٹر۔

آزاد ہند فوج کی طاقت

نیتاجی سوبھاش چندر بوس کی یوں تو خواہش تھی کہ مشرقی ایشیا کا ہر ہندوستانی باشندہ صحیح معنوں میں ملٹری تعلیم لے کر سپاہی بن جائے۔ مگر یہ کام تاخیر طلب تھا۔ اس لئے اول اول تین لاکھ باقاعدہ فوج بنانے کا پلان تیار کیا گیا۔ اور اس کے لئے کوشش جاری رہی - فوج میں پکے سپاہیوں کی تعداد تقریباً نصف لاکھ تھی۔ جن میں ٹریننگ پائے ہوئے رضا کاروں کی نفری بیس ہزار تک پہونچ چکی تھی۔ — یہ فوج متمدن ممالک کی تربیت یافتہ فوجوں سے ڈسپلن اور بہادری میں کسی طرح کم نہ تھی - اگر اسی فوج کو ان کی طرح جن کی وسائل اور جنگی نوایجاد آلات میسر ہوتے تو پھر اس کا کچھ اور ہی رنگ ڈھنگ ہوتا!

ہندوستانی زبان میں فوجی احکامات

آزاد ہند فوج کی پریڈ کے لئے ہندوستانی زبان میں کاشنس (احکامات) دیئے جاتے تھے۔ جو بہت ہی موزوں تھے اور بڑی روانی کے ساتھ اس پر عمل درآمد ہوا کرتا تھا۔ ہم سہولت کے لئے انگریزی کمانڈ کے الفاظ کے ساتھ ساتھ ہندوستانی زبان کے احکامات درج ذیل کرتے ہیں۔

	انگریزی احکامات	ہندوستانی کمانڈ کے الفاظ
(۱)	اٹن شن	ساودھان
(۲)	اسٹینڈ ایٹ ایز	آسانی سے کھڑا ہو
(۳)	سلوپ آرمز	رائفل بغل میں لے
(۴)	آرڈر آرمز	رائفل نیچے لے
(۵)	ٹرائیل آرمز	تول رائفل
(۶)	سلنگ آرمز	لٹکا رائفل
(۷)	گراونڈ آرمز	رائفل زمین پر رکھ
(۸)	ٹیک اپ آرمز	رائفل اٹھا
(۹)	اگزامن آرمز	ملاحظہ رائفل
(۱۰)	ایزی اسپرنگ	پرزہ ہلا
(۱۱)	فکس بیونٹ	سنگین چڑھا

(۱۲)	ان فکس بیونٹ	سنگین اتار
(۱۳)	پریپیر فور اٹیک	تیاری حملہ
(۱۴)	پورٹ آرمز	ملاحظہ رائفل
(۱۵)	اوپن آرڈر مارچ	آگے پیچھے کھل جا
(۱۶)	اباؤٹ ٹرن	واپس
(۱۷)	پریزنٹ آرمز	رائفل پیش
(۱۸)	سلو مارچ	دھیرے دوڑ
(۱۹)	کوئک مارچ	جلد سے دوڑ
(۲۰)	گارڈ ٹیک پوسٹ	گارڈ جمع ہو

نیتاجی فنڈ کمیٹی

یہ کمیٹی حکومت آزاد ہند میں سب سے زیادہ اہم تھی اور بدنام بھی۔ عارضی حکومت آزاد ہند کا ہیڈ کوارٹر جب برما آیا اس وقت مالی امداد حاصل کرنے کے لئے ایک فنانس کمیٹی بنائی گئی تھی۔ جس کے انچارج کرنل الاگپن تھے۔ اس سے قبل ایک کمیٹی بنی تھی جس کے چیرمین ...ا تھے۔ ان کمیٹیوں نے کچھ یوں ہی سا کام کیا تھا۔ خاطر خواہ کامیابی کی کوئی صورت نہ نکلی۔ خیال کیا گیا کہ تاجروں کی اور پبلک سربرآوردہ لوگوں کی ایک دوسری کمیٹی بنائی جائے جو ہندوستانیوں سے امدادی فنڈ

وصول کرے۔

اس کے لئے جو ادارہ قائم کیا گیا۔ اس کا نام نیتاجی فنڈ کمیٹی رکھا گیا۔ اس کمیٹی کے چیرمین مسٹر الپا اور وائس چیرمین مسٹر شیخ محمد بشیر سکریٹری مسٹر باروٹ۔ ممبران مسٹر آرڈی کھنہ۔ مسٹر دینا ناتھ۔ مسٹر احمد مدھا مسٹر قاسم عارف۔ مسٹر ناچی اپا۔ مسٹر بقائی وغیرہ تھے۔

اس ادارے کے روح رواں مسٹر بشیر تھے۔ جن کے خلوص ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ یہ کمیٹی اپنے مقاصد میں نہایت کامیاب رہی۔ "خیرات گھر سے شروع کرنا چاہیے" کے مقولے پر اس کے ممبران سختی سے عامل تھے ممبروں میں اتحاد عمل نے کچھ ایسا مضبوط رشتہ قائم کر دیا تھا کہ بغیر کسی قسم کے الجھاؤ اور مخالفت کے تمام کام آسانی سے ہو جایا کرتے تھے۔

نیتاجی فنڈ کمیٹی کی ایک جنرل کمیٹی بھی تھی جس کے ممبران کی تعداد زیادہ تھی۔

نیتاجی فنڈ کمیٹی کا طریقہ کار

ہندوستانیوں کی مالی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے ان پر رقمیں لگائی جاتی تھیں چونکہ مدراسی۔ سورتی۔ پنجابی۔ گجراتی ہر ایک قوم کا نمائندہ اس میں شریک تھا۔ اس لیے وہ اپنی اپنی قوم کے لوگوں سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے اور بغیر تاجر ہونیکے لحاظ سے انکی مالی پوزیشن بھی نظروں سے چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اپنے معاملات میں بہت پختہ کار تھے۔ لوگوں کو بلایا جاتا اور ان سے برضا و رغبت امداد طلب کی جاتی۔ اگر مناسب رقم ہوتی تو خیر ورنہ اپنی طرف سے تخمینہ کا اندازہ لگا کر ان سے وعدے لئے جاتے جن کی رقمیں بعض اوقات یکمشت اور اکثر بالاقساط ادا ہوتی رہتی تھیں۔ ٹیکس کی صورت میں جبریہ وصولی نہیں ہوتی تھیں

چندہ دینے والوں کے اقسام

ان کی چار قسمیں ہوا کرتی تھیں
(۱) جو قومی ضروریات اور اس
کی اہمیت کو سمجھتے تھے اور ان میں وطن کی لگن ہوا کرتی تھی۔ ایسے
لوگ دینے کا موقع ڈھونڈتے تھے۔ اور دل کھول کر امداد کیا کرتے تھے

(۲) وہ لوگ تھے جو سمجھا بجھا کر قوم کے ہمدرد بنائے جاتے تھے۔ ان سے
بھی بعد میں اچھی رقمیں ملا کرتی تھیں۔

(۳) اس طبقے میں وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے کافی دولت سمیٹ رکھی تھی
جس کے دراصل وہ مستحق بھی نہ تھے۔ بلکہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں
دوستوں اور اغیاروں کا مال ہتھیا کر اس پر غاصبانہ قبضہ جما رکھا تھا۔
ایسے لوگ ہارڈ نٹ (Hard nut) تھے۔ جو ذرا سی سختی کے
بھی طالب تھے۔ دراصل جو دولت انہوں نے غاصبانہ قبضے میں رکھی
تھی اسے آزاد ہند لیگ کی تحویل میں رہنا چاہیے تھی۔ یا پھر اس دشمنوں کا مال
(Enemy Property) یا غیر موجود مالک کے مال
(Absentee Property) کی حیثیت سے جاپانی یا برمی حکومت کا
قبضہ ہونا چاہیے تھا۔ لیگ نے اس سلسلے میں چشم پوشی برت رکھی تھی، باوجود
اس کے یہ طبقہ اس چھوٹ اور قومی جنگ میں امداد دینے سے گریز کرتا تھا۔
اس لیے ذرا سی دھونس بھی دکھانی تھی۔ اس کے بعد حسب منشا کام نکل آتا تھا
مزے کی بات تو یہ ہے کہ اس کمیٹی کے سامنے اگر ہر شخص محتاج غریب اور قرضدار
ہی بنکر فریب دینا چاہتا تھا۔ مگر انکا داؤ مشکل ہی سے چلتا تھا اور وہ اپنے

جھوٹ کو نباہ سکتے تھے۔

۴۔ ایک طبقہ ایسا بھی تھا۔ جو بچنے اور حکومت برما کا سہارا لینے کے لئے خود کو برما قومیت میں منسلک کر لیتا تھا۔ ایسے لوگ جو اپنی ہندی قومیت کو چھوڑ کر برما قومیت صرف چندہ نہ دینے کے لئے اختیار کر لیتے تھے۔ واقعی وہ قابل نفریں تھے۔ سبک بھی ان کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھی۔

جبریہ فنڈ کی وصولی

یہ بالکل غلط ہے کہ اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے جبر کیا جاتا تھا۔ نیتاجی سبھاش چندر بوس ہمیشہ ہر جلسے میں یہ کہا کرتے تھے۔ کہ "ہم ایسی امداد لینا نہیں چاہتے۔ جو ہمدردی سے نہ دی گئی ہو۔ اگر پردیس میں ہندیوں کو اپنے فرض منصبی کا احساس ہے۔ تو وہ اپنی حکومت اور اپنی بے سروسامان فوج کی مدد کریں۔ غلہ، دوائیں، کپڑے۔ بار برداری۔ جو جس سے ہو سکے جس شکل چاہے امداد کر سکتا ہے۔ ہماری فوج کو ہر قسم کی چیزوں کی ضرورت ہے۔ دکھ پہنچانے والے نہ دیں بلکہ امداد دکر خوش ہونے والے ہماری مدد کریں"

جب نیتاجی علی الاعلان اس کا اظہار کریں تو پھر یہ الزام کہاں تک حق بجانب ہوگا۔ کہ "فنڈ جبریہ وصول کیا جاتا تھا" مذکورہ بالا اقسام میں سے تیسری قسم کے لوگوں کو جو کبھی کبھار تنبیہ ہوتی تھی۔ اسکی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے۔ اگر جبر کا سوال ہوتا۔ تو چوتھی قسم کے وہ لوگ جو اپنی قومیت بدل کر عارضی حکومت ہند کو دھوکہ دینا چاہتے تھے کبھی بچ نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ وہ ہندی تھے اور پھر جاپان۔ حکومت برما حکومت آزاد ہند

تینوں حکومتوں کے دوستانہ معاہدات کی پابندی پر مجبور تھے جو تمام کے تمام مشترکہ طور پر جنگ میں شریک تھے۔ اور ایک ہی دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اگر جبر اور سختی کی پالیسی ہوتی تو حکومت آزاد ہند کا اشارہ ہی کافی تھا برما یا جاپانی حکومت ان سے رقمیں وصول کر لیتی اور ان کا یوں صاف نکل جانا مشکل تو کیا بلکہ محال ہو جاتا!۔

نیتا جی فنڈ کمیٹی کی جملہ وصولیابی

کمیٹی ہٰذا کے مخلص کارکنوں اور فرض شناس ہندوستانیوں کی کوششوں سے اس فنڈ میں مختلف شکلوں سے کم و بیش بیس کروڑ روپے کی گرانقدر رقم کا عطیہ ملا۔ اور ۱۲ کروڑ روپے کے وعدے بقایا رہ گئے جو جنگ کے ختم ہونے پر وصول نہیں ہو سکے۔ یہ امداد اتنی بڑی ہے۔ کہ مشرقی ایشیا کی کسی تحریک کو بیک وقت آج تک نصیب نہیں ہوئی۔ تحریک کی ہر دلعزیزی اور اہمیت کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے۔ بہر حال ہم ان تمام چیزوں پر گہری نظر ڈالتے ہوئے بے باکی سے کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستانی قوم زندہ قوم ہے۔ بشرطیکہ اس کی زندگی کا ثبوت اور امتحان لینے کے لیے نیتا جی سبھاش چندر بوس جیسا طبیب حاذق موجود ہو۔

آزاد ہند تحریک میں مسلمانوں کا حصہ

اس تحریک میں مسلمانانِ مشرقِ ایشیا نے جس دریا دلی کے ساتھ دل کھول کر حصہ لیا ہے وہ تاریخ میں زریں الفاظ میں تحریر کئے جانے کے قابل ہے۔ جب سے اس تحریک نے جنم لیا ہے اسی روز سے انہوں نے حب الوطنی کا ثبوت پیش کر دکھایا اور جب نیتا جی کی قیادت ہوئی پھر تو پوچھنا ہی کیا؟ قربانی اور اخلاص کے وہ وہ نمونے پیش کئے کہ دوست دشمن سب محو حیرت رہ گئے۔ ایک حبیب سیٹھ ہی کو لے لیجئے۔ جو ایثار کلی (Total mobilization) کے سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں ہیں اور وہ سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ مسلمان قوم نے اپنی فرض شناسی اور وطن کی محبت دکھا کر نہ صرف مشرقِ ایشیا بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ اور اپنی حریت پروری سے دنیا کی تمام آزاد قوموں کے سامنے سرفراز ہو گئے ہیں۔

فوج میں مسلمانوں کی شمولیت ہندوستان کے تناسب آبادی کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو فوج میں بھی وہ دوسری قوموں سے بہت زیادہ تھے۔ عام سپاہیوں میں

وہ چالیس فیصدی تھے اور افسران کی فہرست اگر دیکھی جائے تو ساٹھ فیصدی پر وہ چھائے ہوئے نظر آئیں گے۔ اور میدان جنگ میں ان کی قربانیاں قابلِ رشک ریکارڈ قائم کر چکی ہیں۔

مسلمانوں کا مالی حصہ

مشرقی ایشیا میں نیتاجی کی دس کروڑ کی اپیل کے باوجود سنگاپور۔ ملایا۔ بنکاک سماٹرا۔ جاوا۔ بورنیو۔ شنگھائی سے تقریباً ۵ کروڑ روپے امدادی حاصل ہوئے۔ جس میں مسلمانوں کا حصہ بھی شامل تھا۔ مگر برما سے جہاں نیتاجی کی اپیل صرف ۵ کروڑ کی تھی۔ تقریباً بیس کروڑ روپے نیتاجی فنڈ میں وصول ہوئے اور دس سے بارہ کروڑ روپے کے نئے وعدے ہوئے تھے جو جنگ ختم ہونے کی وجہ سے وصول نہیں کئے جا سکے۔ مذکورہ رقم کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دو تہائی حصہ مسلمانوں کا تھا اور ایک تہائی دوسری قوموں نے دے کر تحریک کو نہایت ہی خود دارانہ طور پر جاری رکھا۔

ہم ذیل میں ان چند معطیانِ فنڈ کے عطیات کا قریب قریب صحیح تخمینہ پیش کر رہے ہیں۔ جنہوں نے لاکھوں اور کروڑوں کی رقمیں پیش کی تھیں ہزاروں اور سینکڑوں کی فہرست نظر انداز کر دی گئی ہے۔ ورنہ طوالت کا اندیشہ تھا۔ ذیل کی رقموں سے ایک سرسری اندازہ ہو جائے گا کہ مسلمان مالی ایثار میں بھی بڑی حد تک نمایاں اور پیش پیش رہے ہیں۔ صرف ایک حبیب سیٹھ کی رقم ہی کو دیکھیے جس کے مقابلے میں دیگر چار مکمل قربانی کرنیوالوں کی مجموعی رقموں میں حبیب سیٹھ دگنے سے زیادہ بڑھے ہوئے نظر آئیں گے:۔

عالیجناب حبیب سیٹھ صاحب سیوک ہند۔ ایک کروڑ تین لاکھ (انیار کل نمبر ا دہلی)

" احمد ابراہیم برادرس (دائمن ہوزری ورکس) تین[۳] لاکھ

" اے آر نعمانی صاحب پینتیس[۳۵] لاکھ

" احمد ابراہیم مدھا صاحب پچیس[۲۵] لاکھ

" شیخ محمد شبیر صاحب (وائس چیرمین نیتا فنڈ کمیٹی) } اکیس[۲۱] لاکھ
دا لنک برما ربر ورکس

عالیجناب مسٹر بتانی صاحب نو لاکھ (منہا فیہ سیوک ہند اتیا کل نمبر ۳)

" سر راجہ نالطے چیار ریتیک آت چیٹی ناد تیس لاکھ

" مرگپا اینڈ سنز تیس لاکھ

" روشن دین صاحب آٹھ لاکھ

" ہاشم قاسم سمنڈ دس لاکھ

" قاسم ممول صاحب پندرہ لاکھ

" سر آدم جی داؤد کمپنی پندرہ لاکھ

" اے جی محمد اینڈ کمپنی دس لاکھ

" مسٹر عارف ایک لاکھ

" مسٹر دینا ناتھ آٹھ لاکھ

" مسٹر کالی داس نگوں چھ لاکھ

" ٹی ایس نارنجی معرفت مسٹر کالی داس سین پانچ لاکھ

" مسٹر بی گھوش چار لاکھ (سیوک ہند اتیار کل نمبر ۲)

" مسرز چودھری برادرس پندرہ لاکھ (سیوک ہند اتیار کل نمبر ۱)

عالیجناب پال خارمیجی	پانچ لاکھ	
" ایوب میاں صاحب	چار لاکھ	
" اعظم لوہا والا	چار لاکھ	
" مسٹر عبدالمجید نتے سیا"	چھ لاکھ	
" خان بہادر اے آر خاں	پانچ لاکھ	
" روایل ٹلے غنی	پانچ لاکھ	
" ٹی این اہوجہ	چھ لاکھ	
" جی ٹی اہوجہ	آٹھ لاکھ	
" ای اے سوامی	دس لاکھ	
" آر ڈی کھنہ	تین لاکھ	تمغہ یافتہ سیوک ہند اشتہار کل نمبر ۵
" مسٹر ایس اے رحمان	دس لاکھ	
" مسٹر او کے محی الدین بادا	دو لاکھ	
" مسٹر ابراہیم باگی	چار لاکھ	

نوٹ ۔ سنا گیا ہے کہ بعض ایسے ہندوستانی ایجنٹ بھی تھے جنہوں نے تحریک میں کچھ بھی نہ دے کر اپنے اپنے مالکوں کو کھاتے ہیں ایسی رقمیں بتائی ہیں جو چندہ کی مد میں تھیں ۔ چنانچہ مسٹر زبرلا کی ملکیت کی ایک انڈین اسٹار ریچ کمپنی نے کچھ نہ دے کر چار لاکھ کی رقم آزاد ہند کے تمام بقایا کی تھی۔

آزاد ہند بینک

حکومت کے مالی نظام کو درست رکھنے کے لئے ایک بینک کی بھی ضرورت تھی۔ جس کے لئے نیتاجی فکر مند تھے۔ دورانِ ذکر میں مسٹر شیخ محمد بشیر صاحب نے یہ ذمہ اپنے دوش ہمت پر اٹھالیا۔ اسٹیٹ بینک بین الاقوامی قوانین کی رو سے کسی دوسری حکومت میں جاری نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے آزاد ہند بینک کی بنیاد ڈالی گئی۔ خود مسٹر بشیر، مسٹر احمد مدہا، مسٹر دینا ناتھ، مسٹر تبانی نے دس دس لاکھ کے حصص خرید کر پچاس لاکھ روپے جمع کر لئے اور یوں پچاس لاکھ روپے کے اشتراک سے آزاد ہند بینک جاری ہو گیا۔ مسٹر مدہا نے دگنے حصے خریدے یعنی بیس لاکھ روپے کے آپ حصہ دار بنے۔ اب بینک کی طرف تمام ہندوستانی رجوع ہوئے۔ اپنے اپنے کھاتے کھول لئے۔ مہینے بھر کے اندر ہی اندر بینک کا کاروبار بہت زیادہ ترقی کر گیا۔ کروڑوں کی مالیت جمع ہونے لگی۔ حکومت آزاد ہند اور آزاد ہند فوج دونوں کے کھاتے کھل گئے گویا ایک طرح سے یہ بینک اسٹیٹ بینک بن گیا۔ اس کی مالی حالت اتنی ٹھوس ہو گئی کہ دوسرے بینکوں سے لوگوں نے اپنے کھاتے بند کر دیئے۔ اس کی باقاعدگی اور کثرتِ کار کی وجہ سے اسے شنگانجوں اور سکاٹیٹ کے علاقوں میں شاخیں کھولنی پڑیں۔ ڈنچی دنشان اسٹیٹ) میں بھی اس کی ایک برانچ قائم ہو گئی۔ ہندوستانیوں کے کاروبار میں اس سے بڑی ترقی ہوئی۔ حکومت آزاد ہند کی مشکلات میں بڑی آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب کہ حکومت بڑی مالی مشکلات میں پھنس گئی۔ حکومت کے اسٹاف کو

تنخواہ دینے کے لئے روپے نہیں تھے تو آزاد ہند بینک نے اپنی طرف سے پانچ لاکھ روپے بطور مدیہ یہ رقم حکومت برما کو پیش کر دی۔ اس بینک پر پبلک کو پورا پورا بھروسہ اور اعتماد تھا۔ آخری وقتوں میں انگریزوں کے داخلے کے بعد تک ہر ایک کو بلا بلا کر پائی پائی کا حساب چکا دیا گیا پھر بھی جب انگریزوں نے اس کو قبضہ کر لیا ہے تو پینتیس لاکھ روپے کی رقم ان کے ہاتھ لگی۔ اس کے منیجر مسٹر بہادری تھے۔ صدر مسٹر ایرد پر دگنیڈا (وزیر) تھے اور ڈائرکٹر مسٹر بشیر اور ان کے ساتھی۔

محکمہ سپلائی اور ٹرانسپورٹ

یہ محکمہ بھی بہت ضروری تھا۔ مگر اس کا انتظام سست اور بے قاعدہ رہا۔ اگر اس کی پوری طور پر اصلاح ہوتی تو بروقت امداد سے آزاد ہند فوج کو محاذ پر بہت فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔ اس کے ممبران بنئے بقالوں کی طرح بھاؤ تاؤ ہی میں وقت کی قدر و قیمت نہ کر سکے اور ایک کے فائدے کے لئے دس کا نقصان اٹھانا پڑا۔ نیتاجی کو اس کی طرف سے اکثر تشویش رہا کرتی تھی۔ کارکنوں کا متعدد بار تبادلہ بھی ہوتا رہا۔ لیکن کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔

محکمہ رفاہ عام

ویلفیر (Welfare) اس ادارے نے بہت اچھا ریکارڈ پیش کیا ہے۔ متعدد ہسپتال اور دوا خانے کھول کر پبلک کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ گرانی اور دواؤں کی کم یابی کی وجہ سے غریب مریضوں کو بے حد تکلیفیں تھیں لیکن اس ادارے

کی محنت اور نیک نیتی کی وجہ سے بہتوں کا بھلا ہوتا رہا۔

تعزیری فوجی قوانین آزاد ہند فوج کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ قوانین تعزیرات بنائے جائیں۔ چنانچہ باضابطہ آئین تیار کرنے کے لیے کپتان ناگ مقرر ہوئے۔ جو بنگال میں قبل از جنگ مجسٹریٹی کے عہدہ پر فائز رہ چکے تھے۔ موصوف نے انڈین ملٹری ایکٹ کو پیش نظر رکھ کر اس کی رہنمائی میں آزاد ہند فوج کے لئے قوانین مرتب کئے۔ نیز اس میں بہت سی مفید ترمیمیں بھی کی تھیں۔ کوڑوں کی وحشیانہ سزا میں آپ نے تخفیف کر دی تھی۔ آزاد ہند فوج کے سخت بھی قانون نافذ تھے اور اس پر پابندی سے عمل کیا اور کرایا جاتا تھا۔

جے ہند ہندوستانیوں کا سلام بن گیا تھا۔ ایک ایسی جگہ جہاں ہر قوم اور ہر ملک کے لوگ آباد ہوں۔ اور شانہ بشانہ جنگ کریں یگانگت، یک جہتی۔ اور رابطۂ اتحاد کو قائم رکھنے کے لئے جے ہند کا لفظ رائج ہوا تھا۔ ایک ہی مجلس میں مختلف قسم کے سلاموں کا تبادلہ اس وقت موزوں نہ سمجھ کر اسے قومی سلام کے عوض رکھا گیا تھا۔ سلام علیکم نمستے۔ ست سری اکال۔ گڈ مارننگ یا گڈ بائی۔ جاپانی سلام۔ رکھم پیوراں با کھنچوراں۔ یا "کنیچوا" (صبح شام اور شب کے جاپانی سلام) کی جگہ ہندوستانی جے ہند کہا کرتے تھے۔ اکبری دور میں بھی درباری سلام مخصوص تھے۔ آداب عرض۔ تسلیمات۔ کورنش وغیرہ وغیرہ جس میں کسی خاص مذہب کا امتیاز پیدا نہیں ہوتا تھا۔ نیتاجی نے بڑی دور اندیشی سے کام لے کر

اس کو رواج دیا تھا۔ یہ صریح غلط بیانی ہے کہ یہ سلام شہریوں اور سویلینوں کے لئے قانون کا درجہ رکھتا تھا۔ فوجی البتہ ڈسپلن کے ماتحت اس کے سختی سے پابند تھے۔ اور پابندی پروہ قانون کی زد میں آجاتے تھے شہری مذہباً ہر ایک آزاد تھا۔ اگر مسلمان مسلمان اور سکھ سکھ آپس میں اپنا سلام کریں تو آزاد ہند حکومت دخل نہیں دیا کرتی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ انفرادی حیثیت سے اسے کوئی پسند نہ کرے۔ اس کی مخالفت کا جذبہ ہندوستان میں اس وقت سے پیدا ہو گیا۔ جب سے برادرانِ وطن اور ہندو بھائیوں نے پاکستان کی شدومد سے مخالفت شروع کر دی۔ اگر یہ بات پیدا نہ ہوتی تو شاید ہندوستان میں آج بھی دربار اکبری کی طرح "جے ہند" کا عوام میں رواج ہو جاتا۔ بعد میں یہ سنا گیا ہے کہ اس مشترکہ قومی سلام کو بعض متعصب ہندو بھائیوں نے فرقہ وارانہ فساد میں نعروں کی جگہ استعمال کر کے نہایت شرمناک ذہنیت کا ثبوت دیا ہے۔ کاش اتحاد و اتفاق کے لئے ہندوستانی کوئی تو بنیادی اور ٹھوس یادگار ایسی چھوڑ دیتے جس سے محبت کی تعمیر پختہ ہو جاتی۔ اور ہندوستانی سربلند نظر آتے!

فوجی اور سول نعرے

حکومت آزاد ہند کی طرف سے منظور شدہ نعروں میں پہلے پہل انقلاب زندہ باد اور "دہلی چلو" مستعمل رہا۔ اس کے بعد امپھال کے معرکے سے واپسی پر فوجیوں کے لئے مخصوص نعرہ "خون، خون، اور خون تھا" سویلین اور شہری "کرو سب نچھاور بنو سب فقیر" کا نعرہ لگایا کرتے تھے۔ ان

نعروں میں کچھ ایسی جاذبیت تھی کہ لوگوں کے دلوں پر اس کا گہرا نقش جمتا تھا۔ بچے بوڑھے سبھی ان نعروں سے جوش میں آجایا کرتے تھے۔

یادگار مشاہیر

کے سلسلے میں ظفر شاہ ڈے اور اودھم سنگھ ڈے منائے گئے۔ یوں تو موقع بہ موقع بعض تاریخی ایام بھی منائے جایا کرتے تھے۔ عارضی حکومت ہند کی تشکیل کا یادگار دن ہر ماہ کی ۲۱ تاریخ کو اہتمام کے ساتھ مناتے تھے۔ جس میں ہر حلقے اور لیگ کی شاخوں کی زیرِ نگرانی کامیاب جلسے ہوا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک کمی بھی رہ گئی تھی۔ بعض مخلص کارکنوں کا خیال ہے کہ "ٹیپو سلطان ڈے" کی یادگار کا رواج بھی دیا جاتا تو بہت ہی موزوں تھا۔ مسلمانوں میں اس سے اچھا خاصا پروپیگنڈا ہو سکتا تھا۔ پروپیگنڈا ڈیپارٹمنٹ نے اسے نظر انداز کر کے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا۔

مخبری اور جاسوسی

شروع شروع جاپانی محکمے ابوا کو رو کیکان اور ہیکاری کیکان جو ہندوستانی معاملات سے متعلق تھے اپنے طور پر اس فرض کو انجام دیا کرتے تھے۔ اور اس کام کے لئے میجر سوجی موجی مقرر ہوئے تھے۔ جو کچھ لوگوں کو ہندوستان خفیہ طور پر بھیج بھی چکا تھا۔ اس سلسلہ میں ۱۹۴۳ء کو ایک تحت البحر (کے ذریعے آٹھ آدمی گجرات کاٹھیاواڑ کے ساحل پر اترے اور اپنی اپنی جگہ منتشر ہو گئے۔ بعد میں ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور حکومت ہند کو پتہ چل گیا گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ ڈسٹرکٹ دہلی جیل میں ان کے مقدمے کی سماعت

ہوئی۔ جن میں تین سرکاری گواہ بن کر رہا ہو گئے اور پانچ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ بعد میں سزائے موت منسوخ ہو کر عمر قید میں تبدیل ہو گئی۔ رہا شدہ ملزمین کے نام حسب ذیل ہیں۔ کنول سنگھ۔ سوچیت رائے چوپڑہ پنڈت بھگوت گوتم اپادھیا۔ رام دلارے۔

اکیاب اور دوسری بری سرحدوں پر وہاں کے مقامی باشندوں اور پہاڑی لوگوں سے کام لیا جاتا تھا۔ جن میں ناگا اور مگ بڑی ہوشیاری سے اپنا فرض بجا لاتے تھے۔ کپتان سوکا موٹو بھی اسی کار خاص پر مامور تھا۔ آزاد ہند فوج کی طرف سے اس سلسلے میں علیحدہ کارروائیاں ہوا کرتی تھیں۔ جن کا تعلق جاپانیوں سے نہ تھا۔ نیتاجی بذات خود اس اہم فرض کی انجام دہی پر مامور کیا کرتے تھے۔

بابا عثمان اور بابا امر سنگھ

یہ دونوں مشہور اور پرانے انقلابی تھے۔ گزشتہ جنگ کے موقعے پر انہوں نے انقلابی سرگرمیوں میں بہت کچھ حصہ لیا تھا۔ سنگاپور میں ان ہی کی کوششوں سے بغاوت پھیل گئی تھی۔ اور تین چار دن تک اس پر انقلابیوں کا قبضہ رہا تھا۔ اس وقت چونکہ جاپان انگریزوں کا حلیف تھا۔ اس لئے اس نے بحری بیڑہ بھیج کر بغاوت ختم کرا دی تھی۔ بابا عثمان دراصل مہاجر تھے جو اپنا نام بدل کر مشرقی ایشیا میں پروپگنڈا کرتے رہے۔ یہی وہ شخص تھے جو بحری جاپانی بیڑے کو لے کر انڈمان اور نکوبار کے جزائر پہ قابض ہو گئے تھے۔ جاپانی محکمہ بحر ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔ ہیڈ کوارٹر میں

اور سیز (Overseas) کا محکمہ ان کے زیر اثر تھا۔ بعد میں یہ تھنگھام چلے گئے تھے۔ بابا امر سنگھ اکیاب اور اس کے اطراف میں مشہور تھے ضعیف العمر انسان تھے۔ مگر بوڑھے اور پکے انقلابی تھے۔ برطانیہ کے آنے کے بعد ان کی تلاش ہوئی مگر کچھ پتہ نہ چل سکا۔ ان کے شاگردوں اور مریدوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔

قومی گیت

یہ عارضی حکومت ہند کا منظور شدہ گیت ہے۔ جو ہمیشہ قومی ترانے کی جگہ مستعمل ہوتا رہا۔ یوں تو یہ گیت طویل ہے۔ مگر مندرجہ ذیل حصہ ہی اس کا پڑھا جاتا تھا۔ دوسرا حصہ حذف کر دیا گیا تھا۔ یہ گیت ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور کی نظم کا ہندی چربہ ہے جھنڈے کی سلامی۔ جلسوں اور تقریبوں میں گایا جاتا۔ صبح و شام فوجی کیمپ میں بھی اسے گاتے تھے۔ اور جب یہ گایا جاتا تھا ہر ایک مؤدب خاموشی سے اسے سنتا اور دہرایا کرتا تھا ——

اس کے علاوہ دوسری نظمیں انفرادی طور پہ فوج میں گائی جاتی تھیں۔ جیسے "جذباتی تک بندیاں" کہیں تو بجا ہے۔

سبھ سکھ چین کی برکھا برسے، بھارت بھاگ ہے جاگا
پنجاب، سندھ، گجرات، مرہٹہ، دراوڑ، اتکل، بنگا
چنچل ساگر، وندھ، ہمالہ، نیلا، گنگا، جمنا
سب تیرے ہی گن گائیں، تجھ سے جیون پائیں
سب تن پائے آشا۔ سورج بن کر جگ پر چمکے: بھارت نام سوبھاگا
جے ہو۔ جے ہو۔ جے جے جے جے ہو: بھارت نام سوبھاگا
صبح سویرے پنکھ پکھیرو تیرے نت گن گائیں
باس بھری یہ مست ہوائیں، جیون میں رت لائیں
سب مل کر ہندی پکاریں۔ جے آزاد ہند کے نعرے پیارا دیش ہمارا
جے ہو جے ہو، جے جے جے جے ہو۔ بھارت نام سوبھاگا

خطابات اور تمغہ جات

آزاد ہند حکومت نے خدمات وطن کرنے والے فوجیوں اور شہریوں کی حوصلہ افزائی کے لئے خطابات اور تمغہ جات دینا منظور کیا۔

(۱) شہید بھارت۔ (۲) شیر ہند (۳) سردار جنگ (۴) ویر بھارت (۵) شتر و ناش۔ تمغہ بہادری اور سند بہادری قومی خطابات حسب مراتب و کارنامے ملا کرتے تھے۔ سیوک ہند کا خطاب سویلین (شہریوں) کی خدمات کی قدر افزائی کے لئے مخصوص تھا۔

(۱) شہید بھارت (اعلیٰ تمغہ) جو ایسی بہادری کے لئے مخصوص ہے

جس میں اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے فوجی جان دے دے۔ (۲) شیر ہند ان نوجیوں کو ملا کرتا تھا۔ جو ذاتی طور پر میدانِ جنگ میں سب سے بڑی بہادری کا نمونہ پیش کیا کرتے تھے۔ (۳) سردار جنگ کا تمغہ۔ ان افسران کو دیا جاتا تھا۔ جو لیڈرانہ قابلیت۔ فرض شناسی اور ذاتی بہادری کا نمونہ پیش کریں۔ (۴) ویر بھارت۔ فرض شناسی اور ذاتی بہادری کیلئے (۵) تمغہ بہادری۔ ذاتی بہادری۔ (۶) شترو ناش۔ دشمنوں کو مارنے کے سلسلے میں دیا جاتا تھا۔ (۷) سند بہادری۔ میدان میں اچھا کام کرنے کے عوض ملا کرتا تھا۔

آزاد ہند کرنسی اور اسٹامپ ہندوستان کی سرحد میں داخل ہونے اور متعدد مقامات پر قبضہ کر لینے کے بعد جبکہ میجر جنرل چٹرجی بحیثیت گورنر مقرر ہوئے تھے۔ ہندوستان میں خود اپنی کرنسی کا رواج دینے کا خیال آزاد حکومت ہند کے پیش نظر تھا۔ جس کے لئے طے پایا کہ آزاد ہند گورنمنٹ کے نوٹ کا اجرا کیا جائے۔ چنانچہ مختلف ڈیزائن کے نوٹ تیار کر لئے گئے۔ کسی پر بنگال کے شیر کی تصویر تھی۔ کسی پر تاج محل۔ اور قطب مینار بنے ہوئے تھے۔ مگر بدقسمتی سے ہماری حربی چال کا پانسہ اُلٹا پڑا اور یہ کرنسی رائج نہ ہو سکی یہی حال پوسٹل ٹکٹوں کا تھا۔ جو جاری نہ ہو سکے۔ اور برطانوی قبضے میں چلے گئے۔

خطابات عارضی حکومت آزاد ہند اگرچہ خود اپنے وطن سے دور

ایک بے سروسامان حکومت کہی جائے گی۔ مگر اس نے اپنی خودداری کو ہمیشہ برابر قائم رکھا۔ اور دوست ممالک کے ساتھ رابطۂ محبت استوار رکھنے کے لئے ان کو مالی امداد بھی وقتاً فوقتاً دیتی رہتی تھی۔ اسی سلسلے میں سیامی حکومت کو آٹھ لاکھ ڈالر دیے گئے۔ اور برما گورنمنٹ کو ۲ لاکھ روپے کی رقم بمد امداد پیش کی گئی تھی جو شکریہ کے ساتھ وصول کی گئی۔

جاپانی حکومت کو آزاد ہند گورنمنٹ کی پیشکش

نیتا جی جب ٹوکیو تشریف لے گئے اس وقت آپ نے آزاد ہند حکومت کی جانب سے دس ہوائی جہاز حکومت جاپان کو تحفۃً پیش کئے جس پر بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔ نیتا جی اس معاملے میں بہت احساس اور دور بین واقع ہوئے تھے ان کا قول تھا کہ دوستی بڑھانے کے لئے ایک کو دوسرے پر بار ہونا نہیں چاہئے۔ ہندوستان کے وقار کو بحال رکھنے کے لئے اکثر وہ کشادہ دلی سے ان کے رفاہ عام اداروں کی مدد کیا کرتے تھے۔ اور کسی حالت میں وہ اپنی حکومت اور ہندوستان کے نام پر حرف آنے دینا نہیں چاہتے تھے۔ جاپانی حکومت نے بھی ایک موقع پر آپ کی اسواری کے لئے ایک ہوائی جہاز تحفۃً نذر کیا تھا۔

آزاد ہند فوج کا ہندوستان میں داخلہ

میجر جنرل محمد زماں کیانی کی سپہ سالاری اور کرنل شاہ نواز کیانی اور کرنل گلزار سنگھ کی زیر کمان آزاد ہند فوج کے پندرہ ہزار جوان جاپانیوں کے ساتھ مل کر لڑتے رہے۔ اور برما کی سرحد کو عبور کرتے ہوئے ریاست منی پور میں داخل ہو گئے ۔ اس بہادر فوج کا حوصلہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ امید کی جاتی تھی کہ بس اب چند ہی دنوں میں یہ دریائے برہمپترا کے کناروں پر جا کر دم لے گی۔ فوجی لحاظ سے یہ ایک بہترین فوج تھی ۔ اس کی رفتار کامرانی پر دنیا کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ ہندوستان کے اندر اور باہر اس کی بہادری کا شور مچا ہوا تھا۔ یہ فوج امپھال کی طرف بڑھ رہی تھی ۔ اور اسے محصور کرنے میں کوشاں تھی۔ برطانیہ کی چودھویں فوج ان کے مقابلے میں تھی ۔ اور اس فوج کا جنرل سلیم کمانڈر تھا۔ جس نے جاپانیوں کے مقابلے میں کئی جگہ شکستیں کھائی تھیں پھر بھی پوری طاقت کے ساتھ جاپانیوں کے بڑھتے ہوئے ریلے اور آزاد ہند فوج کی بے پناہ یلغار کو روکنے کے لئے پوری طاقت لگا دی اور ہندوستان کی تازہ کمک کا انتظار کرتے ہوئے ارکان کی امداد کے بھروسے پر ہمت دکھائی ۔ مگر ہندوستانی سپاہی جو آزادی وطن کے نشے میں چور تھے آگے ہی بڑھتے رہے ۔ حتیٰ کہ ۲۲ ؍ مارچ کے بعد یہ جانفروش حملہ آور ہندوستان کی سرزمین میں داخل ہو گئے ۔ اور

پندرہ سو میل کا رقبہ فتح کر کے آزاد ہند فوج کا جھنڈا لہرا دیا

دوسری طرف انہوں نے دھیما پور کی سڑک کو اتحادی فوجوں سے منقطع کر لیا۔ اور امپھل و کوہیما کے راستوں پر کئی جگہ وہ قابض ہو گئے صرف یہی نہیں بلکہ ایک اتحادی گیریسن اور متعدد اتحادی دستوں کو ان کی فوج سے جدا کر کے گھیرے میں لے لیا۔ ادھر جاپانی فوج چنڈون سے ہندوستان کی سرزمین میں داخل ہوئی۔ ایک دوسری فوج نے کلیمیو سے ٹڈم کو جالیا۔ ایک دستہ شمال کی طرف بڑھ گیا اور اس سڑک پر اپنے قدم جمائے جو امپھل سے سلیچر کو جاتی ہے۔ تیسری فوج ہوتا سے اکھرل تک لائن بناتی ہوئی کوہیما پہونچ گئی اور امپھل گھیرے میں آگیا۔ جہاں سے دھیما پور چالیس میل رہ گیا۔ یہ اسٹیشن جنگی نقطۂ نظر سے بہت اہم تھا کیونکہ یہاں سے ریل کی ایک شاخ لیڈو کو جاتی تھی اس جگہ سے دشمنوں کو سامان رسد پہونچایا جاتا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس اہم ہیڈ کوارٹر کے تمام ذرائع مسدود کر دیئے جائیں۔

ہر طرف سے گھیرے میں پڑ چکنے کے بعد اب ایک امپھل ہی ایسی جگہ تھی جس پر دنیا کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ دوست اور دشمن کی فتح و شکست کا پورا پورا دار و مدار اسی ایک مرکز سے وابستہ ہو گیا تھا۔

مفتوحہ علاقہ کا سب سے پہلا ہندوستانی گورنر

اس علاقہ میں نیتا جی نے حکومت آزاد ہند کی طرف سے میجر جنرل چیٹرجی کو گورنر مقرر کیا اور ان کے ساتھ ایک انتظامی (Administrative) پارٹی روانہ کر دی گئی جس میں

تقریباً ہر فن کے آدمی موجود تھے۔ اس علاقے میں کرنل شوکت ملک صاحب نے نہایت شاندار کارنامے کئے تھے۔ بشن پور کے بینک کی عمارت پر سب سے پہلے انہیں کے ہاتھوں سے آزاد ہند فوج کا جھنڈا نصب ہوا تھا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ہمارے ہندی سپاہیوں کو مال غنیمت میں ہندوستان کی چیزیں کھانے پینے کو ملی تھیں۔

میجر مصرا کی عزت افزائی

جاپانی فوج برابر دشمنوں کے مقابلے میں مختلف محاذ پر لڑتی رہی۔ اکیاب کے مورچہ پر کلاڈان کی پہاڑیوں میں جاپانی اور اتحادی افواج کا مقابلہ ہوتا رہا۔ اور ہندوستانی فوج بھی ان کے ساتھ بے ضابطگی کے ساتھ لڑتی رہی مگر ۴۔ فروری ۱۹۴۳ء کو جب باقاعدہ اتحادیوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا گیا تو آئی این اے کے بہادر سپاہیوں نے وہ وہ نمایاں کارگزاریاں کی تھیں۔ جن کا خود جاپانی افسروں نے بھی اعتراف کیا تھا۔ ان کی خدمات اور استخلاص وطن کی جان توڑ کوششوں نے جاپانیوں کے دلوں میں گھر کرلیا اور اب وہ ان کے افسران کی بھی ویسی ہی عزت کرنے لگے۔ جیسی کہ خود اپنے افسران کی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جاپانی ہیڈ کوارٹر سے ہندوستانی افواج کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنے کے احکام نافذ ہوئے۔ اور یہیں سے آئی این اے کے افسروں کی وقعت بڑھ گئی، جاپانی فوج حسب مراتب ہندوستانی افسروں کو سلامی دینے لگی۔ اور یوں فوجی قانون کی نظروں میں دونوں حلیف

On Occassion of Opening Ceremony of Azad Hind Bank



Netaji, D. M. Khan. Dina Nath. Senator U. Twin. U. Mya, Home Minister, Burma. Mr. Sattar. Col. Misra.

یکساں نظر آنے لگے۔ اکیاب کے محاذ پر ہندوستانی فوجیوں کے افسر میجر مصر تھے۔ جنہوں نے اپنے بہادرانہ کارناموں کی وجہ سے جاپانیوں سے خراج تحسین وصول کیا تھا۔ اور جب وہ رنگون تشریف لائے تو ان کی خدمات کے پیش نظر نیتاجی فنڈ کمیٹی کے اہتمام سے شہریان رنگون نے ایک عظیم الشان جلسہ اورینٹ کلب میں منعقد کیا۔ اور ۲۰ مارچ ۱۹۴۵ء کو ان کی خدمت میں ایک سپاسنامہ مع چند قیمتی تحائف کے پیش کیا گیا۔ جلسے میں حکومت برما کے صدر اعظم ادھی پدی ڈاکٹر باموصاحب نیز بڑے بڑے جاپانی افسران آئی این اے اور آزاد ہند کے عہدیداران اور روسائے شہر موجود تھے۔ نیتاجی بہ نفس نفیس تشریف فرما تھے۔ اور علامہ حکیم عیش صاحب نے باشندگان رنگون کی طرف سے اڈریس پیش کیا تھا۔ مولانا نے میجر صاحب کی ہمت و جرأت اور جنگی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ "آپ کے کارناموں نے ہمارے دلوں میں بہت بڑی جگہ پیدا کرلی ہے۔ آپ کے اقدامات سے ہندوستانیوں کی بڑی عزت افزائی ہوئی ہے۔ نیز آئی این اے کا بھرم زیادہ ہوگیا ہے۔ ہم شہریان رنگون یہ بات ظاہر کرنے کے لئے کہ ہمارے دل میں آپ کی بہت بڑی قدر ہے۔ اور اس عزت و قدر کے اعتراف کی مدت تک یادگار رکھنے کے لئے بعض حقیر تحفے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ لیجئے یہ تلوار ہے، اور تلوار، تلوار کے دھنی ہی کا حق ہے! یہ ایک ماچس رکھنے کا سلور کیس ہے۔ تاکہ اس سے ٹام راج کی جھونپڑی میں آپ آگ

لگا سکیں۔ یہ سگریٹ ہے۔ جس میں دھوئیں کی پھانسی ہے، اسے غلامانہ ذہنیت کے گلے میں ڈالیئے اور اسے پھر سے حریت کے سانچے میں ڈھالیئے!" مولانا کے مذکورہ بالا مختصر تقریر نے سامعین کے دلوں کو گرما دیا۔ اور اسے بہت پسند کیا گیا۔ میجر صاحب نے تحائف قبول کرتے ہوئے لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد نیتاجی نے اپنے ماتحت افسر میجر مصرا کی خدمات پر خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اور پھر موصوف کو ان کی خدمات کے صلے میں "سردار جنگ" کا خطاب مرحمت کرتے ہوئے انگریزی میں خطاب کیا۔

"قدرت نے مشرقی ایشیا کے ہندوستانیوں کو ایک نادر موقع اپنے وطن کو آزاد کرانے کے لئے بخشا ہے۔ جس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا ہماری موقع شناسی پر منحصر ہے۔ ہندوستان کی تمام اندرونی کوششیں اس وقت تک رائیگاں گئیں۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حصولِ آزادی کا سہرا ہندوستان کی بیرونی جدوجہد اور کوششوں کے سر رہے گا۔ آج مشرقی ایشیا کے ۲۰ لاکھ ہندوستانی مالی اور جانی قربانی کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔ جاپانی دوستوں کی ہمدردیاں اور ان کی امداد بھی ہمارے شامل ہے ہمارا مقصد اعلیٰ ہے کہ ہم اپنا وطن آزاد کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ دشمن آپ کی غلامی کی زنجیریں مضبوط کرنے کے لئے لڑ رہا ہے جو ایک ادنیٰ مقصد ہے۔ آپ کا نیک مقصد آپ میں سچائی اور دلیری پیدا کر دے گا۔ تمام دنیا کی ہمدردی آپ کے ساتھ ہے۔ استقلال اور مضبوطی کے ساتھ اپنے اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے ڈٹے رہنا چاہئے۔ صبر

اور استقلال کلیہ کامیابی ہے سخت امتحان اور ناکامی میں قدم جمائے رکھنا دلیل کامرانی ہے۔ دشمن کی فوجیں شکست کھا کر جی چھوڑ چکی ہیں۔ ہمیں استقلال کے ساتھ بہادری سے اس کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ فتح ہماری ہے اور ہماری فوج میں کامیابی اور فتح مندی کی پوری اہلیت موجود ہے۔ بس ہمیں اپنے اعلیٰ و ارفع مقصد کو پیش نظر رکھ کر اس کا بہادری سے مقابلہ کرنا چاہیئے اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے اپنے ۴۰ کروڑ ہندوستانی بھائیوں کو آزاد کرانا چاہیئے۔

جلسے کے اختتام پر راقم الحروف نے دو منظوم قطعات میجر مصرا صاحب کی خدمت میں پیش کئے۔ جسے احباب نے پسند کیا۔ وہ حسب ذیل ہیں:-

مصرا تو اپنے فن میں ہے تدبیر کا دھنی
سردار جنگ ہو کے ہے تقدیر کا دھنی
بھارت کی آبرو کے لئے تو خدا کرے
کہلائے خاص و عام میں شمشیر کا دھنی

مانتے ہیں آج سب لوہا تری شمشیر کا
دشمنوں کا دل ہدف ہے تیرے ایک ایک تیر کا
ہے عدو بھی جرأت و ہمت کا تیری معترف
واہ کیا کہنا ہے ایسے عالم تسخیر کا

میجر مصرا کا رینک اگرچہ کرنل کا تھا۔ مگر وہ مشہور تھے میجر مصرا ہی کے نام سے۔ آپ اخیر وقتوں میں دشمنوں کی گولیوں سے عین میدان جنگ میں مارے گئے آپ کئی مرتبہ حیرت انگیز طریقہ پر بچ گئے تھے۔ ایک مرتبہ تو آپ اور تین جاپانی افسران نقشہ دیکھ رہے تھے کہ ایک گولہ پڑا۔ دو جاپانی تو وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اور ایک ٹکڑا مصرا صاحب کمر میں بندھے ہوئے دستی بم پر لگ کر پھٹا۔ جس سے آس پاس کے تین چار آدمی مارے گئے اور خود بال بال بچ گئے۔ سچ ہے "جسے خدا رکھے اسے کون چکھے"

نیتاجی کے گلے کے ہاروں کی لوٹ

سٹی ہال رنگون میں نیتاجی فنڈ کمیٹی کے زیر اہتمام ماہ مئی ۱۹۴۴ء میں ایک شاندار جلسہ قرار پایا۔ ڈھائی بجے کے قریب نیتاجی گارڈ آف آنر کی سلامی لیتے ہوئے جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔ مجلس میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ لیکن ہر طرف سکوت چھایا ہوا تھا۔ اور ہر ایک اپنے لیڈر کی تقریر سننے کے لئے بے تاب نظر آرہا تھا۔ اسٹیج پر علامہ حکیم عیش صاحب آپ کے منتظر تھے۔ آپ کی تشریف آوری پر علامہ موصوف نے شہریان رنگون کی طرف سے ایک قیمتی پھولوں کا ہار نیتاجی کے گلے میں ڈالا۔ اس کے بعد لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ اور معززین شہر میں سے ہر ایک دوسرے سے بڑھیا قیمتی ہار اور کلغیاں لئے ہوئے نیتاجی کی خدمت میں پیش کرنے پر بے چین نظر آرہا تھا۔ اس سلسلے کے ختم ہوتے ہی ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ اور مجمع نیتاجی کی محاذِ جنگ کی واپسی کے بعد وہاں کی خبروں

کو خود انہیں کی زبانی سننا چاہتا تھا۔ نیتا جی نے سب سے پہلے پبلک کی والہانہ محبت کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا:۔

"میں ابھی محاذ جنگ سے واپس آیا ہوں میں آپ لوگوں کو خوشخبری سناتا ہوں کہ جنگ کا نقشہ بدل رہا ہے۔ جنگ کا نتیجہ ہمارے موافق ہے ہماری بہادر فوج کا بڑا حصہ محاذِ جنگ پر لڑ رہا ہے اور اپنا خون وطن کی آزادی کے لیئے بہا رہا ہے۔ آپ لوگ بھی وطن کے سپاہی ہیں اور اسی فوج کا دوسرا وہ حصہ ہیں۔ جو خاک اور خون میں لتھڑے ہوئے بہادروں کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ لوگوں کی امداد ان سپاہیوں کے لئے ضروری ہے۔ وہ آپ لوگوں کی توجہ بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ جس طرح کہ ان کی جاں بازیوں اور قربانیوں کے بغیر آپ لوگ منزل آزادی کے قریب نہیں پہنچ سکتے۔ یہ وقت سوچنے اور بچار کرنے کا نہیں۔ اب زیادہ سے زیادہ قربانی کا وقت آگیا ہے۔ اب سب کچھ قربان کر دینے کی گھڑی آگئی ہے۔ گھر سے سب کچھ لے کر نکل آنے کا موقع آگیا ہے۔ آزاد ہند فوج ایک انقلابی فوج ہے۔ اور انقلابی فوج کے پاس قربانی، جاں فروشی، خلوص اور بے سرو سامانی ہوا کرتی ہے۔ ہماری فوج کے لئے ہر چیز کی ضرورت ہے۔ ہمیں خوراک۔ کپڑے۔ دوائیں ہتھیار۔ مزدور سپاہی۔ ڈاکٹر۔ کمپونڈر۔ انجنیئر۔ غرض ہر قسم کی چیز اور ہر طرح کے آدمی درکار ہیں۔ سب کو وطن کی مصیبت دور کرنے کے لئے اپنی اپنی خدمات پیش کرنی چاہئیں۔ ہماری فوجیں ہندوستان کی سرحد میں

داخل ہوچکی ہیں آزاد ہند فوج نے ہندوستان کی سرزمین کا ایک بڑا حصہ اپنے قبضے میں کرلیا ہے۔ امپھل بہت ہی نزدیک ہے۔ ہماری فوجیں بڑی بے جگری کے ساتھ اپنے فرائض پورا کررہی ہیں۔ ہمیں بھی اپنے اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں۔ ایسے وقت میں ان کی امداد بہت ضروری ہے میں جانتا ہوں کہ ہندوستانی بھائی اپنے فوجی بھائیوں سے محبت رکھتے ہیں۔ مگر صرف محبت رکھنے ہی سے کام نہیں چلتا۔ ان کی تکلیفوں میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہیئے۔ آپ لوگوں کو امپھل کے فتح ہوجانے کی بہت جلدی ہوگی۔ مگر میں تاخیر کا طالب ہوں۔ ہمارے لئے دیر ہونا اچھا ہے۔ جلدبازی اچھی نہیں۔ دیر ہوجانے پر ہم بہت کچھ انتظامات کرسکیں گے۔ ہمارے بہت سے کام مکمل نہیں دیرپا ہونے پر ہمارے افسروں کی تعداد بھی بڑھے گی۔ ہماری فوج بھی بڑھ سکتی ہے۔ ہمارا تجربہ بھی زیادہ ہوگا۔ ہندوستان کی فتح کے ساتھ ساتھ ہمیں بہت بڑی فوج کی ضرورت ہوگی۔ جب تک ہماری فوج تجربہ کار اور مضبوط نہ ہوگی۔ پوری طرح کام نہیں چل سکے گا ہمیں ایسی پختہ کار فوج بنانی ہے جو ہمارے مفتوحہ علاقے کا پورا بچاؤ کرسکے اور ہمارے ہاتھ سے ہمارا جیتا ہوا حصہ کوئی دوسری طاقت ہم سے دوبارہ چھین نہ سکے ہمیں ایسے علاقوں کے لئے اچھے منتظمین کی بھی ضرورت ہے۔ ہمیں ایسے لوگ تربیت دینے ہیں۔ اور پختگی کے ساتھ اپنے کاموں کو انجام دینا ہے بہرحال ہمارے لئے بہت جلدی مفید نہیں۔ اور ایسی دیر بھی ٹھیک نہیں جس میں ہم اپنی تیاریاں مکمل نہ کرسکیں۔ اب ہر ایک ہندوستانی کو فوجی بننا ہوگا۔ آزادی کے

لئے سب کچھ قربان کرنا پڑے گا۔ جوان ہو خواہ بوڑھا، عورت ہو یا بچہ سب کو اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق اس جنگ میں شرکت کرنی ہو گی۔ اور وطن کو آزاد کرانا ہو گا۔"

نیتاجی کی تقریر کے اختتام پر پبلک کے اصرار سے ان ہاروں کو نیلام کیا گیا۔ بڑھ بڑھ کر ان پر بولیاں دی گئیں۔ کئی کئی لاکھ روپے کی رقموں پر بولیاں ختم ہوئیں۔ جناب شیخ محمد بشیر صاحب۔ مسٹر حبیب۔ مسٹر آر ڈی کھنہ مسٹر احمد مدہا صاحب۔ مسٹر اے آر نظامی صاحب۔ مسٹر اہوجہ۔ مسٹر آدم جی حاجی داؤد۔ وغیرہم نے ان ہاروں کی اصلی قیمت پہچان کر سے خریدا۔ کچھ رقمیں بھی لکھوائی گئیں۔ اس جلسے میں ہاروں اور دیگر عطیات کی مجموعی رقم تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپیہ تک ہو گئی تھی۔ اس کے بعد نیتاجی نعروں کی گونج میں جلسے سے تشریف لے گئے۔

نمائندگان برما لیگ اور عہدہ داران کی کانفرنس

نیتاجی ہفتہ جو ۲ر جولائی سے شروع ہو کر ۸ر کو ختم ہونا تھا۔ اس سے پہلے ماہ جون کے آخر میں برما کی لیگ برانچوں سے تمام نمائندوں کی ایک کانفرنس بلائی گئی۔ جس میں ہر ایک نے اپنے اپنے کارنامے پیش کئے۔ یہ کانفرنس سوراج ٹریننگ انسٹیٹیوٹ میں منعقد ہوئی تھی۔

نمائندگان حکومت کے مہمان تھے۔ اختتام پر ان کو ایک دعوت دی گئی تھی۔ بعدہ ۹ر جولائی ۱۹۴۳ء کو سٹی ہال میں ایک عظیم الشان جلسہ

ہوا۔ جس میں خاص اہتمام کیا گیا تھا، شہر یان رنگون کی طرف سے آج پھر علامہ حکیم عمیش صاحب نے نیتا جی کو ہار پہنائے۔ اس کے بعد معززین شہر نے آپ کے گلے میں قیمتی ہار ڈالے۔ آج نیتا جی کے اپنے بازو پر جناب حبیب سیٹھ کی کرسی بچھائی گئی اور بائیں طرف علامہ حکیم عمیش صاحب کو بٹھایا گیا تھا۔ ابتدائی کارروائی کے اختتام پر۔ نیتا جی نے ایک طویل تقریر فرمائی۔ اور لوگوں سے یوں مخاطب ہوئے:۔

دوستو! ساتھیو اور بھائیو!! — پہلے دشمنوں کی طرف سے یہ شبہ کیا جا رہا تھا۔ کہ ہماری آزاد ہند فوج میدان جنگ میں اترے گی یا نہیں۔ اور وہ لڑ سکے گی یا نہیں؟ اور اگر لڑی تو کامیاب بھی ہوگی یا نہیں اور دشمنوں کی فوج کو وہ شکست دے سکے گی یا نہیں؛ میں آپ لوگوں کو پوری ذمہ داری کے ساتھ باخبر کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری فوجیں اس امتحان میں کامیاب ہوگئی ہیں۔ دشمنوں کو منہ کی کھانی پڑی اور ہماری اس کامیابی نے ہم لوگوں میں ایک ٹھوس اور حد درجہ کا اعتماد پیدا کر دیا ہے۔ ہم جب سے ہندوستان کی سرزمین میں داخل ہوئے ہیں۔ یہ جنگ اصلی معنوں میں ہماری جنگ ہوگئی ہے۔ اس جنگ کی ہار جیت جاپانیوں سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس کی فتح و شکست کا نتیجہ ہندوستانیوں کی "اپنی جنگ" کا نتیجہ ہوگا۔ اس لئے اس احساس نے کہ "یہ ہماری جنگ" ہے۔ ہم میں ایک ولولہ اور نئی امنگ پیدا کر دی ہے۔ اور یہ جوش صرف ہماری فوج ہی میں نہیں بلکہ ہمارے کام ہمدردوں میں بھی پیدا ہوا گیا ہے۔

اب تک ہمیں اس کی کوئی رپورٹ مفصل نہیں ملی کہ ہماری فوج کو کتنی کتنی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ البتہ مجھے یہ شکایت ضرور پہونچی ہے کہ ہماری فوج کو آگے قدم بڑھانے کا حکم بہت دیر میں ملتا ہے۔ ابھی میں اسپتال میں معائنے کی غرض سے گیا تھا۔ وہاں مجھے میدان جنگ کے زخمیوں سے ملنے کا موقع ملا۔ اور ایسے لوگوں سے بھی ملا جو ملیریا اور دوسری بیماریوں میں مبتلا تھے۔ ان سے مل کر مجھے اپنے جانباز سپاہیوں کا حوصلہ اور ان کا خلوص معلوم ہوا۔ ان تمام زخمیوں نے صرف ایک ہی خواہش کا اظہار کیا کہ ان کو پھر دوبارہ محاذِ جنگ پر بھیج دیا جائے۔ مجھے ان کے جذبے اور جنگ میں شامل ہونے کے اصرار پر بہت خوشی ہوئی۔ یہ لوگ محاذِ جنگ پر لڑ چکے ہیں۔ ان کو وہاں کی حالت کا خوب اندازہ ہے۔ وہاں کی تکلیفوں سے بھی وہ لوگ واقف ہیں۔ باوجود اس کے وہ سب خوش ہیں۔ اور ان کے دل حوصلہ افزا جذبات سے بھرپور ہیں۔ اگر میں کہوں کہ اسی طرح مشرقی ایشیا کے تمام ہندوستانیوں کے دل جذبات وطن اور جنم بھومی کی محبت سے لبریز ہیں تو اس میں کوئی مبالغہ کی بات نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

دوستو ہندوستان کی اندرونی حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہماری امیدیں کچھ اور بڑھ جاتی ہیں۔ یعنی کانگریس اب تک "ہندوستان چھوڑدو" کی پالیسی پر اڑی ہوئی ہے۔ اگرچہ گاندھی جی خرابی صحت کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے لیکن حکومت سے کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔

سمجھوتہ نہ ہونے سے ہندوستان کا سارا رجحان برطانیہ کی دشمنی پر مبنی ہو گا۔ جب انہیں یہ معلوم ہو گا کہ آپ ہتھیار اٹھانے کے سوا دوسرا راستہ نہیں۔ تو وہ جیسی جیسی ہماری لڑائی ہندوستان کی سرحدیں بڑھتی جائے گی۔ وہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہوتے جائیں گے اور اس جنگ کو کامیاب بنانے میں ہمیں ہر ممکن امداد پہونچائیں گے۔"

ساتھ ہی آپ نے باہر سے آئے ہوئے نمایندوں اور مہمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اُن کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ اب اور زیادہ جوش سے کام کریں۔ ہماری ضرورتیں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں اسی طرح ہماری مشکلات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ہمارے بعض دوست اپنی گرہ سے مال نکالنے میں پس وپیش اور تامل سے کام لے رہے ہیں یہ وقت زیادہ سے زیادہ قربانی کرنے کا وقت ہے۔ ہمارے لئے یہ دور بہت ہی نازک دور گزر رہا ہے۔ ہماری قربانیوں سے ہندوستان کے ۴۰ کروڑ انسانوں کو غلامی سے نجات ملے گی۔ ہندوستان کی آزادی اور آبرو کے لئے اگر مشرقی ایشیا کے ۲۵ لاکھ ہندوستانی جان اور اپنے مال سے ہمارے کام آجائیں تو بھی یہ سودا مہنگا نہیں ہو گا۔ بلکہ اسے سستا ہی کہنا چاہئے۔ بشرطیکہ اپنے ملک وقوم سے دلوں میں سچی محبت اور اس کی پوری پوری قدر ومنزلت ہے۔ میں آپ سبھوں کو اپنے جان ومال سے حاضر ہو جانے کا پیغام دیتا ہوں۔ آپ لوگوں کو اس کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ لیگ برانچوں کے نمایندوں نے مجھ سے

درخواست کی ہے کہ لیگ کی شاخوں کے عہدہ داروں کو جس قدر رائفلیں
درکار ہوں ان کو قیمتاً مہیا کر دی جائیں کیونکہ ان کو بعض اوقات اپنی جانوں
کی حفاظت کرنے کے لئے خطرات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور بعض نے
یہ بھی درخواست کی ہے کہ ان کے لئے خطرے کی جگہوں پر جنگی سپاہی دفاعی
انتظامات کے لئے متعین کر دیئے جائیں۔ آپ لوگوں کے مطالبات سُن کر
مجھے کہنا پڑتا ہے کہ رائفل کا رکھنا آپ کے لئے کیسے مفید ہو سکتا ہے جبکہ
اسے چلانا نہیں آتا؟ ایسی حالت میں ہتھیار رکھنا آپ کے لئے مضر ہے۔
کیونکہ آپ اس کا استعمال نہیں جانتے۔ سپاہیوں کا تعین بھی آپ کی حفاظت
نہیں کر سکتا۔ اگر واقعی آپ عزت کے ساتھ خود کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں
آپ لوگوں کو خود اور اپنے بچوں کو ہتھیار چلانے کا فن سیکھنا چاہئے۔
آپ کی درخواست پر ہماری طرف سے ہر بڑی بستی میں ٹریننگ کا انتظام
کر دیا جائے گا۔ اس کے لئے رنگون میں پورا پورا انتظام موجود ہے۔ آپ تین
ہی مہینے میں کامل الفن سپاہی بن سکتے ہیں۔ اور اچھی طرح اپنی اور
پڑوسیوں کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اس وقت ہتھیار آپ کو زیب دے گا۔
اور آپ ہتھیار رکھنے کے قابل سمجھے جائیں گے۔"

آپ کی یہ تقریر ڈھائی گھنٹے تک جاری رہی۔ پھر آپ کی اپیل پر
سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں جناب حبیب سیٹھ تھے۔ جنہوں نے اپنی
تمام جائداد منقولہ اور غیر منقولہ۔ سونا چاندی، ہیرے، جواہرات غرضکہ جو
کچھ بھی تھا۔ تحریک کے لئے نیتاجی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور طول میں ملیانز

وانثار کل ہو گئے۔ آپ کی دولت ایک کروڑ تین لاکھ روپے کی شمار کی گئی۔
اس کے بعد مسٹر بی گھوش انجنیئر نے اپنا کل اثاثہ جو چار لاکھ روپے کی
مالیت کا تھا قربان کر دیا۔ تیسرے نمبر پہ مسٹر آر ڈی کھنہ جو ایک پرجوش
نوجوان تھے انہوں نے نیتاجی کے گلے کا ایک ہار خرید کر اپنی مسلّم پونجی کے دس
لاکھ روپے نچھاور کر دیئے۔ اور ان تینوں حضرات نے سب کچھ دے دلا کر
اپنی خدمات بھی تحریک وطن کے لئے حاضر کر دیں۔
جلسے میں نیتاجی کے دوسرے ہار بھی نیلام ہوئے۔ نیز لوگوں نے
بڑھ بڑھ کر رقمیں بھی لکھوائیں۔ چنانچہ اس جلسہ میں جملہ چار کروڑ روپے
وصول ہوئے۔ نیتاجی نے سب سے پہلے ان وطن کی محبت پر قربان ہو جانے
والوں سے معانقہ کیا۔ اُن کے جذبے کو سراہا اور ان کو "سیوک ہند" کے
خطابات سے نوازا گیا۔
حبیب سیٹھ نے جس وقت ایک بڑے سے طشت میں سونے ہیرے
اور جواہرات کے زیورات اور دوسری طرف جائداد کے دستاویزات میز پر
پیش کئے تھے۔ وہ منظر واقعی دیکھنے کے قابل تھا۔ جب آپ طشت میں
ہاتھ ڈال کر زیورات اُچھالتے تھے جس وقت لوگوں کے سامنے ایک ایک
چیز صاف نظر آ رہی تھی۔ کوئی ایسا نہ تھا جس کے منہ سے مرحبا۔ آفرین۔
شاباش۔ دھنیہ باد کے مسرت آمیز الفاظ عالم حیرانی میں نہ نکل گئے ہوں۔
سب حبیب سیٹھ کے اس دل گردے، ان کا یہ حوصلہ۔ ان کا خلوص اور
اس جذبہ ایثار کو دیکھ کر انگشت بدنداں تھے۔ حبیب سیٹھ نے اپنی گاڑھی

کمائی اپنے کمائے ہوئے، حق و حلال کا تمام اندوختہ ہنستے ہنستے جس طرح قربان کر دیا اس کی ایک بھی مثال فی زمانہ تو حاصل ہونا مشکل ہے۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی نظر کے سامنے تمام دولت کو جو ایک دو کی نہیں کروڑ سے اوپر کی دولت تھی۔ اچھی جگہ لگانے والا حقیقتاً کتنا مقدر والا ہونا چاہیئے۔ مرتے وقت تو بہتوں کو خیرات کی سوجھتی ہے۔ وصیت ناموں میں تو بہت کچھ لکھا پایا جاتا ہے، مگر وہ بھی نظروں کے سامنے نہیں۔ دولت کا ڈھیر سامنے ہو نقدی اور جواہرات کا انبار لگا ہو اور وہ ایک ایسے مقصد کے لئے ہاتھ اٹھا کر دے دیا جائے۔ جس سے اس وقت کچھ حاصل نہ ہو کسی نفع کی امید کسی غرض کی توقع اور کسی فائدے کی موہوم سی امید تک نہ ہو۔ ایسے برگزیدہ انسان کا یہ جذبہ ہزار ہا ہزار تعریف و توصیف کے قابل ہے۔ اس بیسویں صدی کی خود غرض دنیا میں جس میں باپ بیٹے کی بلا غرض پرورش نہ کرتا ہو۔ نمائش اور بناوٹ سے جس میں فریب دیا جاتا ہو۔ نادان بچہ تک بے غرض ہنستا اور روتا نہ ہو۔ اس بیسویں صدی کا حبیب سیٹھ! واقعی بیسویں صدی کا حبیب سیٹھ ہے!!

ان کے اس ایثار کو دیکھ کر مجمع میں بہتوں کے آنسو نکل پڑے۔ جذبات محبت کے آنسو! خوشی کے آنسو!! سبھوں کی آنکھیں پر نم تھیں۔ کوئی کہتا تھا۔ کیا حبیب سیٹھ نے سب کچھ دے کر اپنے لئے کچھ بھی نہ رکھا کچھ تو رکھ لیا ہوتا!۔ غریب نے بال بچوں تک کی بھی پرواہ نہ کی۔ بے شک اصلی معنوں میں یہ حاتم وقت ہے!! اس نے ہندوستانیوں کی لاج رکھ لی۔ اس نے مسلمانوں کا سر فخر سے اونچا کر دیا۔ اس نے مادرِ وطن کا کلیجہ

ٹھنڈا کر دیا۔ اور بتا دیا کہ ہونہار فرزند وطن اور سچے سپوت ایسے ہوتے ہیں۔ حبیب سیٹھ نہ رہیں گے۔ دولت نہ رہے گی۔ مگر تاریخ عالم میں ان کا نام زندہ جاوید رہے گا۔ ان کے خلوص اور ایثار قربانی کی مثال دوسروں کے واسطے قابل تقلید مثال ہوگی۔ یہ بھلائے بھی جائیں گے تو بھلائے نہ جا سکیں گے۔ اور تاریخ کا ہر لفظ ہر نقطہ روشن ہو کر حبیب سیٹھ کی یاد دلاتا رہے گا۔ یہی حال مسٹر بی گھوش اور مسٹر آر ڈی کھنہ کی تعریف و توصیف کا تھا کہ ہر شخص آفریں و مرحبا کہہ رہا تھا۔ الغرض یہ شاندار اور یادگار جلسہ اختتام پذیر ہوا اور ہمیشہ کے لئے دلوں میں اپنی یادگار چھوڑ گیا۔

۲۱ر جولائی کا شاندار جلسہ

سٹی ہال میں پھر ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں نیتاجی حسب پروگرام تشریف لائے اور آپ کے گلے میں شہریوں نے عقیدت کے ہار ڈالے۔ اس جلسے میں مسٹر بتاشی اور چودھری برادرس۔ اپنی تمام دولت دے کر مکمل قربانی کے لئے آمادہ تھے۔ مسٹر بتاشی کا کل اثاثہ نو لاکھ اور چودھری برادرس کی مالیت پندرہ لاکھ روپے کی تھی۔ یہ دونوں صاحبان حبیب سیٹھ کے نقش قدم پر چل کر اپنا سب کچھ راہ آزادی میں قربان کرنے کو تیار ہو گئے تھے۔ نیتاجی نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ ان سے معانقہ کیا اور انہیں بھی حکومت کی طرف سے "سیوک ہند" کا گرانقدر تمغہ عنایت کیا گیا۔ اس جلسے میں باربرداری کے ڈیڑھ سو بوٹ بھی نذر میں دیئے گئے جو غیر دخانی تھے۔ اور ہزار ڈیڑھ ہزار ٹن مال اٹھانے کی گنجائش رکھتے تھے

اس کے علاوہ پھولوں کے ہار بھی نیلام ہوئے تھے۔ وصول شدہ فنڈ کی مجموعی رقمیں دو کروڑ کے لگ بھگ تھیں۔ اس جلسے میں نیتاجی نے حسب ذیل تقریر فرمائی:۔

بھائیو! آج مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے کہ لوگ اب اپنے فرائض کو سمجھنے لگے ہیں۔ ان میں احساس خودی اور خود اعتمادی پیدا ہو چکی ہے زندہ قوموں کو بار بار ان کے فرائض یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی آج میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ اپنا سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ ہو رہے ہیں حبیب سیٹھ نے دنیا کے سامنے جو نمونہ پیش کیا ہے۔ وہ بہت ہی قابل قدر ہے اور اس نمونے پر چل کر وطن کی خدمت کرنے والے بہت ہی مبارک لوگ ہیں۔ بعض لوگ اپنا سب کچھ قربان کرنے والوں پر ہنستے بھی ہونگے مگر میں کہتا ہوں کہ خوب سوچ سمجھ کر مکمل قربانی کیجئے دکھاوا کچھ اچھی بات نہیں۔ قومی خدمت کرنے سے سچی خوشی حاصل ہوا کرتی ہے۔ آپ لوگوں کو دے کر خوش ہونا چاہئے۔ آج کل ہمارے دشمنوں کے دماغوں کا توازن ٹھیک نہیں ہے۔ آزاد ہند فوج کی تشکیل سے ان کو سخت تکلیف پہنچی ہے پہلے تو انہوں نے یہ خبر چھپائی مگر کب تک چھپائے رکھتے؟ اس کے بعد دہلی ریڈیو نے یہ کہا کہ جاپانیوں نے جنگی قیدیوں کی ایک فوج بنائی ہے جن میں ان کو جبراً بھرتی کیا جاتا ہے۔ لیکن ان کا یہ پروپیگنڈا بھی جھوٹ ثابت ہو گیا کیونکہ ہندوستان میں یہ خبر پہنچ ہی گئی کہ ہندوستانی سول آبادی (شہریوں) کی ایک بہت بڑی تعداد اس فوج میں شامل ہو گئی ہے۔

اب انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جنگی قیدیوں نے فوج کی شمولیت سے انکار کر دیا ہے۔ اس لئے شہریوں پر جبر کیا جاتا ہے کہ وہ بھرتی ہو جائیں۔ شاید آل انڈیا ریڈیو کے ماہرین نے بوکھلاہٹ میں اس پر غور نہیں کیا کہ جب جنگی قیدیوں کو مجبور نہیں کیا جا سکتا تو پھر سول آبادی کو مجبور کر کے فوج میں شامل کر لینا کس قدر دشوار ہے۔ جبکہ وہ آزاد ہیں اور ان پر دباؤ ڈالنا آسان بات نہیں۔ تھوڑی سی عقل سلیم رکھنے والا بھی سمجھ لے گا کہ تنخواہ یافتہ فوج جبر سے بنائی جا سکتی ہے مگر رضاکار پر زور نہیں ڈالا جا سکتا۔ یہ بہت ممکن ہے کہ آپ کسی کو کاندھے پر بندوق رکھنے پر مجبور کریں۔ مگر اسے اس کی منشاء دلی کے خلاف جان دینے پر ہرگز ہرگز مجبور اور آمادہ نہیں کر سکتے۔ پہلے دشمن یہ بھی کہتے تھے کہ آزاد ہند فوج ایک پروگینڈا ہے جو کبھی نہیں لڑ سکتی۔ اس کے بعد یہ کہا گیا کہ اس نے برما کی سرحد کو عبور نہیں کیا۔ اور اب جبکہ ہم نے سرزمین ہندوستان میں قدم رکھ دیا اور لڑائی ہندوستان کی سرزمین پر لڑی جا رہی ہے۔ تو یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے دلی کے داخلے کی جو تاریخ بتائی تھی اس تاریخ کو ہم وہاں نہیں پہنچ سکے لوگوں کو جعلی اور جھوٹی تاریخ بتا کر دھوکا دیا جاتا ہے اور ہم لوگوں کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ دشمنوں کو ایسے اوچھے اور جھوٹے ہتھیاروں سے کام نہ لینا چاہیئے۔ یہ ان کے لئے باعث شرم ہے۔ ہم ان کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم نے کبھی بھی تاریخ کا تعین نہیں کیا تھا۔ اور کر بھی کیسے سکتے ہیں۔ کوشش ہمارا کام ہے۔ اور نتیجہ خدا کے ہاتھ ہے۔

دوستو! ہماری فوج ہندوستانی ہے اور ہندوستانی کمان میں تربیت یافتہ ہے۔ یہ فوج ہندوستان کی خادم ہے۔ ان کا کام صرف وطن کو آزاد کرانا ہے۔ آزادی حاصل ہو جانے کے بعد یہ ہندوستانیوں کی مرضی پر منحصر ہے۔ وہ جیسی حکومت چاہیں بنائیں اور اس کا دستور حکومت مرتب کریں۔ ہندوستان جاکر عارضی حکومت ہند توڑ دی جائے گی۔ اور اسکی جگہ مستقل حکومت لے گی۔ اور مستقل حکومت وہی کہلائے گی جس کو عام ہندوستانی اپنی مرضی اور خوشی سے قائم کریں گے۔ ہم اسی مبارک دن کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور ہماری تمام جدوجہد اور قربانیاں اسی دن کے لئے مخصوص ہیں"

راقم الحروف نے اس جلسے کے لئے خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل نظم لکھی تھی۔ جس نے پبلک کے جذبات ابھارنے میں "عملی قربانی" کا ہیجان پیدا کر دیا۔

ماتا کی پکار

(از لسان القوم معلم مشتاق راندیری)

عشقِ وطن سے اپنا دل داغ دار کر دو
اُجڑے ہوئے چمن کو رشکِ بہار کر دو
جو ہو وطن کا دشمن ایک ایک کے چار کر دو
مقتل کی پھر زمیں کو تم لالہ زار کر دو

بیڑا پڑا ہوا ہے مشکل میں پار کردو
قربان جان کردو۔ دولت نثار کردو

تم پہ لگی ہوئی ہیں سارے جہاں کی آنکھیں
معصوم کی نگاہیں پیر و جواں کی آنکھیں
تم پہ جمی ہوئی ہیں ہندوستان کی آنکھیں
پھیلا کے ہاتھ تم کو تکتی ہیں ماں کی آنکھیں
بیڑا پڑا ہوا ہے مشکل میں پار کردو
قربان جان کردو۔ دولت نثار کردو

کتنی سسک رہی ہیں فاقوں سے آج مائیں
بے باپ وہاں کے بچّے کرنے لگے صدائیں
حالت یہ ہو رہی ہے تب آپ ہی بتائیں
بیکار پھر یہ دولت کس کے لئے کمائیں
بیڑا پڑا ہوا ہے مشکل میں پار کردو
قربان جان کردو۔ دولت نثار کردو

ہندوستاں کی قسمت ہاتھوں میں ہے تمہارے
انسانیت کی عزّت ہاتھوں میں ہے تمہارے

ایثار کی بھی دولت ہاتھوں میں ہے تمہارے
اب عارضی حکومت ہاتھوں میں ہے تمہارے
بیڑا پڑا ہوا ہے مشکل میں پار کردو
قربان جان کردو۔ دولت نثار کردو

قبضے میں آج اپنے تلوار آگئی ہے
برطانیہ کے دل پر ہیبت سی چھا گئی ہے
اپنی بہادری کا سکہ جما گئی ہے
تا عرش بے کسوں کی آخر دعا گئی ہے
بیڑا پڑا ہوا مشکل میں پار کردو
قربان جان کردو۔ دولت نثار کردو

دشمن کو اپنے ساز و سامان پر ہے غرّہ
ظلم و ستم کو اُن کے شیطان پر ہے غرّہ
چرچل کو اپنے دیوِ نادان پر ہے غرّہ
ہم کو مگر خدائے رحمان پر ہے غرّہ
بیڑا پڑا ہوا ہے مشکل میں پار کردو
قربان جان کردو دولت نثار کردو

دیکھو کہ دیکھتی ہے وہ تم کو کامرانی
وہ مسکرا رہی ہے بھارت کی نوجوانی
عیش و طرب کی دُھن تو بھولی ہوئی کہانی
آرام سے کٹے گی پھر اپنی زندگانی

بیڑا پڑا ہوا ہے مشکل میں پار کر دو
قربان جان کر دو۔ دولت نثار کر دو

ہندوستان کے ہم ہیں ہندوستان ہمارا
ہم آسرا ہیں اس کا اپنا ہے وہ سہارا
رُسوائی اس کی ہوگی کیسے ہمیں گوارا
عزّت کے ساتھ ہم کو کرنا ہے گر گزارا

بیڑا پڑا ہوا ہے مشکل میں پار کر دو
قربان جان کر دو۔ دولت نثار کر دو

مشتاق تیرے دل میں ارمان رہ نہ جائے
بھارت میں کوئی شامی مہمان رہ نہ جائے
فردوس کے چمن میں شیطان رہ نہ جائے
غیروں کا اپنے سر پر احسان رہ نہ جائے

بیڑا پڑا ہوا ہے مشکل میں پار کر دو
قربان جان کر دو۔ دولت نثار کر دو

امپھل کی جنگ

امپھل کا محاصرہ ٹوٹ گیا

۱۰/ اپریل کو برطانوی دفاعی حلقہ کو ٹوٹنا پڑا۔ جاپانیوں کے قبضے سے اتحادیوں کو سخت تکلیف کا سامنا تھا۔ مگر کمک کی امید نے ان کے دلوں میں ڈھارس پیدا کر دی تھی۔ ۱۴/ اپریل کو اتحادی طیاروں نے ہمت کر کے ان کو خوراک اور طبی سامان پہونچایا۔ ادھر انگریزوں کی پانچویں اور ساتویں ڈویژن جو ارکان میں تھی۔ اسے بذریعہ ہوائی جہاز یہاں پہنچایا گیا۔ احمد نگر سے بھی ۲۴ گھنٹوں میں ۱۷ ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے سامان جنگ پہونچ گیا۔ باربرداری کے لئے موٹریں۔ ٹرکس۔ خچر ہزاروں کی تعداد میں دیگر سامان رسد کے ساتھ امپھل کی طرف روانہ کر دئے گئے۔ کمک کے پہونچ جانے کے بعد یہاں گھمسان کی جنگ ہوئی ناگا بستی پر زور شور کی لڑائیاں ہوئیں۔ امپھل کے محاصرہ کو بڑی جان توڑ کوششوں کے بعد انگریزی فوج توڑنے میں کامیاب ہوئی۔ اس فوج کے ساتھ پہاڑی علاقے کے جنگلی ناگا۔ کوکی باشندوں کی امداد ان کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی۔ برطانوی فوج نے

شمال کی ۳۳ ویں فوج سے مل کر جاپانیوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ اب ہندوستانی اور جاپانی فوجوں کو اپنے اپنے مورچے بھی چھوڑنے پڑ گئے۔ اور ان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر ۳ مہینے کے بعد امپھل کا محاصرہ ٹوٹ گیا۔ اس جنگ میں انگریزی فوج نے "مرتا کیا نہ کرتا" پر عمل کرتے ہوئے انتہائی زور لگا دیا۔ ہندوستانی اور جاپانی افواج نے بہادری کے وہ محیر العقول کارنامے اس جنگ میں پیش کئے تھے۔ جو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

فی الحال ہم امپھل کی جنگ کی تفصیلات اور ان بے شمار بہادرانہ کارناموں کو طوالت کے خوف سے چھوڑ رہے ہیں۔ جو اس جنگ میں پیش آئے تھے۔

انگریزی فوج کے ایک ذمہ دار کپتان کا بیان

برطانوی فوج کے ایک بڑے ذمہ دار ہندوستانی افسر نے یہاں کا ایک واقعہ عجیب و غریب بتایا۔ ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم امپھل کے اطراف میں ایک مورچہ پر تھے — کچھ فاصلے پر جاپانی اور ہندوستانی مورچہ تھا درمیان میں ایک پانی کا چشمہ بھی تھا۔ جس سے دونوں سیراب ہوتے رہتے تھے۔ دونوں طرف سے پانی لیتے وقت گولیاں بھی چل جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ یکایک ایک دستہ باقاعدہ مارچ کرتا ہوا

ہماری ٹرینچ کی طرف بے دھڑک آتا ہوا دکھائی دیا۔ ہم حیرت میں پڑ گئے کوئی نتیجہ نہ نکال سکے۔ یہ خیال ہوا کہ شاید جنگ ختم ہو کر صلح کی کوئی خبر آئی ہوگی۔ یا پھر یہ دستہ خود کو برطانوی فوج کے حوالے کرنا چاہتا ہوگا! ہم ابھی خیال آرائیاں ہی کر رہے تھے کہ وہ ہماری ٹرینچ کے منہ پر آگئے اور نہایت دلیری کے ساتھ ٹرینچ میں کود کر حملہ آور ہو گئے۔ ہمارے بہت سے آدمیوں کا نقصان ہوا اور بقیہ قید کر لئے گئے۔ ہمیں اس کے بعد اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ وہ کہتے تھے کہ مجھے جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے۔ اپنی فوج کی بے وقوفی پر شرمندگی سی ہوتی ہے۔

ان کی یہ حیرت انگیز دلیری واقعی قابل داد ہے۔ آزاد ہند فوج اور جاپانیوں کے بہادری کے کارنامے ایسے تو ہزاروں ہیں جنہیں طوالت کے خیال سے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

الغرض جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ برطانوی طاقت بڑھتی جا رہی تھی۔ اور جاپانی طاقت کمزور اور منتشر ہو رہی تھی۔ کوہیما امپھل روڈ جاپانیوں سے بالکل صاف ہو چکا تھا۔ امپھل پر برطانوی چودھویں فوج قابض ہو چکی تھی۔ ۱۹ر جولائی کو امپھل کی جنگ ختم ہو کر ختم ہو گئی۔ اور ۲۰ر اگست تک آزاد ہند فوج منی پور سے واپس رنگون آگئی۔

آزاد ہند فوج کی شکست کے اسباب

امپھل کے معرکے میں ہماری شکست کے اسباب

شکست کے اسباب تین تھے۔ اول تو آزاد ہند فوج کے وسائل جنگ کی کمی۔ دوسرے موسم برشگال کا بے پناہ اثر تھا۔ مئی کے مہینے سے لے کر اکتوبر کے آخر تک بارش کے زور و شور نے بہت کچھ نقصان پہونچایا۔ جا بجا نالے بن گئے۔ ندیوں میں پانی کی طغیانی آگئی۔ راستے کیچڑ اور دلدل سے بھر گئے۔ گاڑیوں کا چلنا دشوار ہو گیا۔ باربرداری کے وسائل مسدود ہو گئے رسد اور سامان جنگ کا محاذ پر پہونچنا مشکل ہو گیا۔ فوج خندقوں اور مورچوں میں کیچڑ اور پانی کی وجہ سے ایک طرح محصور ہو چکی تھی۔ دانہ پانی بند ہو گیا تھا۔ گدلا پانی استعمال میں لایا جاتا تھا۔ طرح طرح کی بیماریاں بھی پھیلنی شروع ہو گئیں۔ رسد نہ پہونچنے پر فوج کو کئی دنوں تک درخت کی پتیوں پر گذر کرنا پڑا۔ بھوک پیاس اور وبائی امراض سے فوج کا بہت نقصان ہوا۔ کئی ہزار جانباز سپاہی خدمت وطن کی راہ میں جان دے چکے تھے۔ جو باقی خود بھوک پیاس اور بیماریوں کا شکار ہو رہے تھے۔ وہ خود بھی مجبور تھے اس لئے

ان سے کسی قسم کی امداد کی امید بیکار تھی ۔ اس حالت میں بھی آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کو جب برطانوی ہندوستانی سپاہیوں کی طرف سے کھانے پینے کا لالچ دیا جاتا تھا ۔ تو یہ لوگ نہایت حقارت سے ان کو جواب دیتے تھے کہ "اگر کھانے پینے ہی کے لئے ہم ہوتے تو ہم انگریزی فوج کی قید کو ترجیح دیتے ۔ ہم روکھی سوکھی کھا کر وطن کو آزاد کرانے کے لئے مصیبتیں جھیلنے میں فخر محسوس کرتے ہیں"

برطانوی ہوائی طاقت کی برتری

دوسرا سب سے بڑا سبب جاپانی ہوائی بیڑے کا فقدان اور برطانوی فضائی طاقت کی زیادتی اور برتری تھی ۔ اس موقع پر انگریزی ہوائی بیڑوں نے وہ محیر العقول کام انجام دیا ہے جس سے ان کی فوج کو بہت سی مشکلات سے نجات مل گئی ۔ چنانچہ اتحادی لشکر بردار طیارے میجر جنرل ونگٹ کی سرکردگی میں شوئے بو سے میچنا جانے والی ریلوے لائن پر اتر پڑے ۔ اور لشکر کیتھا کے قریب جنگلوں میں پھیل گیا ۔ ان کا یہ لشکر جاپانی لائنوں سے دو سو میل پیچھے تھا ۔ انہوں نے اول تو جنگل بالکل صاف کر ڈالا اور لمبی لمبی گھانس میں پناہ گزین ہو گئے ۔ جنرل اسٹیل ول کے ساتھ جاپانی مقابلے کے وقت جنرل ونگٹ کے طیارے اور اس کا لشکر ایک عقبی خطرہ بن گیا تھا ۔ کچھ طیارے ادھا دھند بمباری کرتے اور جاپانیوں کا نقصان کرتے رہتے تھے ۔ ہوائی حملوں نے ایک آفت مچا رکھی تھی ۔ آمد و رفت ۔ موٹریں ۔ لیمپیں غرضکہ

بار برداری کے لئے راستے ہر طرف مخدوش تھے۔ ان کے مقابلے میں جاپانیوں کی ہوائی طاقت ۵ فی صدی کے برابر نہ تھی۔ اس جنگ میں ہو بہو ۱۹۴۲ء سے برعکس مقابلہ تھا۔ یعنی اس وقت برطانیہ کے پاس ہوائی طاقت کی کمی تھی۔ جس سے ان کو شکست کھانی پڑی۔ کیونکہ ان کی فضائی طاقت یورپین محاذ کی حفاظت میں مصروف تھی۔ ادھر جاپانی آج فضائی طاقت کی کمزوری سے مجبور تھے۔ ان کی یہ طاقت خود ان کے گھر جاپان کی حفاظت میں کام آ رہی تھی اور بحرالکاہل کی جنگ میں ان کو نقصان کثیر اٹھانا پڑا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہار گئے۔ برطانوی ہوائی بیڑا اس جنگ میں ان کے بہت کام آیا۔ ہاتھی۔ گھوڑے۔ خچر ٹینک موٹریں۔ سامان رسد۔ غلہ راشن۔ شراب۔ پیٹرول۔ ایندھن۔ غرضکہ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی جنگی ضروریات کی چیزیں ان کے ذریعے سے محاذ پر پہونچ جایا کرتی تھیں۔ ان طیاروں نے تقریباً ڈیڑھ کروڑ پونڈ کے راشن کی سپلائی کی تھی۔ موسم کی خرابی کے باوجود ہفتوں اور مہینوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کر کے امداد پہونچا دینا ان کا کامیاب ریکارڈ ہے۔

تیسری غلطی اور شکست کا یہ سبب بھی بڑی حد تک درست ہے کہ محاصرے کے بعد اور کمک پہونچنے سے پہلے ایک سخت حملہ کر دینے کا مشورہ آزاد ہند فوج کے افسروں نے دیا تھا۔ مگر جاپانی جنرل کمانڈنگ افسر اس سے متفق نہ تھا اور اس نے اس کا حکم نہیں دیا۔ ورنہ کیا عجب ہے کہ جنگ کا کچھ اور ہی نتیجہ ہوتا۔ کیونکہ اس وقت برطانوی افواج کا راشن ختم

ہو چکا تھا۔ اور وہ فتح سے نا امید ہو چکے تھے۔ تازہ کمک نے ان کی جانیں بچالیں۔ اور اس طرح جاپانی اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے ڈوبے۔

آزاد ہند فوج اور جاپانی کمانڈر

امپھل پر آزاد ہند فوج کی لشکر کشی کے وقت ایک سوال یہ بھی پیدا ہوا تھا کہ فوجی کمانڈر کی کیا صورت ہونی چاہئے۔ کیا نیتاجی سپریم کمانڈ اور حکومت آزاد ہند کے تحت یہ تمام کارروائیاں عمل میں لائی جائیں؟ اس پر یہ اعتراض ہوا تھا کہ چونکہ جنگ برما کی سرحد میں ہے اس لئے اس کی فوجی کمان برما کا کمانڈر انچیف ہی کرتا رہے۔ ایسی حالت میں جب کہ خود نیتاجی سپریم کمانڈ آزاد ہند فوج تھے۔ ان کا جاپانی کمانڈر کے تحت رہنا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اس لئے ایک فوجی آپریشن بورڈ بنایا گیا۔ جس میں نیتاجی کے بدلے میجر جنرل چٹرجی شامل ہوئے تھے۔

آزاد ہند فوج کے ہندوستانی سرحد میں داخلے کے بعد پھر یہی سوال اٹھا۔ اس وقت ایک دوسرا بورڈ بنایا گیا۔ اور جاپانی کمان سے علیحدگی اختیار کر لی گئی۔ کیونکہ یہ سرحد ہندوستان کا معاملہ تھا۔ اسے آزاد ہند حکومت کے انتظام میں رکھنا ضروری سمجھا گیا۔

جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں عرض کیا گیا ہے کہ ملٹری بورڈ جاپانی کمانڈر انچیف کے ماتحت۔ امپھل کے محاصرے کے وقت آزاد ہند فوج کو عام حملے کا حکم نہیں مل سکا۔ اس وقت بھی ہندوستانی افسران کا خیال تھا کہ امپھل کو تین طرف سے گھیرا جائے اور ایک راستہ چھوڑ دیا جائے تاکہ عام

حملے کے وقت برطانوی فوج کو نکل بھاگنے کا موقع مل سکے۔ مگر جاپانی اس مثلث دائرے کے مخالف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ چاروں طرف سے گھیر ڈال کر ان کو مجبور کر دیا جائے۔ اس حالت میں مال غنیمت کی زیادتی کے ساتھ ساتھ ایک لاکھ کے قریب ہندوستانی برطانوی سپاہیوں کو آزاد ہند فوج میں شامل ہو جانے کا موقع مل سکے گا۔ اس اختلاف رائے ہی کی وجہ تھی کہ ہندوستانی فوج کو حملہ کرنے کا حکم نہ دیا گیا۔ اور یوں محاصرہ کی طوالت برطانوی حق میں مفید ثابت ہوئی، جس کے لئے بعد میں جاپانیوں کو بہت پچھتاوا رہا اور تجربے نے ان سے آئی این اے کے افسران کی جنگی قابلیت اور اصابت رائے کا اعتراف کرالیا۔

برطانیہ کے جنگی وسائل کی برتری

برطانیہ کے وسائل جنگ کا تفوق اور اس کی جنگ کو طول دینے کے
ساتھ ساتھ دشمنوں کی طاقت کو پھیلا کر اُسے منتشر کر دینے والی پالیسی ہی جنگ
میں اس کی کامیابی کا باعث ثابت ہوئی ہے۔ جاپان نے کبھی اتحادی طاقتوں
سے جنگ کرنے کے لئے ذخائر حرب جمع کرنے کا خیال اور اپنی جنگی طاقت کو
بڑھانے کا عملی اقدام نہیں کیا تھا۔ اور یہ بھی کہ وہ محوری طاقتوں کا ساتھ دے
البتہ وقت اور موقع نے اسے مجبور کیا کہ وہ جنگ میں کود پڑے۔ برطانیہ کی
مشرق میں کمزوری اور مغرب میں محوری طاقتوں کی کامرانیاں دیکھ کر اسے
بھی ایشیائی لیڈر بننے کا شوق پیدا ہو گیا۔ اور یہی چیز تھی جو اسے صحیح معنوں
میں تحریص دلا رہی تھی کہ وہ صرف اپنی بے مثل قربانیوں ہی کے بل بوتے پر
ایشیا کا مرانی اور سرپرست بن جائے۔ دوسری طرف برطانیہ کی بعض عاقبت
نااندیشانہ حرکتیں تھیں جو چین کی دوستی کا اظہار کر رہی تھیں اور جو اس کے لئے
جنگ کا ایک بہانہ ثابت ہو چکی۔ مغربی سیاست کا گہرا مطالعہ کرنے والوں
سے یہ بات بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ "جاپان سے زیادہ برطانیہ خواہشمند
تھا کہ وہ جنگ میں شریک ہو جائے۔ دوسرے لفظوں میں اگر یہ کہا جائے
تو بھی درست ہے کہ اسے مجبور کر کے جنگ کی دہکتی ہوئی آگ میں گھسیٹ لیا

گیا۔ برطانیہ کسی حالت میں یہ دیکھنا گوارا نہیں کرتا کہ وہ جنگ میں مشغول رہے اور جاپان سفت میں طاقت ور ہوتا رہے۔ البتہ جنگ میں اسے شریک کر کے اس کی طاقت دور دراز مقامات میں پھیلا دینا اور اس کے محاذ جنگ کو وسیع کر دینے میں وہ ضرور اپنی کامیابی محسوس کرتا تھا۔ جرمنی کی برق رفتار کامرانی اور وسعت ملک گیری کو دیکھ کر اسے پختہ یقین ہو چکا تھا کہ وہ طویل عرصے کی جنگ میں ضرور فتح حاصل کرے گا۔ اس سلسلہ میں مسٹر چرچل کی پالیسی کامیاب رہی اور وہ تنہا جاپان کو اپنے ملک سے دور پردیس میں لا کر بے بس کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

جاپان ایک صنعتی ملک ہے اور خام اشیاء کے لئے وہ دوسرے ملکوں کا محتاج رہا ہے۔ ایسی حالت میں ۸ کروڑ انسانوں کی روزانہ ضروریات اور جنگی ذخائر کا مہیا کر لینا اس کے لئے بہت اہم سوال تھا۔ میدان جنگ میں وہ تنہا اتحادیوں کا مقابل تھا اور ایسی حالت میں جبکہ اس کے گھریلو صنعتی اڈے تباہ کر دیئے جا رہے ہوں۔ کچھ مدت کے بعد اس کا حاصل شدہ مال غنیمت بھی ختم ہو چکا ہو۔ اور دوسری طرف اس کے حلیف محوری طاقتوں کا شیرازہ بکھر کر اس کے حریفوں کی طاقت مجتمع ہو رہی ہو اس کا میدان جنگ میں شکست کھا جانا ایک لازمی امر تھا۔

۴۲ء کے شروع میں جو برطانیہ کی حالت تھی وہی ۴۵ء میں جاپان کی مجبوریاں تھیں۔

۴۵ء تک جاپان کا بحری بیڑہ تقریباً تباہ ہو چکا تھا اور جو کچھ

باقی رہ گیا تھا وہ خود ان کے ملکی بچاؤ کے لئے ناکافی تھا۔
بیسفک میں اس کے ستر لاکھ ٹن جہازات ڈبو دیئے گئے تھے جن میں اس کے بڑے بڑے جنگی جہاز اور بار برداری کا بیڑہ بھی شامل تھا اب اس کے پاس بیس لاکھ ٹن کے جہاز رہ گئے تھے۔ جو جاپان کے تمام مفتوحہ علاقے تک سامان جنگ و رسد پہنچانے سے قاصر رہے کیونکہ ہر طرف راستے مسدود ہو چکے تھے۔ ہوائی جاپانی بیڑہ بھی برباد ہو چکا تھا۔ اور یہی ایک ایسی چیز تھی۔ جو اس وقت جاپان کے لئے اشد ضروری تھی ہوائی طاقت کی کمی نے ہی اُسے ۴۵ء میں اور برطانیہ کو ۴۲ء میں شکست سے دو چار کر دیا تھا۔ جاپانی ہوائی جہاز نیز تمام جنگی سامان پائیدار اور دیرپا بھی نہیں تھے۔ اس کے کھلونوں کی طرح خوبصورت اور کام چلاؤ ضرور تھے۔
جنگجو طاقت میں وہ اکیلا ہی تھا۔ اور بہت ہی کم اس کے مقبوضہ علاقوں کی فوج اس کے ساتھ شامل تھی۔ اس کی اصلی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی قوم کے سوا دوسروں پہ بھروسہ کرنے میں بہت ہی بخل سے کام لیا کرتے تھے۔ ساتھ ہی کچھ مدت کے بعد اس کے بعض غیر ذمہ دار عاقبت نااندیش فوجیوں اور ملٹری پولیس نے رائے عامہ کو ان کے خلاف کر دیا تھا۔ اور ان کے دلوں میں جاپانیوں سے ہمدردی کا جذبہ مفقود ہو چکا تھا۔ بخلاف اس کے ادھر اتحادی طاقت روز افزوں ترقی پر تھی۔ اتحادی فوجی قوت میں۔ چین اور ہندوستان کی سب سے بڑی امداد شامل تھی۔ ان ساتھ امریکہ۔ ہندرلینڈ۔ کینیڈا۔ آسٹریلیا۔ افریقہ۔ ابی سینا۔ (حبشہ) کے سپاہی تھے۔ دولتمند سامان جنگ

ذخائر- ایندھن اور پیٹرول ہر چیز زیادہ سے زیادہ ان کو حاصل تھی۔ امریکہ
کی پوری دولت اور وسائل برطانیہ کے لئے موجود تھے۔ اس کا جنگی بحری
بیڑہ - جس میں ۲۵۰ بڑے بڑے جنگی جہاز - ۷۰ کروزر - ۵۰۰ ۱ بار بردار
جہاز - لاکھوں کشتیاں - ایک لاکھ کے قریب طیارے - ہزاروں اڑن قلعے
(لنکاسٹر بمبار اور لڑاکا جہاز بی ۲۹) پچاس لاکھ کے
قریب فوجیں جاپان کو کچلنے کے لئے آمادہ پیکار تھیں۔ کینیڈا بڑے جنگی بیڑے
اور ہوائی جہازوں اور انسانی امداد سے پوری قوت پہونچا رہا تھا۔ آسٹریلیا کا
سامان جنگ اور رسد نیز اس کا جنگی بحری اور ہوائی بیڑہ پوری قوت کے
ساتھ جاپانی طاقت کو کمزور کر رہا تھا۔ اتحادیوں کی بہت بڑی قوت جو ڈیڑھ
کروڑ سے زاید سپاہیوں پر مشتمل تھی محفوظ رکھی گئی اور جو بوقت ضرورت کام آئی

جاپان کے صنعتی شہروں کی تباہی نے اور ان پر اندھا دھند
بمباریوں نے اس کی کمر ہمت توڑ دی۔ فقط دو ماہ میں ۵۰ ہزار ٹن کے
قریب جاپان پر بم برسا دیئے گئے۔ انسنڈری آتش افروزیوں نے بہت زیادہ
بربادیاں - مزید کئی لاکھ ٹن کے بم اس پر اور برسانے کے لئے محفوظ تھے
الغرض اتحادیوں کی پوری طاقت وقوت سمٹ سمٹا کر جرمنی اور یورپ کے
دیگر محاذ سے جاپان پر ٹوٹ پڑی۔ جس سے اسے شکست کھانا پڑا۔ اس
سے قبل بھی جاپان چار سال تک چین سے نبرد آزما رہا تھا۔ طاقت برابر
کی نہ تھی۔ کئی گنا اتحادیوں کی طاقت جاپانیوں سے بڑھی ہوئی تھی۔ پھر
بھی اس نے بڑی بے جگری، پامردی - ہمت اور جاں بازی کے ساتھ

تمام دنیا کی مشکلات کا مقابلہ کیا۔ اور ہمت نہ ہاری۔ شہنشاہ جاپان کے ہتھیار رکھ دینے کے حکم پر بھی ان کا جی نہ چاہتا تھا کہ وہ بغیر لڑے انگریزوں کے قیدی بن جائیں۔

ہزاروں ایسے تھے جنہوں نے خودکشی کر لی۔ مگر قیدی بننا گوارہ نہ کیا۔ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے اور جاپانی و اتحادی طاقت اور وسائل جنگ کا موازنہ کیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ یہ جوڑ کا مقابلہ نہ تھا۔ یہ جاپانیوں کی جانبازی اور بہادری کا کرشمہ تھا کہ وہ چار سال تک مشرقی ایشیا پر اپنی من مانی کرتے رہے۔ اتحادی تاریخی دنیا میں جرمنی کو بھول سکتے ہیں مگر جاپانی بہادری کی ہیبت کا سکّہ ان کے دلوں سے مٹائے نہ مٹ سکے گا۔ اور وہ رہتی دنیا تک ان "بونے بالشتیوں کو" فراموش نہ کر سکیں گے۔

جاپانیوں کی شکست کے اسباب میں سے بعض سیاست دانوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اگر داخلۂ برما کے موقع پر ہندوستان تک انگریزوں کا تعاقب کر لیتا تو کامیاب ہو جاتا۔ مگر یہ ایک ایسی قیاسی رائے ہے۔ جو حقیقت سے لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔ جن لوگوں نے جاپانیوں کا برما میں داخلہ دیکھا ہے۔ اور اس کا سیاسی تجزیہ کیا ہے وہ اس کا یقین رکھتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان پر حملہ کر کے جاپان بہت سی مشکلات میں پھنس جاتا اور چادر سے زیادہ پاؤں پھیلا کر اسے بے اندازہ نقصانات برداشت کرنے پڑتے۔ اس کے چند وجوہات ہیں۔ اول تو جاپان کا اس وقت مختلف مقامات سے برما میں داخلہ ان کے سلسلہ امداد کو قائم نہ رکھ سکتا تھا۔

دوسرے ملایا اور تھائی لینڈ کے بعد ان کا کوئی فوجی مستقر بھی نہ تھا اور اس کے لئے وہ عجلت میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ تیسرے ہندوستان بالکل جاپانیوں کے استقبال کے لئے تیار نہ تھا۔ برطانوی پروپگنڈے نے ان کو اس قدر متنفر کر دیا تھا کہ وہ ہرگز ان کا داخلہ ہندوستان میں منظور نہ کرتے۔ اگر وہ فتح کے نشے میں چور ہو کر ہندوستانی سرحد میں داخل بھی ہو جاتے تو کچھ دنوں بعد انہیں واپس لوٹ آنا پڑتا۔ کیونکہ اندرون برما کا انتظام مکمل نہیں تھا۔ اور انہیں وہاں پوری امداد نہیں مل سکتی تھی۔ یہ انہوں نے بڑی دور اندیشی سے کام لیا تھا۔ کہ ہندوستان کا اس وقت رخ نہیں کیا پھر بھی یہ ضرور کہنا پڑے گا۔ کہ ان کی دور اندیشیوں پر بھی ان کی بہادری اور جانبازی غالب تھی ؎

شکست و فتح نصیبوں کی ہے اے امیر
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

امپھل کی ناکامی کے بعد
نیتاجی کی سب سے پہلی تقریر

آپ نے وزراء، حکام، افسرانِ فوج اور آزاد ہند لیگ کے کارکنوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

ہم نے جنگ بہت دیر میں شروع کی۔ برسات کے موسم کی وجہ سے بہت کچھ نقصان پہنچا۔ راستے تمام پانی اور دلدل سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کے مقابلے میں ہمارے دشمنوں کے لئے اچھی سڑکیں تھیں۔ ہمارے لئے صرف ایک موقع یہی تھا کہ برسات سے پہلے امپھل پر قبضہ کرلیں۔ اگر ہمیں فضائی امداد کافی ملی ہوتی تو یقینی طور پر ہم اس مورچہ پر کامیاب ہوتے۔ ایک یہ بات بھی تھی۔ کہ دشمنوں نے اپنے سپاہیوں کو سخت تاکیدی حکم دیا تھا کہ شکست ہوجانے کے بعد بھی کوئی اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ آخری آدمی تک سے مقابلہ کیا جائے۔

لڑائی جنوری میں شروع کرتے تو یقیناً ہمیں کامیابی حاصل ہوتی برسات کے قبل جنگ کا نقشہ کچھ اور تھا۔ ہم نے ہر محاذ پر یا تو دشمن کو شکست دی یا اسے روکے رکھا۔ اراکان کے محاذ پر ہم نے دشمن کو روک دیا۔ کلاواں کے مقام پر ہم نے دشمنوں

کو شکست دے کر پیش قدمی جاری رکھی۔ ٹڈم میں بھی ہم آگے
بڑھتے گئے۔ کوہیما اور پلیل میں بھی ہماری پیش قدمیاں جاری
ہی رہیں۔ ہاکا کے مقام پر بھی ہم دشمن کی ڈھال بن گئے۔
تعداد، راشن اور اچھے ہتھیاروں کی کمی کے باوجود بھی ہم کو
کامیابی ہوئی۔ مگر جب برسات شروع ہوئی تو ہمیں امپھل
پر حملہ روکنا پڑا۔ اس وقت دشمن نے مشینی سلیح ڈویژن بھیج
دیا۔ اور کوہیما امپھل روڈ کو دوبارہ واپس لینے میں کامیاب
ہوگیا۔ اس وقت ہمارے سامنے یہ اہم سوال تھا کہ ہم کس
جگہ مورچہ بند ہو جائیں۔ اس صورت میں دو ہی راستے تھے۔
یا تو ہم ٹڈم پور پلیل لائن پر جم جائیں۔ اور دشمن کو آگے بڑھنے
سے روک دیں۔ یا پھر پیچھے ہٹ کر کسی مضبوط مورچے پر
قدم جمالیں۔
ہم نے اس لڑائی سے یہ سبق حاصل کیا کہ ہم جنگ کے شعلوں میں
کود جانا سیکھ گئے۔ ایک موقع پر جبکہ ہمارا گولہ بارود ختم ہوگیا۔
ہم نے پیچھے ہٹ جانا چاہا۔ لیکن فوجی شہریوں نے نہ مانا اور
صرف بندوق کے کندوں ہی سے لڑتے رہے اور بالآخر
فتح مند ہوئے۔ ہماری فوج میں خود اعتمادی پیدا ہو چکی ہے
اور ہم یہ بھی معلوم کر چکے ہیں کہ برطانوی ہندوستانی فوج ہمارے
ساتھ مل جانے کو بھی تیار ہے اب ہمیں ان کو ساتھ ملانے کا بندوبست

کرنا چاہیے۔

ہم نے دشمنوں کی چال کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ ان کے کاغذات اور فوجی مسودات پر بھی ہم قابض ہو چکے ہیں۔ ہمارے افسروں نے جو تجربات اس جنگ سے حاصل کئے ہیں، وہ بہت قیمتی ہیں لڑائی شروع ہونے کے پہلے جاپانیوں کو ہندی فوج پر بھروسہ نہ تھا۔ ان کا یہ ارادہ تھا کہ ہماری فوج کو مختلف دستوں میں تقسیم کر دے اور اپنی جاپانی فوج کے ساتھ ان کا ایک ایک دستہ رکھے۔ لیکن میرا اصرار تھا کہ ایک مورچہ خاص طور پر ہندوستانی فوج کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ آخر ایسا ہی ہوا۔ اور ہمارے ڈویژنل کمانڈر اور افسروں نے اسی کی بدولت اس جنگ میں کافی تجربات حاصل کر لئے۔ ہم نے اپنی غلطیاں بھی معلوم کر لیں۔ رسل و رسائل اور سامان کی فراہمی کا انتظام ناقص تھا۔ ہمارے پاس فرنٹ لائن پروپگنڈے کا سامان بھی نہ تھا۔ حالانکہ ہمارے پاس اس کام کے لئے خاص خاص تربیت یافتہ لوگ موجود تھے۔ مگر صرف ٹرانسپورٹ کا سامان نہ ہونے کے سبب ہم پروپگنڈے کا انتظام نہ کر سکے۔ اب یہ انتظام کر لیا گیا ہے کہ فوج کے ساتھ ایک ایسی یونٹ بھی رکھی جائے ہمیں لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت تھی۔ لیکن جاپانی مہیا نہ کر سکے۔ اب ہم نے لاؤڈ اسپیکر خود بنانے کا انتظام کر لیا ہے۔ تاکہ ایسی

وقت پیش نہ آسکے۔ اور ہماری محتاجی دور ہو جائے۔ ہم کو
اپنی فوج کی ضروریات پورا کرنے کے لئے بہت کوششیں کرنی
ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اپنی کمزوریوں کو بہت جلد دور کرنا پڑے
گا۔ ہم کو مایوس نہ ہونا چاہئے۔ اور اس وقت تک آزادی کی جنگ
لڑنی چاہئے۔ جب تک کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔

نیتاجی کا ایک فرمان

۲۵ر اگست کو نیتاجی کا ایک اہم فرمان
شائع ہوا۔ جو حسب ذیل ہے۔

ہندوستان کی آزادی اور آزاد ہند فوج کے مفاد کے پیش نظر میں
آج سے اپنی فوج کی کمان براہ راست اپنے ہاتھوں میں لیتا ہوں۔ میرے
لئے یہ بڑی فخر کی بات ہے۔ کیونکہ ایک ہندوستانی کے لئے اس سے
زیادہ اور کیا عزت ہو سکتی ہے۔ کہ وہ اپنے عزیز وطن کو آزاد کرنے والی
فوج کا سپہ سالار اور کمانڈر ہو۔ لیکن اس قابل فخر عہدے کی ذمہ داریاں
لینے کے ساتھ ساتھ اس کی مشکلات اور اہمیت کو بھی میں پوری طرح سمجھ
رہا ہوں۔ خدا سے دعا ہے۔ کہ وہ مجھے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے
کی پوری طاقت بخشے اور بہتر طریقے پر اپنے فرائض انجام دے سکوں۔
میں خود کو اپنے ملک کے ان ۳۸ کروڑ باشندوں کا ایک ناچیز خادم سمجھتا ہوں
جو مختلف عقائد اور مختلف مذاہب رکھتے ہیں۔ میں نے ان ۳۸ کروڑ انسانوں
کے مفاد کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ ہر ہندوستانی
مجھ پر اعتماد اور بھروسہ کرے گا۔ اور یہ بھروسہ اور اعتماد، حب الوطنی و

انصاف اور غیر جانبداری کے ذریعہ کیا جائے گا۔ جس کو ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے والی فوج قائم کرنے کا عزم کر چکا ہے استخلاص وطن کے لئے مستقبل کی جدوجہد اور اس کی کامیابی، آزاد ہندوستان میں ایسی حکومت کا قیام جس کو ۳۸ کروڑ باشندگان وطن کا اعتماد حاصل ہو اور ایک ایسی فوج کی تخلیق جو ہر حالت میں ہندوستان کی آزادی کی ضامن ہو، یہ باتیں آزاد ہند کے مقاصد میں شامل ہیں۔ ان تمام مقاصد کو حاصل کرنے ہی کے لئے ہم ایک ایسی فوج میں شامل ہوئے ہیں۔ جس کے سامنے صرف واحد مقصد یہی ہے کہ ہندوستان آزاد ہو۔ اور اس کی آزادی کے لئے بس ایک ہی خواہش ہے کہ "کرد یا مرو" یا "کامیابی یا موت" ہے۔

ہماری راہ دشوار گزار ہے، جنگ بھی طویل ہوسکتی ہے۔ مگر ہمیں انصاف اور اپنے ناقابل شکست عہد و پیمان پر پورا پورا بھروسہ ہے۔ دنیا کی آبادی کے پانچویں حصے یعنی ان ۳۸ کروڑ انسانوں کو اپنی آزادی حاصل کرنے کا پورا حق پہونچتا ہے۔ جس کے لئے ان کو پوری قیمت ادا کرنی ہے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت ان کو اپنے اس پیدائشی حق سے باز نہیں رکھ سکتی۔

ساتھیو! افسرو!! اور بھائیو!!! آپ کی ناقابل شکست ہمت اور غیر مشتبہ وفاداری سے آزاد ہند فوج ہندوستان کو قابل فخر طریقے پر آزاد کردے گی۔ ہمارا کام شروع ہو چکا ہے۔ آخری فتح ہماری ہے۔ آیئے! "دہلی چلو" کے نعروں کے ساتھ جنگ شروع کردیں۔ اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک کہ دلّی میں وائسریگل لاج پر ہمارا قومی نشان د

نہ لہرائے اور لال قلعہ میں آزاد ہند فوج کی فاتحانہ پریڈ نہ ہو۔"

دستخط سبھاش چندر بوس (سپہ سالار آزاد ہند فوج)

نیتا جی نے ایک خاص تقریب کے موقع پر جس میں کرنل شاہ نواز (جو محاذ جنگ سے واپس ہوئے تھے) اور دیگر اعلیٰ افسران فوج شامل تھے ایک مختصر تقریر میں فرمایا :-

پچھلے سال جب کہ ہماری فوج مورچہ پر تھی۔ اس نے بہت امید افزا کارنامے انجام دیئے تھے۔ دوست دشمن سب ان کے کارناموں کی تعریف شاندار الفاظ میں کرتے ہیں۔ ہمارے سپاہیوں نے ہر ایک معرکے میں دشمنوں کو ہر محاذ پر شکست فاش دی تھی۔ مگر ہم کو موسم کی خرابی کی وجہ سے امپھل کے معرکے سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ ہماری فوجیں وہاں بھی مقابلے میں کہیں نہیں ہاریں۔ مگر جنگی مصلحت کے پیش نظر اس وقت ہم اپنی فوجوں کو پیچھے ہٹا لینے پر مجبور ہوئے۔ جس کا یہ مطلب ہوگا کہ ہم بغیر شکست کھائے واپس ہوئے ہیں۔ اب ہم نے اپنی بہت سی کمزوریاں دور کر دی ہیں۔ ہماری فوج ایک انقلابی فوج ہے۔ ہمارے پاس سامان کی کمی ہے۔ دشمن کے وسائل بہت زیادہ ہیں۔ ہمارے پاس اتنا سامان اور فوج نہیں جتنا دشمن کے پاس ہے۔ دشمن نے اس بات کا تہیہ کر لیا ہے کہ وہ آسام میں ہندوستان کی پہلی لڑائی لڑے۔ انہوں نے ہندوستان کا اسٹیشن گراؤنڈ آسام میں بنایا ہے۔ یہ سال جنگ کا فیصلہ کن سال ہوگا۔ پچھلے سال ہمارے کچھ آدمی بھی دشمنوں سے مل گئے تھے۔ اس لئے میں ان کو اجازت دیتا ہوں کہ جو

جنگ کے مصائب برداشت نہ کر سکے وہ الگ ہو جائے۔ ہمیں ایسے لوگوں
کی ضرورت نہیں جو دکھانے کے لئے بے دلی سے ہمارے ساتھ ہوں۔
ہمارا دشمن بہت طاقتور اور منظم ہے۔ اس لئے اب ہم کو بھی اپنے تمام
وسائل سے کام لینا ہوگا۔ ہمارا نعرہ تھا "دہلی چلو" اور اب ہمارا نعرہ ہوگا
"خون خون اور خون" ہم کو اپنا خون اڑتیس کروڑ انسانوں کی آزادی
کے لئے دینا ہے۔ اسی مقصد واحد کے لئے ہم دشمن سے لڑیں گے۔ ہندوستانی
شہریوں کو جو مشرقی ایشیا میں بستے ہیں۔ اب اپنا سب کچھ قربان کرنے کے
لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ ان کے لئے یہ نعرہ ہوگا کہ "کرو سب نچھاور بنو سب فقیر"۔

محاذ جنگ سے آزاد ہند فوج کی واپسی

۲۰ اگست کو سنگاپور کے محاذ جنگ سے
آئی این اے کے سپاہی اور افسران رنگون
واپس آگئے۔ رنگون میں ان کی خدمات
وطن کو سراہنے اور ان کا دل بڑھانے کے لئے نیتا جی فنڈ کمیٹی کے زیر اہتمام
شہریان رنگون کی طرف سے ایک عظیم الشان ٹی پارٹی دی گئی تھی سٹی ہال
میں برما گورنمنٹ کے اعلیٰ حکام اور جاپانی افسران شامل ہوئے تھے۔
حکومت برما کے صدر اعظم ڈاکٹر باموبھی اس تقریب میں تشریف رکھتے تھے۔
فواکہات اور دیگر ماکولات و مشروبات سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ آزاد ہند
فوج کے اعلیٰ افسران اس جلسے میں مدعو تھے۔ میجر جنرل محمد زمان کیانی۔
کرنل شاہ نواز خاں۔ کرنل عنایت حسین کیانی۔ کرنل گلزار سنگھ اعزازی
مہمانوں میں تھے۔ شہریان رنگون کی طرف سے ان کی خدمت میں چند قیمتی

تحائف پیش کیے جانے تھے۔ ان کی طرف سے علامہ حکیم عیش صاحب نے اس مختصر تمہید کے بعد وہ تحفے پیش کیے۔ کہ "ہم شہریوں کو آپ لوگوں پر پورا اعتماد ہے ہم چند ادنے تحائف آپ کے کارناموں کے اعتراف میں پیش کرنے کا فخر حاصل کرتے ہیں"۔ علامہ موصوف نے ایک نہایت قیمتی تلوار میجر جنرل محمد زماں کیانی کی خدمت میں پیش کی، ایک گھڑی کرنل گلزار سنگھ اور ایک ایک گھڑی کرنل شاہنواز خاں اور کرنل عنایت حسین کیانی کی خدمات میں نذر کی گئی۔ اس کے بعد چاء کا دور ختم ہو کر نیتاجی نے مجمع سے خطاب فرمایا۔

"ہماری فوج نے نہایت دیانت داری اور بہادری کے ساتھ میدان میں دشمنوں کا مقابلہ کیا تھا۔ ہمارے افسران کی قابلیت پر کسی طرح کا حرف نہیں لایا جا سکتا۔ ہم نے اپنی بعض کمزوریاں معلوم کر لی ہیں۔ جب اب ہم کو درست کر لینا ہے۔ ہمیں ہرگز محاذ میں ناکامی نہیں ہوئی۔ ہر جگہ ہم مقابلتاً کامیاب رہے۔ لیکن موسم کی خرابیوں نے تھوڑی دیر کے لئے ہم کو رک جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ ہمارے لئے یہ مہلت غنیمت ہے ہم کو اس سے فائدہ اٹھا کر مکمل تیاری کر لینی چاہیے۔ فوج کی ضروریات کو پورا کرنا بھی ہمارے ذمہ ہمت پر ہے۔ ہم جب جنگ میں کود چکے اور قابل رشک کامیابی حاصل کر چکے تو پھر ہم کو آگے ہی بڑھنا پڑے گا۔ اور اس جنگ کو اختتام تک جاری رکھنا پڑے گا۔ ہماری فوج ایک انقلابی فوج ہے اور یاد رکھئے کہ انقلابی فوج کی جنگ ظالم اور ناانصافوں کے ساتھ ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ یہ اس وقت تک جاری رہتی ہے۔ جب تک دنیا سے ایسے عناصر

کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ ہندوستان کی تاریخ اپنی بہادری کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ ہمارے مقابلے میں انگریز ہرگز نہیں ٹھہر سکتا۔ ہمارے جب مقابلہ کر سکے گا۔ تو وہ بھی ہندوستانی غدار ہی ہوگا۔ مگر غداروں کا کوئی مقصد نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے ان کی شکست یقینی ہے۔ ہمارا مقصد اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ہمارے پیش نظر دنیا بھر کی بھلائی ہے۔ ایشیا کی بھلائی اور اپنے وطن ہندوستان کی آزادی اور اس کے ۴۰ کروڑ باشندوں کی بھلائی ہے۔ اس لئے ہم اپنے نیک ارادوں میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ ضرورت صرف ہمت، استقلال اور قربانی کی ہے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو ہمیشہ قوموں کے عروج کا سبب بنی ہیں۔ اور اسی کے فقدان سے ان کا زوال ہوا ہے۔ مجھے اپنی فوج پر کامل اعتماد ہے اور مشرقی ایشیا کے تمام ہندوستانیوں پر میرا پورا پورا بھروسہ رکھتا ہوں۔

نیتاجی کی گولڈن جوبلی

نیتاجی کی سالگرہ

۲۳ر جنوری ۱۹۴۵ء کو نیتاجی کا جنم دن تھا۔ آپ کی قیام گاہ پر عقیدتمند سول اور فوجیوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ہر ایک مبارکباد پیش کرنے کے لئے پہل کرنا چاہتا تھا۔ پھولوں کے گجرے، ہار، طرے اور دیگر تحفہ تحائف پیش کئے جاتے تھے۔ آپ بخندہ پیشانی ہر ایک سے ملتے اور وہ خوش خوش اپنے گھر لوٹتا۔ برمی اور جاپانی افسران کے تحائف و پیغامات مبارک بادی اس پر مستزاد تھے۔ آج نیتاجی کا جنم دن اور اس کے ساتھ ساتھ گولڈن جوبلی بھی منائی جانے والی تھی جس کے لئے شام کو ۳ بجے جبلی ہال کا طویل و عریض مقام تجویز ہوا تھا جس کا تمام تر اہتمام راقم الحروف کے محکمہ ریکروٹنگ اینڈ ٹریننگ کو تفویض کیا گیا تھا جس کے منتظم کار کرنل جہانگیر صاحب تھے۔ نیتاجی فنڈ کمیٹی کی طرف سے مسٹر بشیر جلسے کے انتظام میں حصہ لے رہے تھے۔ ان دو حضرات کی خوش انتظامی اور ان کی سلیقہ مندی نے جلسہ گاہ کو باغ و بہار بنا دیا تھا۔ انتظام کی خوبی اور عمدگی بے حد قابلِ داد تھی۔

ملکہ وکٹوریہ کی یادگار جوبلی ہال کے مقدمہ میں نیتا جی کی اس گولڈن جوبلی کا نظارہ بھی سب سے پہلا عجیب نظارہ تھا۔ جس میں ملک کے عقیدت مندوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر فرحتا انتظام کی پروا نہ کرتے ہوئے والہانہ درشنوں کے لیے مضطرب نظر آتا تھا۔ "تاریخ نے بہت کم ایسا منظر دیکھا ہوگا جس میں وفاداری اور محبت کا ثبوت پیش کرنے کے لیے محض عشق پر قومی مہر ثبت کی گئی ہو۔ جلسے کے لیے ۲ بجے کا وقت مقرر تھا۔ مگر لوگ ایک بجے سے جمع ہونے شروع ہو گئے۔ ہال اور اس کے اطراف کے باغ میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی تھی مخصوص کرسیوں تک کا نظام قائم نہ رہ سکا۔ دعوتوں میں وقت معین پر پہنچنے کے عادی لوگ۔ "اپنی رسمی پابندیوں پر افسوس کرنے لگے اور اپنی نشستوں تک پہونچنے سے محروم رہے۔ خود نیتاجی بڑی مشکلوں سے راستہ صاف کرتے ہوئے پلیٹ فارم پر تشریف لائے۔

نیتاجی کی تشریف آوری

پرچم ہند۔ انقلاب زندہ باد ہندوستان آزاد کے نعرے بلند ہوئے اور فضا گونج اٹھی۔ قومی ترانہ گایا گیا۔ اور طشت میں رکھے ہوئے سونے کے قیمتی تحائف پیش ہوتے گئے۔ یہ سلسلہ بڑی دیر تک جاری رہا۔ ہار اور پھولوں کے گجروں کی کوئی انتہا نہ رہی۔ نیتاجی کو سونے میں تولا گیا تھا۔ جس کی قیمت کے دو کروڑ روپے آپ کی نذر کئے گئے۔ چھوٹے چھوٹے سونے کے زیورات

اس کے علاوہ تھے۔ فوج کے لیے کئی لاکھ گز کھدر کے کپڑے کا بھی اعلان کیا گیا تھا۔ آپ اس ایثار و محبت کے منظر سے خود بھی بہت متاثر ہوئے۔ اور جب تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو آواز بھرا گئی اور آنسو جاری ہو گئے۔ معمول کے خلاف آپ کی آج کی تقریر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے بھی دور تک صاف بہت کم سنائی دی۔ آپ نے فرمایا۔

وطن سے آپ لوگوں کی محبت اور وطن کے خادموں کے ساتھ آپ کا مخلصانہ برتاؤ دیکھ کر میرے دل پر گہرے نقوش کندہ ہو گئے لیکن اب رسمی اخلاص کا وقت گزر گیا۔ اب آزادی آپ سے خون کی بھینٹ مانگتی ہے۔ اب اس کی گود میں آپ کو سب کچھ ڈال دینا پڑے گا۔ اپنی تمام دولت اپنی جانیں اپنی اولاد سب کچھ قربان کرنا ہوگا۔ آپ نے اب تک جو کچھ دیا ہے اس سے آزادی کی پیاس نہیں بجھ سکی۔ آزادی کے پھولوں کو سرخ رنگ چڑھانے کے لئے بے خوف پجاریوں کی ضرورت ہے۔ آزادی کی لڑائی میں فتح کی شرطیں خون کی سرخی سے لکھی جایا کرتی ہیں۔ " میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم مجھے خون دو۔ میں تم کو آزادی دوں گا " یہ کلمات نیتاجی کی زبان سے نہایت پر جوش انداز میں نکلے تھے آپ نے اپنی مٹھی کو زور سے بند کرتے ہوئے مذکورہ جملے ادا کئے۔ ہال میں سناٹا چھا گیا۔ ہر ایک کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجمع آپ کے اس آتش بار جملہ پر جوش میں بھر گیا

ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ "ہم خون دینے کے لئے تیار ہیں"

آپ نے فرمایا۔ "میں اس کا عملی ثبوت چاہتا ہوں۔ اگر آپ کو خون دینا ہے تو اس کا عہد نامہ خون ہی سے لکھنا ہوگا۔ اس عہد نامہ پر خون سے دستخط کرنا ہوگا۔ اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جو اپنی جان کو پھول سمجھ کر ماں کے قدموں پر نچھاور کر دے۔" ہر طرف سے آوازیں آئیں "ہم خون دینے کے لئے تیار ہیں" اس کے بعد فوراً ہی عورتیں سامنے آگئیں۔ اور خود کو اس خونی معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے پیش کر دیا۔

کرنل راجو جو نیتا جی کے پرسنل ڈاکٹر ہیں۔ سامنے آئے۔ ان کے سامنے وہ رضا کارنیاں آتی گئیں اور اٹینشن ہو کر انگوٹھا پیش کر دیا۔ کرنل صاحب نے انگوٹھے پر نشتر لگایا۔ اور سامنے رکھے ہوئے "خونی قسم نامے" پر انگوٹھا ثبت کر دیا۔ اس نے باقاعدہ جے ہند کا سیلوٹ کیا اور چلی گئی۔ عورتوں کے بعد ۱۸ سال تک کے نوجوان لڑکوں نے اسی طرح انگوٹھے ثبت کئے اور اپنی شاندار بہادری کا ثبوت پیش کیا۔ ان کی تعداد سولہ تھی۔

یہ منظر اس قدر حیرت انگیز اور ولولہ خیز تھا۔ جو بیان سے باہر ہے۔ نشتر لگاتے وقت عورتوں کے چہروں پر ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ اُف تک کسی نے نہ کی۔ مڑ کر دیکھا تک نہیں اکی کاشن پر ایک

جامد لاشہ کی طرح کھڑی رہیں۔ اور صرف دستخط کرتے وقت جسم کو جنبش ہوئی اور بس۔ ان کے علاوہ سینکڑوں انسان خونی دستخط کرنے کے لئے بیتاب نظر آرہے تھے۔ مگر جیسے ہی پروگرام کے مطابقت ہیں نت کی کمی وجہ سے ان کو سیڈ کوارٹر میں بلوایا گیا۔ جہاں لوگ آکر اپنی اپنی خدمات پیش کرتے تھے۔

یہ ایسا نظارہ تھا جسے دیکھ کر سب کی آنکھوں سے خوشی اور محبت وطن کے آنسو جاری ہو گئے۔ ہر ایک کی زبان پر ان کے تعریفی کلمات جاری تھے۔ غیر ہندوستانی مہمان اس قربانی کا نقشہ دیکھ کر عش عش کرنے لگے۔ مجمع پر ایک سکتے کا عالم تھا۔ جسے دیکھو ٹکٹکی باندھے ہوئے مسحور ہو کر پلیٹ فارم کی طرف تک رہا تھا۔ پھر نظروں سے ہٹا کر استعجاب سے اپنے قریب والے کا منہ دیکھتا اور واہ واہ کہکر رہ جاتا۔ یا پھر کسی گوشے سے نیتا جی زندہ باد۔ ہندوستان زندہ باد کی صدا سنائی دیتی اور سب اس کی ہمنوائی کرنے لگ جاتے۔ یہ دن بھی تاریخ کا ایک بہت ہی اہم اور یادگار دن شمار کیا جائے گا جس کی نظیر آج کل ملنی محال ہے۔

ایک یادگار فوجی پریڈ

نیتاجی کی بے مثل بہادری

۴ر فروری ۱۹۴۵ء کو آزاد ہند فوج کی ایک عام پریڈ منگلاڈون کے ہوائی اڈے والے میدان میں ہوئی۔ یہ پریڈ گذشتہ ۴ فروری کی اس یاد میں منائی گئی جب کہ آزاد ہند فوج نے باقاعدہ ہندوستان کی سرحد پر جنگ آزمائی کر کے دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا تھا۔

برمیز وزراء، جاپانی اعلیٰ افسران فوجی اور شہر کے معززین شامل تھے۔ میدان میں ایک بہت بڑا جھنڈا نصب تھا۔ نیتاجی ایک اونچے پلیٹ فارم پر استادہ ہو کر فوج کی سلامی لے رہے تھے۔ باقاعدہ دستے مارچ کرتے ہوئے آتے اور گزر جاتے۔ جوانوں کی آن بان کا کیا پوچھنا ہر سپاہی فوجی ڈسپلن کا ہیولیٰ نظر آ رہا تھا۔ ابھی سلامی کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ برطانوی ہوائی جہازوں کا ایک بیڑا عین سر پہ آموجود ہوا۔ بمباری شروع ہوگئی۔ ہوائی جہازوں نے کاوے کاٹ کاٹ کر مشین گن سے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ مگر مجال ہے کہ پروگرام میں کوئی فرق آئے۔

نیتاجی نے سلامتی کا خیال کرتے ہوئے فوج کو ٹرنچ میں جانے کا حکم دے دیا۔ شہری اور جاپانی سب منتشر ہو گئے۔ نیتاجی ہیں کہ

اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ کی وجہ سے دیگر افسران آزاد ہند فوج بھی کھڑے ہیں۔ معاملہ سخت خطرناک ہوتا جارہا تھا۔ میجر جنرل کیانی اور دیگر افسران خدا کا واسطہ دیتے تھے کہ آپ شیلٹر میں چلیں مگر وہ فوجیوں کے سامنے نا ہمتی اور کمزوری کی کوئی ایسی مثال پیش کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آخر بہت اصرار کے بعد جب یہ کہا گیا کہ "اگر نیتاجی کو خدانخواستہ کوئی چشم زخم پہنچا تو آج مفت میں بغیر لڑے تحریک کا خاتمہ ہو جائے گا" یہ سنکر آپ راضی ہوئے۔ اور شیلٹر میں چلے گئے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ برطانوی طیاروں نے پہلے اور دوسرے راؤنڈ میں یہ مجمع نہیں دیکھا۔ اور تیسرے راؤنڈ میں یہ سب کچھ ہوا۔ ورنہ اس روز ہزاروں سپاہی اپنی فوجی شان "نیتاجی" اور وطن کی محبت پر مفت قربان ہو جاتے۔ نیتاجی کے حکم کے بعد فوجی پناہ گاہوں میں چلے گئے۔ اس افراتفری میں کئی گولیوں سے زخمی ہو گئے۔ اور ایک سپاہی اسی وقت وطن پر قربان ہو گیا۔ آپ کی یہ بے مثل بہادری دیکھ کر ہر ایک کو حیرت تھی۔ آزاد ہند فوج پر اپنے سپہ سالار کی استقامت و بہادری کا بہت اچھا اثر پڑا۔ پریڈ کے افتتاح پر مختصر تقریر میں آپ نے فرمایا تھا کہ "گذشتہ سال آزاد ہند فوج نے جو کارہائے نمایاں کئے تھے۔ دوست و دشمن سب اس کی تعریف کر رہے ہیں۔ موسم کی خرابی کی وجہ سے اگرچہ ہمیں امپھل سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ مگر وہ ایک عارضی چیز تھی۔ امسال ہم نے نیا عملی پروگرام مرتب کر لیا ہے۔ تاکہ ہماری ناکامیوں کی تلافی ہو سکے۔ ہماری فوج دنیا کی

منظم فوجوں میں ایک بہترین قومی فوج ہے۔ دشمن کے پاس سامان اور جنگی وسائل میں ہمارے پاس اس کی کمی ہے۔ مگر جو چیز ہمارے پاس ہے۔ وہ اُن کے پاس نہیں۔ وہ کیا چیز ہے؟ وطن پر قربان ہونے کا جذبہ! اور ۳۰ کروڑ مظلوموں کو غلامی سے نجات دلانے کا عزم پختہ ہمارے پاس ہے"۔ ایک بہادر فوج کے لئے اشد ضروری چیزیں تھیں۔ اب کی سال مجھے اپنی فوج سے امید ہے کہ وہ فیصلہ کن لڑائی لڑ کر کامیاب ہوگی!

برطانوی سپہ سالار لارڈ ویول اور نیتاجی

سنہ ۴۲ء میں جب برما میں جاپانی بمباری ہو رہی تھی۔ اس وقت لارڈ ویول طیارے سے منگلاڈون ہوائی اڈے پہ اترے ہی تھے کہ ہوائی الارم ہوا۔ لارڈ ویول بے تحاشا ٹرنچ میں گھس گئے۔ معمولی زخمی بھی ہوگئے۔ ان کے ہوائی جہاز کو نقصان پہنچا۔ مگر اسی منگلاڈون کے ہوائی اڈے پر چار سال کے بعد نیتاجی مشین گن کی گولیوں کی بارش میں استقلال اور عزت قومی کی بحالی پہ جان کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنی جگہ پہلوہے کی لاٹھ بنے ہوئے کھڑے رہے ؎

غیر اورا دماغے جاں بازی
کیا مرے گا مرے ہوئے دل سے

آزاد ہند فوج کے چند غدار افسر

انہی دنوں جب کہ نئے جنگی پروگرام کے مطابق فوجیں اپر برما کے مختلف مقامات اور ٹانگو

کے محاذ پر روانہ ہوئیں تھیں۔ راستے میں چند قومی غدار افسروں نے کٹ کر دشمن کی فوج میں شمولیت اختیار کرلی۔ جن میں میجر ریاض کیپٹن مدن۔ کیپٹن موہن۔ ڈے اور سائیں تھے۔ یہ لوگ برطانوی فوج میں بھاگ کر اپنی عاقبت خراب کر بیٹھے ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے ہوئے

ان کے دشمنوں سے مل جانے پر بہت سی راز کی باتیں بھی ان کو معلوم ہوگئیں۔ یوں تو وقتاً فوقتاً انگریزوں کو مختلف ذرائع سے بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" والی مثل کے مطابق ان کو بالتفصیل بہت کچھ پتہ لگ گیا۔ مجھے ایک برطانوی افسر سے معلوم ہوا تھا کہ ہم لوگوں نے تمویے کے بعد اپنے نقشہ جنگ میں بہت کچھ تبدیلی کرلی تھی۔ ایک جگہ میں نے خود ایک جنگی نقشہ دیکھا جس پر نشانات لگے ہوئے تھے۔ ان نشانات پر جو مخصوص مقامات درج تھے وہ بالکل ٹھیک تھے اور بعد میں اسی پروگرام کے مطابق ٹھیک نشانے پر بمباریاں ہوتی رہیں۔ اس سے قبل اکثر و بیشتر برطانوی بمباروں کے نشانے خطا ہوتے رہے۔ اور بڑی حد تک غلط ثابت ہوئے۔ سو ہیڈ کوارٹر کی تباہیاں زیادہ ہوتی رہیں۔ فوجی نقصانات اس وقت تک کم ہوئے۔ اس کے علاوہ ان کو خود اپنے جاسوس اور شہر فتح ہونے کے بعد شہریوں سے۔ اور ان مسافروں سے جو تجارت کی غرض سے رنگون

آتے جاتے رہے ۔ بہت کچھ خبریں مل جایا کرتی تھیں ۔ بہر حال ہمیں یہ ضرور کہنا پڑے گا کہ ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مذکورۂ بالا واقعات کے بعد آزاد ہند فوج میں ان لوگوں کے خلاف ایک جذبۂ نفرت پیدا ہوگیا ۔ فوجی حکام بہت زیادہ محتاط رہنے لگے ۔ اس کے لئے مختلف یونیٹوں اور چھاؤنیوں میں بطور پروپیگنڈا ڈرامے کئے گئے اور فوجیوں نے اپنے مذاق کے مطابق اُن پر خوب خوب پھبتیاں کسیں ۔ جس کا اثر بہت اچھا پڑا ۔

آئی ۔ این ۔ اے کے چند عیاش افسران

بد قسمتی سے آزاد ہند فوج میں چند ایسے نفس پرست افسران بھی موجود تھے جو اس مصیبت کے ایام میں بھی عیش و عشرت اور رنگ رلیوں میں مست رہا کرتے تھے ۔ ان کو سوائے ہوس پرستی کے دوسرے کاموں سے لگاؤ نہ تھا ۔ اوپری دل سے فرض کی بلا سر سے ٹال دیا کرتے تھے ۔ اور پھر لہو و لعب میں مشغول ہو جایا کرتے تھے ۔ اپنی ضروریات کے لئے ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک رئیس سے یارانہ گانٹھ لیا تھا ۔ جو اُن کے اخلاقِ ذمیمہ کی پرورش کیا کرتے تھے دانستہ بھی ان کو ان کے فرائض سے غافل کرنے کے لئے سامان عشرت جمع کر دیا جاتا تھا ۔ راگ رنگ کی روزانہ محفلیں جما کرتی تھیں ۔ اور یہ داد عیش و نشاط دیا کرتے تھے ۔ اخیر وقتوں میں ان رئیسوں سے ان

سے ناجائز فائدہ اٹھا کر قسمیں بھی خوب بنا لی تھیں۔ نیتاجی اگرچہ ان باتوں سے باخبر تھے۔ مگر کچھ مصلحت کا خیال کر جاتے تھے۔ ایک مرتبہ تو ایک میٹنگ میں کی دعوت پر انہوں نے حکم بھی دے دیا تھا۔ کہ "کوئی اس طرف کا رخ نہ کرے۔ اور فوجی افسران ایسے جلسوں میں شرکت نہ کریں۔"

دوست نما دشمن

اس میں کوئی شک نہیں کہ نیتاجی ایک پختہ کار مردم شناس تھے۔ وہ بھی ان کی ظاہر داریوں کے دھوکے میں آ گئے تھے۔ اگرچہ ان کو باخبر کر دیا گیا تھا۔ پھر بھی ان کو بہت دیر میں اس کا یقین آیا۔

انگریزوں کے آنے کے بعد پبلک کو بھی اس کا علم ہو گیا کہ وہ بہت جلد حکومت کی آغوش میں پناہ لینے لگے اور بعضوں نے تو نیتاجی کے بہت قریب ہونے پر بھی۔ تحریک کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور وہ اپنی دون خطرتی کے مطابق بے بنیدی کا بدھنا بن گئے۔ تحریک کے زمانہ میں ان کے خلوص اور ان کی اصابت رائے کا سکہ جما ہوا تھا۔ کوئی اس وقت مشکل ہی سے ان پر شک و شبہ کی نظر ڈال سکتا تھا۔ اس طبقے کا ایک ورکر ایسا بھی تھا جس کی ہمیشہ یہ کوشش ہوا کرتی تھی کہ وہ جاپانی اور نیتاجی کے درمیان کشیدگی پیدا کرنے میں کامیاب ہو۔ مگر نیتاجی نے فوراً اسے تاڑ لیا۔ اور تنبیہ کر دی۔ اگر ان کی رحم دلی آڑے نہ آتی تو وہ اس وقت بغیر سزا کے بچ نہ سکتا تھا۔

جنرل جنگی یادداشتیں

محاذ جنگ پر دشمنوں کے حملوں کو ناکام بنانے کے لئے ہم انتہائی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ مشکلات بڑھ رہی ہیں حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ راشن اور اسلحہ جات کی بے حد ضرورت ہے۔ ان چیزوں کے بغیر ہمیں روز بروز مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ محاذ امپھال پر برطانوی اور آزاد ہند فوجوں میں کئی دن سے سخت لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ آزاد ہند فوج باوجود راشن اور ہتھیاروں کی کمی کے برابر میدان میں ڈٹی رہی۔ اب راشن ختم ہو چکا ہے اور سپاہیوں کی زندگی کا دارومدار گھانس پھونس اور درخت کے جنگلی پتوں پر رہ گیا ہے پھر بھی ہماری فوج مستقل مزاجی سے اپنے عزم و ارادے پر جمی ہوئی ہے۔ دشمنوں کی طرف سے ہمارے سپاہیوں کو اپنے خویش و اقارب سے ملنے کا لالچ دیا جاتا ہے۔ بسکٹ مکھن۔ اور شراب و ڈبل روٹی کی تحریص دلائی جاتی ہے۔ ہتھیار رکھ دینے کی درخواست کی جاتی ہے مگر ہمارے بہادروں کا صرف یہی جواب ہوتا تھا کہ "ہمیں آزادی کی راہ میں دنیا بھر

کی تکلیف منظور ہے۔ غلامی کے بسکٹ اور مکھن سے آزادی کی گھاس بھی بہتر ہے۔"

لے خشک روٹی جو آزاد رہ کر
وہ ہے خوف و ذلت کے حلوے سے بہتر

۱۷- مارچ ۱۹۴۴ء کو دو سو سپاہی ٹڈم سے بھاگ گئے اور اس وقت ٹلام کے مغرب کالنگہ میں تقریباً ۶۰ میل کے فاصلے پر ہیں۔ ان کو گرفتار کرنے کے لئے رام سنگھ اور سکندر کو حکم دیا گیا ہے۔

۷- جون - لوگوں کے پاس راشن ختم ہو گیا۔ چار گڑھوالی فاقہ سے مر گئے۔ میجر جنرل شاہ نواز خاں اور کرنل رام سروپ راشن کے انتظام کے لئے ہیکاری سکیکاں گئے۔ ان کو کسی قسم کی فکر نہیں۔ نہیں معلوم اس غفلت اور بے فکری میں کیا راز ہے؟

۱۹- مارچ ۱۹۴۵ء خان محمد نے ساوی پر حملہ کیا۔ دو گھنٹے تک خوفناک دست بدست جنگ رہی۔ دشمن کے تقریباً دو سو آدمی مرے اور زخمی ہوئے۔ ہماری فوج کا ایک سپاہی شہید اور ۱۲ زخمی ہوئے ہمارے سپاہیوں نے نہایت بہادری کے ساتھ "نیتا جی کی جے" کے نعرے لگا کر حملہ کیا۔ اور بڑی مستقل مزاجی سے یہ لڑائی لڑی ہے۔

۸- اپریل ۱۹۴۵ء کو برمی فوج نے جاپانیوں کے خلاف بغاوت کر دی اور انگریزی فوج سے مل گئی۔

۱۸- اپریل ۱۹۴۵ء - انگریزوں نے ٹونگ ونجی پر قبضہ کر لیا ہے

آزاد ہند اور جاپانی افواج جوابی حملے کر رہی ہے۔ پانچ برطانوی ٹینک حملہ آور ہوئے۔ لیکن دو گھنٹے کی جنگ کے بعد وہ پسپا ہونے پر مجبور ہوئے۔ سہگل نے تار سے اطلاع دی کہ وہ بوگ ٹونگ دنجی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ راشن ختم ہو گیا کچھ فوجیں دریا پار رہیو کی طرف روانہ ہو گئیں۔

۱۶ مارچ ۱۹۴۵ء کو لفٹنٹ گیان سنگھ کی کمان میں ایک دستہ جس میں ۹۰ جوان شامل تھے ایک کھلی ہوئی جگہ پر تعینات تھا۔ جہاں گولی کے نشانے سے بچنے کے لئے کوئی آڑ نہیں تھی۔ بجز ایک سوکھے ہوئے تالاب کے جو بہت کم گہرا تھا۔ اور جس کے قریب ہی تین سڑکیں ملا کرتی تھیں۔ اس جگہ سے چار میل کے فاصلہ پر شمال مغرب جانب ۱۴۲۳ فٹ بلند ایک پہاڑی تھی۔ جس کے پیچھے دشمن کا توپ خانہ تھا۔ جو روڈ جنکشن اور اس کے جنوبی علاقے کی حفاظت کرتا تھا۔ ہمارے سپاہیوں کے پاس ہلکی مشین گن تک نہ تھی۔ صرف وہ رائفل کو اپنے بچاؤ اور [illegible] کے لئے استعمال کر سکتے تھے۔؟ اس کے علاوہ صرف کارتوس تھیں۔ یہ لوگ دو دن تک اپنے مورچے پکڑے رہے۔ اور دشمنوں کو آگے بڑھنے نہیں دیا۔ ۱۶ مارچ کی صبح سویرے ہی دشمن کے ہوائی جہازوں نے بم برسانے اور مشین گنوں سے فائرنگ شروع کر دی ہوائی جہاز اپنا تمام میگزین ختم کر کے واپس چلے گئے۔ اس کے بعد پہاڑی کے عقب سے گولہ باری ہونے لگی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ۱۳ ٹینک اور ۱۱ بند گاڑیاں دس ٹرک کا مکمل ذر دستہ بڑھا۔ اور آگ برسانی شروع

کردی۔ وہ ہمارے بہت ہی قریب پہنچ چکے تھے۔ ہم نے ان کی راہ میں
دو بارودی سرنگیں بھی پھونکیں مگر وہ پھٹ نہ سکیں۔ البتہ اتنا ضرور ہوا
کہ وہ آگے بڑھنے سے رک گئے اور ایک ساکن برج توپ‌کس (
) بن کر رہ گئے۔ جہاں سے وہ من مانی گولہ باری کرنے لگے۔

ہمارے پاس ہیڈکوارٹر سے پیام رسانی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ مشین
گنوں، توپوں اور ٹینکوں کے مقابلے میں ہماری رائفلیں بیکار تھیں
ٹرنچ میں پڑا رہنا بھی خودکشی کرنے کے برابر تھا۔ یہ دیکھ کر سیکنڈ لفٹنٹ گیان سنگھ
نے حملہ کر دینے کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے، نیتا جی کی جے۔ ہندوستان زندہ باد
دہلی چلو کے پرجوش نعرے لگا کر سنگینوں اور رائفلوں سے حملہ کر دیا۔
دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ پورے دو گھنٹے تک جنگ ہوتی رہی۔
ہمارے چالیس سپاہی کام آئے۔ مگر دشمن کا بہت زیادہ نقصان کیا۔ پھر
بھی ہم نے مورچہ نہ چھوڑا۔ ہماری مستقل مزاجی اور حوصلے نے دشمن کے
قدم متزلزل کر دیئے۔ اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بعد گیان سنگھ
نے تیسری بٹالین کے کمانڈر سکنڈ لفٹنٹ امر سنگھ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ مگر عین
اسی وقت ایک گولی سیکنڈ لفٹنٹ گیان سنگھ کے سر پر لگی۔ اور وہ کام آئے
وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں تمہارے ساتھ مروں گا۔ آخر انہوں نے
بہادری سے وطن پر جان قربان کر دی۔

(نیتا جی نے تقسیم خطابات کے موقعہ پر گیان سنگھ کے عہدے میں
ترقی اور خطاب و تمغہ سے بھی نوازا تھا)۔

۱۴۔ اپریل ۱۹۴۵ء کرنل بھگل نے رپورٹ دی ہے کہ ہمارے بہت سے آدمی بھاگ گئے ہیں۔

۱۶۔ اپریل ۱۹۴۵ء۔ انگریزی فوج سے اس وقت منظم مقابلہ مشکل ہے۔ انہوں نے گرسے کارپوریشن لاریوں اور بہت سی ٹینکوں کے ساتھ توڑ دیا ہے۔

۱۹۔ اپریل ۱۹۴۵ء تھوڑی فوجیں پوپا کی طرف بھیج دی گئی ہیں۔ اے۔ بی اور جاگیردار آ گئے۔ مگر رام سروپ کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ برطانوی فوج ٹینکوں کے ساتھ نگوے میں گھس آئی۔ منظم مدافعت نہ ہو سکی۔ نگوے پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ ۳ بجے سے صبح تک سفر کیا۔ کانی پر دریا پار کیا۔ اور چند آدمیوں کے ساتھ مغرب کی طرف روانہ ہوئے۔ حسین۔ گپتا۔ مہر۔ اس سب لاپتہ ہیں۔

۲۰۔ اپریل ۱۹۴۵ء۔ جھنڈے میں قیام کیا۔ رام سروپ اور ڈی سی نیگی آگے روانہ ہوئے۔ کانا کے لوگوں کے متعلق رپورٹ موصول ہوئی۔

یکم مئی ۱۹۴۵ء۔ پروم کے شمال میں ۵ میل پر ایک گاؤں میں پہنچے دن وہیں گزرا۔ یہاں معلوم ہوا کہ ہمارے آدمی مولمین کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جاپانیوں کا دعویٰ ہے کہ ٹنگو پر اب تک ان کا قبضہ ہے۔ سیام کا راستہ بدستور کھلا ہوا ہے۔ ہم گھیرے سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تمام زخمی مریض پیچھے چھوٹ گئے۔

۴ مئی ۱۹۴۵ء۔ ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں تمام دن گزارا۔

دن بھر بارش ہوتی رہی۔ جاپانی ہم کو عین مصیبت کے وقت چھوڑ کر بھاگے جا رہے ہیں۔ انہیں ہماری کوئی فکر نہیں۔ آج رات ہم بہت کم آگے بڑھ سکے۔

۷۔ مئی ۴۵ئہ رات بھر سفر کرنے کے بعد ہم ٹاچی کے شمال میں ۱۰ میل پر ایک گاؤں میں پہنچے۔ فوجوں میں کچھ بے دلی سی پیدا ہو گئی ہے۔ ڈسپلن جاتا رہا۔ ڈھان پر ایک فوجی نے حملہ کیا۔ لیکن خوش قسمتی سے نشانہ غلط گیا۔ ۸ بجے صبح گاؤں سے روانہ ہوئے اور آدھی رات کو ٹاچی پہونچے۔ رنگون کا راستہ بند پایا۔

۱۲ر مئی ۴۵ئہ ۔ ۷ بجے صبح روانہ ہوئے اور ۱۰ بجے واٹا پہنچے۔ دن بھر آرام کیا۔ یہاں معلوم ہوا کہ پیگو پر دس دن سے انگریزوں کا قبضہ ہے۔ واٹا بھی ان کے قبضے میں ہے۔ ادھر سے نکلنے کی اب کوئی امید نہیں۔ مزید معلومات کے لئے دوسرے گاؤں میں ایک گشتی دستہ بھیجا ہے۔ واٹا میں رات بسر کرنے کا فیصلہ ہوا ہے۔

۱۳۔ مئی ۴۵ئہ۔ مکمل اطلاع ملی ہے کہ برطانیہ کا قبضہ ہے۔ ہم گھیرے میں آچکے ہیں۔ بچنے کا کوئی راستہ نہیں۔ ۷ بجے شام کو اپنے گاؤں سے جنگل گیا۔ اور لوگوں کو واقعات کی اطلاع دی۔ اکثریت نے جنگی قیدی بننے کا مشورہ دیا۔ مگر میں ابھی ہتھیار ڈالنے پر راضی نہیں۔ برما کے جنگلوں میں ابھی اور خاک چھاننے کا ارادہ ہے۔

۱۴ر مئی ۴۵ئہ۔ جنگی قیدیوں کی پارٹی ۱۰ بجے میجر جاگیردار اور اے بی کے چارج میں روانہ کر دی گئی۔ میری پارٹی جس میں

میجر مہرداس۔ ڈھلن اور ۸۰ (اسی) سپاہی شامل ہیں قسمت کے فیصلے کے منتظر ہیں۔ ۵ بجے شام کو ایک گاؤں سے جو پیگو کے مغرب میں ۷ میل پر واقع ہے۔ روانہ ہوئی۔ ہم لوگا نامی گاؤں میں پہنچے۔ جو پیگو سے ۱۶ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں بہت سے جاپانی بھی ملے۔ یہاں کے تمام باشندے برطانیہ کے سخت حامی ہیں۔ اب ہماری تعداد فقط ۴۹ رہ گئی۔

۱۷۔ مئی ۱۹۴۵ء۔ تقریباً آدھی رات کے وقت ہم لوگ سین زو گاؤں میں داخل ہو رہے تھے کہ پنجاب رجمنٹ ½ نے ۵ اگز کے فاصلے سے ہم پر بے پناہ گولیاں برسائیں۔ ہمارا شہری رہنما مارا گیا۔ میرا بیگ بھی جہاں کھو گیا۔ رات جنگل میں گذاری۔ ۸ بجے صبح کو روانہ ہوئے۔ مگر راستہ بند پایا۔ ۶ بجے شام کو ½ رجمنٹ نے ہمیں گرفتار کر لیا۔ اور پیگو لا کر جیل میں ٹھونس دیا گیا۔ (میجر جنرل شاہنواز کی ڈائری کا اقتباس)

۶۔ دسمبر ۱۹۴۴ء کو انگریزی فوج کا قبضہ کلیوا اور کلیمو پر ہو گیا۔ کلیوا سے شوئے بو کی طرف برطانوی ۳۳ ویں فوج بڑھ گئی۔ کلیمو سے چوتھی فوج ۱۱۔ جنوری کو گانگا پر قابض ہوتی ہوئی یوک پر، ۲۷۔ جنوری ۱۹۴۵ء کو پہنچ گئی۔

۲۲۔ جنوری ۱۹۴۵ء ۔ منے وا چھ دنوں کی خونریز جنگ کے بعد برطانیوں کے ہاتھ لگا۔ یہ مقام دو طرح سے اہم تھا۔ دریا سے چینڈون اور ریلوے دونوں کی ناکہ بندی کے کام آ سکتا تھا۔ اتحادی فوج مانڈلے

کے شمالی مورچہ سنگو پر جو ۵۰ میل کے فاصلے پر تھا جمی ہوئی تھی۔ دوسری
طرف شوئے بو سے ۳۳ ویں فوج مانڈلے کی طرف بڑھی۔ اب یہاں
تین طرف سے فوجیں بڑھ رہی تھیں۔ چوتھی فوج مکٹیلا کی طرف نہایت
ہوشیاری سے بڑھی۔ جاپانی اس کے متعلق کچھ سن گن نہ پا سکے اور ۳ مارچ
۴۵ء کو مکٹیلا جاپانیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ یہاں سے اب برابر فوجیں
جنگلوں کو صاف کرتی ہوئی۔ ٹینکوں اور توپ گاڑیوں کا راستہ بناتی
ہوئی آگے بڑھی اور مانڈلے سے سو میل جنوب کی طرف پکو کو جا لیا۔ ان
محاذوں پر قیامت خیز جنگیں ہوئیں۔ اور ۲۰ مارچ کو مانڈلے اتحادیوں
کے قبضے میں آگیا۔ ۲۲ مارچ کو منجان اور ۳۰ مارچ کو چوکسے جاپانیوں
کے ہاتھ سے نکل گیا۔ جوکسے کے جنوب میں بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ ان
اطراف میں چھ ڈویژن انگریزی موجود تھی۔ ان کے لئے ٹنڈون سے پانی
پہنچایا جاتا تھا۔ ۳۰ ہزار ٹن پانی کا انتظام ایک مشکل مرحلہ تھا۔ جو ان
کی ضروریات کا کفیل ہو سکتا تھا جس کے لئے تمام وسائل مہیا کر دیئے گئے
تھے۔ ۱۰ اپریل کو ہیونتوئے۔ ۱۴ اپریل میدن۔ ۲۱ اپریل کو پینا اور
۲۴ اپریل ۴۵ء کو نیجاؤں (جہاں آئیل فیلڈ ہے) علی الترتیب فتح ہو گیا
۲۹ اپریل کو منبو، ناٹ میو اور لان میو اتحادی فوجوں کے قبضے میں
آچکے۔ ادھر ۲۹ اپریل ہی کو میجر مان سنگھ گھوڑے میں گھیرے میں
پھنس گئے۔ اور اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ آخر دم تک لڑ کر جان دیدی
اور تاریخ میں زندگی پائی۔ پینا کے محاذ پر کرنل سہگل داد شجاعت دینے

ہوئے قید ہو گئے۔ اپریل کے اخیر میں پیگو پر برطانوی قبضہ ہو چکا تھا۔
۱۷ مئی کو کرنل شاہ نواز پیگو سے ۱۷ میل پر لوگا نامی گاؤں سے نکل کر
زوگاؤں میں داخل ہو رہے تھے کہ مع اپنے ۴۹ ساتھیوں کے
قید کر لئے گئے۔

۲۴ اپریل ۴۵ء کو رنگون سے جاپانیوں نے ہٹنا شروع کر دیا۔
۳۰ اپریل تک رنگون جاپانیوں سے کلیتہً خالی ہو گیا۔ اس وقت رنگون
پر ہوائی حملے کی نیت یا دیکھ بھال کی غرض سے تین ہوائی جہاز آئے جن
کا ونگ لیڈر کیپٹن اسمتھ تھا۔ کئی کاوے کھانے کے بعد جیل خانے کی
چھت پر "جاپانی چلے گئے" کے بڑے بڑے حروف لکھے ہوئے اس
نے دیکھے جو برطانوی قیدیوں نے لکھے تھے۔ مگر اس کو یقین نہیں آیا۔ ادھر منگو
ڈانس) کی طرف کرنل برہان الدین صاحب نے کچھ سگنل دیئے۔ میدان میں چونے سے
بھی لکھ دیا کہ جاپانی چلے گئے۔ "شہر خالی ہے" یہ دیکھ کر اسمتھ نیچے اتر آیا۔ اور
اس کے ہوائی جہاز کو کچھ نقصان بھی ہوا۔ وائرلیس سٹ بھی
خراب ہو گیا۔ اب کیپٹن اسمتھ کی تلاش میں کرنل برہان الدین روانہ ہوئے
اور اسے پا لیا۔ کرنل صاحب نے اسے بتایا کہ شہر آئی این اے کے
چارج میں ہے اور جاپانی چلے گئے ہیں۔ کوئی خطرے کی بات نہیں۔
شہریوں کو نقصان سے بچانے کے لئے آسانی سے اس پر قبضہ ہو سکتا
ہے۔ اس کے بعد اسمتھ کو شہر میں موٹر پر بٹھا کر دکھایا گیا۔ سب سے
پہلے کرنل صاحب کمانیٹ میں اسے لے آئے۔ جناب طلا محمد خاں صاحب

کے مکان پر اسے بٹھایا گیا۔ راقم الحروف بھی وہیں موجود تھا کیپٹن اسمتھ کے ساتھ ایک اور لفٹنٹ بھی تھا۔ لوگوں نے دریافت حال کے لئے ان کو گھیر لیا۔ طلا محمد خاں صاحب کے مکان پر اس وقت یونین جیک لہرا رہا تھا جو دو دن قبل جھی سے نصب کر دیا گیا تھا۔ یونین جیک دیکھ کر کیپٹن اسمتھ ہنسا اور خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد خاں صاحب نے چاء اور شیرینی سے اس کی تواضع کی۔ دوران گفتگو میں اس نے کہا کہ "مجھے ایک کشتی کی ضرورت ہے۔ تاکہ میں اپنے جنگی بحری بیڑے میں جا سکوں۔ میرا وائرلیس سیٹ خراب ہے۔ ورنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ اگر میں وقت پر نہ پہونچا تو علی الصبح شہر پر پروگرام کے مطابق گولہ باری ہو جائے گی۔ اور بہت کچھ نقصان ہو جائے گا۔" آخر کار بدشواری کشتی مہیا کی گئی۔ اور وہ معہ کرنل برہان الدین صاحب جہاز پر گئے۔ کرنل آدھی رات کے قریب واپس لوٹے۔ دوسرے دن کسی قسم کی گولہ باری جہازوں کے ذریعے نہیں ہوئی۔ ۳۔ مئی ۴۵ء کو برطانوی فوج کے کچھ دستے رنگون شہر میں داخل ہو گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ شہر میں کسی قسم کی خوں ریزی نہیں ہوئی۔ اس سلسلے میں کرنل موصوف کی دور بینی نے شہریوں کی جان و مال کو بچا لیا۔ جو بے حد قابل تحسین ہے۔

ارکان کا تمام علاقہ اپریل میں جاپانیوں سے خالی ہو گیا۔ اور پول تقریباً مئی کے آخیر تک تمام برما پر برطانیہ کا دوبارہ تسلط جم گیا۔ اپریل کے پہلے ہفتے میں امریکہ نے جزیرہ اوکی ناوا پر حملہ کر دیا۔ یہاں

جاپانیوں کا سب سے بڑا جہاز یاما موٹو ڈبو دیا گیا۔

۲۲ ر جون کو جزیرہ اوکی ناوا کی جنگ ختم ہوئی۔ اسی تاریخ کو اٹلی نے بھی جاپان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

۵۔ اگست کو ہیروشیما پر آٹم بم نے قیامت برپا کر دی۔ اس کے بعد ناگاساکی پر بم برسائے گئے۔ آٹم بم نے تقریباً ایک لاکھ انسانوں کو ہلاک کر دیا۔ سینکڑوں کارخانے تباہ و برباد ہو گئے۔ شہر کے شہر ویران ہو گئے۔ اس کی ہلاکت خیزی نے وہ وہ تباہ کاریاں کیں جو تاریخ میں اپنی آپ نظیر ہے۔ ان تباہیوں کی تاب نہ لاکر جاپانیوں نے ۱۰ر اگست کو ہتھیار ڈال دیئے۔ اور مشرق کی اس خون ریز جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔

جاپان کے ہتھیار رکھ دینے کے ایک روز قبل ۹۔ اگست کو روس نے بھی جاپان کے خلاف اعلان جنگ کر کے جاپان کی اس رواداری اور دوستی کا قیمتی انعام پیش کر دیا۔ جو اس نے جرمنی کے حملہ روس کے موقع پر غیر جانب داری دکھا کر شرافت کا ثبوت دیا تھا۔

رانی جھانسی کے روزنامے کے چند ورق

رانی جھانسی کے کارنامے اور محاذ جنگ

مولمین کے ایک محاذ پر اس رجمنٹ کی عورتیں متواتر ۱۲ گھنٹہ تک اتحادی فوج سے لڑتی رہیں۔ اتحادی فوج مشین گنوں اور توپوں سے مقابل تھی۔ مگر ان بہادر عورتوں نے رائفل ہی سے مقابلہ کیا۔ اگرچہ انہیں پسپا ہونا پڑا مگر ان کی یہ حوصلہ مندی اور دلیری قابل صد ستائش ہے۔

ایک رضاکارنی کی یادداشت

اپریل ۲۳ ۴۳ء۔ ہمارا محاذ گویا ایک بڑا بھاری جنگل تھا جس میں چھوٹی چھوٹی کم آباد پہاڑیاں تھیں۔ ہمارا ہیڈ کوارٹر جس گاؤں میں تھا وہاں کے لوگوں نے کبھی جنگجو عورتیں نہیں دیکھی تھیں اس لئے ہم ان کے لئے ایک نمائش بن گئے۔ وہ ہم پر حیرت کی نظر ڈالتے تھے۔ جوں جوں یہ خبر اطراف میں پھیلی دور دور سے لوگ ہمیں دیکھنے آنے لگے۔ ہمارے گشتی دستوں نے جب کچھ قیدی پکڑ لئے تو ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ہماری موجودگی کی خبر ان لوگوں کو معلوم ہو چکی ہے۔ اس گاؤں

میں سستانے کے بعد ہمیں کوچ کا حکم ملا۔ اور ہم اندھیرے ہی میں
نکل پڑے۔ ہمیں ہدایت کی گئی تھی کہ بغیر شور و شر کے کوچ جاری
رکھیں۔ جب ہم دور نکل گئے تو ایک پہاڑی پر مورچہ بندی کا حکم ملا
قریب ایک میل کے فاصلے پر برطانوی فوج تھی۔ جو ہماری موجودگی
سے لاعلم تھی۔ اور ہماری طرف بڑھی آ رہی تھی۔ اب ہم اپنے مورچہ
پر گولی چلانے کے حکم کے منتظر تھے۔ اور بیتاب ہو رہے تھے کہ گولی
چلانے کا حکم ہوا۔ ہم نے باڑھ ماری اور اپنی جنسیت کو بھی فراموش
کر چکے اور مسلسل فائرنگ کرتے رہے۔ گولیاں بھرنے اور چلانے
کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ کچھ دیر بعد ہم کو حکم ملا کہ "سنگین چڑھا لو اور
ٹوٹ پڑو"۔

میں آگے بڑھی اور پہاڑی کے نشیب کے ساتھ ساتھ بھاگنا
شروع کیا۔ ایک عورت بھی میرے سامنے بھاگ رہی تھی۔ یکایک گر پڑی
میرا پاؤں اس کے ہاتھ سے الجھ گیا۔ اور میں بھی لڑکھڑائی۔ میرے منہ
سے بے ساختہ "جے ہند" کا نعرہ زوروں سے نکل گیا۔ میں پہاڑی
کے دامن میں تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی جا رہی تھی۔ مجھے معلوم ہوتا
تھا کہ تمام گھنے جنگلوں اور پہاڑیوں میں ہمارے سپاہی چھپے ہوئے
ہیں۔ آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ "جے ہند" اور "ہند زندہ باد"
کے نعروں سے فضا گونج رہی تھی۔ یکایک مجھے ایک ضرب لگنے
کا احساس ہوا۔ میرے پاؤں جم نہ سکے۔ گر پڑی اور بیہوش ہو گئی۔

جب ہوش آیا تو دیکھا کہ مجھے چارپائی پر اٹھا کر محاذ کے پچھلے حصے میں لے جا رہے ہیں۔ میں نے چیخ نکل جانے کے ڈر سے دانتوں کو بھینچ لیا تھا۔ میرے سر میں اگرچہ درد ہو رہا تھا۔ مگر خودداری کے سامنے میں درد بھول گئی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اٹھانے والوں نے مجھے ایسے جھٹکے دیئے کہ مجھے ان کی بے رحمی کا خیال آنے لگا۔ ایسا معلوم ہوا کہ بڑی دیر سے وہ مجھے اٹھائے ہوئے ہیں۔ تب مجھے نیچے اتارا وہاں ایک فیلڈ ہسپتال تھا۔ جس میں مجھے داخل کر دیا گیا۔

بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ سنگینوں سے ہمارے حملے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔ دشمن نے خود ہتھیار ڈال دیئے۔ ہمارے بہت سے آدمی کام آئے مگر ہم نے ایک بہت ہی اہم فتح حاصل کی تھی۔ ہم ہندوستان اور برما کی سرحد پر لڑ رہے تھے۔ اور اس روز کی کامیابی سے ہم نے سرحد کو عبور کر لیا۔ ہمیں محاذ پر زندگی کا کٹھن وقت گزارنا پڑا۔ خوراک لباس اور میگزین کی کمی تھی۔ مگر ہم کو اس کی مطلق پرواہ نہ تھی۔

جلسہ عام میں نیتا جی کی آخری تقریر

۲۱ ویں تاریخ کو عارضی حکومت آزاد ہند کا "تاریخی دن" منایا جاتا تھا۔ اسی دستور کے مطابق کمایٹ کے ایک عام جلسے میں ۲۳ ویں اپریل کو نیتا جی نے تقریر فرمائی۔ اور جنگ کی رفتار پر تبصرہ فرماتے ہوئے کہا کہ:-

انگریز اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ حملہ آور ہے۔ مگر ہماری انقلابی فوج کو اس بات سے ہراساں نہیں ہونا چاہیے۔ دشمن اگر منگلاڈون میں بھی آ جائیں تو آزاد ہند فوج ان کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتی ہے۔ ہماری فوج کا جذبۂ حریت کبھی سرد نہیں ہو سکتا۔ ہماری جنگ اپنی نوعیت کی ایک عجیب جنگ ہے۔ برسوں گزر جائیں لیکن آزادی کے طالب برابر اپنی کشمکش کو جاری رکھیں گے۔ ہمیں مایوس ہونا نہیں چاہیے۔ اور اس وقت تک اپنی جدوجہد کو جاری رکھنا چاہیے جب تک کہ ہندوستان سے انگریزوں کا تسلط ختم نہ ہو جائے۔ اور ہمیں آزادی حاصل نہ ہو"

تقریر کا مختصر اقتباس پیش کر دیا گیا۔ جو ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی تھی۔ جلسہ منتشر ہو گیا۔

جلسے سے لوٹنے کے بعد راقم الحروف کو ایک ذمہ دار شخص سے پتہ لگا کہ جب جلسہ ہو رہا تھا۔ اس وقت ساڑھے پانچ بجے ہ بیل پر جاپانیوں نے اپنے ایک ذخائر کے گودام کو کھول دیا۔ اور مال لٹوا دیا۔ یہ ایک تشویش ناک اور حیرت انگیز خبر تھی تحقیق کرنے پر اس کی تصدیق ہو گئی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا نیتا جی نے دانستہ لوگوں کو دھوکے میں رکھا یا وہ جاپانیوں کی اس خفیہ اسکیم سے سچ مچ بے خبر ہی رکھے گئے تھے ؟

جاپانیوں نے نیتاجی کو دھوکے میں رکھا

نیتاجی حقیقت میں جاپانیوں کے ان خفیہ ارادوں سے بے خبر تھے۔ ان کو اس کا علم نہیں ہونے دیا گیا۔ جب رات کو انہیں معلوم ہوا تو وہ جاپانی افسران پر بہت خفا ہوئے اور کہا کہ:۔ "تم نے اپنے ساتھی دوستوں سے دغا کی اور آج کو دھوکہ دیا" انہوں نے بتایا کہ "ہم کو برما چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ بارش سے پہلے پہلے ہم کو اپنی فوج کو سلامتی کے ساتھ پیگو اور دریائے شاتگ کو پار کر لینا ہے تاکہ سیامی راستے سے ملایا اور سیگوں میں ہم اپنا مستقر بنا لیں"۔

نیتا جی کو ان کی حالت پر بہت افسوس ہوا اور وہ اب بھی جنگ جاری رکھنے پر مصر تھے۔ الغرض جنگ کا نقشہ بدل چکا تھا۔ اب باقاعدہ جاپانیوں نے ۲۴ اپریل سے پسپا ہونا شروع کر دیا۔

شہر رنگون خالی ہونے لگا

جاپانی نہایت مایوسی کے عالم میں تخریبی اسکیم کے مطابق اب اپنے ذخائر اور گوداموں کو لٹوانے اور برباد کرنے لگے۔ ہر جگہ آگ ہی آگ دکھائی دینے لگی۔ ڈائنامیٹ کے دھماکے سنائی دینے لگے۔ پلوں اور سرکاری عمارتوں کو اڑایا جانے لگا۔ فوجی مقامات اور ان کے جنگی سامان برباد کئے جانے لگے۔ ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار پھر گرم ہونے لگا۔ اور اس موقع پر ۱۹۴۲ء کی یاد دوبارہ تازہ ہونے لگی۔ جاپانی دستے اور فوجی یونٹیں آہستہ آہستہ رنگون چھوڑنے لگیں۔ ٹرکس اور موٹروں پر بھاگم بھاگ شروع ہو گئی۔ شہریوں کی بسیں اور موٹریں بھی چھینی جانے لگیں۔ ہر طرف ایک محشر کا سماں تھا۔ کسی کو کسی سے واسطہ نہیں سب اپنی اپنی فکروں میں لگے ہوئے تھے۔ فوجی اور شہریوں کے دل چھوٹ گئے تھے۔ لوگ فکر مند تھے کہ خدا جانے اب کونسی نئی آفت آنے والی ہے۔ اپر برما کی جاپانی فوجیں نیچے اتر کر پیگو کی طرف آنے لگیں۔ بہت سے دستے راستوں میں قید کر لئے گئے۔ کئی جگہ راستہ بند ہونے کے سبب جاپانی جنگلوں میں بھٹکنے لگے۔ آخر وہ بھی تنگ آکر ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گئے۔

آزاد ہند فوج کو حکم دیں کہ وہ بھی تھائی لینڈ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ اور جاپانیوں کا ساتھ دیں۔" لیکن نیتاجی نے فرمایا کہ :"۔ آزاد ہند فوج کے فرائض اب اور زیادہ نازک ہو چکے ہیں۔ ان کو برما میں رہ کر یہاں کے ہندوستانیوں کی حفاظت کرنی ہے۔ یہ فوج ہندوستانیوں کی ہے۔ اور انہیں کی امداد نے اس کے وجود کو آج تک قائم رکھا اس لئے اسے یہیں رہنے دیا جائے۔ جب ہتھیار ہی ڈالنا ہے تو آزاد ہند فوج آخری لمحوں تک ہندوستانیوں کی حفاظت کرے گی اور رنگون میں انگریزوں کے داخلے پر باقاعدہ فوجی نظام کے ماتحت ہتھیار رکھ دے گی"۔ جاپانی نیتاجی کے اس جواب پر بہت ہی متحیر تھے۔

نیتاجی کی روانگی

وزراء حکومت اور اعلیٰ افسران فوج نے یہ فیصلہ کیا کہ نیتاجی کو برما چھوڑ کر بنکاک چلنا چاہیئے۔ اور کسی دوسری جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو جانا چاہیئے۔ نیتاجی اپنی فوج کو چھوڑ کر بادلِ نخواستہ آزادی کی ادھوری اسکیم کو پورا کرنے کی دھن میں تیار ہو گئے۔ اور ۲۴ر اپریل ۴۵ء کو تھائی لینڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ کئی اعلیٰ افسران فوج بھی تھے۔ میجر جنرل کیانی۔ کرنل گلزار سنگھ۔ مسٹر ائر۔ دینا ناتھ داس مسٹر پرمانند آف زیاوادی۔ کرنل احسان قادر۔ کرنل حبیب الرحمٰن وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جنہوں نے آخیر دم تک آپ کا ساتھ دیا۔ بالآخر برطانوی فوج نے ان کو قید کر لیا۔ اور نیتاجی تھائی لینڈ سے سنگاپور گئے۔ اور وہاں کرنل حبیب الرحمٰن کی معیت میں سائگون کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ان کو ہوائی حادثہ پیش آیا۔

برمی اور ہندوستانیوں کے نام

نیتاجی کا آخری پیغام

بھائیو اور بہنو! - میں دکھے ہوئے دل کے ساتھ برما چھوڑ رہا ہوں۔ آزادی کی جنگ کی پہلی راؤنڈ میں ہمیں شکست ہو گئی، ابھی اور کئی راؤنڈ باقی ہیں، پہلی راؤنڈ (معرکے) میں شکست کے بعد بھی ہم ناامیدی کی وجہ نہیں پاتے۔

برما میں مقیم ہندوستانی دوستو! - تم نے اپنا فرض ادا کیا جو مادرِ وطن کی طرف سے تم پر عائد ہوتا تھا - اور تم نے ایسا فرض ادا کیا کہ دنیا تمہاری مداح ہو گئی - تم نے جان و مال اور دیگر وسائل کو بے دریغ اس راہ میں قربان کیا - اور تم نے اپنا سب کچھ نچھاور کر کے ایک مثال قائم کر دی - لیکن ہمارے راستے میں بہت زیادہ مشکلات تھیں - اور عارضی طور پر ہم نے برما میں ہزیمت اٹھائی - ایثار اور بے غرضانہ قربانی کا جو نمونہ تم نے دکھایا ہے - خاص کر اس وقت سے جبکہ میں نے برما میں ہیڈ کوارٹر

بنایا۔ وہ ایسا ہے۔ جس کو میں زندگی کی آخری سانس تک نہیں بھول سکتا۔

مجھے وثوق کامل ہے کہ آپ کا یہ جذبہ کچلا نہیں جا سکتا۔ میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ ہندوستان کی آزادی خاطر آپ اپنے اس جذبے اور حوصلے کو قائم رکھیئے، اپنا سر اونچا رکھیئے اور اس متبرک دن کا انتظار کیجئے جب پھر آپ کو ہندوستان کی آزادی کے لئے جنگ کرنے کا موقع ملے گا۔

جب آزادی ہند کی آخری جنگ کی تاریخ لکھی جائے گی۔ برما کے رہنے والے ہندوستانیوں کو اس تاریخ میں معزز جگہ ملے گی۔

میں برما اپنی خواہش اور رائے سے نہیں چھوڑ رہا ہوں!۔ میری تو یہی خواہش تھی کہ میں یہیں ٹھیر جاؤں اور اس عارضی شکست کا صدمہ جو آپ کو ہے۔ اس میں، میں آپ کا شریک ہوں! لیکن میرے وزراء اور دوسرے ذمہ دار لوگوں کی یہ خواہش بلکہ اصرار ہے کہ ہندوستان کی آزادی کی جنگ کو جاری رکھنے کے لئے میں برما چھوڑ دوں، میں تو پیدائشی امید پرست ہوں اور آزادی ہند پر جو راسخ ایمان میرا تھا، وہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اور آپ سے بھی میری یہی درخواست ہے کہ آپ بھی امید اور حوصلہ کو قائم رکھیئے۔ میں نے آپ سے یہ اکثر کہا ہے کہ

طلوع سحر سے پہلے رات کی تاریکی آتی ہے۔ ہم اس وقت تاریک ترین ساعت سے گزر رہے ہیں اس لئے صبح کا اُجالا دُور نہیں ہے۔ ہندوستان آزاد ہوکر رہے گا۔

اس پیغام کو ختم کرنے سے پہلے میں صمیم قلب سے حکومت برما اور برما کے باشندوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ امداد دی۔ یہ ان کی اعانت کا نتیجہ تھا کہ ہم اس آزادی کی جنگ کو جاری رکھ سکے۔ وہ وقت بھی آئے گا۔ جب آزاد ہندوستان اس احسان اور فیاضانہ سلوک کا عوض دے گا۔ انقلاب زندہ باد۔ آزاد ہند زندہ باد۔ جے ہند۔

(دستخط)

سوبھاش چندر بوس

آزاد ہند فوج کے نام نیتاجی کا پیغام!

سپریم کمانڈ سے نیتاجی کا ایک پیغام "اسپیشل آرڈر آن دی ڈے" آزاد ہند فوج کے نام جاری کیا گیا تھا۔ جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

آزاد ہند فوج کے بہادر افسرو اور سپاہیو!

میں دکھے ہوئے دل کے ساتھ برما چھوڑ رہا ہوں ۱۹۴۴ء کی فروری میں آپ نے اسی برما میں بہادری اور جانفروشی سے کئی لڑائیاں لڑیں۔ اور اب تک لڑ رہے ہیں۔ امپھل اور برما میں ہم آزادیٔ ہند کی جنگ کی پہلی راؤنڈ (معرکہ) ہار گئے۔ لیکن یہ صرف پہلی راؤنڈ تھی۔ ابھی ہمیں کئی راؤنڈ اور لڑنا ہے۔ میں پیدائشی امید پرست ہوں اور میں کسی حال میں بھی شکست تسلیم نہیں کروں گا۔ تمہاری بہادری کے کارنامے اور جس بہادری اور مردانگی سے تم امپھل کے میدانوں، اراکان کے جنگلوں اور پہاڑیوں میں پھر برما کی روغنی کان (ینیجاؤں، جہاں تیل نکلتا ہے) کے آس پاس لڑتے ہو۔ وہ جنگ ہندوستان کی جنگ آزادی میں یادگار رہے گی۔ اور تاریخ اس کو نہیں بھلا سکتی۔

دوستو! اس نازک موقع پر میں تم کو صرف ایک حکم دیتا ہوں کہ اگر عارضی طور پر تم کو شکست اٹھانی پڑے تو اس ہزیمت کا مقابلہ

بہادروں کی طرح کرنا ۔ شکست میں اپنا سر اونچا رکھنا ۔ آبرومندی اور تنظیم کو ہاتھ سے نہ دینا ۔ ہندوستان میں آئندہ تمہارے کارناموں کی بدولت غلامی نہیں بلکہ آزادی پیدا ہوگی ۔ وہ تم کو اور تمہاری بہادری کے کارناموں کو عزت اور فخر کے ساتھ دنیا میں مشہور کرے گی کہ " دیکھو ہمارے آباؤ اجداد منی پور آسام اور برما میں بہادروں کی طرح لڑے ! اور لڑ کر شکست کھائی لیکن ان کی عارضی شکست نے ہمارے لئے آخری فتح و کامرانی کا دروازہ کھول دیا ۔"

ہندوستان کی آزادی کا ناقابلِ شکست یقین نہیں بدل سکتا ۔ میں تمہاری حفاظت میں اپنا ترنگا جھنڈا چھوڑے جاتا ہوں ۔ ہمارا قومی وقار اور ہمارے سورماؤں کے قابلِ فخر کارنامے تمہاری حفاظت میں دے رہا ہوں ۔ مجھے یقین ہے کہ تم جو اس جنگ آزادی کے پیشرو ہو ، قومی وقار کو قائم رکھنے میں کسی قربانی سے جو مال کی ہو یا جان کی دریغ نہ کرو گے ۔ تاکہ تمہارے رفقاء جو تمہارے بعد ہندوستان کی آزادی کی جنگ کو دوسری جگہ جاری رکھیں گے ۔ ان کے سامنے تمہاری درخشاں مثال اُن کی حوصلہ افزائی کے لئے موجود ہو ۔ اگر میرا بس چلتا تو میں یہیں ٹھیرتا اور تمہاری مشکلات کے زمانے میں تمہارا ساتھ دیتا اور تمہارے دُکھ میں شریک ہوتا ۔ یہ عارضی حکومت کا غم بھی عارضی ہی ہوگا ۔ لیکن میں اپنے وزراء اور اعلیٰ حکام کے مشورے پر برما چھوڑ رہا ہوں ۔ تاکہ میں ہندوستان کی آزادی کی جنگ جاری رکھ سکوں ۔

میں مشرقی ایشیا کے ہندوستانیوں اور ہندوستان میں رہنے والے بھائیوں کو اچھی طرح جانتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ اس لڑائی کو ہر حال میں جاری رکھیں گے اور اُن کی جدوجہد رائیگاں نہ جائے گی۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میں سختی سے اس عہد پر قائم رہوں گا۔ جو میں نے ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو کیا تھا کہ میں اپنی پوری طاقت سے ۳۸ کروڑ انسانوں کے مفاد کے لئے جدوجہد کرتا رہوں گا۔ اور ان کی آزادی کے لئے لڑائی جاری رکھوں گا۔ میں آخر میں آپ سے اپیل کروں گا کہ آپ بھی یہی امید و یقین رکھیں جس سے میرا سینہ لبریز ہے۔ آپ میری طرح یہ یقین رکھیئے کہ سپیدۂ سحر کے نمودار ہونے سے پہلے گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو جاتا ہے۔ ہندوستان آزاد ہو گا۔ بہت جلد خدا آپ کو کامیاب کرے۔

آزاد ہند زندہ باد۔ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۴۵ء

(دستخط) سوبھاش چندر بوس

سپریم کمانڈر آزاد ہند فوج

روانگی کے وقت نیتاجی کی تمنا

روانگی کے وقت نیتاجی نے شہر کا انتظام میجر جنرل لوگاناتھن کے سپرد کیا تھا۔ اور آپ نے یہ تمنا بھی ظاہر کی تھی کہ آزاد ہند حکومت نیز آزاد ہند فوج کے دفاتر۔ گودام ہسپتال جنگی ساز و سامان برباد نہ کئے جائیں۔ اور انہیں لٹایا بھی نہ جائے۔ بلکہ تمام چیزیں برطانوی

فوج کے حوالے کی جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ "دشمن ہمیں جاپانی حکومت کا آلۂ کار اور ان کا دست نگر سمجھ رہا ہے۔ نیز ہماری فوج کو بالکل ننگا بھوکا بتایا جا رہا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہماری فوج خود اپنی ضروریات کی کفیل تھی۔ اور اس کے پاس اپنے ذخائر کی کمی نہ تھی۔ جس طرح ایک باقاعدہ حکومت اور باضابطہ فوج کو ہونا چاہئے۔ ہم مکمل طور پر پورے ساز و سامان سے لیس تھے۔

شہر رنگون آئی۔این۔اے کے قبضے میں

۲۴ اپریل کو جاپانیوں کے انخلائے رنگون کے بعد شہر آزاد ہند فوج کے چارج میں دے دیا گیا۔ جب تک جاپانی تھے انہوں نے جو کچھ لٹا یا یا برباد کیا کر دیا۔ اس کے بعد ہر طرف نہایت پُر امن طریقے پر آئی این اے نے شہر کی حفاظت کی، رعایا کی جان و مال کی دیکھ بھال میں نہایت تندہی سے کام لیا۔ مضافات سے ڈاکو اور لٹیرے شہر میں داخل ہونا چاہتے تھے مگر ان کے سامنے ان کی دال گل نہ سکی۔ برطانیہ کے جانے کے بعد جو بدامنی اور لوٹ مار تھی۔ اس کے بالکل برعکس جاپانیوں کے جانے کے بعد اور آزاد ہند فوج کے قبضے کے وقت حال تھا۔ ہندوستانیوں کی جان و مال کی حفاظت کا سہرا آزاد ہند فوج ہی کے سر رہا۔ اس وقت اس فوج کے افسر اعلیٰ کرنل ارشد تھے۔ اور ان کے ساتھ کرنل برہان الدین وغیرہ نے امن و امان قائم رکھنے کا بہترین انتظام کیا ہوا تھا۔

جاپانی فوج کا انخلا

جاپانی فوج زنگون اور دیگر محاذ سے شانگ دریا کو عبور کرنے میں مصروف تھی اور مولمین کی راہ سے تھائی لینڈ کی طرف بھاگ رہی تھی۔ دوسری طرف کشتیوں کے ذریعے دریائے زنگون سے مولمین نکل جانا چاہتی تھی مگر جو جا سکے چلے گئے۔ بقیہ راستہ مسدود ہونے کے سبب پیگو اور سیریم کی طرف سے برطانوی افواج کے قبضے میں پھنس گئے۔ کچھ فوج جنگلوں میں بھٹکتی رہی۔ اور جب جاپان نے ہتیار ڈالے ہیں مشکلوں سے وہ بھی نیم جان بھوک پیاس سے ادھ موی ہوکر قبضے میں آئی اور ہتھیار ڈالدئیے۔

زنگون میں برطانوی فوج کا داخلہ

۳۔ مئی ۱۹۴۶ء کو سمندر کی طرف سے کچھ دستے کشتیوں میں سوار شہر زنگون میں داخل ہوئے۔ دوسرے دن پیگو کے راستے سے دیگر فوجیں آنے لگیں۔ شہر زنگون کے قبضے کا ذکر جنرل جنگی یادداشت میں ۲۔ مئی کے حالات میں درج ہو چکا ہے۔ برطانی فوج کے داخلے پر میجر جنرل لوگا ناتھن نے شہر کا چارج ان کے حوالے کیا۔ مگر برطانی کمانڈر نے ان سے استدعا کی کہ وہ امدادی طور پر ان کے ساتھ امن کی بحالی کے لئے شامل رہیں۔ تقریباً ایک ہفتے تک آزاد ہند فوج سے ہتھیار نہیں لئے گئے اور وہ اپنی ڈیوٹی پر متعین رہے۔

آزاد ہند لیگ اور آزاد ہند بنک

مسٹر بہادری جو کہ لیگ کے انچارج اور بنک کے منیجر تھے

برگیڈیر سے ملے۔ اور لیگ اور بنک کے متعلق آئندہ کا پروگرام پوچھا
جواب ملا کہ وہ حسب سابق اپنا کام کاج جاری رکھیں۔ اس لئے لیگ
اور بنک نے رفاہِ عامہ کے کاموں میں اپنا وقت صرف کرنا شروع کر دیا۔
۲۵۔ مئی کو بنک پر جہاں لیگ کا دفتر بھی تھا۔ یکایک فوج نے گھیرا ڈال
دیا۔ مشین گنوں اور بندوقوں سے مسلح فوج نے تلاشیاں لینی شروع
کردیں۔ ان سے کہا گیا کہ تم لوگ یہاں سازش کر رہے ہو (حالانکہ وہاں
راشن تقسیم کیا جارہا تھا) اور کسی خطرناک اقدام کے لئے اکٹھے ہوئے ہو
اس کے بعد بنک کی تجوریوں پر مہریں لگا دی گئیں۔ دفاتر حساب کتاب
سب کچھ قبضے میں کر لیا گیا۔ اس روز سے لیگ اور بنک دونوں بند
کر دیئے گئے۔ اس سے پہلے لیگ کی معرفت ہندوستانیوں سے
ہتھیار وغیرہ جمع کروائے گئے تھے۔ فوج نے بھی اس عرصہ میں اپنے
ہتھیار رکھ دیئے۔ اور وہ پکڑ پکڑ کر انسین جیل اور رنگون سنٹرل جیل
میں قید کر دیئے گئے۔

عام گرفتاریاں

اب عام پکڑ دھکڑ شروع ہوئی۔ F.S.S
اور F.I.U. کے شکاری کتے "Hounds"
سونگھ سونگھ کر مجرموں کے ساتھ بے گناہوں کو بھی گھسیٹ لے جاتے
تھے۔ جس کسی نے کسی کی طرف اشارہ کیا کہ بس جیپ کار موجود تھا!

اور ہوا ہو گئے سو
جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ بھی قابل دار ہے

راقم الحروف بھی دھر لیئے گئے۔ مسلسل چار پانچ دان تک بیانات ہوئے۔ سال بھر کے لئے حکم زبان بندی و قلم بندی ملا۔ اور گھر واپس لوٹے۔ درمیان میں کئی بار گھر کی تلاشیاں بھی ہوئیں۔ مگر چیل کے گھونسلے میں مانس کہاں؟۔ میگزین بھلا یہاں کہاں دھرا تھا۔ جوان کی تواضع سے بچ جاتا۔ خیر خوب ہماہمی رہی۔ لوگوں کے بیانات سے دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے گئے۔ چند منافقوں کے سوا جواب سب کا ایک تھا کہ "ہم نے وطن کی خدمت کے جذبے سے سب کچھ کیا اور اس کے لئے اور بہت کچھ کرنے کو تیار ہیں"

جیل میں آزاد ہند فوج سے سلوک

آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کے ساتھ جیل میں بہت خراب سلوک کیا گیا۔ ایک ایسی فوج جو ابھی اور کچھ دنوں تک برطانوی فوج کو پریشان کر سکتی تھی۔ اور جس نے نہایت پُرامن طریقے پہ شہر کا قبضہ ان کے ہاتھوں میں دیا تھا۔ ان انسانیت سوز سلوک روا رکھنا جاپانی بربریت کی شکایت کرنے والوں کے لئے کہاں تک حق بجانب ہے۔ کھانے پینے اور پہننے کے لئے بھی ان کو سخت شکایتیں تھیں۔ ان کے زائد کپڑے لے لئے گئے تھے۔ ان سے نٹیگ Phatigue ورک بیگاری میں بہت زیادہ شرمناک کام دیئے جاتے تھے۔ بھنگیوں کا کام۔ شہر میں شارع عام پہ جھاڑو دلوانا ان کے لئے نہایت ذلت کا باعث تھا۔ عوام میں یہ دیکھ کر بے چینی سی پھیل گئی تھی۔ انھوں نے جب آزاد ہند فوج کو

اپنا ہمدرد اور اپنا محافظ کل تک دیکھا تھا۔ آج ایسی حالت میں ان کو دیکھ کر غم و غصے کے جذبات برانگیختہ ہو رہے تھے۔ آخر فوجی احکام نے اُسے محسوس کر لیا۔ اور کچھ دنوں کے بعد جیل کے باہر ان کو بھیج کر کام لینا بند کر دیا گیا۔ اس میں برطانوی ہندوستانی فوج کی سفارش بھی شامل تھی۔ ایک ہندوستانی افسر نے خود شکایت کی تھی کہ ہمیں اپنے ہندوستانی بھائیوں کو ایسی حالت میں دیکھ کر شرم آتی ہے۔ الغرض باہر کا سلسلہ بند ہوا۔ جیل میں ایک آئی۔ این اے افسر میجر ملک فتح خاں جو قیدیوں کا انچارج تھا۔ اس سے بھی فوجیوں کو بہت شکایتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ اپنی برطانی خیر خواہی جتانے میں اس نے اپنے بھائیوں کو ایذائیں دینے میں کسر نہ چھوڑی۔ میجر جنرل شاہ نواز خاں ایک دن رنگون سنٹرل جیل میں رہ چکے تھے۔ ملک فتح خاں ان سے ملنے نہ آیا۔ جس پر شاہ نواز خاں صاحب نے یہ کہلا بھیجا تھا کہ "شاہ نواز ایک دن تمہارے قید میں بھی رہ چکا ہے۔"

ایک دلچسپ واقعہ اسی جیل میں جب شاہنواز خاں صاحب رکھے گئے تھے ایک انگریز میجر آپ کے پاس آیا اور کمرے میں آنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اُسے روک دیا۔ اور باہر ہی کھڑا رکھا۔ شاہ نواز خاں باہر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ دوسرے دن کی روانگی کی اطلاع دینے آیا ہے۔ آپ نے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں نے تم کو کیوں اندر آنے

کی اجازت نہ دی ؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے کمرے میں نیتاجی کی تصویر ہے۔ اور تم دشمن کی فوج کے افسر ہو۔ اگر تم اسے سلیوٹ نہ کرو گے تو میری توہین ہو گی۔ اس لئے میں نے تمہیں باہر ہی رکھا۔ یہ سن کر وہ چلا گیا مگر جب وہ دوسرے دن آیا تو اندر آنے کی اجازت طلب کی تو اُس نے اندر آکر باقاعدہ فوجی سلام کیا۔ اور نیتاجی کی تصویر کے سامنے اٹنشن کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد شاہ نواز خاں صاحب اس کے ساتھ ہوائی جہاز پر روانہ ہوئے۔ وہاں سے دلی بھیج دیئے گئے۔

آزاد ہند فوج کے متعلق اغیار کی رائیں

آزاد ہند فوج نے ملک برما کا اندرونی اور سرحدی بچاؤ کر کے عوام کے دلوں میں بڑی جگہ پیدا کر لی تھی۔ اس کی بہادری کے کارنامے زبان زد خاص و عام تھے۔ خصوصیت کے ساتھ ہندوستانیان مقیم برما تو ان کے احسانات کے ہمیشہ مداح رہیں گے آزاد ہند فوج نے ان کو ہر طرح کی امداد پہنچائی۔ حتےٰ کہ انفرادی حیثیت سے خطرے کے مقام پر ان کے مکانوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے تھے۔ تاکہ ان کو مالی اور جانی نقصانات نہ پہنچائے جا سکیں۔ بعض مواقع پر انہوں نے جاپانیوں کو اُن کی دست درازی سے بھی جبراً روک دیا تھا۔ کماہیٹ میں جبکہ جاپانی اپنا گودام لٹا رہے تھے۔ اس وقت لفٹننٹ تیتولال نے جو کماہیٹ کے علاقے میں متعین تھے۔ جاپانی افسروں سے مل کر یہ شکایت کی کہ تم اگر لٹوا رہے ہو تو گولی چلانا بے قاعدگی ہے اور اگر

گولی ہی چلانی ہے تو گودام لٹوانے کی ضرورت نہیں۔ اگر آئندہ ایسی شکایت سُنی گئی۔ تو آزاد ہند فوج کے سپاہی بھی جاپانیوں کو گولی کا نشانہ بنا دیں گے۔ یہ سنکر انہوں نے دوبارہ ایسی غلطی نہیں کی۔ ہندوستانیوں کے علاوہ دوسری قومیں بھی آزاد ہند فوج کی خوبیوں کا اعتراف کر رہی ہیں۔ جیلوں میں ان کی تکلیفوں کا حال سُن سُن کر نیز راستے پر ان سے صفائی کام لینے پر ہر ایک بہت پیچ و تاب کھاتا تھا۔ اور ان سے ہمدردی کا اظہار کرتا تھا۔ کھانے پینے کی چیزیں بھی ان کے لیئے پبلک مہیا کرتی تھی لیکن بعد میں قیدیوں کو کچھ دینا ممنوع قرار دیا گیا۔ پھر بھی چوری چھپے سگریٹ وغیرہ تو ان کو دے ہی دیئے جاتے تھے۔۔ برما میں جاپانی اور برمی افواج کی موجودگی میں بھی آزاد ہند فوج نے نہایت بلند اخلاق اور پسندیدہ کیرکٹر پیش کیا تھا۔ یہ اسی کی وجہ ہے کہ وہ ہر ایک قوم سے آج تک خراج تحسین وصول کر رہی ہے۔

اسیران جگر گچھ

پہلی جون ۱۹۴۵ء کو رنگون سے آزاد ہند فوج کا ایک دستہ اور آزاد ہند لیگ کے چند کارکن جہاز میں سوار کروا کر کلکتہ لائے گئے اور "جگر گچھ" کیمپ میں قید کر دیئے گئے۔ اس دوران میں انہیں سخت جسمانی اور روحانی تکلیفیں دی گئیں۔ جہاز میں رفع حاجت تک کے لئے ان کو تنگ کیا گیا۔ اڑتالیس اڑتالیس گھنٹوں تک ان کو پیشاب پاخانے تک کی اجازت نہ دی گئی۔ لیگ کے سول کارکنوں کے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا گیا کیپٹن سکینہ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے یہ شکایت

دور کی۔ اور افسوس کا اظہار کیا۔ سول کارکنوں کے پاس سے ان کی جامہ تلاشی لے کر ہر چیز لے لی گئی۔ ان کی نقد رقمیں جو تین تین اور پانچ پانچ ہزار روپے کی تھیں، لے لی گئیں۔ اور بلاڈکار ہضم ہو کر رہ گئیں۔ آج تک اُن کا پتہ نہیں اور شاید وہ رقمیں جمع بھی نہ ہوئی ہوں۔

"ہوا کھانے چلو" جہاز میں دوسرے دن یہ اعلان کیا گیا کہ آج تمام قیدی سپاہیوں کو ہوا کھلائی جائے گی، اس لئے ہر ایک بنیائن اور شارٹ پینٹ پہن کر اوپر کی ڈک پر ہوا کھانے جانا چاہئے۔ وقت مقررہ پر سب کو اوپر لے جایا گیا۔ اور ادھر نیچے ان کے بستروں، کپڑوں، صندوقوں ہر ایک چیز کی تلاشیاں لی گئیں۔ سب کچھ لے لیا گیا۔ نقدی یا جو کچھ قیمتی چیزیں رکھی تھیں سب لے لی گئیں۔ کوئی ادھر ادھر کچھ چھپا نہ سکا۔ جب قیدی ہوا کھانے کیلئے نیچے لائے گئے تو ان کا تمام اندوختہ ہوا ہو چکا تھا۔ اور یہ غریب قیدی لٹ چکے تھے۔ کہیں تو کس سے کہیں ایک دوسرے کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ ایک دو جو زائد کپڑے بھی تھے اس سے بھی ان غریب قیدیوں نے ہاتھ دھو لئے۔ الغرض قید ہونے کے بعد سے لے کر ہندوستان کے مختلف کیمپوں میں رکھنے اور مقدمہ چلنے تک ان پر طرح طرح کی مشق ستم ہوتی رہی۔ اور یہ آزادی چاہنے کے جرم میں نت نئے مظالم کا شکار ہوتے رہے۔ بات آخر کب تک چھپی رہتی۔ برما اور سیام کے دورہ پر گئے ہوئے ایک جرنلسٹ مسٹر امرت لال سیٹھ ایڈیٹر جنم بھومی گجراتی اور امرت بازار پتریکا کے نامہ نگاروں کے ذریعے

شدہ شدہ یہ خبر تمام ہندوستان میں بجلی کی طرح پھیل گئی اور ہندوستانی عوام اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی تکلیفیں سُن سُن کر بے چین ہو گئے۔ رائے عامہ میں ہیجان دیکھ کر کانگریس اور پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی پھُریری لی۔ بیانات اور ریزولیوشنوں نیز ڈیفنس کمیٹیوں کے قیام نے حکومت ہند کی مخمور آنکھوں سے نشے کا خمار اُڑا دیا اور اس نے بھی انگڑائیاں لیتے ہوئے ایک واضح بیان دے دیا۔

لال قلعہ کا خونی منظر

آزاد ہند فوج کے اسیروں پر دہلی لال قلعہ میں نہایت شرمناک مظالم ڈھائے گئے ان کو کھانے پینے اور رفع حاجت کی تکلیفوں میں مبتلا کیا گیا۔ ان کو بری طرح زدوکوب کیا جاتا تھا۔ طرح طرح کی نت نئی مصیبتیں روزانہ نازل کی جاتی تھیں۔ ان سے جبراً غلط بیانات لئے جاتے تھے تکالیف کا لامتناہی سلسلہ تھا۔ جو ختم ہونے کو نہ آتا تھا جس سے تنگ آکر میجر گرسنگھ اچھرا سنگھ نے بندوق کی گولیوں سے خودکشی کر لی۔ ایک افسر نے اپنے ہاتھوں بلیڈ سے اپنا گلا کاٹ لیا۔ دو سپاہیوں نے قلعے کے اندر ایک اونچے چبوترے پر چڑھ کر نیچے کی طرف چھلانگ لگا کر خودکشی کرنا چاہی اگرچہ وہ بچ گئے۔ لیکن ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے۔ ان متعدد واقعات نے عدل و انصاف کی تاریخ کو داغدار کر دیا۔ اور آج تہذیب کے حامیوں کا بھانڈا پھوٹ کر رہ گیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی زود پشیمانی

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

کل تک پنڈت جی یہ کہہ رہے تھے کہ میں ہندوستان پر حملہ آور سوبھاش چندر بوس کا خود مقابلہ کروں گا۔ کیونکہ وہ جاپان کے آلۂ کار ہو کر غلط راستے پر پڑ گئے ہیں۔ خواہ اُن کی نیت اچھی ہی کیوں نہ ہو۔ میں ہرگز اس صورت سے ہندوستان میں ان کا داخلہ برداشت نہیں کر سکتا! خدا کی شان ہے کہ آج وہی پنڈت جی رائے عامہ سے مجبور ہو کر آزاد ہند فوج کی حمایت میں ایک بیان دے رہے ہیں۔ کاش آج بیمارِ محبت کی لاش پر آنسو بہانے کے بدلے کل اس کے سرہانے تیمارداری سے زندہ کر دیا جاتا۔ تو تاریخِ عشق و محبت کی کتاب کا عنوان ہی کچھ اور ہوتا اور یہ افسانہ اُن کی وفا کو زندہ جاوید کر دیتا۔ ع

وقت پر کافی ہے قطرہ ابرِ خوش ہنگام کا
جل گیا جب کھیت مینہ برسا تو پھر کس کام کا

پنڈت جواہر لال نہرو کا بیان

۱۹- اگست ۱۹۴۵ء کو سری نگر کشمیر کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے حکومتِ ہند سے اپنی پوزیشن کی وضاحت کا مطالبہ

کیا۔ اور کہا کہ ہندوستان کے تقریباً ۲۵ ہزار ہندوستانی سپاہی جس میں مسلمان اور سکھوں کی تعداد زیادہ تھی۔ سقوط سنگاپور کے بعد جاپانیوں سے مل گئے۔ اور انہوں نے آزاد ہند فوج بنائی۔ اگرچہ یہ لوگ غلط راستے پر تھے۔ لیکن انہوں نے یہ سب کچھ حب الوطنی کے جذبے سے مجبور ہو کر کیا۔ اب ان میں سے بہت بڑا حصہ گرفتار ہو کر ہندوستانی جیلوں میں رکھا گیا ہے۔ ہندوستانی یہ معلوم کر کے مضطرب اور فکرمند ہیں کہ ان سے کیا سلوک روا رکھا جائے گا۔ اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں نے غلطی کی۔ لیکن اگر ان سے بدسلوکی کی گئی تو ہندوستان کے سامنے ایک نہایت پیچیدہ سوال اٹھ کھڑا ہو گا۔ یہ مسئلہ ایک عرصہ سے میرے لئے تکلیف کا سبب بن رہا ہے۔

دوران جنگ میں مَیں نے غلط فہمی کے احتمال سے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ تین سال پہلے اس کے متعلق میری جو رائے تھی وہی آج بھی ہے۔ جس آزاد ہند فوج کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ وہ ملایا اور برما میں بنی تھی۔ اس فوج کے لیڈر اور افسران کئی باتوں میں غلط راستہ اختیار کر چکے۔ انہوں نے جاپانیوں سے اپنی بدقسمتی سے وابستہ کر کے نتائج پر غور نہیں کیا۔ تین سال ہوئے جب مجھ سے کلکتہ میں پوچھا گیا تھا کہ ہندوستان کو آزاد کرانے کی خاطر اگر سوبھاش چندر بوس ہندوستان پر چڑھائی کریں تو آپ کا کیا رویہ ہو گا۔ میں نے جواب دیا تھا کہ میں ان کے حملے کا مقابلہ کروں گا۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ سوبھاش بابو اور

ان کے رفقاء ہندوستان کی آزادی کی نیت رکھتے ہیں اور وہ کلیتہً جاپان کے آلۂ کار بھی نہیں۔ باوجود اس کے انھوں نے خود کو غلط راستے پر ڈال لیا تھا۔ اور وہ جاپانی ماتحتی میں کام کر رہے تھے۔ خواہ اُن کی نیت کچھ بھی ہو۔ ان کا مقابلہ ضروری تھا۔ لیکن اب حالات بہت کچھ بدل چکے ہیں۔ آزاد ہند فوج کے افسروں اور سپاہیوں کی بہت بڑی تعداد قید خانوں اور قلعوں میں قید و بند کی مصیبت بھری زندگی گزار رہے ہیں۔ اور ان کے ساتھ بُرا سلوک کیا جا رہا ہے۔ میں برطانوی فوجی حکومت سے شکایت بھی نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے باغیوں سے جیسا بھی سلوک کریں کر سکتے ہیں۔ مگر میں ہندوستان کی مختلف پارٹیوں کی نمایندگی کرتے ہوتے یہ ضرور کہوں گا کہ اگر ان کو سزا کے طور پر پھانسی کے تختے پر لٹکا یا گیا تو یہ ایک افسوسناک سانحہ ہوگا۔ آج جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں نمایاں تبدیلیاں ہونے والی ہیں ایسی غلطی کا ارتکاب بہت بُرے نتائج پیدا کر دیں گے۔ مجموعی طور پر یہ فوجی نوجوانوں کی بہادر اور عمدہ جماعت ہے۔ اگر ان سے عام باغیوں کا سا سلوک کر کے انھیں سزائیں دی گئیں تو یہ سزائیں تمام ہندوستانیوں کو سزا دینے کی مترادف ہوں گی۔ اور اس سے کروڑوں ہندوستانیوں کے دلوں میں گہرے زخم پڑ جائیں گے کیونکہ یہ معاملہ خوش قسمتی سے فرقہ وارانہ جذبات سے پاک ہے اور اس میں افسران اور سپاہی، ہندو مسلمان اور سکھ سب جماعت کے لوگ شامل ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر مجھے یقین کامل ہے کہ ان جنگی قیدیوں کا

سے کوئی ایسی بد سلوکی نہیں کی جائے گی۔ جس سے ہندوستانیوں کے دل و دماغ پر ایک اور گہرا چرکا لگے۔ جنگ کے اختتام سے ہنگامی ضرورت تو ختم ہو چکی۔ اب وسیع النظری اور وسعت قلبی کی ضرورت ہے۔

کانگریس کمیٹی کی جدوجہد

کانگریس کمیٹی نے اپنے بمبئی والے اجلاس میں حکومت پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اس سے تمام آزاد ہند فوجیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ اور حسب ذیل ریزولیوشن منظور کیا۔

"آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو یہ معلوم کر کے کہ ہندوستان اور غیر ملکی جیلوں میں ان مرد اور عورتوں اور افسروں کو قید میں رکھا گیا۔ جو برما اور ملایا میں آزاد ہند فوج میں شامل ہو گئے تھے سخت تشویش ہو رہی ہے۔ ان میں کچھ ایسے ہندوستانی سپاہی بھی ہیں۔ جو مغربی علاقوں میں بھیجے گئے تھے۔ اس وقت برما اور ملایا کے جو حالات تھے اور اس فوج نے اپنا جو مقصد بیان کیا تھا۔ اس کے پیش نظر ان سے جنگی قیدیوں کا سا سلوک کیا جائے اور اب جبکہ جنگ ختم ہو چکی ہے ان کو رہا ہو جانا چاہیئے تھا۔ کانگریس کمیٹی کی یہ مستحکم رائے ہے کہ اگر آزاد ہند فوج کے افسر مرد اور عورتوں کو جنہوں نے خواہ غلطی ہی سے سہی وطن کی آزادی کیلئے مشقت اور تکلیفیں برداشت کیں سزا دی گئی تو یہ ایک المناک سانحہ ہو گا۔ اب تک ان کو قید میں بہت کچھ تکلیفیں پہنچ چکی ہیں۔ اگر ان کو مزید سزائیں دی گئیں تو وہ بالکل غیر منصفانہ ہوں گی۔ بلکہ اس اقدام سے ہندوستان کے بیشمار گھرانوں

ہیں صف ماتم بچھ جائے گی۔ اور انگلستان و ہندوستان کے درمیان منافرت کی خلیج اور زیادہ وسیع ہو جائے گی۔ آزاد ہند فوج کے جوان ایک نیا اور آزاد ہندوستان بنانے کے عظیم الشان کام کے لئے بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کانگریس کمیٹی یقین واثق رکھتی ہے کہ آزاد ہند فوج کے افسران، سپاہی، اور عورتیں رہا کر دیجائینگی نیز ملایا اور برما اور دیگر مقامات کے وہ ہندوستانی جو آزاد ہند لیگ میں شریک تھے انہیں بھی کسی قسم کی سزا نہ دی جائیگی۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی یہ بھی مطالبہ کرتی ہے کہ جن فوجی اور سویلین کو جنگ کی سرگرمیوں کے سلسلے میں سزائیں ہوئی ہیں ان سزاؤں پر عملدرآمد نہ کیا جائے گا۔"

پنڈت جواہر لال نہرو نے تحریک پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ "جب برطانوی فوج نے سنگاپور، ملایا اور برما کو چھوڑا ہے اس وقت ہندوستانی فوجیوں کو ہدایت کر دی تھی کہ اب وہ آزاد ہیں اور فلاح و بہبود کی خاطر جو عمل چاہے کریں۔ پھر جب سنگاپور و ملایا اور برما پر جاپانی قبضہ ہو گیا تو انہوں نے ہندوستانی قومی فوج میں شرکت کر لی۔ ایسی حالت میں ان سے مجرموں کا سا سلوک ناز یبا بات ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ ان پر بغاوت کا الزام لگا کر ان سے منتقمانہ سلوک نہ کیا جائے۔ برمی قومی فوج اور آزاد ہند فوج کی نوعیت میں کچھ فرق نہیں ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ آزاد ہند فوج سے مختلف برتاؤ کیا جائے۔ میں برطانوی حکومت کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ وطن کی آزادی کی خاطر جان کی بازی لگا دینے والے جوانوں کے خلاف منتقمانہ جذبے کے تحت سلوک نہ کرے۔ جس سے

ہندوستانی عوام میں اضطراب اور بے اطمینانی کی خطرناک لہر دوڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ ساتھ ہی ان کے عزیز و اقارب جو برطانوی ہندوستانی فوج میں ہیں۔ ان پر بھی برا اثر پڑنے کا احتمال ہے"۔

کانگریس کمیٹی کی طرف سے آزاد ہند ڈفینس کمیٹی کا قیام

قبل اس کے کہ حکومت آئی این اے کے افسران پر مقدمہ چلائے اور کانگریس کے مطالبات کو نامنظور کردے۔ ایک ڈیفنس کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جو بوقت ضرورت اُن کے مقدمات کی پیروی کرے۔ اور حکومت پر رائے عامہ کا صحیح زاویۂ نگاہ پیش کرے۔ اس کمیٹی میں پنڈت جواہر لال نہرو، مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی مسٹر آصف علی۔ اور مسٹر رگھو نندن سرن ممبر منتخب ہوئے۔

کمیٹی نے حکومت سے خط و کتابت کرتے ہوئے مقدمہ واپس لینے یا اسے کم از کم نئی وزارت کے قیام تک ملتوی کر دینے کا مطالبہ کیا۔ لیکن رائے عامہ کی پروا نہ کرتے ہوئے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی اور مسٹر آصف علی نے جو عرضداشت حکومت ہند اور کمانڈر انچیف کو بھیجی تھی وہ حسب ذیل ہے :-

"ہر ہندوستانی کو معلوم ہے کہ آزاد ہند فوج کا قیام کن حالات کا نتیجہ تھا اس لئے یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں ہے (چاہے کچھ لوگ اب بھی شبہ کریں) کہ جن حالات نے آزاد ہند فوج کے قیام میں مدد دی تھی ان کی معقولیت یقیناً شبہ سے بالاتر ہے۔ ہندوستان کے تمام فرقے اور مختلف سیاسی عقائد رکھنے والے آزاد ہند فوج کے ان دلیروں کے متعلق جن کا کورٹ مارشل ہو رہا ہے یہی سمجھتے ہیں کہ انھوں

نے بے غرض حب الوطنی ہی کے جذبے سے متاثر ہو کر اس تحریک میں حصہ لیا تھا۔ اور وہ اسے قابلِ تعریف اور انہیں محب وطن تسلیم کرتے ہیں جب جاپان نے فرانسیسی اور ڈچ علاقوں پر قبضہ کر لیا اور برما دشمن کے ہاتھ میں چلا گیا۔ سنگاپور کا بھی وہی حشر ہوا۔ تو وہاں کے بسنے والے ہندوستانیوں کی بڑی تعداد کے دل میں زبردست خواہش پیدا ہوئی کہ وہ ان خراب اور غیر یقینی حالات میں اپنے آپ کو منظم کریں۔ اور نہ صرف اپنے ڈیفنس اور حفاظت کے لیئے بلکہ اس لئے بھی کہ وہ اپنے ملک کو غیر ملکی پنجہ سے آزاد کرانے کے لئے سرگرم جدوجہد ہو جائیں۔ دنیا بھر میں نہایت تیزی کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات کے ماتحت اپنے فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے اور مردانہ وار اپنی تجاویز کو ٹھوس بنانے اور اپنے پیارے ملک کی آزادی حاصل کرنے کے کام میں لگ جائیں۔ آزاد ہند لیگ نے جو ان ممالک میں پھیلی ہوئی تھی۔ آزاد ہندوستان کے لئے ایک عارضی حکومت قائم کی اس حکومت کے زیر اثر آزاد ہند فوج اپنی تربیت اور تنظیم پر بھروسہ کر کے میدانِ عمل میں نکل آئی۔

حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ محض کٹھ پتلی حکومت نہیں تھی بلکہ وہ ایک آزاد گورنمنٹ تھی جس کو بین الاقوامی برابری کا درجہ حاصل ہے۔ اس فوج میں وہ ہندوستانی جو مشرقی ایشیا میں آباد تھے اور ہندوستانی فوج کے وہ سپاہی جو انگریزی فوج کے حق میں لڑتے ہوئے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے تھے بہت بھاری تعداد میں ہندوستانی فوج میں داخل ہو گئے۔

ہم یہاں کسی ایسی بحث میں پڑنا نہیں چاہتے جو آزاد ہند فوج کے قانونی درجہ کے متعلق ہو اور یہ نامناسب ہوگا کہ ہم یہاں اس سوال پر بحث کریں کہ کیا آزاد ہند فوج کے لوگ کسی جرم کے قصوروار ہو سکتے ہیں یا نہیں بلکہ سوال تو یہ ہے کہ کیا یہ پبلک مفاد کے خلاف نہ ہوگا کہ ان کے مقدمات کی سماعت کی جائے اور اگر فرض کر لیا جائے کہ ایسا نہیں ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ پبلک مفاد کے خلاف نہیں ہے۔ پبلک کی رائے ظاہر ہے کہ وہ ان لوگوں کو بے غرض محب الوطن سمجھتی ہے۔ آزاد ہند فوج کے خلاف یہ الزام ہے کہ انہوں نے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ہندوستان کی سرزمین میں برطانوی حکومت کے پنجہ سے اپنے ملک کو آزاد کرانے کی کوشش کی، اس فوج کے افسروں کے خلاف جو الزام ہے اس کا ابتدائی تعلق ہندوستانی عوام اور برٹش گورنمنٹ سے ہے۔ اور برطانوی حکومت کھلے طور پر یہ اعلان کر چکی ہے کہ ہندوستان کو حق ہے کہ اگر ہندوستانی عوام چاہیں تو دولت متحدہ برطانیہ سے علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کی طرف سے مسٹر ووڈ بین سکریٹری آف اسٹیٹ نے ہاؤس آف کامنز میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "نظری اعتبار سے ہندوستان کے درجۂ نوآبادیات کے حصول میں چاہے کچھ کمی ہو لیکن عملی اعتبار سے اسے یہ حاصل ہے۔ اس حیثیت کا پہلا حق یہ ہوتا ہے کہ ایسے معاملے میں جس سے بہت سے ایسے ہندوستانیوں کی زندگی اور آزادی کا تعلق ہے جو مختلف پارٹیوں اور خاص خاص فرقوں سے تعلق

رکھتے ہیں، ہندوستان کی رائے عامہ معلوم کی جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ اس لئے ملک کی رائے عامہ کا لحاظ رکھتے ہوئے آزاد ہند فوج کے آدمیوں کے خلاف مقدمہ کی کارروائی آگے نہ چلانی چاہیئے"

آج ہندوستان اس مرحلے پر ہے جب سنٹرل اسمبلی اور پراونشل لیجسلیٹو اسمبلیاں توڑ دی گئی ہیں اور دسمبر ۴۵ء کے وسط تک مرکزی اسمبلی کا چیر چناؤ ہو جائے گا۔ اور مارچ ۴۶ء تک برطانوی ہند کے تمام صوبوں میں عام انتخاب ہو چکیں گے۔ نیز حکومت برطانیہ کو امید ہے کہ اس کے بہت جلد بعد صوبوں میں وزارتیں بن جائیں گی اور وہ اپنے اپنے صوبوں میں حکومت کا کام سنبھال لیں گی۔ گورنر جنرل نے بھی عام چناؤ کے بعد ہی اپنی ایگزیکٹیو کونسل دوبارہ ترتیب دینے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ تاکہ وہ ملک کی رائے عامہ کی نمائندگی کر سکے اور یہ تمام اہم واقعات آئندہ چند ماہ کے اندر پیش آنے والے ہیں۔ اس لئے ڈیفنس کمیٹی کو یقین ہے کہ گورنر جنرل اس وقت اپنی نئی اگزیکیٹو کونسل کے مشورہ سے اس معاملہ میں رائے عامہ کا زیادہ اچھی طرح اندازہ لگا سکیں گے۔ نئی مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں عوام کے نمائندوں کو اس بارہ میں اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقع مل سکے گا۔ آزاد ہند فوج کے ساتھ عوام دلچسپی لے رہے ہیں۔ کیونکہ ہر صوبے کے لوگ اس میں شامل ہیں، نئی اسمبلیاں اس بارے میں صحیح فیصلہ کر سکے گی کہ آیا آزاد ہند فوج کے افسروں اور سپاہیوں کے خلاف مجوزہ مقدمہ چلانا بھی چاہیئے یا نہیں۔ اور اگر چلانا چاہیئے تو کب اور کس طرح؟

اس لئے ڈیفنس کمیٹی پر زور مطالبہ کرتی ہے کہ ۵ رنومبر ۱۹۴۵ء کے لئے جس مقدمہ کی سماعت مقرر ہوئی ہے وہ اور دیگر تمام مقدمات جن کے چلانے کا خیال ہے اگر ترک نہ کئے جائیں تو کم از کم ملتوی ضرور کر دیئے جائیں۔ اور اس مسئلہ پر گورنر جنرل کی نئی ایگزیکٹو کونسل بننے اور از سر نو صوبوں میں وزارتیں قائم ہونے کے بعد غور کیا جائے۔ ڈیفنس کمیٹی کو یقین ہے کہ اگر اس معاملہ کو ایک تنگ، اصلاحی اور قانونی نقطۂ نظر سے دیکھ کر فیصلہ کیا گیا تو یہ بہت بڑا سانحہ ہوگا۔ اس نوعیت کے مسائل کو جن کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ ایک وسیع اور مدبرانہ اسپرٹ میں طے کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ان کے بہت سے پہلو ہیں۔ جو عوام کے مفاد کے لحاظ سے زبردست اہمیت رکھتے ہیں۔ اور اگر جلد بازی میں ایسے فیصلے کئے گئے جو عوام کی مرضی اور جذبہ کے موافق نہ ہوئے تو ان کا ہندوستان کے طول و عرض میں دور رس اثر ہوگا۔ ڈیفنس کمیٹی درخواست کرتی ہے کہ آزاد ہند فوج کے افسران اور سپاہیوں کے خلاف مقدمات واپس لے لئے جائیں۔ یا کسی کورٹ مارشل کے روبرو کسی مقدمہ کی اس وقت تک سماعت شروع نہ کی جائے جب تک مرکز میں عارضی حکومت نہ بن جائے۔ اور صوبوں میں نئی وزارتیں کام نہ کرنے لگیں۔ اور تاوقتیکہ حکام متعلقہ کو ضروری ہدایتیں جاری نہ کر دی جائیں۔"

مسلم لیگ ڈیفنس کمیٹی

مسلم لیگ نے بھی طالبانِ آزادی کو دام بلا میں پھنستے ہوئے دیکھ کر اُن کی حمایت میں ایک ڈیفنس کمیٹی بنائی۔ اور اسیروں کی رہائی کے مطالبات حکومت کے

سامنے پیش کئے۔ نیز ان کے مقدمات کی پیروی کے لئے قابل وکلا اور قانونی مشیروں کا ایک بورڈ بنایا جس میں خصوصیت کے ساتھ مسٹر عبدالعزیز بیرسٹر ایٹ لا قابل ذکر ہیں۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے متفقہ مطالبات کی پروا نہ کرتے ہوئے حکومت کی طرف سے سکریٹری محکمۂ جنگ نے بتایا کہ حکومت ہند نے ۲۷-۲۸- اور ۲۹ ستمبر کے پریس کمیونک میں اپنی پالیسی کا واضح اعلان کر دیا ہے کہ بہت کم لوگوں پر الزامات لگائے گئے ہیں اور اگر وہ ثابت ہو گئے تو ان پر ایسا رحم کرنا ایک غلطی ہوگی۔ جیسا رحم اکثریت پر کیا گیا ہے حکومت ہند اپنے فیصلے کو نہیں بدلے گی۔ اور ان کے خلاف ضرور مقدمہ چلایا جائے گا۔ مقدمہ چلانے سے پہلے حکومت کا اعلان۔

حکومت کا ایک اعلان

تقریباً ۴۳ ہزار آدمی آزاد ہند فوج تھے۔ جن میں بیس ہزار انڈین آرمی کے سپاہی اور ۲۳ ہزار شہری رضا کار تھے۔ انڈین آرمی کے ۲۰ ہزار سپاہیوں میں سے ۳ ہزار سپاہی لاپتہ ہیں اور جو ستر ہزار سپاہی دوران جنگ میں گرفتار ہوئے تھے وہ ہندوستان نہیں آئے۔ بقیہ ۱۴ ہزار سپاہیوں میں سے ڈیڑھ ہزار آدمی اپنی صفائی دے کر بری ہو گئے اور ان کو دوبارہ انڈین آرمی میں رہنے کی اجازت مل گئی ہے۔ ۶ ہزار سپاہی مراعات خسرانہ کے مستحق قرار پا کر ۴۲ دن کی تنخواہ دیکر چھوڑ دیئے گئے۔ بقیہ ساڑھے ۵ ہزار سپاہیوں کے لئے تحقیقات جاری ہے۔ بعد تحقیقات ان پر مقدمہ چلایا جائے گا۔ ایسوں کی تعداد چار سو سے زیادہ نہیں جن پر مقدمات چلنے والے ہیں۔ لیکن اس وقت یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ مقدمہ کن کن لوگوں پر چلنے والا ہے۔"

رائے عامّہ میں ہیجان

سینکڑوں مظاہرین گولیوں کا نشانہ بنکر ہلاک ہوگئے

جاں نثاران وطن کے مقدمات نے عوام میں بے چینی اور اضطراب کی لہر دوڑادی۔ ہر طرف سے ہمدردی کے مظاہرے کئے گئے شاہ نواز، سہگل۔ ڈھلن۔ برہان الدین اور عبدالرشید زندہ باد کے نعروں سے فضائے آسمانی میں گونج پیدا ہو گئی۔ جذبات عامہ میں غصے کی لہر دوڑ گئی۔ کلکتے اور بمبئی میں کئی مرتبہ حکومت کو گولیاں چلانی پڑیں "قومی ہیرو چھوڑ دو" لال قلعہ توڑ دو۔" کے نعروں سے تمام ملک میں اضطراب پھیل گیا۔ حکومت کے ایوان استعمار میں زلزلہ پڑ گیا۔ طلباء مدارس اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں احتجاجی ہڑتالیں ہوئیں۔ لاہور میں نوجوان لڑکیوں کے احتجاجی جلوس پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ الغرض ناراضگی کی ایک آگ تھی جو طول و عرض ہندوستان میں پھیل گئی۔ اور حکومت کو مجبوراً بیان دینا پڑا۔ اور قوم نے بھی اپنے ان چھ سات جان نثاروں کو بچانے میں سینکڑوں جانیں قربان کر دیں۔

لال قلعہ دہلی

آزاد ہند فوج کے مقدمات

پہلا مقدمہ

مقدمات کی نوعیت اگرچہ آزمائشی تھی۔ لیکن ان پہ جدا جدا فرد جرم عاید کی گئی تھیں۔ پہلے مقدمے کے ملزمین کے افسران میں
(۱) کیپٹن شاہ نواز خاں ۱/۱۴ ویں پنجاب رجمنٹ (۲) کیپٹن پی کے سہگل ۲/۱۰ ویں بلوچ رجمنٹ (۳) جی۔ ایس۔ ڈھلن ۱/۱۴ ویں پنجاب رجمنٹ
یہ مقدمہ کورٹ مارشل کے سامنے ۵۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو لال قلعہ دہلی میں چلایا گیا۔

فرد جرم

(۱) تاج برطانیہ کے خلاف جنگ میں شرکت، سنگاپور ملایا اور برما کے مختلف مقامات میں ہر سہ ملزمین نے ستمبر ۱۹۴۲ء سے ۲۶ اپریل ۱۹۴۵ء تک تاج برطانیہ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔

(۲) جرم قتل۔ مجرم لفٹنٹ ڈھلن برما میں پوپا پہاڑی کے قریب ۶ مارچ ۱۹۴۵ء کو ہری سنگھ کے قتل کا مرتکب ہوا۔

امداد قتل۔ مجرم سہگل مذکورہ بالا قتل میں امداد کا مرتکب ہوا۔

(۳) جرم قتل۔ مجرم لفٹنٹ ڈھلن نے پوپا پہاڑی کے قریب ۶ مارچ ۱۹۴۵ء کو دونی چند کے قتل کا ارتکاب کیا۔

امداد قتل۔ مجرم کیپٹن سہگل نے اس قتل میں امداد دی۔

(۴) جرم قتل۔ مجرم لفٹنٹ ڈھلن نے ۶ مارچ کو پوپا پہاڑی کے قریب دریاؤ سنگھ کے قتل کا مرتکب ہوا۔

امداد قتل۔ کیپٹن سہگل۔ مذکورہ قتل میں امدادی مجرم ہے۔

(۵) جرم قتل۔ ۶ مارچ کو مجرم ڈھلن پوپا پہاڑی کے قریب دھرم سنگھ کے قتل کا مرتکب ہوا۔

امداد قتل۔ کیپٹن سہگل نے اس میں امداد دی۔

(۶) مجرم کیپٹن شاہ نواز برما میں پوپا پہاڑی کے قریب توپچی محمد حسین کے کے قتل میں امدادی مجرم ہے۔ جس کے قتل کا ارتکاب خزین شاہ اور اور آیا سنگھ نے کیا تھا۔

دوسرا مقدمہ

کپتان عبدالرشید کا مقدمہ آزاد ہند فوج کا دوسرا مقدمہ تھا۔ جس کی پیروی میاں عبدالعزیز بیرسٹر نے مسلم لیگ کی طرف سے کی۔ عدالت نے حبس دوام کی سزا تجویز کی۔ کمانڈر انچیف نے سزا کی معیاد کم کر کے سات سال کر دی۔ سزا کے برخلاف لوگوں عامہ میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ کلکتہ میں زبردست مظاہرے ہوئے۔ دہلی میں ہنگامے ہوئے۔ گولیاں چلیں۔ لاٹھی چارج ہوئے

ہندو مسلمان دونوں اس کے خلاف مظاہروں میں شریک تھے۔ بہتوں کی جانیں بھی اس احتجاجی مظاہرے کی نذر ہو گئیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے اس امتیازی سلوک پر ناراضی کا اظہار کیا۔ مسلم لیگ پارٹی نے اسمبلی میں حکومت کے خلاف سخت نکتہ چینیاں کیں۔ کانگریس نے بھی مسلم لیگ کی ہمنوائی کی اور حکومت کے اس رویے کے خلاف احتجاج کیا۔ آپ نے اپنے بیان میں ہندو غلبہ کا خدشہ بتاتے ہوئے فوج میں شمولیت کی وجہ بتائی تھی۔"

تیسرا مقدمہ

کیپٹن برہان الدین برادر خورد مہتر چترال کا مقدمہ تھا۔ جس میں بخشی ٹیک چند پیروی کر رہے تھے۔ ریاستی باشندہ ہونے کے سبب ان کا مقدمہ ہندوستان کی عدالتوں میں چلنے کے قابل نہ تھا جس کے لئے لاہور ہائی کورٹ میں مرافعہ داخل کیا گیا تھا۔ مگر مسترد کر دیا گیا۔ کیپٹن موصوف نے دہلی کی عدالت میں بیان دیتے ہوئے فرمایا۔

"آزاد ہند فوج میں شامل ہو کر میں نے ایک باعزت کام کیا ہے۔ میں آزاد ہند فوج کا وفادار ہوں۔ میں نے اپنے فرائض ادا کئے ہیں۔ جبر یہ حق انصاف پر مبنی تھا۔" آپ نے عائد کردہ الزامات سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ "میرا مقصد خدا کی عبادت اور اس کی خوشنودی تھا۔ یعنی میں نے خدمت خلق کی تھی۔ اگر مجھے بادشاہ اور ملک کی وفاداری میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا پڑے تو میں بلا خوف ملک کی وفاداری کو قبول کر لوں گا۔"

عدالت نے آپ کو بھی عمر قید کی سزا دی جو بعد میں گھٹا کر ۷ سال کر دی گئی۔

چوتھا مقدمہ

جمعدار فتح خاں اور صوبیدار سنگھارا سنگھ کا تھا جن کی طرف سے ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو نے پیروی کی تھی۔ ۱۱ر فروری کو جمعدار فتح خاں نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ "میں آزاد ہند کا وفادار سپاہی ہوں۔ مجھے عدالت کے فیصلے سے کوئی دلچسپی نہیں"۔ اسلام کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ خدا کی راہ میں مرنے والے شہید اور زندہ جاوید ہوتے ہیں۔ ملک کی محبت بھی مذہب ہے۔ قیامت خدا اور اس کے رسول کے سامنے سرخرو ہونے کے لئے میں نے وطن اور اہل وطن کی خدمت کا حلف اٹھایا تھا۔ میں نے اپنے ایک فرض کو ادا کیا ہے۔ اور بقیہ کی ادائیگی کا خواہشمند ہوں"۔

صوبیدار سنگھارا سنگھ نے بھی عدالت کی کارروائیوں سے دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ اور صرف اپنے ہموطنوں کی خوشنودی کے فیصلے پر اطمینان کا اظہار کیا۔ عدالت نے ان دونوں ملزموں کو چودہ چودہ سال کی سزا دے دی۔ اور یہ آجکل ملتان سنٹرل جیل میں میعاد اسیری گزار رہے ہیں۔

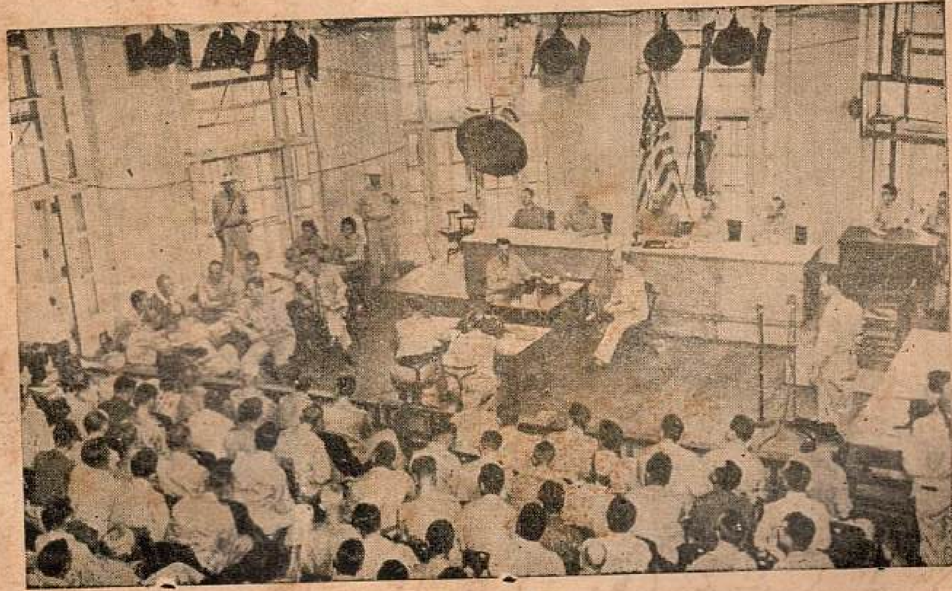
کورٹ مارشل کے ارکین

فوجی عدالت، جو آزاد ہند فوج پر مقدمہ چلانے کے لئے مقرر ہوئی تھی۔ وہ ایک صدر اور چھ ارکین پر مشتمل تھی۔

صدر۔ میجر جنرل اے۔ بی۔ الگزنڈر مقرر کئے گئے۔ ارکین میں تین انگریز اور تین ہندوستانی فوجی ممبر تھے۔ جن میں:۔

(۱) بریگیڈیر مانے۔ جے۔ ایچ بورک (انڈین آرمی)

Court Marshal in Red Fort Delhi



In I. N. A. Trial.

(۲) لفٹنٹ کرنل - سی - آر - اسٹوارٹ (انڈین ریگولر ریزرو آفیسر)
(۳) لفٹنٹ کرنل ٹی - آئی اسٹونسن (رائل گڑھوال رائفل) ہندوستانی ممبر
(۴) لفٹنٹ کرنل ناصر علی خاں (راجپوت رجمنٹ)
(۵) میجر جی - پریتم سنگھ - (آئی - اے - وی)
(۶) میجر بنواری لال (پنجاب رجمنٹ)

ریزرو فوجی ارکین جن میں ایک انگریز اور دو ہندوستانی ممبران تھے جو کسی کی خالی جگہ کو پُر کرنے کے لئے مخصوص تھے :-

(۱) لفٹنٹ کرنل - سی - ایچ - آکسن (۲) میجر ایس - ایس - ہینڈ رت (فسٹ پنجاب رجمنٹ) (۳) کیپٹن گوردیال سنگھ رندھو (تیرہوب ڈی - سی - او لانسرز) قانونی مشیر کرنل ایف - سی - اے کیرن ڈپٹی جج اڈوکیٹ جنرل (سنٹرل کمانڈ)

صفائی کے وکلاء ڈیفنس کمیٹی کی طرف سے مقرر کردہ ملک کے مشہور و معروف وکلاء جو صفائی کی طرف سے مقدمات کی پیروی کر رہے تھے - نیز دوسرے جونیر وکیل ان کی امداد کر رہے تھے - اور مقدمات کی پیروی میں ہاتھ بٹا رہے تھے - جن میں (۱) پنڈت جواہر لال نہرو - (۲) سر تیج بہادر سپرو (۳) مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی (۴) مسٹر آصف علی (۵) ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو (۶) رائے بہادر بدری داس (۷) کنور دلیپ سنگھ (۸) سر بخشی ٹیک چند (۹) مسٹر پی کے اینے -

استغاثہ کے پیروکار سر نوشیروان پی انجنیر اڈوکیٹ جنرل اف انڈیا -

ملٹری پروسیکیوٹر | لفٹننٹ کرنل پی داش تھے۔

ملزمین کے بیانات

کیپٹن شاہنواز خاں کا حقیقت افروز بیان

آپ نے عدالت کے روبرو حسب ذیل تحریری بیان دیا تھا۔ آپ کے اس بیان نے حاضرین کو سنجر کر دیا۔ اور ہر ایک آپ کی بہادری اور بے باکی پر عش عش کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا :-

"میں ایک بہت مشہور فوجی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرے والد نے تیس سال تک ہندوستانی فوجی خدمات سر انجام دیں اور گذشتہ دونوں جنگوں میں میرے خاندان نے جنگی خدمات میں بہت بڑا حصہ لیا۔ اب بھی میرے خاندان کے ۶۰ ممبر فوج میں شامل ہیں۔ میرے خاندان کے لوگ ہمیشہ سے انگریزی حکومت کے وفادار دوست رہے ہیں۔ اور مجھے بھی اس کی بنا پر انعامات ملے جبکہ میں تعلیم پاتا تھا۔ جب تک میں پیارے نیتاجی سبھاش چندر بوس سے نہیں ملا۔ پولٹیکل طور پر بالکل بے علم تھا۔ اور میری تمام پولیٹیکل واقفیت انگریز افسروں سے ہی حاصل ہوئی تھیں۔ جب میں ملایا کے مورچہ پر گیا۔ تو مجھے اپنی بٹالین کی بہادری پر بہت فخر تھا۔ اور اپنے خاندان کی شاندار روایات کو قائم رکھنے کے لئے یہ چاہتا تھا کہ دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کیا

ARSHAL.



جب میرے دائیں بائیں والی انگریزی کمپنیاں بھاگ گئیں تو بھی میں مورچہ پر ڈٹا رہا۔ مجھے انگریز افسروں کی یہ بزدلی بہت بُری معلوم ہوئی جس پر میں ناراض بھی ہوا۔ سنگاپور کی شکست کے بعد جب ہندوستانی فوج کو انگریزی فوج سے جدا کیا گیا تو مجھے اور زیادہ غصہ آیا۔ چونکہ تمام مہذب ممالک کا یہ قاعدہ ہے کہ فوج کے تمام افسران خواہ وہ کسی بھی قوم سے ہوں اکٹھے رکھے جاتے ہیں۔ اور خواہ وہ قیدی ہی کیوں نہ بنائے جائیں۔ مگر انگریزوں نے ہمیں علیحدہ کر دیا۔ جب مجھے اپنی فوج کے ایک انگریز کرنل نے کہا کہ اب ہمارے تمہارے راستے جدا جدا ہیں۔ تو میں نے یہ محسوس کیا کہ انگریز ہندوستانیوں کو مصیبت میں چھوڑ رہے ہیں۔ ان جذبات کو لے کر میں سنگاپور کے فیرل پارک میں پہنچا جہاں تمام ہندوستانی فوج نے ہتھیار ڈالے تھے۔ اور جہاں کرنل ہنٹ نے ہندوستانی فوجوں کو مویشیوں کی طرح جاپانیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اور جب ایک جاپانی میجر فوجی وارد نے ہمیں یہ کہا کہ تمہاری زندگی اور موت کے مالک کپتان موہن سنگھ جنرل آفیسر کمانڈنگ آزاد ہند فوج ہیں۔ اور جب موہن سنگھ نے ہمیں آزاد ہند فوج میں شامل ہونے کو کہا تو میرے لئے یہ تقریر بم کے دھماکے کی مانند تھی۔ اور میرے لئے دشمن (یعنی جاپان) سے تعاون کرنا بالکل اچنبھے کی بات تھی۔ مجھے جنگ کے چار سالوں میں تین منزلوں سے گزرنا پڑا۔

(۱) میں آزاد ہند فوج میں شامل ہونے کے خلاف تھا۔ چونکہ میں یہ سمجھتا کہ جاپانی اسے مطلب کے لئے استعمال کریں گے۔

(۲) ۱۹۴۲ء جون سے جولائی ۱۹۴۳ء تک پہلے تو میں سوچتا رہا پھر میں اپنے سپاہیوں کی بہبودی اور اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر آزاد ہند فوج میں شامل ہو گیا۔

(۳) تیسرے دور میں جولائی ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۵ء تک جب مجھے یقین ہو گیا کہ آزاد ہند فوج ہندوستان کو آزادی دلانے کے لئے بنائی ہے۔ چونکہ ہم آزاد ہند فوج بنائے جانے کو روک نہیں سکتے تھے۔ لہذا ہم نے یہ سوچا کہ ہم خود اس میں شامل ہو جائیں۔ اور جب کبھی موقع آئے کہ جاپانی آزاد ہند فوج کو اپنے مطلب کے لئے استعمال کریں تو ہم اسے اندر سے توڑ دیں۔

میں نے ہمیشہ اپنے فوجی بھائیوں کی پوری پوری امداد کی ایک مرتبہ سرنبجا کیمپ میں جنگی قیدیوں سے جاپانی ناراض ہو گئے اور انہوں نے چاروں طرف توپیں لگا دیں۔ جب مجھے خبر ہوئی تو میں نے جاپانی افسروں کو سمجھایا۔ بہرحال مصیبت ٹل گئی۔ میں نے ہر لمحہ اپنے بھائیوں کی خدمت کی جنگی قیدیوں کے لئے عمدہ خوراک کا انتظام کیا۔ ان کو تنخواہیں بھی باقاعدہ ملتی تھیں۔ ان کو مسجد، مندر اور گردوارہ جانے اور شہر کی سیر کرنے کی پوری اجازت تھی۔ ایک مرتبہ جاپانیوں نے ۲۳ آدمیوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ میں نے فوراً مداخلت کی۔ اور ان کو رہا کرا دیا۔ میں نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ جاپانی ہم کو استعمال نہ کر سکیں۔ اور ہمیشہ اپنے ملک کی عزت اور اس کی شان کو برقرار رکھا۔ میں نے نہ صرف جنگی قیدیوں ہی کی امداد کی بلکہ

عام ہندوستانی آبادی کو بھی میں نے ہر قسم کی مدد پہنچائی۔ ہم نے مفلسی کے شکار ہندوستانیوں کے لئے ایک کیمپ کھولا۔ جہاں ہم ان کو خوراک وغیرہ دیتے تھے۔ ایک روز ہم نے فاقہ کر کے بہت سا آٹا اور اناج بچا کر اپنے ان غریب بھائیوں کی مدد کی۔ جس سے جاپانی کمانڈر بہت متاثر ہوا۔ اور اس نے بیس بوریاں آٹے کی ان غریبوں کی امداد کے لئے دیں۔ ایک مرتبہ جاپانیوں نے ہمارے جوانوں سے کہا کہ وہ ایک ہوائی اڈے پر مسلح ہو کر پہرہ دیں لیکن ہمارے آدمیوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ جنگی قیدیوں سے تم جنگی خدمات نہیں لے سکتے۔ یہ سن کر معاملہ بہت نازک صورت اختیار کر گیا۔ جاپانی بہت بگڑے مگر میں نے انہیں سمجھا بجھا کر معاملے کو رفع دفع کر دیا۔ جب جنرل موہن سنگھ کی جاپانیوں سے ان بن ہو گئی تو میں نے انہیں آزاد ہند فوج توڑ دینے کا مشورہ دیا۔ اس کے بعد حالات بہت نازک ہو گئے اور ہمیں یہ نظر آنے لگا کہ اب ہندوستان تک لڑائی کے بادل پہنچنے والے ہیں ہمیں یقین ہو گیا کہ اب جاپانی ہندوستان پر حملہ آور ہوں گے اور انگریز بالکل اس قابل نہیں کہ وہ ملک کی حفاظت کر سکیں۔ میں نے محسوس کیا کہ آزاد ہند فوج میں رہ کر میں اپنے ملک کی حفاظت اور اہل ملک کی خدمت کر سکوں گا کیونکہ اس وقت میرے ہاتھ میں ہتھیار ہوں گے جنگی قیدی بن کر یہاں سڑنا بے سود ہے۔ میں نے ملایا کی لوٹ دیکھی تھی۔ اور میں یہ کبھی گوارہ نہیں کر سکتا۔ کہ دشمن میرے ملک کو اس طرح لوٹیں۔ اس لئے میں نے اپنے ساتھی افسروں سے کہا کہ ملک کی بھلائی کی خاطر نئی آزاد ہند فوج میں

شامل ہو کر ملک کی خدمت کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد جب نیتاجی سوبھاش چندر بوس سنگاپور پہنچے۔ اور میں نے ان کی ولولہ انگیز تقریریں سنیں جن کا مجھ پر بہت اثر ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھ پر نیتاجی کا جادو چل گیا۔ میں اُن کی قربانی اور دلیری و الوالعزمی سے بہت متاثر ہوا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ان کی کمانڈ میں ہندوستان ضرور آزاد ہو جائے گا۔ مجھے ان کی ذات پر بھروسہ ہو گیا کہ وہ کسی قیمت پر بھی ہندوستان کو اغیار کے ہاتھ نہیں بیچیں گے۔ اور جب میں نے یہ دیکھا کہ لوگ بھوک پیاس اور موت تک کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان کی آواز پر لبیک کہتے ہیں اور لوگوں نے اپنا سب کچھ نچھاور کر کے فقیر بننا منظور کر لیا ہے۔ تو میں نے محسوس کر لیا کہ مجھے اپنا لیڈر اور رہنما مل گیا ہے جن کی پیروی میں کوئی بھی ہندوستانی ان کے حکم کو ماننے سے انکار نہیں کر سکتا میرے دل میں اپنے خاندان کی بھلائی اور بہبودی کا بار بار خیال آتا تھا۔ اور میں سوچتا تھا کہ میری آزاد ہند فوج میں شمولیت کی وجہ سے سرکار برطانیہ ان کو تکلیف دے گی۔ مگر دوسری طرف ملک کے کروڑوں بھوکے اور ننگے میری آنکھوں کے سامنے آتے تھے۔ اور اُن کی مصیبت میرے دل کو تڑپا دیتی تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ ان کی خاطر گھر خاندان اور خاندان کی روایات کو قربان کر دوں گا۔ میں نے آزاد ہند فوج میں شامل ہونے کے بعد ہندوستان کے مورچہ پر جو لڑائی لڑی تھی۔ اس میں اپنے سگے بھائی کے خلاف جو برطانوی فوج میں تھا جنگ کی تھی اور میرا بھائی اسی مورچہ پر زخمی بھی ہوا تھا۔ میں اپنے چچا زاد بھائی کے خلاف بھی متواتر دو مہینے تک

جنگ کرتا رہا۔ میرے پیش نظر یہ سوال تھا کہ میں ملک کی خدمت بجا لاؤں یا بادشاہ کی مگر میں نے ملک کی خدمت پر جان دینے کو ترجیح دی۔ میں نے دوران جنگ میں انگریزوں کی بہت سی بے انصافیاں دیکھیں۔ لڑائی کے مورچہ پر اگرچہ انگریز اور ہندوستانی برابر تھے۔ ہندوستانیوں نے نہایت جانبازی سے دشمن کا مقابلہ بھی کیا تھا۔ مگر تنخواہ اور الاؤنس کے معاملہ میں انگریزوں سے خاص رعایت برتی جاتی تھی۔ میں نے سوچا کہ جب ہم لڑنے اور مرنے میں برابر کے شریک ہیں۔ تو ہمیں تنخواہ کیوں کم دی جاتی ہے۔ نیز انگریزی فوج میں ایک بھی ایسا ہندوستانی ان کو نہیں ملا جسے ڈویژن کمانڈر بناتے۔ آزاد ہند فوج میں ہندوستانی بڑے سے بڑے عہدے کے قابل سمجھے جاتے تھے۔ یہ تمام بے انصافیاں مجھے کھلتی تھیں۔ اور میرا دل کڑھتا تھا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ میں سپاہی ہوں۔ اور بطور سپاہی میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں نیتا جی کی کمان میں ملک پر جان دے دوں گا۔ میں اپنے فیصلے پر ڈٹا ہوا ہوں مجھے سبھاش بریگیڈ کا کمانڈر بنایا گیا۔ میں نے دو سال تک مختلف جنگی مورچوں پر نہایت جانفشانی سے اپنی بریگیڈ کو جنگ میں کمان کیا ہے۔ میں محض حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر آزاد ہند فوج میں شامل ہوا ہوں۔ میں نے ایک سپاہی کی طرح سیدھی لڑائی لڑی جنگلوں میں گھاس اور پتے کھائے۔ ہمارے لئے نمک بھی ایک عیاشی سمجھی جاتی تھی۔ میں نے کبھی انگریز قیدیوں سے برا سلوک نہیں کیا۔ اور میں ان سے بھی اسی سلوک کی امید رکھتا ہوں۔ ہماری آزاد ہند فوج نہ تو کسی کے پیسے کی

محتاج تھی۔ نہ وہ کسی کی کٹھ پتلی حکومت تھی۔ ہم اپنے پیارے وطن ہندوستان کی خاطر لڑے اور ہم نے جو کچھ کیا وہ ایک تہذیب یافتہ اور آزاد فوج کے ممبر کی حیثیت سے کیا۔ ہماری فوج ایک باقاعدہ فوج تھی جو ایک باقاعدہ حکومت یعنی عارضی حکومت آزاد ہند کی فوج تھی۔ ہم نے جو کچھ کیا اپنی حکومت کے حکم کے مطابق کیا۔ لہٰذا ہم سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا قتل کا جرم بالکل جھوٹا ہے۔ محمد حسین سپاہی کے مفروضہ قتل کے جرم میں آپ نے فرمایا۔ یہ الزام بالکل جھوٹا ہے۔ محمد حسین خود بھی بھاگنا چاہتا تھا۔ اور دوسروں کو بھی بھاگنے کی ترغیب دیتا تھا۔ اگر دشمن کو ہماری بریگیڈ کی سب خبریں مل جاتیں تو میرے ہزاروں آدمیوں کی جان خطرے میں پڑ جاتی۔ مخبری کا جرم ہر ملک اور ہر فوج میں ایک سنگین جرم مانا جاتا ہے۔ میں نے بحیثیت ڈویژنل کمانڈر اس کا مقدمہ ضرور سنا۔ مگر اسے کبھی موت کی سزا نہیں دی گئی۔ میں نے یہ ضرور کہا تھا کہ اس نے وہ حرکت کی ہے جس کی سزا موت ہے اور ہونی بھی چاہئیے! مگر اس کے بعد بھی میں نے اسے دوبارہ پیشی کے لئے بھیج دیا۔ اس کے بعد میں محاذِ جنگ پر چلا گیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کا پھر کیا ہوا۔ کیونکہ میرے سامنے پھر اس کا مقدمہ پیش نہیں ہوا۔ مذکورہ بالا بیان اس قدر بیباکی سے سپاہیانہ انداز میں دیا گیا تھا کہ مجمع پر حیرت طاری تھی۔

آپ کے بعد کرنل سہگل کا بیان ہوا۔

کرنل سہگل کا دلیرانہ بیان

موصوف نے نہایت بیباکی کے ساتھ حسب ذیل بیان عدالت کے روبرو

پڑھ کر سنایا :-

میں ہر دو الزامات کے اقبال سے انکاری ہوں - میرا یہ مقدمہ بالکل خلاف قانون ہے - میں ملایا میں انگریزی فوج کا افسر تھا میری کمپنی نے بہت شاندار جنگی خدمتیں انجام دی تھیں - جب ہمارے ساتھی اسٹریلین فوجی بھاگ گئے تو جنگ کا تمام بار میری کمپنی کو اٹھانا پڑا - اور اس مورچہ پر بہت سے سپاہی کام آئے - میں نے از سر نو فوج کو ترتیب دیکر جنگ کو جاری رکھا - اور ہم نے دشمن کے تین ٹینکوں پر قبضہ بھی کر لیا - ہماری اس بہادرانہ جنگ کا ذکر اس وقت اخباروں میں بھی آچکا تھا - اس وقت ملایا میں مقیم ہندوستانیوں کو بہت پریشانی تھی - اور انہوں نے انگریزوں کی بھگدڑ دیکھ کر مجھ سے کہا کہ ان کا کیا حشر ہوگا - انگریز ان کو جاپانیوں کے رحم پر چھوڑ کر بھاگے جا رہے ہیں - میں نے ان سے کہا کہ خدا پر بھروسہ کرو - مجھے انگریزوں کی بزدلی اپنے بھائیوں کی بے بسی پر بہت شرم محسوس ہوتی - کیونکہ میں اپنے بھائیوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا - کرنل ہنٹ نے سنگاپور میں ہمیں بھیڑوں کی طرح جاپانیوں کے حوالے کر دیا - اس کا ہم سب لوگوں پر بہت برا اثر پڑا میں نے محسوس کیا کہ اب ہمارے اور انگریزوں کے تمام تعلقات ختم ہو چکے ہیں - اور اب ہم کو خود اپنی حفاظت کرنی ہے - کیونکہ انگریزی تاج ہماری حفاظت کرنے میں بالکل ناکام رہا ہے - اب اسے کوئی حق نہیں کہ وہ ہم سے وفاداری کی امید رکھے - میں نے پہلے پہل آزاد ہند فوج میں شامل ہونے سے انکار کیا اور میں بہت عرصہ تک ان لوگوں کے ساتھ رہا جنہوں نے اپنے آپ کو

والنیٹر نہیں کیا تھا۔ مگر میرے کیمپ میں بہت اچھا سلوک کیا جاتا تھا کھانا
بھی عمدہ ملا کرتا تھا۔ ہم پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا گیا کہ آزاد ہند فوج میں شامل
ہو جاؤ۔ میں بنکاک کانفرنس میں بھی شریک نہیں ہوا۔ کچھ عرصہ بعد میں نے اپنی
غلطی کو محسوس کر لیا۔ اور اپنا ارادہ بدل دیا۔ کیونکہ اس وقت مجھے اپنا پیارا وطن
خطرے میں نظر آرہا تھا۔ حتی کہ لندن کی سرکاری ریڈیو کمپنی بی بی سی نے بھی
ہندوستان سے ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ (عدالت میں قہقہہ) مجھے معلوم ہوا کہ
ہندوستان میں انگریزی فوج کی حالت نازک ہے اور وہاں لکڑی کی بندوقوں
سے سپاہیوں کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب جاپانی ہندوستان
پر ضرور حملہ کریں گے۔ ہندوستان میں بمبئی والے کانگریس کے تاریخی اجلاس میں
انگریزوں کو ہندوستان خالی کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ اس اعلان نے بھی
ہمارے اندر ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ اگرچہ بی بی سی یا ہندوستانی ریڈیو نے
یہ اعلان نہیں کیا مگر ہندوستانی قومی ریڈیو سے ہمیں اس کا علم ہو گیا اور اس
کے بعد ہندوستان میں جو جو ظلم و ستم کا دور چلا تھا۔ اس نے ۱۸۵۷ء کی جنگ
آزادی میں گزرے ہوئے مظالم کی یاد تازہ کر دی۔ ہم روبان انگیز خبریں سنتے
تھے اس پر شک کرنے کی وجہ نہ تھی۔ ان خبروں کو سن کر ہمارے دلوں میں
انگریزوں کے خلاف غصے کی آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ ہمیں معلوم ہوا کہ انگریز نہ تو خود
ہی ہندوستان کی حفاظت کے قابل ہیں اور نہ انہوں نے پنڈت جواہر لال نہرو
کی پیشکش کو مانا کہ ڈیفنس اور بچاؤ کا کام ان کے سپرد کر دیا جائے۔ ہمیں اب
یقین ہو گیا کہ انگریزوں کی پالیسی ہمارے ملک کو بربادی کی طرف لے جا رہی ہے

لہٰذا ہم نے ملک کی حفاظت کی خاطر ایک زبردست قومی فوج بنانے کا فیصلہ کیا" تا ہم اپنے ملک کے باشندوں کو جاپانیوں کے حملے سے بچا سکیں۔ ہم نے اپنا فرض سمجھا کہ آزاد ہند فوج میں شامل ہو کر ہندوستان کو نہ صرف انگریزوں سے بلکہ جاپانیوں سے بھی نجات دلوائیں۔ بہت غور و خوض کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ آزاد ہند فوج میں شامل ہو کر ہر ایک سپاہی کو اپنے ملک کی خاطر جان دینے کے لئے آمادہ ہو جانا چاہئے۔ میں فقط حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر آزاد ہند فوج میں شامل ہوا ہوں میں یہ چاہتا تھا کہ اپنے ملک کی عورتوں کی عزت محفوظ ہو اور میرے ہموطنوں کی زندگی اور ان کی جائدادیں محفوظ ہو جائیں۔ آزاد ہند فوج کی بھرتی تمام تر رضامندی سے ہوتی تھی۔ اور کسی جنگی قیدی کو اس میں شامل ہونے کے لئے کبھی بھی مجبور نہیں کیا گیا۔ میں نے ہر موقعہ پر خاصکر جنگ کے مورچہ پر بھی اپنے سپاہیوں سے کہا کہ جن کو آزاد ہند فوج کے مقاصد پر بھروسہ نہ ہو وہ واپس جا سکتے ہیں۔ میں بحیثیت قوم کے انگریزوں کا دشمن نہیں بلکہ میرے کئی انگریز دوست بھی ہیں اور میں نے کبھی انگریزی جنگی قیدی سے برا سلوک نہیں کیا۔ میں نے ہندوستان کی آزادی کی جنگ میں بحیثیت ایک باضابطہ فوج کے افسر کے لڑائی میں حصہ لیا۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ میرا یہ حق ہے کہ مجھے جنگی قیدی تسلیم کیا جائے۔ اور میرے ساتھ جنگی قیدی کا سلوک کیا جائے اور جنگی قیدی کے تمام حقوق دیئے جائیں۔ میں نے ہتھیار ڈالتے وقت جو چٹھی انگریزی فوج کے افسر کو لکھی تھی۔ میں نے اس میں بھی تحریر کر دیا تھا کہ اگر تمہارے ساتھ

جنگی قیدی کا سلوک کیا جائے تو میں ہتھیار ڈالنے کو تیار ہوں۔ ہمارے پاس کافی جوان اور کافی ہتھیار ہیں اور ہم لڑتے لڑتے مرنے کے لئے تیار ہیں۔ میرا یہ خط یہاں پیش نہیں کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ گم ہو گیا۔ اگر ہمیں اس وقت یہ کہا جاتا کہ ہمارے ساتھ جنگی قیدی کا سلوک نہیں کیا جائے گا تو ہم اپنے ملک کی خاطر خون کا آخری قطرہ بھی دینے کے لئے تیار تھے"۔ آپ نے قتل کے الزام کو جھوٹا بتاتے ہوئے کہا کہ "میں نے کسی کو کبھی گولی سے نہیں اڑوایا بلکہ جن کو موت کی سزائیں دی گئی تھیں ان کو بھی معاف کر دیا۔ حالانکہ ان کا الزام بہت سنگین تھا۔ کیونکہ وہ دشمن کی طرف مخبری کرنے کے لئے بھاگ رہے تھے"۔ خاتمہ پر آپ نے مزید کہا کہ "ہم میں سے ہر ایک کو یہ خوشی اور تسلی ہے کہ ہم نے اپنے ہم وطنوں کی ملایا اور برما میں جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کی اور ان کی پوری امداد کی۔ اپنے برما سے آئے ہوئے ہندوستانیوں کے لئے وہ تار بھی پڑھ کر سنائے جن میں ان کی خدمات کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ اس کے بعد لفٹنٹ ڈھلن کا بیان ہوا

لفٹنٹ ڈھلن کا ولولہ انگیز بیان

میں نے انڈین ملٹری کالج ڈیرہ دون میں تعلیم پائی تھی۔ ہمارے کالج کے ہال میں یہ موٹو لگا ہوا ہے کہ "ملک کی خدمت سب سے بڑی خدمت ہے"۔ ہر وقت ملک کی عزت، بھلائی اور بہبودی کو اور سب چیزوں سے مقدم سمجھو۔ اس کے ماتحت فوج کی بھلائی کا خیال رکھو۔ اپنی حفاظت اور اپنے آرام کی فکر سب سے پیچھے کرو۔ اس اصول پر ہر وقت اور ہر جگہ عمل کرو۔

یہ موٹو ہمارے کالج ہال میں سنہرے حروف میں لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس موٹو کی نصیحت پر عمل پیرا ہو کر ہمیشہ اپنے ملک کی خدمت کی۔ جب سنگاپور میں ہتھیار ڈالنے کے بعد میں نے ہزاروں ہندوستانیوں کو قومی جھنڈے لئے ہوئے دیکھا تو میں نے ایک انگریز کرنل کو اس کی طرف توجہ دلائی۔ تو کرنل نے کہا کہ "میں انہیں اس بات کے لئے برا نہیں کہہ سکتا۔ جب ہم انگریز ان کی حفاظت نہیں کر سکے تو ان کا حق ہے کہ وہ اپنی حفاظت آپ کریں۔" سنگاپور کی ہار سے پہلے میں نے دیکھ لیا تھا کہ انگریز بہت بری طرح ملایا میں لوگوں کی حفاظت میں ناکام رہے۔ جس کی وجہ سے ملایا کے لوگوں اور وہاں کے مقیم ہندوستانیوں کو بے شمار تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان حالات کو دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ جب میں سوچتا تھا کہ ہندوستان کا بھی یہی حال ہوا تو بہت برا ہوگا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ انگریزوں کے ڈیڑھ سو سال کے راج نے ہندوستان پر کتنا ظلم کیا۔ اور کتنی بربادیاں ہوئیں۔ میں نے محسوس کیا کہ انگریزوں نے انگلستان کے مفاد کی خاطر ہمارے ملک کے مال اور آدمیوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اور اپنی شاہنشاہی جنگ میں ہمارا خون بہایا۔ مگر ہمارے ملک کے لوگوں کو اپنی حفاظت تک کے لئے بھی تیار نہیں کیا۔ ہمیں صرف اس لئے تیار ہونے نہیں دیا گیا کہ کہیں ہم غلامی کی زنجیریں کاٹنے کے قابل نہ ہو جائیں مجھے احساس ہوا کہ اگر آج ہندوستان آزاد ہوتا تو دشمن کو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے یا اس کی سرحد پار کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جنرل موہن سنگھ

کی آزاد ہند فوج کے قیام میں میں نے نئی امیدیں پائیں۔ میں نے محسوس کیا۔ کہ اگر اس وقت ایک مضبوط قومی فوج بن جائے تو نہ صرف ہندوستان کو غلامی سے نجات دلا سکیں گے۔ بلکہ اگر کبھی جاپانیوں کی نیت خراب ہو گئی اور وہ اپنے وعدوں سے منکر ہو گئے۔ تو ہم ان کا بھی مقابلہ کر سکیں گے۔ یہی فوج مشرقی ایشیا میں رہنے والے ہندوستانیوں کی بھی پوری پوری حفاظت کر سکے گی۔ مجھے اس وقت ایسا محسوس ہوا کہ مادر وطن مجھے حفاظت کے لئے بلا رہی ہے۔ اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں اس کی آواز کو ضرور سنوں گا۔ لہٰذا میں نے اپنی قسمت جنرل موہن سنگھ کے ہاتھوں میں دے دی اور میں آزاد ہند فوج میں شامل ہو گیا۔ میں نے ہمیشہ اپنے لیکچروں میں جنگی قیدیوں سے یہی کہا کہ اگر انہیں اپنے پیارے وطن سے محبت ہے۔ اور آزاد ہند فوج کے بلند مقاصد پر انہیں بھروسہ اور یقین ہے تو وہ آزاد ہند فوج میں شامل ہو جائیں ورنہ ہرگز نہیں۔ کسی جنگی قیدی کو زبردستی والنٹیر نہیں بنایا گیا۔ ہماری فوج مکمل طور پر رضاکاروں کی فوج تھی جنگی مورچہ پر بھی میں نے اپنی کمان کے سپاہیوں کو ہمیشہ آزادی دی کہ اگر انہیں آزاد ہند فوج کے بلند مقاصد پر اعتقاد نہ ہو تو وہ رنگون واپس جا سکتے ہیں ایک مرتبہ تو میں نے دو سو کمزور دل آدمیوں کو رنگون واپس بھجوا دیا تھا۔ کسی بھی آدمی کو اس کی مرضی کے خلاف لڑنے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا۔ استغاثہ کے گواہوں نے جو ظلم و ستم سے لبریز الف لیلہ کی داستان عدالت میں سنائی وہ بالکل جھوٹی اور بے بنیاد ہے۔ ان کا مطلب محض اپنی جان بچانا اور انگریزی حکومت

سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ میں نے چاروں سپاہیوں
کے خلاف فوج سے بھاگنے اور دشمن سے ساز باز کرنے کا الزام لگایا تھا۔
گر میں نے کبھی بھی انہیں گولی سے نہیں اڑوایا۔ جس وقت یہ بیان کیا جاتا
ہے کہ میں نے انہیں گولی سے اڑوایا۔ اس وقت تو میں بستر پہ بیمار پڑا تھا
اور حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ موت کی سزائیں ڈویژنل
کمانڈر کے حکم سے معاف کر دی گئی تھیں۔ اور کبھی بھی سزائے موت
دینے کا موقع ہی نہیں آیا۔ میں نے جو کچھ بھی کیا آزاد ہند گورنمنٹ کی
باقاعدہ فوج کے افسر کی حیثیت سے کیا۔ لہٰذا مجھ پر انڈین ایکٹ کے
ماتحت مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا۔ کیونکہ میں نے اپنی حکومت اور اپنی فوج
کے حکم پر عمل کیا۔ مجھ پر کورٹ مارشل کے سامنے مقدمہ چلانا بالکل خلاف
قانون ہے۔ میں آزاد ہند فوج میں نہایت پاک بہترین مقاصد کو لے کر
شامل ہوا تھا۔ میں نے آزاد ہند فوج کے افسر کی حیثیت سے ہمیشہ جنگی
قیدیوں کی خدمت کی۔ ہماری فوج نے مشرقی ایشیا میں رہنے والے
ہندوستانیوں کے جان و مال اور آبرو کی پوری پوری حفاظت کی۔ جس
کا اعتراف ہمارے ہندوستانی بھائیوں نے آزاد ہند کو کروڑوں روپے
دے کر کیا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے جنگی قیدیوں کو زبردستی آزاد ہند
فوج میں بھرتی کیا۔ وہ یہ بھول گئے کہ ہم نے کس خوشی سے تکلیفیں برداشت
کیں۔ مجھے خود اکثر مرتبہ تیس تیس گھنٹے تک پینے کو پانی نہیں ملا اور تین تین
دن تک بھوکا رہا۔ جب میری بحیثیت کمانڈر یہ حالت تھی تو سپاہیوں

نے نہ جانے کتنی تکلیفیں اٹھائی ہوں گی اور وہ سب تکلیفیں اٹھاکر بھی آخر دم تک میرے ساتھ رہے۔ کیا کوئی آدمی بغیر اپنی رضامندی اس قدر تکلیفیں اٹھاکر بھی فوج میں لڑ سکتا ہے؟ میں ببانگ دہل اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ آزاد ہند فوج نے مشرقی ایشیا اور برما میں رہنے والے ۲۵ لاکھ ہندوستانیوں کی شاندار خدمات کیں اور یہ تمام ہندوستانی آزاد ہند حکومت کو اپنی حکومت سمجھتے تھے۔ آزاد ہند فوج نے جو کچھ بھی کیا۔ وہ حب الوطنی کے جذبے کی خاطر کیا اور بس۔

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کی قانونی موشگافیاں اور انکی فاضلانہ بحث

موصوف نے بحث کی ابتدا کرتے ہوئے فرمایا کہ ملزمین کے خلاف لبظاہر دو الزامات ہیں اول بادشاہ کے خلاف جنگ کرنا۔ دوم بھاگنے والے سپاہیوں کا قتل۔ مگر دراصل پہلے ہی الزام کے اندر دوسرا الزام بھی سما جاتا ہے۔ کیوں کہ جنگ میں بادشاہ کے خلاف ایک گولی بھی چلانا جرم ہے۔ ان پر، آدمیوں کے خلاف قتل کا الزام لگایا گیا ہے۔ محمد حسین کے قتل کے متعلق تو یہ بھی ثبوت نہیں کہ اسے واقعی سزا بھی دی گئی یا نہیں۔ دوسرے چار سپاہیوں کے متعلق اگرچہ یہ درست ہے کہ اس فیصلہ کو عمل میں نہیں لایا گیا۔ مگر پانچوں کے قتل کا الزام ان پر تھوپ دیا گیا۔ یہ مقدمہ اپنی نوعیت میں نرالا مقدمہ ہے۔ عام طور پر کورٹ مارشل کے سامنے جو مقدمات آتے ہیں ان میں ملزمین کے خلاف فوجی حکام کی حکم عدولی کے الزامات ہوتے ہیں۔ مگر اس مقدمہ

میں ایسا نہیں ہوا۔ یہ مقدمہ ساری آزاد ہند فوج کی عزت بلکہ
سارے ہندوستان کی عزت آبرو کا سوال پیدا کر دیتا ہے۔ یہ
مقدمہ اس بات کا امتحان ہے کہ آیا ایک غلام قوم یا اس قوم کے
کسی اہم حصے کو غلامی کی زنجیریں توڑ دینے کا حق پہنچتا ہے یا
نہیں اور یہ بھی کہ اس غرض کے لئے وہ اعلان جنگ بھی کر سکتا
ہے یا نہیں۔ میں یہ ثابت کروں گا کہ بین الاقوامی قوانین ایک قوم کو ایسی
جنگ کرنے کا حق دیتے ہیں اور بادشاہ کے خلاف جنگ کرنے میں ملزمین نے
کوئی جرم نہیں کیا۔ یہ مقدمہ ان تین ملزمین کا ذاتی مقدمہ نہیں بلکہ تمام ہندوستان
کے پیدائشی حق کی آزمائش ہے۔ سنگاپور میں انگریزوں کے ہتھیار ڈال دینے
کے بعد آزاد ہند فوج کی تشکیل، آزاد حکومت ہند کا اعلان، برما اور آسام کے
مورچوں پر جنگ کے حالات پر مختصر تبصرہ کرنے کے بعد مسٹر ڈیسائی نے
حکومت کے قیام کے اعلان کو پڑھ کر اس کا اقتباس پیش کیا کہ ہندوستان
کے لوگوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی لڑی مگر وہ انگریزی توپوں سے
دبا دی گئی۔ پھر مہاتما گاندھی نے پرامن جنگ ۲۲ سال تک لڑی مگر ظالم
حکومت کے سامنے نہتے لوگ تاب مقابلہ نہ لا سکے۔ مگر اب پہلی مرتبہ مشرقی ایشیا کے
لاکھوں ہندوستانیوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ نیتا جی سبھاش چندر بوس کی
سرکردگی میں ہندوستان کو آزادی دلوانے کی جنگ لڑیں گے۔ اس مطلب کے لئے آزاد
ہند فوج بنائی جائے۔ ہندوستان کی بھوک اور اس کی غلامی کا جوا اتار پھینکنے

کا یہی موقع ہے ۔ آزاد ہند حکومت ایک باقاعدہ حکومت تھی اور اس میں
تمام وزراء کے ذمہ مختلف محکمہ جات تھے ۔ اس حکومت نے ملایا اور برما وغیرہ میں
ہندوستان کے مال اور ان کی جانوں کی حفاظت کی تھی ۔ اس حکومت کی
پشت پر تیس لاکھ ہندوستانی تھے ۔ صرف ملایا ہی میں دو لاکھ ہندوستانیوں
نے اس حکومت سے وفاداری کا حلف اٹھایا تھا ۔ لہذا یہ ایک باضابطہ حکومت
تھی ۔ یہ کوئی ایسی ویسی حکومت نہیں تھی ۔ جسے چند باغیوں کی حکومت کہا
جائے ۔ برما ۔ ملایا ۔ سیام ۔ چین ۔ جاپان ۔ ہند چینی ۔ فلیپائن ۔ ہانگ کانگ
کے ہندوستانیوں نے اس حکومت کو اپنی حکومت تسلیم کیا تھا ۔ اور نانکنگ چین
اٹلی ۔ جرمنی ۔ جاپان ۔ منچوکو ۔ فلیپائن کی حکومتوں نے اس کو برابری درجہ دیا
ہوا تھا ۔ اس حالت میں ایک باضابطہ حکومت ہوتے ہوئے جنگ آزادی
کے اعلان کا اس حکومت کو پورا پورا حق پہنچتا ہے ۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جن حکومتوں
نے آزاد ہند حکومت کو تسلیم کیا ہے ۔ وہ تو جاپان اور جرمنی کے پٹھو تھے ۔ یہ
دلیل کوئی حقیقت نہیں رکھتی ۔ سوال یہ ہے کہ اتنی حکومتوں نے آزاد ہند کی
حکومت کو تسلیم کیا ۔ ہر ایک قوم کو جنگ کرنے کا اختیار ہے اور اس جنگ میں
جو کچھ واقعات ہوں جائز ہے ۔ بشرطیکہ وہ انٹرنیشنل قانون کے خلاف نہ ہوں
ایسے تمام جرموں کا مقدمہ معمولی عدالتوں یا کورٹ مارشل کے سامنے نہیں ہو سکتا
اٹم بم تک کے استعمال سے جب کوئی مقدمہ نہیں چل سکتا ۔ تو اپنی غلامی کا جوا گردن
سے اتار پھینکنے کا مقدمہ کیوں کر چل سکتا ہے ؟ ملزمین کا مقصد بہت نیک
تھا ۔ اس کو استغاثہ کے گواہوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ آزادی کے لئے جنگ

کرنا کوئی قابل اعتراض چیز نہیں۔ آزاد ہند فوج کا دوسرا مقصد ملایا، برما وغیرہ کے ہندوستانیوں کی جان اور اُن کے مال و آبرو کی حفاظت کرنا تھا۔ ان ہر دو مقاصد کو بہت خوبی سے نباہا۔ اور اس میں انھوں نے کبھی جاپانیوں کا غلبہ برداشت نہیں کیا۔ بلکہ جاپانیوں نے آزاد ہند حکومت کو باضابطہ حکومت تسلیم کیا اور جزائر انڈمان اور نیکوبار کو آزاد ہند حکومت کے حوالے کر دیا۔ ان کے نام سوراج اور شہید رکھے گئے۔ اس امر کے ثبوت میں لفٹنٹ ناگ (گواہ استغاثہ) کی شہادت ہی کافی ہے۔ جاپان کے وزیر اعظم جنرل ٹوجو نے بھی یہ اعلان کیا تھا کہ ہم ان جزائر کو آزاد ہند حکومت کے حوالے کرتے ہیں۔ جزائر انڈمان میں آزاد ہند کی باقاعدہ حکومت تھی۔ اگرچہ اس کے ہاتھ میں تمام محکمے نہیں تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سوراجیہ اور شہید جزیرے آزاد ہند حکومت کی ملکیت نہ تھے۔ اصل سوال یہ ہے کہ وہ جزیرے ان کے حوالے کئے گئے تھے یا نہیں اس کے متعلق دستاویزات موجود ہیں۔ آزاد ہند حکومت کے آزاد ہونے کا ایک اور بھی ثبوت ہے کہ خود نیتاجی سوبھاش چندر بوس اور جنرل کواپے (جاپانی جنرل جو برما کا حاکم تھا) آسام کے محاذ پر پندرہ سو مربع میل کا علاقہ آزاد ہند فوج نے انگریزوں سے چھینا اور اس پر آزاد ہند حکومت کا عمل دخل رہا۔ ان میں منی پور اور بشن پور کے علاقے بھی شامل تھے۔ آزاد ہند حکومت کسی دوسری حکومت کی دوسری حکومت کی محتاج نہ تھی۔ ہندوستانی اسے چندے سے امداد کرتے تھے۔ اس کا ایک باقاعدہ بینک بھی تھا ...

لندن کے اسٹامپ کالکشن رسالے کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ آزاد ہند حکومت نے مثل سکّے کے اپنا سکہ بھی جاری کیا تھا (یہ واقعہ صحیح نہیں سکہ جاری نہ ہو سکا تھا) یہ تمام چیزیں ثابت کرتی ہیں کہ آزاد ہند حکومت کا نظام بہت باقاعدہ تھا۔ اس مقدمے میں اہم مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام قوم کو آزادی کی جنگ چھیڑنے کا حق ہے یا نہیں؟ بین الاقوامی قانون میں یہ تسلیم شدہ امر ہے تعزیرات ہند کی دفعہ ۷۹ کے تحت بھی یہ فعل کوئی جرم نہیں۔ تو پھر اگر قانون کی نگاہ میں وہ فعل جائز ہے تو اس کے لئے کوئی مقدمہ نہیں چل سکتا۔ جب دو حکومتیں ایک دوسرے کے خلاف جنگ کا اعلان کرتی ہیں تو ان کی فوجیں جو کچھ کریں اپنے فرائض کے ماتحت کرتی ہیں۔ اس لئے ان پر عام قانون کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ ملزمین نے ذاتی اغراض کے لئے قتل نہیں کیا بلکہ انہوں نے جو کچھ کیا آزادی کی جنگ میں اپنا فرض پورا کرنے کے لئے کیا۔

دفعہ ۷۹ تعزیرات ہند کے تحت ان کا کوئی جرم نہیں۔ اس دفعہ سے صاف ظاہر ہے کہ قانون جس بات کی اجازت دیتا ہے وہ فعل جرم نہیں ہو سکتا۔ ملزمین نے انٹرنیشنل قانون کے ماتحت جنگ لڑی ہے۔ اور انہوں نے جو کچھ کیا قانون کے دائرے میں رہ کر کیا۔

انٹرنیشنل قانون کہتا ہے کہ بین الاقوامی غلطیوں کا حل تلاش کرنے کے لئے جنگ کا اعلان جائز ہے۔ قوم کے کسی فرد پر اس کی ذمہ داری عائد نہ ہو گی۔ بلکہ جنگ میں جو کچھ بھی ہو جائز سمجھا جائے گا۔

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے یورپ کے بہت سے ملکوں میں ایسی لڑی ہوئی جنگوں کے حوالے دیئے جن میں بلگیریا۔ سربیہ۔ ترکی۔ اور

جنوبی افریقہ کی حکومتوں کے املان کے جاتے تھے۔ اور کہا کہ اسی قانون کے تحت آزاد ہند حکومت کا اعلان بھی بالکل جائز ہے۔ آپ نے مسٹر چرچل کی ایک تقریر کا حوالہ بھی دیا۔ اور حکومت سے یہ سوال کیا کہ اگر ہندوستانی فوج کا برطانیہ کے لئے لڑنا جائز ہے۔ تو جرمنی۔ اٹلی اور جاپان کے لئے لڑنا کیوں جائز نہیں۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے لڑے خواہ اس سلسلے میں دشمن کا قتل ہی کیوں نہ ہوا ہو۔ کیا انگریزی فوج نے اس جنگ میں ہزاروں انسانوں کو قتل نہیں کیا؟ کیا ان پر کسی عدالت میں قتل عمد کا مقدمہ چلایا گیا؟ اگر نہیں تو ان ملزموں کے خلاف کیوں مقدمہ چلایا جا رہا ہے؟ جب صوبہ جات متحدہ امریکہ میں شمالی اور جنوبی ریاستوں کی آپس میں جنگ ہوئی تو اس کے بعد کسی سپاہی یا جرنیل کے خلاف مقدمہ نہیں چلایا گیا۔ اسی طرح جنوبی افریقہ میں جب بوئر قوم نے اپنی آزادی کے لئے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تو جنگ کے خاتمہ پر بوئر لوگوں پر کیوں مقدمات نہیں چلائے گئے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آزاد ہند فوج پر مقدمہ ہو رہے ہیں۔ جب کہ آزاد ہند حکومت ہر لحاظ سے پوری پوری باضابطہ اور باقاعدہ حکومت تھی۔

مسٹر ڈیسائی نے کورٹ مارشل کے ممبران سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ کوئی پولٹیکل مقدمہ نہیں ہے بلکہ قوم کے حقوق آزادی کا مقدمہ ہے اور آپ کو فیصلہ دیتے وقت کسی پولٹیکل ذہنیت کو پیش نظر نہ رکھنا چاہئے۔ آپ نے انٹرنیشنل لا کے اصول بتاتے ہوئے یہ بتایا کہ باقاعدہ اعلان جنگ

ہوتے ہوئے اس میں حصہ لیا جائے تو وہ فعل کسی قانونی جرم کی حیثیت سے تسلیم نہ کیا جائے گا۔ اور دورانِ جنگ میں سرزد شدہ جائز افعال کے لئے کوئی مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا۔ آپ نے شمالی اور جنوبی امریکی ریاستوں کی ایک سول جنگ کے نتیجہ میں دائرشدہ مقدمات کا حوالہ دیتے ہوئے ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ایک فیڈرل کورٹ کے فیصلہ کا حوالہ دیا جس میں چیف جسٹس فکر سے نے اس مقدمے میں مسٹر پرینیڈیر کو بری کر دیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ اگر باقاعدہ جنگ کا اعلان کیا گیا ہو اور وہ بغاوت ناکام بھی ہو جائے تو بھی جیتنے والے کا کوئی حق نہیں کہ وہ ہارے ہوئے لوگوں پر مقدمہ چلائے۔ اس فیصلہ میں واضح طور پر تحریر ہے کہ اگر باغی اتنے زبردست طور پر منظم ہوں کہ وہ آزاد حکومت کا اعلان کریں تو ہار جانے کے بعد ان پر کوئی مقدمہ نہیں چل سکتا۔ ایک آزاد حکومت کی طرف سے جنگ کا اعلان کرنا کوئی جرم نہیں۔ مسٹر ڈیسائی نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ایک اور سول جنگ کا حوالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ "اس مقدمہ میں جنوبی ریاستوں کی ایک باغی فوج کو ایک باقاعدہ فوج تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اور فیصلہ کیا گیا تھا کہ ان کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں چل سکتا۔ پارلیمنٹ کے ایک اہم بیان کا اقتباس بھی آپ نے پیش کیا جس میں برٹش مقبوضات کے متعلق کہا گیا تھا کہ تمام انسان برابر کا درجہ رکھتے ہیں اور مقبوضات کا حق ہے کہ وہ مکمل آزادی حاصل کریں اور آزاد

Defence Council of I. N. A. trial, in Red Fort Delhi.



دستیں قائم کریں۔ آپ نے فرمایا کہ بادشاہ سے وفاداری رکھتے ہوئے بھی باعزت امریکنوں نے آزادی کے لئے جنگ کی۔ اور انہوں نے بادشاہ کی وفاداری پر ملک کی محبت کو ترجیح دی۔ اور یہ اسی بہادری اور دوراندیشی کا نتیجہ ہے کہ آج نہ صرف امریکہ خود آزاد ہے۔ بلکہ اس امریکہ نے جس نے انگلستان سے بغاوت کی تھی آج آج انگلستان اور سارے یورپ کو محوری طاقتوں کی غلامی سے بچالیا۔ آپ نے امریکہ کی جنگ آزادی کا اعلان پڑھ کر سنایا جس میں تحریر تھا کہ زندگی آزادی اور خوشی ہر ایک انسان کا پیدائشی حق ہے۔ ساتھ ہی آپ نے کورٹ مارشل کے ممبران سے اپیل کی کہ وہ امریکہ کے اس اعلان آزادی کو ملحوظ رکھ کر اپنا فیصلہ دیں۔ آپ نے آزاد ہند فوج کے قیام اور آزاد ہند حکومت سے حلف وفاداری کی تفصیل بیان کی اور کہا کہ امریکہ کے خوددار باشندوں کے علم بغاوت لہرانے اور آزاد ہند حکومت کے اعلان آزادی میں کیا فرق ہے؟ آپ نے نہایت زوردار الفاظ میں ملزمین پر ملک سے غداری کرنے کے لگائے ہوئے الزام کی تردید کی۔ سنگاپور میں انگریزوں نے جو بزدلانہ حرکات کیں اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جب انگریز افسروں نے ہندوستانی فوج کو جاپانیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا اور ان کی کوئی مدد نہیں کی تو پھر ہندوستانی فوج کا بھی حق تھا کہ وہ اپنی بھلائی کا راستہ خود تلاش کرے۔ اور اپنے ملک کی مصیبت میں کام آسکیں۔ ہندوستانی فوج اور جاپانیوں میں برابر کا دوستانہ رشتہ تھا۔ جس طرح انگریز۔ امریکن جنرل کے ماتحت لڑتے رہے ٹھیک اسی طرح ہندوستانی فوج بھی جاپانی فوج کے ساتھ مل کر برما کے محاذ پر لڑنے میں حصہ لیتے رہے۔ ان کا مقصد

اور ان کی نیت نیک تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کا ملک آزاد ہو۔ انہوں نے یہ فیصلہ بھی کیا تھا کہ وہ جاپانیوں کے آگے سر نہ جھکائیں گے۔ اگر جاپانی ہندوستان کی آزادی میں رکاوٹ ڈالیں گے تو آزاد ہند فوج ان سے بھی لڑنے کا تہیہ کر چکی تھی۔ استغاثہ کے گواہوں نے اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ آپ نے میجر جنرل شاہنواز کی تقریر کا حوالہ بھی دیا جس میں انہوں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا تھا۔ کہ اگر جاپانی تمہیں ایک تھپڑ مارے تو تم اس کے دو تھپڑ لگاؤ اگر جاپانی ہندوستان کی سرزمین میں کسی عورت کی بے عزتی کریں تو پہلے انہیں سمجھاؤ۔ اور اگر نہ مانیں تو انہیں گولی سے اڑا دو۔

مذکورہ بالا اعلان کے پیش نظر کون یہ کہہ سکتا ہے کہ آزاد ہند فوج جاپانیوں کی ماتحت فوج تھی یا اُن کی کٹھ پتلی تھی؟

آزاد ہند کے افسر اور سپاہی رضامندی کے ساتھ آزاد ہند فوج میں شریک ہوئے تھے۔ ملزمان میں میجر جنرل شاہنواز خاں اور کرنل ارشد نے سیاست سے کبھی کوئی واسطہ نہیں رکھا۔ ان کو بادشاہ کی وفاداری کا بہت خیال تھا۔ باوجود اس کے جب انہوں نے سنگاپور میں انگریزوں کی بزدلی اور بے وفائی دیکھی تو ان کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا۔ اور حقیقت روشن ہو گئی۔ وہ آزاد ہند فوج میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے یہ اقدام کئی ماہ سوچنے کے بعد کیا تھا۔ انہوں نے اپنے فرائض میں کوتاہی نہیں کی۔ وہ تو انگریزوں کے فیصلہ ہی سے جنگی قیدی بن گئے ہیں۔ اس لئے ان پر یہ الزام نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ اپنی ڈیوٹی سے بھاگ گئے یا دشمن سے

جائے۔ آزاد ہند فوج جاپانیوں سے بالکل الگ رہنا چاہتی تھی۔ جنرل موہن سنگھ اور مسٹر راش بہاری بوس کے اختلافات اسی بنا پر تھے کہ اگرچہ راس بہاری بوس ان سے امداد لینا برا نہیں سمجھتے تھے۔ مگر جنرل موہن سنگھ کسی حالت میں بھی جاپانیوں کے زیر اثر رہنا نہیں چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پہلی آزاد ہند فوج کو توڑ دیا۔ اور خود گرفتار ہو گئے۔ ان دنوں میں شدید مخالفت پیدا ہو چکی تھی۔ اگر کسی پمفلٹ میں موہن سنگھ کے خلاف کچھ لکھا گیا تھا تو وہ شہادت کے طور پر استعمال نہیں ہو سکتا۔ جنرل موہن سنگھ نے ہمیشہ سختی کے ساتھ جاپانیوں کے ماتحت رہ کر کام کرنے کی مخالفت کی تھی۔ اس امر کا ثبوت استغاثہ کے گواہوں کے اقبال ہی سے ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ آزاد ہند فوج جاپانیوں کی آلۂ کار اور ماتحت نہ تھی۔ ان کا مقصد نہایت دیانتدارانہ اور بلند تھا۔

آزاد ہند فوج کے سپاہیوں سے لے کر کمانڈنگ جنرل تک مکمل طور پر ہندوستانیوں کی فوج تھی اور ہندوستانیوں کے سرمایہ سے چلتی تھی اور ان کا جھنڈا بھی ہندوستان کا قومی جھنڈا تھا۔ انہوں نے بھوک پیاس، بیماری موت ہر مصیبت کا خوشی سے مقابلہ کیا۔ ہفتوں جنگلوں میں بغیر بستروں کے رہے۔ نمک اور شکر بھی ان کے لئے عیاشی سمجھی جاتی تھی! جن لوگوں نے اتنی بڑی تکلیف اٹھا کر جنگ میں حصہ لیا۔ ان پر یہ جرم نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ جاپانی لالچ میں آکر آزاد ہند فوج میں شامل ہوئے تھے۔ آزاد ہند فوج کے بہادروں نے اپنی، جان، اپنے رشتہ داروں کی راحت و عزت جو ہندوستان

میں تھے۔ کسی چیز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یہ دلیرانہ قدم اٹھایا تھا۔ ایسے بہادروں پر الزام لگانا اپنی تنگ نظری کا ثبوت دینا ہے۔ استغاثہ کے چند گواہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آزاد ہند فوج کی بھرتی جبری طریقے پر قیدیوں میں سے ہوا کرتی تھی۔ مگر خود استغاثہ کے گواہوں نے اس کا بھی اقبال کیا ہے۔ کہ میجر جنرل شاہنواز۔ کرنل سہگل اور خود نیتاجی سبھاش چندر بوس نے اپنی تقریروں میں یہ کہا کہ جو آدمی خود کو قربانی کے قابل نہ سمجھتا ہو وہ آزاد ہند فوج سے الگ ہو سکتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ آزاد ہند فوج کی بھرتی اتنی رضاکارانہ تھی اور اس کے پاس اتنے رضاکار تھے کہ کئی ہزار رضاکاروں کو ہتھیار تک مہیا نہیں کئے جا سکے۔ کسی جنگی قیدی کو اس لئے نہیں مارا پیٹا گیا کہ اسے آزاد ہند فوج میں بھرتی کیا جائے۔ بلکہ انہیں اس لئے سزا دی گئی کہ وہ یا مخبر تھے یا انہوں نے آزاد ہند فوج کے خلاف پرچار کیا تھا۔ یا پھر وہ اطلاع حاصل کر کے دشمن فوج کی طرف بھاگتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔ اس موضوع پر استغاثہ کی شہادت "ادھ پکی" کچی رزٹی کی طرح ہے نہ وہ اپنے کرتوتوں پر سزائیں ملنے کو چھپا کر انگریزی حکومت کی خیرخواہی جتانے کے لئے چھوٹی اور من گھڑت کہانی گھڑ رہے ہیں۔ کہ وہ آزاد ہند فوج میں شمولیت سے انکار کرنے کی بنا پر پیٹے گئے۔ استغاثہ اس امر کو ثابت کرنے میں ناکام ہو چکا ہے۔ کہ قیدیوں کو زبردستی آزاد ہند فوج میں بھرتی کیا جاتا تھا۔ اور بھرتی نہ ہونے پر ان کے ساتھ ظلم کیا جاتا تھا۔ ایک طرف تو میجر جنرل شاہنواز کرنل سہگل، کپتان ڈھلن جیسے معزز افسران کی تقریریں ہیں جن میں انہوں نے

متعدد بار قیدیوں کو رضا کارانہ بھرتی کے لئے کہا اور ہر لحظہ آزاد ہند فوج کو
چھوڑنے کا اختیار دیا اور دوسری طرف چند کم ظرف اور معمولی حیثیت کے
سپاہی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ اب کورٹ مارشل کا یہ
کام ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ انھیں کس پر اعتبار ہو سکتا ہے۔ آپ نے
عدالت سے یہ درخواست بھی کی کہ اس موضوع پر جو گواہیاں دی گئی ہیں
وہ اس قدر جھوٹی اور ناقابل اعتبار ہیں کہ اسے رد کر دینا چاہئے کیونکہ انہوں
نے اس قدر مبالغہ سے کام لیا ہے کہ اصلی مقصد بھی فوت ہو کر رہ گیا۔
آپ نے استغاثہ کی گواہیوں کے متعلق جو ثبوت پیش کرتے ہوئے ان کے
ناقابل اعتبار اور جھوٹ ہونے کی حقیقت واضح کر دی۔ بحث کو جاری رکھتے
ہوئے آپ نے فرمایا۔ کہ جب بغاوت کامیاب ہو جاتی ہے تو عارضی
حکومتیں بھی باقاعدہ اور مستقل حکومتیں بن جاتی ہیں۔ اور دنیا انہیں تسلیم کر لیتی
ہے۔ جیسا کہ روس کی بالشویک بغاوت کے بعد روس کی کمیونسٹ حکومت
بن گئی۔ اور اگر آزادی کے لئے بغاوت ناکام بھی ہو جائے تو باغی لوگوں
کو مجرم نہیں گردانا جا سکتا ہے۔ جبکہ وہ ایک نیک اور جائز مقصد کے لئے
لڑتے رہے ہوں۔ سکشن ۷۹ تعزیرات ہند اس مسئلہ پر مطابق ہوتا ہے
اس لحاظ سے تینوں ملزمین مجرم نہیں ہیں۔ کیونکہ انھوں نے خلاف قانون
کوئی کام نہیں کیا اور قانون ہر جائز فعل کو صحیح اور مبنی بر انصاف قرار دیتا
ہے۔ انگریزی قانون اور دستورتشکیل قوانین ان کے شاہد ہیں۔ میرے
موکلوں پر جو دفعہ ۱۲۱ تعزیرات ہند کا جرم عائد کیا گیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ انہوں
نے جو کچھ کیا اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں کیا اور اگر انہوں نے بحیثیت افسر کے

کسی بھاگنے والے مجرم کو سزا بھی دی تو کوئی جرم نہیں کیا۔ کیونکہ کسی بھی ملک میں جنگجوؤں کو مقدمہ میں سزا دینے کے لئے ملزم نہیں گردانا جاتا۔ آپ نے بین الاقوامی قوانین کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ میں پھر دہرا رہا ہوں کہ ایک باقاعدہ فوج کے لوگ جنگ میں جو بھی کارروائی کرتے ہیں وہ کسی جرم کے تحت نہیں آسکتے۔ بقول ملزم آزاد ہند فوج کے سرکردہ لیڈر تھے اور انہوں نے اپنی آزاد ہند حکومت کے حکم کے مطابق ہی جنگ کی۔ پہلی جنگ عظیم میں امریکہ، فرانس، انگلینڈ، اٹلی وغیرہ نے چیکوسلواکیہ کی آزاد حکومت کو باقاعدہ حکومت تسلیم کرکے اس کی پوری پوری امداد کی تھی اور لڑائی کے اختتام پر چیکوسلواکیا اسی حکومت کے ماتحت آزاد ملک بن گیا اور اسی اصول پر اس جنگ میں بھی عمل کیا گیا اور یورپ کے کتنے ہی ملکوں کی آزاد حکومتوں کو باقاعدہ حکومت مان کر اتحادیوں نے ان کی امداد کی اسی اصول کا اطلاق ہماری آزاد ہند حکومت اور آزاد ہند فوج پر بھی ہونا چاہئے جس طرح امریکہ میں رہنے والے چیکوسلواکیہ کے باشندوں نے آزاد حکومت بنائی تھی۔ اسی طرح تیس لاکھ ہندوستانیوں نے جو مشرقی ایشیا میں بستے تھے اپنی آزاد ہند حکومت بناکر ملک کی آزادی کا اعلان کیا۔ لہذا ملزمین نے انٹرنیشنل قانون کے مطابق کوئی جرم نہیں کیا۔

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے اس بات پر خاص زور دیا کہ جب ایک عارضی حکومت کو دوسری باقاعدہ حکومتیں تسلیم کرلیں تو اس کے ماتحت لڑنے والے سپاہی مجرم نہیں گردانے جاسکتے۔ موجودہ مقدمے میں اگر دیکھا جائے تو کتنی ہی باقاعدہ حکومتوں نے آزاد ہند کی عارضی حکومت کو

ہندوستان کی باقاعدہ حکومت تسلیم کر لیا تھا۔ آپ نے مسٹر چرچل کی ایک پارلیمنٹ والی تقریر کا حوالہ دیا جس میں مسٹر چرچل نے کہا تھا کہ بغاوت ہر انسان کا پیدائشی حق ہے اور اگر بغاوت ناکام بھی ہو تو باغیوں کو برابر کے لڑنے والوں کا درجہ دینا چاہیے۔ مسٹر ڈیسائی نے کہا اگر آزاد ہند فوج کے سپاہیوں نے گولیاں چلائیں تو انگریزی فوجوں نے بھی گولیاں چلائیں تھیں اس میں آزاد ہند فوج کے ممبروں نے کیا جرم کیا جب کہ برطانوی فوجی بے قصور ٹھیرائے جاتے ہیں۔ آپ نے مزید مسٹر چرچل کی تقریر کا اقتباس پیش کیا جس میں کہا گیا تھا کہ اگر گورنمنٹ کے حقوق ہیں تو باغیوں کے بھی ہیں۔ بحث کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے کہا کہ آزاد ہند حکومت ہند کے پاس تو جزائر انڈمان، برما اور آسام کے علاقے تھے۔ جہاں ان کی باقاعدہ حکومت تھی۔ مگر اس جنگ میں بلجیم، ہالینڈ، پولینڈ وغیرہ ملکوں کی آزاد حکومتیں لندن کے ہوٹلوں میں قائم ہوئی تھیں اور ان کے ماتحت چپہ بھر زمین بھی نہ تھی۔ اس کے باوجود ان کو آزاد حکومتیں تسلیم کر لیا گیا کیونکہ وہ اپنے اپنے ملکوں کے لئے لڑ رہی تھیں۔ اسی اصول پر اگر ہندوستان میں بھی عمل کیا جائے تو ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ہندوستان پر بھی غیر ملکی حکومت کا قبضہ ہے اور ہماری آزاد حکومت اپنے ملک کو آزاد کرنے کے لئے لڑ رہی تھی۔ جو قانون یورپ کے لئے صحیح ہے وہ ہمارے ملک کے لئے کیوں ٹھیک نہیں ہو سکتا؟ فرانس کی آزاد فوج بھی اپنے ملک میں قتیاں کی حکومت کے خلاف بغاوت کر رہی تھی۔ مگر جنرل آئزن ہاور سپریم کمانڈر

(جو جین کا سفر بن گیا) نے اعلان شائع کیا کہ فرانس کی گوریلا فوج تمام آزاد ملکوں کی فوج کے برابر کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر جرمنی ان فوجی افسران کے خلاف انٹرنیشنل قانون جنگ کے ماتحت ان سے سلوک نہ کریں گے اور ان کو گرفتاری کے بعد جنگی قیدی تصور نہ کریں گے تو ان کو سزائیں بھگتنا پڑیں گی۔ جنرل آئزن ہوور نے فرانس کی گوریلا فوج کے لئے جو درجہ طلب کیا ہے۔ وہی درجہ میں ملزمین اور آزاد ہند فوج کے تمام آدمیوں کے لئے طلب کرتا ہوں۔ اور یہ انصاف کا تقاضا ہے کہ ان کو بھی وہی درجہ عطا کیا جائے۔ دونوں میں کچھ فرق نہیں دونوں اپنے اپنے ملک کی آزادی کے لئے جنگ کرتے تھے۔ تمام بین الاقوامی قوانین پکار پکار کر کہتے ہیں کہ جو سلوک آپ اپنے لئے چاہتے ہیں وہی سلوک مخالف کے ساتھ بھی برتا جائے۔ اس لئے میں انگریزی حکومت سے امید کرتا ہوں کہ وہ آزاد ہند حکومت کے سپاہیوں کو بھی برابر کا درجہ دیں۔ مسٹر ڈیسائی نے مزید کہا کہ یہاں بادشاہ کی وفاداری کا سوال بھی نہیں اٹھتا جبکہ کرنل ہنٹ نے تمام ہندوستانی سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ تمہیں برطانوی حکومت کی جانب سے جاپانی حکومت کے حوالے کرتا ہوں اور آج سے تم ان کا حکم مانتے رہنا۔ جنگی قیدی بن جانے کے بعد ہندوستانی سپاہیوں نے یہ محسوس کیا کہ انگریزی طاقت ختم ہو چکی ہے اور اب انگریز ہندوستان ملایا وغیرہ کسی مقام پر جاپانیوں سے لڑنے کی ہمت نہیں رکھتے تو وہ ہماری کیا مدد کر سکیں گے لہذا بہتر یہی ہے کہ ہم اپنے ملک کو آزاد کرانے اور اس کو دشمنوں سے بچانے کے لئے آزاد ہند

فوج قائم کرلیں کپتان ارشد نے صاف طور سے فرمایا ہے کہ ہم صرف اپنے ملک سے وفاداری کے پابند تھے۔ اور ہم نے جو بھی طریقہ اختیار کیا وہ اپنے ملک کی حقیقی وفاداری کی اسپرٹ میں کیا تھا۔

غلام ملک کے بادشاہ اور ملک دونوں ایک ہی درجہ نہیں رکھ سکتے ہندوستانیوں کو قدرتی طور پر اپنا ملک پیارا ہے۔ جس طرح دیگر قوم کے لوگوں کو ہے جہاں اپنا بادشاہ ہو وہاں ملک اور بادشاہ میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔ مگر جس ملک میں زبردستی بادشاہ لوگوں کے سر تھوپ دیا گیا ہو۔ وہاں بادشاہ کا درجہ ملک کے برابر نہیں ہو سکتا جب لوگ اپنے ملک کو غلامی سے چھڑانے کے لئے لڑ رہے ہوں وہاں بادشاہ کی وفاداری کا سوال کہاں اٹھتا ہے ہمیشہ پہلے اپنی جان بچائی جاتی ہے اور خود کو بچائے بغیر کوئی بادشاہ کی حفاظت کے لئے لڑ بھی کیسے سکتا ہے ؟ سرکاری وکیل یہ کہہ سکتا ہے کہ ملزمین کو جنگی قیدی رہ کر وفاداری کے حلف کو نباہنا چاہئے تھا۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ ملک زیادہ عزیز ہے یا بادشاہ ؟ ملزمین نے اپنے ملک کو غیر ملکی بادشاہ پہ ترجیح دی اور اس کی آزادی کے لئے تمام خطرات اٹھانے کو تیار ہو گئے۔ استغاثہ نے ہمارے بہادر سپاہیوں کو اس لئے جاپان کا پٹھو کہا کہ وہ ان کے ماتحت ہو کر لڑے۔ تو کیا اس حساب سے برطانوی سپاہی امریکنوں کے پٹھو کہلائیں گے ؟ جبکہ وہ بھی جنرل آئزن ہوور کے ماتحت ہو کر جنگ کرتے رہے ؟ آپ نے استغاثہ کے گواہ لفٹنٹ ناگ کی شہادت سے ثابت کیا کہ جاپانی اور ہندوستانی فوج بطور اتحادی کے برابر کا درجہ رکھتے تھے اور دونوں ایک دوسرے کے حلیف ہو کر لڑتے رہے۔ ہندوستانی فوج

کسی صورت میں بھی جاپانیوں کی غلام نہ تھی۔ وہ اتحادی ضرور تھے۔ اور آج
کل جنگ میں اپنے لئے اچھا اتحادی چن لینا اپنے ہاتھ میں نہیں یہ بھی قسمت
کی بات ہے۔ ہماری آزاد ہند فوج کی قسمت میں اس جنگ میں جاپان سے
اتحاد لکھا ہوا تھا۔ آپ کے سامنے یہ سوال نہیں کہ یہ اتحاد درست تھا یا غلط
مگر سوال یہ ہے کہ آزاد ہند حکومت پورے طور پہ آزاد حکومت تھی یا نہیں؟
آزاد ہند حکومت کے دربار میں جاپانی سفیر موجود تھا۔ وہ آزاد ہند حکومت کے
ساتھ رنگون اور بنکاک میں موجود رہا۔ اس کی تقرری کا باقاعدہ اعلان
ٹوکیو سے ہوا۔ اگرچہ اس تقرری کی چٹھی جنگ میں ڈاک کی گڑبڑ کی وجہ سے
نہیں ملی۔ مگر وہ باقاعدہ طور پہ سفیر کا کام کرتا رہا۔ اسے ٹوکیو سے دفتر خارجہ
نے ایک تار بھی بھیجا تھا۔ جس میں یہ لکھا تھا کہ تقرری کی چٹھی اسے بھیج دی گئی
ہے۔ خود مسٹر سواڈا نائب وزیر دفتر خارجہ ٹوکیو نے بھی اس کا اقبال کیا ہے
ایسی حالت میں آزاد ہند فوج کو جاپانیوں کی کٹھ پتلی حکومت کہنا بالکل بے
انصافی اور حماقت ہے۔ کیونکہ ہندوستانی جاپانیوں کو مدد نہیں دے رہے
تھے بلکہ جاپانی ہندوستان کو آزاد کرانے کی کوشش کر رہے تھے ہندوستانیوں
کا مقصد صرف ہندوستان کی آزادی کا بہتر اور مشترک مقصد تھا اور کچھ نہیں
اور اگر جاپانیوں کی مدد سے بھی ہندوستان آزاد ہو سکتا تھا۔ تو یہ بات بھی
کوئی جرم نہیں کیونکہ مقصد اور منتہائے نظر تو صرف ہندوستان کی آزادی
ہی تھا۔ مسٹر ڈیسائی نے بحث کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ استغاثہ میں بیان
کیا گیا تھا۔ کہ کئی جنگی قیدیوں کو آزاد ہند فوج میں بھرتی نہ ہونے کی وجہ

سے گولیوں سے مارا گیا۔ مگر استغاثہ کے گواہ کی جرح ہی سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ان جنگی قیدیوں نے مشقت کرنے سے انکار کیا تھا۔ اور گارد ان کے لیڈروں کو گرفتار کرنے کے لئے آئی ہوئی تھی۔ دونوں پارٹیوں میں جھگڑا ہو گیا قیدیوں نے گارد پر حملہ کیا۔ قیدی تین سو سے زیادہ تھے۔ گارد کے دس بارہ آدمی تھے۔ پہلے گارد کا ایک آدمی مر گیا۔ اس کے بعد گارد نے گولی چلائی اور بارود ختم ہونے پر گارد بھاگ گئی۔ یہ سارا جھگڑا مشقت نہ کرنے پر ہوا مگر استغاثہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ ظلم اس لئے ہوا ہے کہ وہ جنگی قیدی آزاد ہند فوج میں بھرتی نہیں ہوتے تھے۔ حالانکہ اس جھگڑے کا بھرتی کے ساتھ ذرہ برابر تعلق نہ تھا۔ گواہ محمد نواز کے قتل کی کہانی بالکل بیہودہ اور جھوٹی ہے۔ اس نے بیان کیا تھا کہ اسے گوبر میں راکھ ملانے کی مشقت اس لئے دی گئی کہ وہ آزاد ہند فوج میں بھرتی ہونے سے منکر تھا۔ استغاثہ کہتا ہے کہ یہ سخت قسم کی مشقت تھی۔ یہ سزا اسے معمولی طور پر ڈسپلن کے خلاف ورزی کرنے پر دی گئی تھی۔ کیا کھیت میں کیاریاں بنانا اور کھاد ڈالنا ایک کسان سپاہی کے لئے اذیت دہ ہو سکتا ہے؟ جبکہ وہ اپنے گھر پر ساری عمر کھیتی کرتا رہا ہو۔ گواہ محمد نواز اور محمد حیات نے فرضی ظلم و ستم کی کہانی اس لئے گھڑی ہے کہ وہ انگریزی حکومت کے سامنے سرخروئی حاصل کریں۔ کھاد بنانا اور کھیتی کرنا کس قسم کا ظلم ہے؟ آخر گواہاں رئیس تو تھے ہی نہیں جو محنت و مشقت کرنے سے ان کی بے عزتی یا ہتک ہو گئی۔ جنیوا کے بین الاقوامی آئین کی رو سے جنگی قیدیوں سے کام لینا جائز اور مناسب ہے۔ ہندوستان میں

کھیتی باڑی کرنا ایک باعزت اور اعلیٰ کام تصور کیا جاتا ہے نہ کہ گواہ محمد نواز کے خیال کے مطابق اسے ہتک عزت سمجھا جاتا ہے ملزمین پر ۵ آدمیوں کے قتل کا بھی الزام ہے۔ جن میں چار آدمیوں کو بھاگتے وقت گولی سے اڑا دیا گیا اور دوسرے محمد حسین نامی سپاہی کو گولی مار دینے کا الزام ان پر تھوپا گیا ہے۔ پہلے چار آدمیوں کے بارے میں یہ صحیح ہے کہ ان کو بھاگنے کی کوشش کرنے کے جرم میں سزا دی گئی تھی۔ مگر وہ فیصلہ کبھی عمل میں نہیں لایا گیا۔ محمد حسین کے متعلق تو حکومت کا فیصلہ بھی نہیں دیا گیا تھا بلکہ صرف یہ کہا گیا تھا کہ اس کا جرم سزائے موت کے قابل ہے۔ اس کے متعلق کوئی گواہ بلکہ استغاثہ کی تمام مشنریاں بھی یہ ثابت نہ کر سکیں کہ اسے ملزمین میں سے کسی ایک نے بھی موت کی سزا دی ہو۔ استغاثہ نے قتل کے الزام کو بالکل ثابت نہیں کیا۔ قتل کا جرم باقاعدہ ثابت ہونا چاہیے۔ اور اگر استغاثہ کے متعلق اس بات کا ذرہ برابر بھی شک ہو کہ وہ اسے ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے تو موت کی سزا واقعی دی گئی ہے یا نہیں تو میں یہ کہوں گا کہ اس شک کا فائدہ ملزمین کو دیا جائے۔ خود استغاثہ کے گواہ اللہ دتا نے بیان کیا ہے کہ کرنل شاہ نواز نے کہا تھا کہ محمد حسین اور اس کی پیشی رجمنٹ کے کمانڈر کے پاس ہونی چاہیے۔ کرنل شاہ نواز نے خود کوئی فیصلہ نہیں دیا تھا۔ بلکہ صرف یہ کہا تھا کہ "تمہارے جیسے غداروں کو گولی سے اڑا دینا چاہیے" اور اس کے بعد کچھ لکھ دیا تھا۔ کرنل شاہنواز کے کرائم رپورٹ (Crime Report) میں کچھ لکھا تھا جسے میں پڑھ نہیں سکا۔ میں نہیں جانتا کہ کرائم رپورٹ کیا چیز ہے

اس کے بعد موقع کے گواہوں کو لیجئے! ایک تو کہتا ہے کہ میں نے کبھی گولی نہیں
چلائی۔ میرے کندھے پر بندوق رکھدی گئی اور کسی دوسرے نے گھوڑا دبادیا۔
گولی چل گئی اور محمد حسین کی چھاتی میں جا لگی۔ یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ ایک
آدمی جس نے کبھی بندوق کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا اس کا نشانہ مقتول کی چھاتی
پر سیدھا جا لگا۔ اس گواہ کی شہادت قابلِ اعتبار اور یقینی نہیں کہی جا سکتی۔ اور
جو لوگ محمد حسین کو گولی سے اڑائے جاتے دیکھ چکے ہیں ان گواہوں نے بھی اس کا
حلیہ بیان نہیں کیا۔ اس کے مرنے کی رپورٹ بھی عدالت میں پیش نہیں کی گئی
حالانکہ ایک گواہ کا کام تھا کہ وہ اس کے موت کی رپورٹ کمانڈر کے سامنے
پیش کرتا؟ گواہ جاگیری رام نے کہا تھا کہ اس نے کھڑے ہوکر گولی چلائی
مگر دوسرے گواہوں کا بیان ہے کہ گولی گھٹنے ٹیک کر چلائی گئی تھی۔ اس
سلسلے میں گواہی بالکل ناکارہ و ناکافی اور ناقابلِ اعتبار ہے۔ کیونکہ ہمارے
پاس اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ کیپٹن ڈھلن اس وقت بہت بیمار تھے
اور صاحب فراش تھے۔ نہ تو انہوں نے کسی کو موت کا حکم دیا نہ ہی کسی کو موت
کی سزا دی گئی۔ کیپٹن ڈھلن کی ڈائری میں ان کے بیمار اور صاحب فراش ہونے
کی حقیقت واضح طور پر درج ہے جو بہت پہلے لکھی گئی تھی صرف ایک اسی
بنیاد استغاثہ کا مقدمہ جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ موقعہ واردات پر موجود
تھے۔ حالانکہ یہ غلط ہے وہ بستر سے ہل بھی نہ سکتے تھے۔ ایک اور بھی خامی
ان کے بیان میں پائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ کسی گواہ نے بھی مرنے والوں کا حلیہ
بیان نہیں کیا اور نہ انہوں نے ان چاروں کو مرتے دیکھا اور نہ ان کا نام ہی

بتایا۔ ایک گواہ نے بتایا کہ میں نے پہلے کبھی ان چاروں کو نہیں دیکھا تھا
نہ وہ ان کے نام سے ہی واقف تھا مگر وہ بتاتا ہے کہ وہ جاٹ قوم سے تھے
تعجب کی بات ہے کہ جس آدمی نے پہلے ان کو کبھی نہیں دیکھا۔ نام تک نہیں
سنا۔ اسے کیسے معلوم ہوا کہ وہ جاٹ تھے۔ اس نے کبھی ان سے بات چیت
تک نہ کی۔ ایسے دن، ہفتے، مہینے کسی کا علم نہیں مگر وہ صرف یہ کہتا ہے کہ
۱۹۴۵ء میں یہ قتل عمل میں آیا۔ گواہ کے بیان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ
دوسرا گواہ وہاں موجود نہیں تھا۔ یہ تمام گواہی من گھڑت اور بناوٹی معلوم ہوتی
ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ عدالت ایسی گواہیوں کو بالکل اہمیت نہ دے گی
کیونکہ اگر تمام گواہی سچی بھی مان لی جائے تو صرف اتنا ہی ثابت ہو سکتا ہے
کہ کوئی چار جاٹ مارے گئے۔ مگر لگائے ہوئے الزام قتل کے مقتولین کا اس سے
کوئی تعلق نہ ہوگا۔ یہ قانون میں کوئی قتل کا ثبوت نہیں بلکہ قانون کا مذاق ہے
اور مجھے امید ہے کہ کورٹ مارشل کے ممبران ایسی جھوٹی شہادتوں پر ملزمین
کو سزا نہیں دیں گے۔ استغاثہ اس چار قتلوں کو ثابت کرنے میں ناکام رہا
اسے ان آدمیوں کا حلیہ اور سزا کا حقیقی عمل میں آنا سب کچھ ثابت کرنا چاہئے
ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ یہ تمام کہانی فرضی ہے۔ اور بصورت دیگر وہ یہ ثابت
بھی کر دیتا تو میں کہتا ہوں کہ ملزمین نے جو کچھ کیا وہ آزاد ہند فوج کے افسران
کی حیثیت سے اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں کیا اور آزاد ہند فوج
کے آرمی ایکٹ کے ماتحت کیا جو کسی حالت میں جرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔
بحث کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے کہا کہ کرنل کرسٹن نے تسلیم کر لیا ہے

کہ کرنل سہگل نے ہتھیار ڈالنے سے پہلے ایک رقعہ لکھا تھا جس میں انہوں
نے بیجھا یا تھا کہ وہ جنگی قیدیوں کا سا سلوک کئے جانے کی شرط پر ہتھیار
ڈالنے کو تیار ہیں اور اگر یہ شرط منظور نہ کی گئی تو وہ آخری دم تک لڑنے کے
لئے تیار ہیں۔ اور ان کے پاس لڑنے کا کافی سامان موجود ہے۔ وہ رقعہ جس
میں یہ شرائط تحریر تھیں بیان کیا جاتا ہے کہ گم ہوگیا مگر کرنل کٹش اس امر
کے اقبالی ہیں کہ وہ رقعہ انہوں نے ضرور دیکھا تھا۔ اور ان کی شرطیں مان لی
گئی تھیں۔ اس لئے اب اخلاق کا تقاضا ہے کہ کرنل سہگل کو جنگی قیدی
ہونے کی حیثیت میں رہا کر دیا جائے۔ نیز ملایا اور برما میں آزاد ہند فوج
کو ایک باقاعدہ آرگنائزیشن اور اس کے افسران کو ایک باضابطہ فوج
کے افسر کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اس لئے یہ لازم ہے کہ ملزمین کو
بھی اس باضابطہ فوج کا افسر سمجھا جائے۔

آپ نے بحث کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ضابطہ فوجداری کی
دفعہ ۱۹۶ کے مطابق اس جرم میں مقدمہ چلانے کے لئے صوبجاتی حکومت کی
منظوری ضروری ہے۔ لیکن وہ منظوری کورٹ مارشل کے سامنے پیش نہیں کی گئی
ایک کورٹ یا فوجداری عدالت کو بادشاہ کے خلاف جنگ کرنے کے مقدمہ
میں سماعت کا ہرگز اختیار نہیں جب تک کہ صوبجاتی حکومت اس کے لئے
منظوری نہ دیدے۔ لہٰذا موجودہ عدالت مقدمہ کی سماعت کا اختیار نہیں رکھتی
اگر عدالت یہ سمجھے کہ ان کو اختیار ہے تو بھی دفعہ ۲۳۴ کے تحت تینوں ملزمین کا
کا اکٹھا مقدمہ چلانا خلاف قانون ہے۔ آپ نے تمثیل میں پریوی کونسل

کے ایک مقدمہ کا حوالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ملزمین کا مشترکہ مقدمہ بالکل خلاف قانون ہے۔ چونکہ کرنل شاہنواز پر محمد حسین کے قتل کرانے کا الزام ہے جن کا ڈھلون کے مقدمہ سے کچھ تعلق نہیں اور فرد جرم کا اکٹھا لگانا خلاف قانون ہے۔ پریوی کونسل نے ایسے ہی مشترکہ مقدمہ میں سزاؤں کو منسوخ کر دیا تھا۔

بحث کے خاتمہ پر مسٹر ڈیسائی نے کہا کہ یہ مقدمہ تین آدمیوں کا ذاتی مقدمہ نہیں ہے بلکہ آزاد ہند فوج کے سرکردہ افسروں کا مقدمہ ہے۔ جس میں ان کو ایک برابر کی آزاد فوج کے اختیار رہنے چاہئیں۔ اور ان کے ساتھ جنگی قیدی کا سا سلوک ہونا چاہیئے۔ جو بالکل انٹرنیشنل قانون کے مطابق ہو۔ آزاد ہند فوج بالکل رضا کارانہ فوج تھی۔ اور اگر نہ بھی ہوتی تو لازماً بھرتی کی ہوئی فوج ہوتی۔ ایسی حالت میں بھی وہ آزاد ہند فوج کہلائے گی۔ اس کا آرمی ایکٹ اور کوڈ بھی موجود تھا۔ اس کا نیک مقصد بھی ظاہر ہے۔ اس نے کسی بھی جنگی قیدی کو اس لئے اذیت نہیں دی کہ وہ ان کی ٹولی میں شامل نہیں ہوا بلکہ آزاد ہند فوج کے ڈسپلن توڑنے اور اس کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کی وجہ سے ان کو سزا دی گئی۔ آزاد ہند حکومت ایک باضابطہ منظم حکومت تھی جس کے ساتھ تیس لاکھ ہندوستانیوں نے حلف وفاداری اٹھایا تھا۔ اس کو حکومت کہلانے کا حق ٹھیک اسی طرح حاصل ہے۔ جس طرح یورپ سے بھاگی ہوئی حکومتوں کو اپنے ملک کی آزادی کے لئے لڑتے ہوئے حکومت کہلانے کا استحقاق ہے اس مقدمہ میں ملزمین پر قتل کا جرم بالکل ثابت نہ ہو سکا۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے

کہ یہ مقدمہ ہی بالکل خلاف قانون ہے۔ کیونکہ جب ممالک الگ الگ ہوں تو مشترکہ مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا۔ پریوی کونسل کا اس کے بارے میں واضح فیصلہ موجود ہے۔ آپ نے بحث کو ختم کرتے ہوئے آپ نے عدالت کے ممبران کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے دو روز تک نہایت سنجیدگی اور خاموشی کے ساتھ ان کی بحث کو سُنا۔

وکیل استغاثہ ایڈووکیٹ جنرل کی بحث

ایڈووکیٹ جنرل نے عدالت کے روبرو اپنی تقریر میں کہا کہ میرا کام یہ ہے کہ میں عدالت کے روبرو بغیر کسی مروت و رعایت کے تمام معاملات کے متعلق اپنی بے لاگ رائے پیش کروں۔ اس کے بعد یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ آپ جھوٹی گواہیوں کو رد کر دیں اور سچی شہادتوں پر غور کر کے فیصلہ صادر کریں۔ اخبارات اور بیرونی پروپیگنڈا کی طرف آپ کو اپنا خیال مبذول نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ صرف ان ہی باتوں پر غور کرنا چاہیئے جو باتیں کہ عدالت کے سامنے پیش ہوئی ہیں۔ اگر استغاثہ کی گواہی سے آپ کو پورا یقین ہو جائے کہ وہ مجرم ہیں تو آپ ان کے خلاف فیصلہ دیں ورنہ نہیں! جرم کا گواہی سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ صرف الزام لگانا ہی کافی نہیں۔ یہ انصاف کا بنیادی اصول ہے۔ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ زیر دفعہ ۱۲۱۔ تعزیرات ہند (بادشاہ کے خلاف جنگ) مقدمہ اس وقت چل سکتا ہے جب صوبجاتی حکومت اپنی خاص منظوری دے۔ چونکہ اس مقدمہ میں منظوری حاصل

نہیں کی گئی ۔ اس لئے یہ مقدمہ خلاف قانون ہے! اس لئے جواباً عرض ہے کہ انڈین آرمی ایکٹ کی دفعہ ۴۱ کے ماتحت بادشاہ کے خلاف جنگ کرنے کا مقدمہ کورٹ مارشل کر سکتا ہے ۔ اور اس دفعہ کے ماتحت کسی صوبجاتی حکومت کی منظوری کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کوئی اس کی پابندی ہے کہ جرم ہندوستان میں سرزد ہوا یا باہر کسی اور ملک میں یعنی ملایا اور برما وغیرہ میں ۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر اٹلی میں بھی کوئی ہندوستانی سپاہی ایسا جرم کرے تو اس پر انڈین آرمی ایکٹ کی رو سے اٹلی میں بھی مقدمہ چل سکتا ہے ۔ وہاں ہم ہندوستان کے کسی صوبہ سے منظوری لینے کے لئے نہیں آئیں گے ۔ فوجی مقدمہ میں فوجی قانون ہی لاگو ہو سکتا ہے ۔ ان کا دوسرا اعتراض یہ بھی تھا کہ تین ملزمین کے خلاف مشترکہ مقدمہ نہیں چل سکتا ۔ مسٹر ڈیسائی نے اس سلسلہ میں کئی رولنگ بھی پیش کئے تھے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ ضابطۂ فوجداری کا کورٹ مارشل کے مقدموں پر اطلاق نہیں ہو سکتا ۔ اور تینوں ملزمین پر مشترکہ مقدمہ قانوناً چلایا جا سکتا ہے ۔ موجودہ مقدمہ نیز آزاد ہند گورنمنٹ پر انٹرنیشنل قانون کا اطلاق نہیں ہوتا ۔ کہا جاتا ہے کہ آزاد ہند گورنمنٹ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۴۳ء کو باقاعدہ حکومت کے طور پر قائم کی گئی تھی ۔ اور اس نے برطانیہ اور امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا ۔ یہ ٹھیک ہے کہ محوری طاقتوں نے آزاد حکومت کو تسلیم کیا مگر یہ آزاد ہند کی حکومت نہ تھی بلکہ زیادہ سے زیادہ بیس لاکھ ہندوستانیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس کے وفادار تھے ۔ مگر اس کا بھی ثبوت نہیں

کہ مشرقی ایشیا کے تمام ہندوستانی اس کا حکم مانتے تھے۔ اسے تمام ہندوستانیوں
کی حکومت کہنا غلطی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آزاد ہند بنک کے پاس
کروڑوں روپے تھے۔ آپ ججوں کو اس بات کا بھی فیصلہ کرنا ہوگا کہ آزاد ہند
حکومت کو جو روپے ملے تھے وہ ٹیکس کی صورت میں حاصل ہوئے تھے یا
چندے کی شکل میں۔ اسی طرح انڈمان میں آزاد ہند حکومت کے متعلق
فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ حکومت کہاں تک خود مختار تھی۔ اور ان کے ہاتھ میں
کیا واقعی حکومت کی باگ ڈور تھی۔ یا سب کچھ جاپانیوں کے اختیار میں تھا۔
استغاثہ کا بیان ہے کہ دراصل وہ جاپانیوں کی حکومت تھی۔ ہندوستانیوں
کے ہاتھ صرف محکمۂ تعلیم ہی تھا اور کچھ نہیں۔ لہذا آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ
آزاد ہند حکومت کہاں تک حقیقی معنوں میں آزاد حکومت تھی۔ دونوں پارٹیوں
نے آپ کے سامنے انٹرنیشنل قوانین کے حوالے اپنی اپنی تائید میں پیش کئے
ہیں۔ اب آپ کا فرض ہے کہ آپ تصویر کے دونوں پہلوؤں پر غور کر کے
اپنا فیصلہ صادر کریں۔ آپ نے بحث کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ کہ اگر ایک
آزاد ملک جنگ کا اعلان کرے تو اس کی حیثیت کچھ اور ہوتی ہے۔ مگر چند
ہزار یا چند لاکھ افراد اگر قائم شدہ حکومت کے خلاف بغاوت کریں تو وہ غدار
کہلاتے ہیں۔ اور غداری کے جرم میں اُن پر مقدمہ چلایا جاتا ہے۔ البتہ اس
حکومت کو اختیار رہے کہ وہ غدر کو تسلیم کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح دوست
حکومتوں کو اختیار رہے کہ وہ محب الوطنوں کے کسی گروہ یا آزاد حکومت
کو جو دشمن کے خلاف لڑی ہو باقاعدہ حکومت تسلیم کریں جس طرح کہ اس

جنگ میں گئی ملکوں کی آزاد حکومتوں کو تسلیم کر لیا گیا۔ مگر یہ کہنا کہ اپنے ہی باغی سپاہیوں کی بنائی ہوئی آزاد حکومت کو تسلیم کیا جائے۔ بالکل ناواجب ہے ہاں یہ درست ہے کہ امریکہ کی فیڈرل کورٹ کی رولنگ اس مطلب کی ہے کہ غلاموں کو حاکم کی حکومت کے خلاف عذر کرنے کا حق ہے۔ اور ان کو باقاعدہ حکومت تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ آپ ججوں کو اس سوال پر غور کرنا ہے کہ آیا اس معاملہ میں آزاد ہند فوج کو یہ درجہ دیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ملزمین کے خلاف انڈین آرمی ایکٹ کے ماتحت مقدمہ ہے۔ اور آپ کو سوچنا چاہیے کہ ان پر اس قانون کے علاوہ بھی کوئی انٹرنیشنل قانون عائد ہو سکتا ہے یا نہیں۔ برٹش قانون تو یہ ہے کہ اگر وہ پارٹیوں میں سے ایک برطانی امپائر سے باہر کے ملک کا ہو تو انٹرنیشنل قانون عائد ہو سکے گا یا نہیں یہ غور طلب ہوگا مگر دونوں پارٹیاں مملکت برطانیہ کے اندر ہی ہوں تو صرف برٹش قانون ہی ان پر عائد ہو سکتا ہے۔ پارلیمنٹ کا کوئی قانون یا ہندوستان کا کوئی قانون یہ اختیار نہیں دیتا کہ باغی فوج کو برابر کی حکومت کا درجہ دیا جائے۔ استغاثہ کہتا ہے کہ قانون کا مطلب وہ قانون ہے جو ہندوستان میں رائج ہو نہ کہ دوسرے ممالک کے قانون۔ استغاثہ کا کہنا ہے کہ ملزمین نے بادشاہ سے وفاداری کا حلف اٹھایا تھا۔ اس حلف کو توڑ کر انہوں نے بادشاہ کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ اور برطانوی قانون کے مطابق غداری کی اس سلسلے میں آپ نے کئی حوالے دیتے ہوئے کہا کہ صفائی کا بیان ہے کہ ملزمین نے جو کچھ بھی کیا اپنے ملک کو جاپانیوں کے قبضے میں جانے سے

روک تھام کے لئے کیا اور اپنے ملک کو آزاد کرانے کے لئے حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہوکر کیا۔ چونکہ انگریزوں نے ملزمین کو اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو جاپان کے حوالے کر دیا تھا۔ لہٰذا بادشاہ سے حلف وفاداری کے وہ پابند نہیں تھے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ان کا یہ خیال غلط ہے اور کوئی بھی قانون ان کے نقطۂ خیال کی تائید نہیں کرتا۔ میری یہ پختہ رائے ہے کہ ملزمین کو حلف وفاداری پر قائم رہنا چاہئے تھا۔ بادشاہ کے خلاف جنگ کرنے کے جرم میں موت یا عمر قید اور جرمانہ کی سزا ہوسکتی ہے۔ یہ درست ہے کہ بادشاہ ہندوستان میں نہیں رہتا۔ اس لئے ذاتی طور پر بادشاہ کے خلاف کوئی جنگ نہیں چھیڑی جا سکتی۔ مگر اس کی حکومت کے خلاف جنگ بادشاہ کے خلاف جنگ ہے۔ میں آپ کو کوئی رائے نہیں دیتا آپ خود فیصلہ کریں کہ آیا ملزمین کے خلاف یہ جرم ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ آپ نے پٹنہ ہائی کورٹ کے ایک فیصلہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اگر ملزم عملی طور پر بادشاہ کے خلاف طاقت کا استعمال کرے اور بادشاہ کی حکومت کو الٹنے کی کوشش کرے تو بادشاہ کے خلاف جنگ کرنے کا مجرم ہوسکتا ہے۔ مگر صرف ہتھیاروں کا اکٹھا کرنا یا تیاری کرنا جرم ثابت نہیں کرتا۔

اس مقدمہ میں ملزمین نے جنگی مورچوں میں حصہ لیا۔ آپ نے واضح الفاظ میں یہ بھی بیان کیا کہ ملزمین جنگی قیدیوں پر کی ہوئی سختیوں کے بارے میں بالکل بے قصور ہیں نہ تو انہوں نے خود کسی پر ظلم کیا اور نہ ہی ان کے سامنے کسی پر کوئی سختی کی گئی۔ استغاثہ کا فرض تھا کہ وہ یہ ثابت کرتا کہ ملزمین کے

سامنے جنگی قیدیوں پر سختیاں ڈھائی گئیں۔ جنگی قیدیوں پر مفروضہ سختیوں کے متعلق استغاثہ اور گواہی کے نقطۂ نظر کو پیش کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ میں ججوں کو مشورہ دوں گا کہ وہ مسٹر راش بہاری بوس کے پمفلٹ میں لکھے ہوئے واقعات گواہی کے طور پر قبول نہ کرے۔ اگر آپ استغاثہ کے گواہان کو سچا سمجھتے ہیں تو بے شک ان کی گواہی پر غور کریں۔ لیکن اگر آپ کا یہ خیال ہو کہ یہ گواہی سچی نہیں ہے۔ تو اسے ٹھکرا دیں۔ اور سختیوں کی سب کہانی بھول جائیں ایڈوکیٹ جنرل نے مزید کہا کہ انڈین نیشنل آرمی ایکٹ جس کے ماتحت بھاگنے والے قیدیوں کو سزائیں دی گئیں۔ وہ ملزمین کے آزاد ہند فوج میں شامل ہونے سے پہلے بن چکا تھا۔ اس لئے ایکٹ بنانے کی ذمہ داری کسی صورت سے ان پر عائد نہیں ہوتی۔ ایڈوکیٹ جنرل نے پولیس رجمنٹ جس کے کمانڈر میجر جنرل شاہنواز تھے۔ ان کے جنگی مورچوں میں کئے ہوئے کارہائے نمایاں کی تفصیل بیان کی اور کرنل سہگل کے جنگی کارناموں کا بھی ذکر کیا اور رائے ظاہر کی کہ اس معاملہ پر کافی تحریری شہادتیں موجود ہیں۔ آپ نے مزید کہا کہ کرنل کشن اور کرنل ارشد کی گواہی پر غور کر کے آپ یہ فیصلہ کریں کہ آیا ملزمین کو جنگی قیدی تسلیم کرنے کا ان کو وعدہ دیا گیا تھا یا نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ کرنل سہگل نے ایسا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن اس کے برعکس کرنل ارشد کی گواہی بھی موجود ہے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ انگریز کرنل ہڈسن نے ان کے چھ ہزار آزاد ہند فوجیوں کو جنگی قیدیوں کا درجہ دینے سے انکار کیا تھا۔ آپ نے کہا کہ میجر جنرل شاہ نواز نے آزاد ہند فوج کی بھرتی میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ وسوبھاش بریگیڈ

کے کمانڈر تھے۔ اور انہوں نے ہندوستان کی آزادی کے لئے افسران اور سپاہیوں کے سامنے تقریریں کیں شاہ نواز آزاد ہند حکومت کے وزیر بھی بنائے گئے۔ برما اور آسام کے مورچوں پر انہوں نے اہم حصہ لیا اور میجر جنرل کے عہدے تک پہونچ گئے۔ آزاد ہند حکومت کے اعلان جنگ پر بھی ان کے دستخط موجود ہیں۔

کرنل سہگل نے بھی اسی طرح آزاد ہند فوج کی بھرتی میں سرگرم حصہ لیا۔ اور وہ ملٹری بیورو کے سکریٹری بنے اور آزاد ہند حکومت کے قیام میں ان کا سرگرم حصہ رہا ہے۔ ۱۹۴۵ء میں وہ گوریلا رجمنٹ کے کمانڈر تھے۔ اور پوپا کے مورچہ پر نمبر ۲ ڈویژن کے کمانڈر تھے۔ چنڈون کے مورچہ نیز دیگر مورچوں پر انہوں نے انگریزی فوج کے خلاف جنگ کی تھی۔ وکیل صفائی نے کہا ہے کہ انہوں نے بطور جنگی قیدی ہتھیار ڈالے تھے لہذا ان کے ساتھ جنگی قیدیوں کا سا سلوک ہونا چاہیئے۔ کرنل کٹش کی گواہی کرنل سہگل کے بیان اور کرنل ارشد کی شہادت پر غور کر کے آپ فیصلہ کریں کہ آیا کرنل سہگل جنگی قیدی کہلانے کے مستحق ہیں یا نہیں۔ کپتان ڈھلن نے بھی پوری سرگرمی سے آزاد ہند فوج کی بھرتی اور دیگر کارروائیوں میں حصہ لیا۔ اور وہ کرنل کے عہدے تک پہنچ گئے۔ برما کے مختلف مورچوں پر انہوں نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ اور پوپا کے مورچے پر گرفتار ہوئے۔ صفائی کا کہنا ہے کہ ملزمین کا مقصد بالکل نیک تھا۔ لہذا انہوں نے جو کچھ کیا۔ حب الوطنی کے جذبے کے ماتحت کیا۔ مگر محض مقصد کا اچھا

ہونا جرم کے فعل کو نہیں مٹا سکتا۔ ہاں سزا دینے میں اس نکتہ پر غور کیا جا سکتا ہے۔ ایڈووکیٹ جنرل نے قتل کے الزامات کے متعلق ججوں کو کافی دیر تک قانون کا صحیح مطلب سمجھایا اور کہا کہ قتل کے جرم میں مقتول کی جان لینے کا ثبوت ہونا چاہیے۔ اور یہ ثبوت ہونا چاہیے کہ ملزمین کو علم تھا کہ ان کے اس فعل سے مقتول مر جائے گا۔ آپ نے مزید کہا کہ کرنل ڈھلن کے حکم سے واقعی محمد حسین قتل ہوا یا نہیں؟ دیگر چار سپاہیوں کو مخبری کے الزام میں گولی سے اڑایا جانا بیان کیا گیا ہے۔ جس گواہ نے شہادت دی ہے۔ وہ موقعہ واردات سے ساٹھ فٹ کے فاصلہ پر تھا۔ کیا واقعی اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا نہیں؟ ایک دوسرے گواہ نے نہ تو سال مہینہ اور تاریخ بتائی اور نہ اس نے بچشم خود ان کی لاشوں کو دفناتے دیکھا۔ دونوں نے مقتولوں کی بالکل شناخت نہ کی۔ یہ ایک بہت بڑی کمی مانی جائے گی برخلاف اس کے یہ درست ہے کہ جرم کی رپورٹ پیش کی گئی تھی۔ جس میں درج ہے کہ چار آدمیوں کو بھاگنے کے جرم میں سزا کا حکم دیا گیا تھا۔ اور کرنل ڈھلن نے اس موقع پر تقریر بھی کی تھی کہ ان لوگوں کو کیوں سزا دی جا رہی ہے۔ اب آپ ججوں کا فرض ہے کہ وہ سوچیں کہ استغاثہ نے کہاں تک اپنا مقصد ثابت کیا۔ اگر آپ کو یقین ہو جائے کہ استغاثہ سچا ہے تو ملزم کو قصوروار ٹھہرائیں۔ موت کے ثبوت کے بغیر قتل کا جرم ثابت نہیں ہوتا اس لئے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ مقتول موقعہ واردات پر مر گئے۔

صفائی کا بیان ہے کہ جن سزاؤں کا حکم دیا گیا تھا۔ ان پر عمل نہیں

کیا گیا۔ اور میجر جنرل شاہ نواز نے مقدمہ دوبارہ پیش ہونے کا حکم دیا تھا۔
کرنل ڈھلن کا بیان ہے کہ وہ اس روز بیمار تھے۔ موقعہ پر موجود نہ تھے۔
جس کے ثبوت میں ایک چٹھی بھی پیش کی گئی۔ جس سے ثابت ہوا کہ وہ بیمار
تھے۔ صفائیوں نے کئی ثبوت دیئے ہیں کہ کئی حالتوں میں بھاگنے والوں
کو جو سزائیں دی گئیں۔ وہ معاف کر دی گئی تھیں۔ کرنل سہگل کا بیان
ہے کہ انہوں نے بحیثیت کمانڈر مفرور سپاہیوں کے مقدمے کی سماعت کی
مگر ان کی سزاؤں پر کبھی عمل نہیں کیا گیا۔ ایسی حالت میں دیکھنا ہے کہ اعانت
قتل کا جرم ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ میجر جنرل شاہ نواز کے خلاف محمد حسین
سپاہی کو گولی مارنے پر اعانت قتل کا جرم عائد ہے۔ استغاثہ کا کہنا ہے کہ
اس کو موت کی سزا کا حکم دیا گیا۔ صفائی کا بیان ہے کہ سزا نہیں سنائی گئی۔
بلکہ مقدمہ ملتوی کیا گیا۔ اور سزا دینے کے متعلق کوئی تحریری ثبوت پیش نہیں
کیا گیا۔ اور نہ لاش کو دفنانے کے متعلق کچھ بتایا گیا۔ استغاثہ اس کے خلاف
چشم دید گواہ پیش کرتا ہے۔ ایک گواہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ میجر جنرل شاہ نواز
نے یہ معاملہ رجمنٹ کمانڈر کے حوالے کر دیا تھا۔ اگر یہ آپ صحیح مان لیں تو وہ
بے قصور ثابت ہوں گے۔ اور اگر آپ یہ مان لیں کہ واقعی محمد حسین اس روز
گولی سے اڑایا گیا۔ تو شاہ نواز مجرم ہے۔ لیکن اس کے لئے آپ کو محمد حسین کی
شناخت کا پورا پورا یقین ہو جانا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہونا چاہئے
کہ انہوں نے خادم شاہ کو حکم دیا تھا کہ محمد حسین کو گولی سے اڑا دیا جائے۔ اب
آپ ججوں کو بہت غور و خوض کر کے اس مقدمہ میں اپنا فیصلہ سنانا چاہئے۔

خاتمہ پر آپ نے مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی ایڈوکیٹ جنرل اور دیگر وکلار
کا شکریہ ادا کیا۔

فیصلہ اور رہائی کا اعلان

آئی۔این۔اے کے مذکورہ مقدمے
میں حسب ذیل سرکاری اعلان شائع
کیا گیا:۔

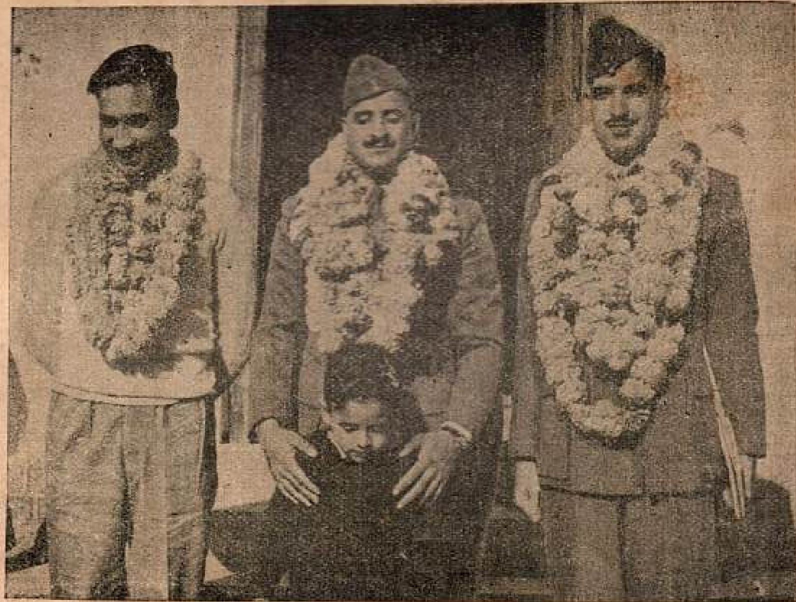
کپتان شاہ نواز خاں و کپتان سہگل اور لفٹننٹ ڈھلن تینوں کے
خلاف کورٹ مارشل میں اس الزام میں سماعت ہوئی کہ انھوں نے ملک معظم
کے خلاف جنگ کی۔ لفٹنٹ ڈھلن پر قتل کا بھی الزام تھا۔ اور باقی دونوں
پر اعانت قتل کا الزام لگایا گیا تھا۔ کورٹ مارشل کا یہ فیصلہ ہے کہ تینوں
ملزمین ملک معظم کے خلاف جنگ کرنے کے جرم کے مرتکب ہوئے۔ کپتان
شاہ نواز کے خلاف اعانت قتل کا جرم بھی ثابت ہے لفٹنٹ ڈھلن اور کپتان
سہگل اعانت قتل کے الزام سے بری کر دیئے گئے۔ ملک معظم کے خلاف
جنگ کرنے کے جرم کا مرتکب گردانئے کے بعد عدالت پر یہ فرض ہو جاتا ہے
کہ وہ ملزمین کو موت یا عمر قید کی سزا دے۔ قانون کے ماتحت اس سے کم سزا
نہیں دی جا سکتی۔ کورٹ مارشل تینوں کو عمر قید کی سزا دی ہے۔ اور ان کی
برخاستگی ملازمت اور بقایا تنخواہ والاؤنس کی ضبطی کا حکم دیتی ہے۔ کورٹ
مارشل کا کوئی فیصلہ بھی اس وقت تک مکمل نہیں سمجھا جاتا تا وقتیکہ اس کی
تصدیق نہ ہو جائے۔ اس معاملہ میں تصدیق کنندہ افسر یعنی کمانڈر انچیف نے
یہ اطمینان کر لیا ہے کہ ملزمین کے متعلق کورٹ مارشل کا فیصلہ شہادت

اور ثبوت کے مطابق ہے۔ اس لئے اس نے سزا کے فیصلہ کی تصدیق کر دی ہے۔
لیکن چونکہ تصدیق کنندہ افسروں کو سزا میں تخفیف کرنے یا سزائیں معاف کر دینے
کا اختیار ہے۔ جیسا کہ اخباروں میں اعلان کیا جا چکا ہے۔ حکومت ہند کی یہ
پالیسی ہے کہ آیندہ صرف ایسے اشخاص کے خلاف مقدمہ کی سماعت کی جائے
جن پر حکومت کے خلاف جنگ کرنے کے علاوہ وحشیانہ مظالم کرنے کا الزام
ہو۔ ساتھ ہی سزاؤں کے احکام پر نظر ثانی کرتے وقت تصدیق کنندہ افسر یہ
بھی دیکھے گا کہ ملزمین کے خلاف جو افعال ثابت ہوئے ہیں۔ وہ مہذبانہ
رویہ کے اصولوں کے کہاں تک منافی ہیں۔ لفٹننٹ ڈھلن اور کپتان سہگل
کو قتل اور اعانت قتل کے الزام سے بری کر دیا گیا۔ اور یہ الزام نہیں لگایا
گیا کہ وہ دوسرے وحشیانہ فعلوں کے مرتکب ہوئے۔ اگرچہ کپتان شاہنواز پر
اعانت قتل کا الزام ثابت ہے۔ اور اُن کے خلاف جو واقعات ثابت ہیں
سنگین ہیں۔ تاہم تصدیق کنندہ افسر نے ان حالات کا لحاظ رکھا ہے جو اُس وقت
طاری ہیں۔ اس لئے کمانڈر انچیف نے فیصلہ کیا ہے کہ تینوں ملزموں سے سزاؤں
کے معاملے میں یکساں سلوک کیا جائے۔ اور تینوں کی عمر قید کی سزائیں معاف کر دی
جائیں۔ مگر تصدیق کنندہ افسر نے ملزمین کی برخاستگی ملازمت اور بقایا تنخواہ و
الاؤنس کی ضبطی کے حکم کی تصدیق کر دی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر حالت میں ایک افسر
یا سپاہی کے لئے یہ بہت سنگین جرم ہے کہ وہ اپنے عہد وفاداری سے منحرف ہو جائے
اور حکومت کے خلاف جنگ کرے۔ یہ ایسا اصول ہے جس کی پابندی قانون کی رو سے
قائم شدہ حکومت کے حق میں لازمی ہے۔ ۳ر جنوری ۱۹۴۶ء

فدا کارانِ وطن کا شاندار خیر مقدم

میجر جنرل شاہنواز خاں۔ کرنل سہگل۔ کرنل ڈھلن تینوں اسیران زندانِ فرنگ کی خوشی میں ۴۔ جنوری ۱۹۴۶ء کو اہالیان شہر دہلی نے گاندھی گراؤنڈ میں ایک عظیم الشان جلسہ کیا۔ جس میں ان کا شاندار خیر مقدم کیا گیا تھا۔ وقت سے پہلے ہی گراؤنڈ کھچا کھچ بھر گیا۔ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ کم و بیش دو لاکھ انسانوں کا مجمع والہانہ عقیدت کا اظہار کرنے کے لئے جمع ہوا تھا۔ فضائے آسمانی جے ہند کے حریت پرور نعروں سے گونج اٹھی تھی پھولوں کی بارش اور ہاروں اور گلدستوں کی پیشکش کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔ جو ختم ہونے پر نہیں آتا تھا۔ ہر طرف خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ رائے عامہ کے سامنے استعماریت کے جلال و جبروت کو پورا عاجز دیکھ کر ہر ایک کا دل فتح و کامرانی کے جذبات مسرت آمیز سے لبریز تھا۔ تینوں مجاہدین کی رہائی کو تمام ہندوستان ظلم و ستم کے پنجے سے اپنی رہائی متصور کر رہا تھا۔ تاریخ ہند میں یہ سب سے پہلی اور سب سے بڑی فتح تھی۔ جو مجبور و مظلوم ہندوستانیوں نے مختار اور جابر شہنشاہیت کے مقابلے میں حاصل کی تھی۔ وطن کے ان بہادر سپاہیوں کی خدمات کو جلسے میں سراہا گیا۔ اور ان کی خدمت میں سپاسنامہ

I. N. A. Officers after release from their trials.



Lieut.-Col. Dhillon, Maj. Gen. Shahnawaz and Col. Sahgal.

پیش کیا گیا۔ جواباً ان کی طرف سے کہا گیا کہ

"ان کی جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ ہندوستان کلیتہً خود مختار اور آزاد نہ ہو جائے۔ لیکن اب ان کا طریقۂ جنگ بدل چکا ہے وہ تشدد و مسلح جنگ کے بدلے عدم تشدد کی لڑائی لڑیں گے اور سول نافرمانی اور عدم تعاون کے پر امن ہتھیاروں سے لیس ہو کر دشمن کو شکست دیں گے۔"

انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ کانگریس کے جھنڈے تلے جمع ہو کر اپنی جنگ جاری رکھیں گے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے آئندہ ہونے والے دہلی کے کانگریسی اجلاس کے انتظامات کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ اور حسب ذیل تقریریں کیں۔

میجر جنرل شاہنواز کی تقریر

پیارے وطنی بھائیو! ہم تینوں آزاد ہند فوج کے افسران آپ کی خدمت میں شکریہ ادا کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ اور اپنے تمام ہندوستانی بھائیوں کو اس غرض سے مبارکباد پیش کر رہے کہ آج برطانوی سامراج نے ہندوستانی رائے عامہ کے سامنے اپنا سر جھکا دیا اور غلام قوم کے اس حق کو تسلیم کر لیا جو وہ آزادی حاصل کرنے کے لئے لازمی ہے ہمیں اپنی جانوں کے بچ جانے کا کوئی خیال نہیں کیونکہ ایک سپاہی جب اپنے پیارے وطن کی خاطر لڑتا ہے تو اسے اپنی جان کی ذرہ برابر فکر نہیں جتنی ہم اپنے بھائیوں کی

ہمدردی اور پر خلوص محبت کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو انہوں نے ہماری عزت افزائی میں دکھائی ہے۔ درحقیقت یہ ہماری عزت افزائی نہیں بلکہ ہمارے نیتاجی سوبھاش چندر بوس کی عزت افزائی ہے! ہمارے دشمنوں نے یہ غلط پروپیگنڈا کیا تھا کہ نیتاجی جاپانیوں کو ہندوستان کا حاکم بنانا چاہتے ہیں۔ کورٹ مارشل نے یہ بات غلط ثابت کردی۔ میں آزاد ہند فوج کا ادنےٰ سپاہی ہونے کی حیثیت سے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر جاپانی ہمارے ساتھ بے ایمانی کرتے تو آزاد ہند فوج کا ایک ایک سپاہی ہندوستان کی آبرو کے لئے کٹ مرتا مگر ان کا مقصد پورا ہونے نہ دیتا۔ چونکہ ہمیں یہ طعنے دیئے جاتے تھے کہ "ہم خود غلام ہیں اور دوسری قوموں کو بھی غلام بناتے ہیں۔" یہی وجہ ہے کہ ہم نیتاجی کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے ہندوستان کی آزادی کے لئے ہندوستانی جھنڈے کے نیچے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ہماری فوج نے جب ہندوستان کی سرزمین کی طرف قدم بڑھایا تھا اس وقت ہم بے سروسامان تھے۔ ہمارے پاس راشن، کپڑا، ہتھیار اور ہوائی جہاز نہ تھے لیکن یہ ایک وطن کے جذبۂ محبت ہی کی کارفرمائیاں تھیں کہ ہم دنیا کی زبردست طاقت سے ٹکرانے پر آمادہ ہو گئے۔ اور برابر ڈیڑھ سال تک کامیابی کے ساتھ لڑتے رہے۔

ہماری فوج میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی وغیرہ سب قوم کے لوگ شامل تھے۔ ان میں کوئی تفرقہ نہ تھا۔ اور وہ سب مل کر مادر وطن کی آزادی کے لئے میدان میں خون بہایا کرتے تھے۔ اب ہمیں اپنے ان

جان نثاران وطن کی خاطر جو وطن پر قربان ہو گئے۔ اپنی جنگ کو جاری رکھنا چاہیئے۔ اور اپنے ملک کو آزاد کرانا چاہیئے۔ اب ہم ڈسپلن کے ماتحت عدم تشدد کی جنگ لڑیں گے اور وطن کو آزاد کرائیں گے۔

کرنل سہگل کی تقریر

کرنل موصوف نے کہا کہ آج آپ نے ہمارے کاموں کی قدر کا اظہار کر کے ہمیں مشکور کیا ہے۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں حالات کچھ اس قسم کے تھے کہ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ہمیں بھی دوسری قوموں کی طرح ہتھیار بند ہو کر جنگ کرنی ہے۔ اور اپنے ملک کو آزاد کرانا ہے۔ اور وطن کے ان لاکھوں ہندوستانی بھائیوں کی حفاظت کرنی ہے۔ جنہیں انگریز بے حفاظت چھوڑ گئے تھے۔ ہم نے آزاد ہند فوج بنائی جس نے ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کرنے کے باوجود بہت زبردست اور طاقتور دشمن کا مقابلہ کیا ہماری فوج میں بہنیں بھی شامل تھیں جو ہمارے دوش بدوش مردانہ وار دشمن کا مقابلہ کرتی تھیں۔ بچوں کی فوج بھی تھی۔ ہم برطانوی حکومت کے مشکور ہیں کہ اس نے کورٹ مارشل کر کے آزاد ہند فوج کو تمام دنیا سے روشناس کرا دیا اور ہماری پوری کہانی ان کو سنا دی۔ ہم نے نتائج کے سامنے آزادی حاصل کرنے کے لئے جو حلف اٹھایا تھا کہ "آزادی وطن کی خاطر ہم خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے"۔ ہمارا وہ حلف آج تک

قائم ہے۔ ہم آزادی کے لیے مسلسل جنگ جاری رکھیں گے اور جب تک اپنے ساتھیوں کو غلامی سے نجات نہ دلوائیں گے۔ ہرگز چین کا سانس نہ لیں گے۔

کرنل ڈھلن کی تقریر

میرے بھائیو! آپ نے مجھے جو عزت بخشی ہے میں اس کا دراصل حقدار نہیں۔ بلکہ اس کے اصل حقدار وہ لوگ ہیں جو برما کی پہاڑیوں اور جنگلوں میں وطن کے لئے ابدی نیند سو رہے ہیں۔ جنہوں نے ہندوستان کو آزاد دیکھنے کی تمنا میں اپنی عزیز جانیں قربان کر دیں۔ ہم ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب مل کر لڑے اور اب بھی آزادیٔ وطن کی خاطر اکٹھے ہو کر لڑ سکتے ہیں۔ اب ہماری غیر مسلح جنگ ہوگی جس میں ہم کامیابی حاصل کریں گے۔

قلمی چہرے


آسمانِ آزادی کے
۱۲ بارہ
تابندہ ستارے
جنرل موہن سنگھ جی او سی
میجر جنرل شاہنواز خاں
کرنل حبیب الرحمن
کرنل سہگل
کرنل ڈھلوں

میجر جنرل محمد زمان کیانی

آپ راولپنڈی صوبہ پنجاب کے متوطن۔ قبل از جنگ برطانوی فوج میں بعہدہ میجر فائز رہے۔ آپ دہرہ دون کالج میں اعلیٰ فوجی اسناد حاصل کر چکے تھے۔ اور اپنی فوجی قابلیت کے عوض سونے کا ممتاز تمغہ اور انعامی تلوار بھی حاصل کر چکے تھے۔ پہلی اور دوسری آزاد ہند فوج کی تنظیم و تشکیل میں آپ کا سب سے زیادہ حصہ رہا۔ دوسری آزاد ہند فوج کے اصلی دل و دماغ اور آئی این اے کے معاملے میں سب سے بڑی اتھارٹی۔ نیتا جی کی نگاہ میں سب سے زیادہ قابل اعتماد اور معزز مشیر کار، وزیر حکومت آزاد ہند اور جنگی کونسل کے ممبر۔ امپھل کے تمام محاذوں پہ لڑنے والی فوج کے قابل کمانڈر جن کی ذات پر ان کی زیر کمان افسران میجر جنرل شاہ نواز، کرنل گلزارا سنگھ اور کرنل عنایت کیانی بجا طور پہ فخر و ناز کرتے تھے۔ بلا مبالغہ اگر ان کو نیتا جی سوبھاش چندر بوس سپریم کمانڈ کا فوجی دماغ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ آپ نیتا جی کے ساتھ جاپان بھی گئے تھے۔ اور آپ کی عدم موجودگی میں اکثر کیانی صاحب کو نیابت کا فخر حاصل ہوتا رہا۔ نیتا جی کے بعد وہ سب سے زیادہ ہر دلعزیز و اعلیٰ شخصیت کے مالک ہیں۔ اگر نیتا جی کی جانشینی کا سوال پیدا ہو جائے تو قرعہ فال آپ ہی کے نام پر پڑے گا۔ اور آپ ہی ان کے صحیح اور موزوں جانشین ہوں گے۔ آپ میں جنگی قابلیت کے ساتھ ساتھ انتظامی اہلیت بدرجہ اتم موجود ہے

آپ کے اخلاق حمیدہ دلوں کو مسحور کرنے والے۔ آپ کم سخن اور بسیار فکر کرنیوالے شیریں گفتار متین۔ مدبر اور اعلیٰ کیریکٹر کے مالک ہیں۔ شرافت و نجابت بشرے سے ظاہر ہے۔ آپ اخلاص اور قربانی کا مجسمہ اور ہمدردی کا پیکر متحرک ہیں۔ ایک میٹھی اور حسین مسکراہٹ آپ کے لبوں پر کھیلتی ہے۔ آپ ہر ملنے والے کے دل میں اپنی جگہ پیدا کر لیتے ہیں۔ میرے خاص کرم فرما ہیں۔ انخلائے رنگون کے موقع پر آپ نیتاجی کی معیت میں تھائی لینڈ گئے تھے۔ تھائی لینڈ سے سنگاپور تشریف لے گئے اور وہیں سے گرفتار ہو کر دہلی بھیج دیئے گئے۔ سنگاپور میں آپ کے ساتھ باوجود وعدے کے اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔ آپ کی تمام چیزیں سونے کی گھڑی سونے کا سگریٹ کیس چھوٹے بڑے کپڑے تک لے لئے گئے اور گورہ فوجیوں نے آپس میں تقسیم کر لئے جس کے نتیجے میں آپ کو بالکل ننگا سونا پڑتا تھا جب آپ دہلی لائے گئے تو آپ نے کپڑے مانگ کر پہنے آپ کا خیال تھا کہ انگریز جیسی مہذب قوم ایسی چھچھوری حرکت نہیں کرے گی۔ لال قلعہ کے مقدمات کے بعد آپ کو بھی رہائی ملی۔ رہائی کے بعد آپ آئی این اے ریلیف کے کاموں میں حصہ لے رہے ہیں۔ اور آئی این اے اڈوائزری بورڈ کے چیرمین ہیں۔

آپ خوش پوش، وجیہہ وشکیل اور اعلیٰ متمول خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ طویل القامت ہم چشموں میں باوقار نظر آتے ہیں۔ آپ سے ملنے کے بعد بار بار ملاقات کو جی چاہتا ہے۔ خصوصاً آپ کے اخلاق کریمانہ کی یاد ہر دم تازہ رہا کرتی ہے۔

جنرل موہن سنگھ (جی او سی)

آپ ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کر کے پنجاب رجمنٹ میں داخل ہو گئے۔ ڈیرہ دون میں آپ لفٹننٹی کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اور اپنی قابلیت فوجی اور اہلیت کی بدولت بہت جلد کپتان کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ ملایا کی جنگ میں آپ نے شرکت کی اور سنگاپور میں جب ان کی ماتحتی میں فوج ایک مورچہ پر لڑ رہی تھی۔ انہوں نے بڑی بہادری اور بیدار مغزی کا ثبوت دیا تھا۔ مسلسل تین دن تک وہ اپنے مورچے پر ڈٹے رہے اور جاپانیوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ چوتھے دن جب جاپانیوں نے ان کا مورچہ توڑ دیا۔ اس وقت ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر ہم کس مقصد کے لئے لڑ رہے ہیں۔ "انگریز ہندوستانی اور جاپانیوں کا مشترکہ دشمن ہے پھر کیوں نہ جاپانیوں کے ساتھ مل کر ان سے لڑا جائے۔"

انہوں نے کپتان محمد اکرم خاں مرحوم سے مشورہ کیا اور کہا کہ "انگریزوں کی جنگ لڑنے اور کتوں کی موت مرنے سے کیا فائدہ۔ کیوں نہ ہندوستان کی آزادی کے لئے اپنی جانیں قربان کر دی جائیں؟" کپتان موصوف نے ان کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد جاپانیوں سے صلح کی

سلسلہ جنبانی شروع ہوئی۔ چیف آف دی جاپانی جنرل اسٹاف نے سردار پریتم سنگھ کو بھیج کر جنرل موصوف کو بلوایا اور صلح طے ہو گئی۔ اب جنرل موصوف اپنی ٹولی کے ساتھ انگریزوں سے بھی مقابل ہوئے جب ہندوستانی انگریزی فوج نے ہتھیار رکھے ہیں اس وقت ان کی فوج میں ایسے لوگ بھی تھے جو ہتھیار رکھنا اپنی قومی روایت کے خلاف سمجھتے تھے۔ ایسے لوگوں کو جنرل موصوف نے سمجھایا اور آزادی وطن پر لڑنے کے لئے آمادہ کر لیا۔

جنرل موہن سنگھ ہی کو سب سے پہلے یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے آزاد ہند فوج کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ آپ ہی کے خلوص کا نتیجہ تھا کہ فوج نے ان کو اپنا معتمد سمجھ کر جی او سی بنایا۔ آپ ٹوکیو کانفرنس میں گفت و شنید کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ جہاں یہ طے پایا تھا کہ مشرقی ایشیا کے مختلف حصص سے نمائندے بلائے جائیں اور ان کے سامنے آزادیٔ ہندوستان کی اسکیم پیش کی جائے۔ چنانچہ بنکاک کانفرنس ۱۵۔ جون ۴۲ء کو منصۂ شہود میں آئی جس کے پیرو اور کرتا دھرتا دراصل جنرل موہن سنگھ ہی تھے۔ جنرل موصوف جاپانیوں پر آسانی سے اعتماد کرنے والوں میں نہ تھے۔ آپ نے علی الاعلان کانفرنس میں اس کی وضاحت کر دی تھی۔

میں، کانفرنس میں ان سے ملا ہوں۔ وہ مجھ پر بہت مہربان رہے تھے۔ اکثر میری تجویزوں کی تائید بھی فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ

تو انہوں نے برما کی نمایندگی کے کوٹہ کی کمی پر میری تجویز کی پرزور موافقت کی تھی اور خود اپنے فوجیوں کے ووٹوں کو کم کر کے ایثار کا مظاہرہ کیا تھا۔ جس میں برما کو ۱۲ ووٹ کا کوٹہ مل گیا۔ اور ان کے مقابلے میں ملایا ڈلیگیشن کی مخالفت کی بنا ئے نہ بنی۔ ساتھ ہی انہوں نے دوسروں کو بھی کچھ اپنے ووٹوں کے حقوق دے دیئے تاکہ فوجی اکثریت کا الزام نہ لگایا جائے۔

آپ کے پرسنل اسسٹنٹ کرنل اسیر الدین جہانگیر پرنس آف لوہارو اور کرنل عنایت کیانی صاحبان تھے۔ آپ ایک لمبے قد مضبوط جسم کے بہادر انسان ہیں۔ حربی قابلیت مسلمہ ہے۔ بڑے مخلص افسر نڈر اور بے خوف کمانڈر۔ نیک مقصد میں ضدی اور غصہ ور طبیعت کے خوددار جرنیل۔ باہمت اور بھولے بھی دوسروں پر جلد بھروسہ کرنے والے اپنی ہمت کے بل بوتے پر بلا سوچے سمجھے بھی مشکلات کا مقابلہ کرنے والے۔ تنظیم اور ڈسپلن پر سختی سے عمل کرنے والے سچے فوجی سپاہی اور کمانڈر ہیں۔

کونسل آف ایکشن کی تشکیل کے بعد آپ جاپانیوں سے تمام منظور شدہ تجویزوں کی تحریری تصدیق چاہتے تھے۔ جس میں کچھ لیت ولعل ہونے کی بنا پر آپ نے ان کو وہ ڈانٹ پلائی کہ ان کے ہوش اُڑ گئے۔ راش بہاری بوس کو بھی اس پر اختلاف تھا۔ وہ کچھ کچھ جاپانیوں کی طرف ڈھلے ہوئے تھے اور مصلحت وقت کو دیکھ کر کام لینا

چاہتے تھے۔ موہن سنگھ اپنے خلوص کی بنا پر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی" دیکھنا چاہتے تھے۔ بالآخر انہوں نے فوج کو محاذ پر بلا تصدیق شرائط بھیجنے سے انکار کردیا۔ اور فوج توڑ دینے کا حکم دے دیا۔ جس پر آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور آپ شہر دان سماٹرا کے ایک بنگلے میں نظر بند کر دیئے گئے۔

اس کے بعد دیگر مخلص افسران فوج کی کوششوں سے آزاد ہند فوج دوبارہ مجتمع کی گئی۔ اگر نیتا جی کی تشریف آوری کا امکان نہ ہوتا۔ اور قربانی۔ خدمات اور خلوص کے پیش نظر قیادت کا مسئلہ حل کیا جاتا تو موہن سنگھ ہی اس کے سچے حقدار اور حقیقی مستحق ٹھیرتے اور ہندوستان انکی لیڈری پر فخر کرتا۔

جنرل موہن سنگھ اور میجر جنرل شاہنواز خاں

کی طبیعتوں کا موازنہ کیا جائے۔ تو دونوں جنرلوں کے عادات و اطوار، طبائع و خصائص میں بڑی حد تک مطابقت پائی جائے گی دونوں ڈسپلن اور تنظیم میں سخت اور جاپانیوں کے مقابل ہندوستانی وقار کو قائم رکھنے والے ہیں۔ اور دونوں فوج کے قابل سپہ سالار ہونے کی اہلیت رکھنے والے ثابت ہو چکے ہیں۔

آپ ۲۰ ستمبر کو قید کر لئے گئے اور دہلی میں لائے گئے۔ اس کے بعد ۴ مئی ۱۹۴۶ء کو رہا کر دیئے گئے۔



General Mohan Singh, (G.O.C.)
and
Mrs. Col. Ahsan Qader.

کپتان محمد اکرم خاں مرحوم

مرحوم ، جنرل موہن سنگھ کے ساتھ سب سے پہلے آزاد ہند فوج کے بانی مبانی تھے۔ یہ بھی مرحوم کے اخلاص کا نیتجہ ہے کہ آزاد ہند فوج تاریخ کا ایک زرین عنوان بن کر چمک رہی ہے۔ وہ ٹوکیو کانفرنس میں شرکت کے لئے جا رہے تھے کہ ان کو ہوائی حادثہ پیش آگیا ہوائی جہاز میں ٹکر ہو گئی۔ اور آپ جاں بحق ہو گئے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کپتان محمد اکرم خاں کی سخت طبیعت کی وجہ سے کچھ جاپانی خوف زدہ تھے۔ اس لئے اس حادثہ میں ان کا خفیہ ہاتھ کام کر رہا تھا۔ اور لوگوں کا خیال ہے کہ یہ واقعہ کسی سازش کے تحت عمل میں آیا تھا۔

میجر جنرل بھونسلے

آپ مرہٹی شاہی خاندان سے متعلق ہیں۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ دہرہ دون پرنس آف ویلز کالج میں داخل ہوکر اعلیٰ فوجی تعلیم کے لئے انگلینڈ بھیجے گئے۔ سنہ ۱۹۲۸ء میں کمشنڈ آفیسر ہوکر لنکاشائر رجمنٹ میں لے لئے گئے۔ اس کے بعد رائل مرہٹہ انفنٹری میں تبدیل ہوکر ۱۹۳۷ء میں بعہدہ کپتان فائز ہوئے۔

شہنشاہ جارج ششم کی تاج پوشی میں ریاستی مہمانوں کے ساتھ شاہی تقریب میں شامل ہوئے۔ واپسی پر مہاراجہ بڑودہ کے ساتھ یورپ کی سیاحت کے لئے تشریف لے گئے۔ روس امریکہ۔ جاپان۔ جرمنی۔ تمام ممالک کی سیر و تفریح سے واپسی کے بعد جنرل اسٹاف ٹریننگ کی تربیت حاصل کی۔ اور لفٹنٹ کرنل کے عہدے سے سرفراز کئے گئے۔ گڑھوال

رائفل انفنٹری کے افسر بن کر جنگ میں شریک ہوئے۔ اور بعد سقوط سنگاپور قید کر لئے گئے۔ اور جب پہلی آزاد ہند فوج بنی تھی آپ بھی اس میں شامل ہو گئے۔

نیتا جی کی تشریف آوری کے بعد آپ عبوری حکومت بنائے گئے۔ اور چونکہ آپ برٹش فوج کے سینئر تھے۔ اس لئے آپ کو چیف آف دی جنرل اسٹاف بنا دیا گیا۔ اس کے بعد میجر جنرل کا عہدہ بخشا گیا۔

آپ زیادہ تر سنگاپور اور ملایا میں رہے تھے۔ برما اور ہندوستانی محاذ جنگ پر جانے کا آپ کو اتفاق نہیں ہوا۔ آپ کی فوجی قابلیت مسلمہ ہے۔ اگرچہ آپ ایک بڑے فوجی عہدے پر تھے لیکن نمایاں نہ ہو سکے۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ سنگاپور میں آپ آزاد ہند فوجیوں کا اعتماد بھی کھو بیٹھے طبیعت میں امیرانہ خود پسندی ہے۔ کچھ کچھ مذہبی تعصب کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔
آپ ایک خوشرو جوان اور میانہ قد گٹھیلے جسم کے فوجی افسر ہیں۔

میجر جنرل شاہ نواز

میانہ قد۔ گٹھیلا جسم۔ بہادر، فن حرب کے ماہر۔ شگفتہ طبیعت معاون گو نڈر اور بے خوف۔ کسی کام کو اپنی ہمت کے بلبوتے سے کر بیٹھنے میں عجلت کرنے اور سوچنے کی زحمت نہ کرنیوالے خوددار۔ ڈسپلن اور تنظیم پر سختی سے عامل اور دوسروں کو عمل پر مجبور کرنے والے۔ غریبوں اور ماتحتوں کے ہمدرد۔ ظالم دشمن۔ آمرانہ صفت سے متصف۔ دھن کے پکے۔ جو سمجھ میں آجائے اس پر اڑ جانے والے۔ زود خشم و زود رنج۔ انتہا پسند طبیعت مظلوں کی سختی سے حمایت کرنے والے۔ خطرات، دھماکات کا مقابلہ کرنے میں بہت ہی دلیر اور پامر۔ فوج کے لئے بہت ہی موزوں شخصیت ہیں۔

عمر تقریباً ۳۵ سال آپ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کے قریب قریب اسی افراد فوج کے مختلف عہدوں کے عامل اور سول اعلیٰ درجوں پر بھی فائز ہیں۔ آپ برطانوی فوج میں بعہدہ کپتان فائز تھے۔ ملایا کی جنگ میں شریک تھے۔ اور ۲۸ فروری سنگاپور میں قیدیوں میں شامل ہوئے تھے۔ آزاد ہند فوج کی

تشکیل میں آپ نے بہت کچھ کوششیں کیں تھیں۔ آپ کی پُر جوش تقریروں نے سپاہیوں کے جذبۂ آزادی کو اجاگر کر دیا تھا۔ آپ نے آزاد ہند فوج کے دورِ انحطاط کے موقع پر فوجیوں میں اچھی اسپرٹ پیدا کر دی تھی آپ نے فرمایا تھا کہ "قید میں پڑے پڑے سڑ جانا کوئی فائدہ نہیں دے گا بہادروں کی تو یہ شان ہے کہ وہ آزادی کے لیے میدانِ جنگ میں اپنی جانیں دیدیں"۔ آپ کو پہلے پہل فوج میں سکنڈ لفٹنٹ کے عہدے پر مقرر کیا گیا۔ بعدہٗ آپ نے اپنے بہادرانہ کارناموں اور حربی لیاقت اور فوجی اچھے ریکارڈ کی بدولت میجر جنرل کے اعلیٰ عہدے تک ترقی کی۔ آپ نے فوجی ٹریننگ کے افسر کی حیثیت سے ملایا میں نمایاں خدمات کی تھیں جاپانیوں سے آپ کسی موقع پر دب کر نہیں ملے ان کے مقابلے میں آپ نے ہمیشہ ہندوستانی عزت کو بلند ہی کر دکھایا۔ نیتا جی سے والہانہ محبت تھی۔ ایک مرتبہ پی۔ اے۔ اے گراؤنڈ کے جلسے میں جب نیتا جی تشریف لائے اور اسٹیج پر جارہے تھے ساتھ ساتھ ایک جاپانی افسر بھی تھا۔ اشاف بھی جا رہا تھا۔ راقم الحروف بھی ساتھ ہی تھا۔ ایک موقع ایسا آیا جب جاپانی افسر نیتا جی سے آگے بڑھ کر چل رہا تھا۔ اس وقت شاہ نواز صاحب برداشت نہ کر سکے جب ایک گوشے کے قریب پہنچے ہی انہوں نے اس افسر کا ہاتھ کھینچ لیا اور اندر کی طرف لے گئے اور ایک تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا کہ "یہ ہمارا تنوہیکا ہے۔ (شہنشاہ ہے)۔ ادب و قاعدہ ملحوظ رکھنا چاہئیے"۔ جاپانی سٹ پٹا گیا اور اپنی غلطی پر نادم ہوا۔ ایسے کئی واقعات آپ سے منسوب ہیں۔ جن میں جاپانیوں کی مرمت

کی گئی تھی۔ آپ نے ایک مرتبہ محاذ جنگ پر روانہ ہوتے ہوئے ایک تقریر میں اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "بوس بریگیڈ (جس کے کمانڈر شاہنواز خاں صاحب تھے) سب سے پہلے میدان جنگ میں جائے گا۔ لڑائی میں صرف جان ہی جاسکتی ہے جو موت اور تکلیفوں سے ڈرتا ہو وہ پیچھے رہ جائے ہمیں بزدلوں کی ضرورت نہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا کوئی آدمی بزدلی کا ثبوت دے اور ہندوستانی بزدل بدنام ہو جائیں جب ہندوستان میں ہم قدم رکھیں گے۔ وہاں بڑوں کی عزت اور چھوٹوں کو شفقت کی نظر سے دیکھنا ہوگا عورتیں بہنوں کے برابر سمجھی جائیں گی اگر کوئی زیادتی کرتا ہوا پایا جائے گا اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ اگر جاپانی بھی ایسا کریں تو ان کے لئے بھی یہی سزا ہوگی، جاپانی اگر ہندوستان پر قبضہ جمانے کا خیال کریں تو ہم ان سے بھی لڑینگے۔ اگر جاپانی تمہیں ایک تھپڑ لگائے تو تم بھی اسے برابر جواب تھپڑ ہی سے دو۔ کیونکہ ہم ان کے ماتحت نہیں ہیں ہم ان کے برابر کے دوست ہیں ہم کو اپنی آزاد ہند گورنمنٹ اور اپنے ہندوستانی ہونے کا ہر دم خیال رکھنا چاہئیے۔"

موصوف سے میرے ذاتی تعلقات بھی ہیں۔ آپ درحقیقت فوج کی تنظیم کے لئے بہت موزوں شخصیت ہیں۔ آج کل آپ آزاد ہند فوج کے چیف اوسی جنرل کمانڈنگ آفیسر ہیں۔ لال قلعہ دہلی کے تاریخی مقدمہ کے آپ ہیرو ہیں۔ جس نے برطانوی سامراج کو ملک کی رائے عامہ کے سامنے جھک جانے پر مجبور کر دیا۔



Maj. Gen. Aziz Ahmad Khan.

کرنل حبیب الرحمٰن

ایک بتیس سالہ نوجوان ۔ خوش رو ۔ مدبر ۔ خلیق ۔ منکسر ، مخلص اور
اور کم گو افسر ہیں ۔ میں ذاتی طور سے ان سے اکثر و بیشتر ملتا
رہا ہوں ۔ آپ پنجیڑی ضلع میرپور جموں کشمیر کے متوطن ہیں ۔ ایک
راجپوت خاندان سے آپ کو نسبت ہے ۔ آپ کے خاندان کے متعدد
افراد فوجی اور سول اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہے ہیں ۔ کالج کی تعلیم
کے بعد آپ انڈین ملٹری اکاڈمی دہرہ دون میں داخل ہو کر صوبہ سرحد
میں پنجاب ۱/۱۴ رجمنٹ میں سکنڈ لفٹننٹ کے عہدے پر مقرر ہوئے ۔
ملایا میں آپ نے بریگیڈ انٹیلجنس آفیسر کا عہدہ سنبھالا تھا ۔ ۱/۱۴
رجمنٹ میں ایڈجوٹنٹ ہو کر اپنی فوجی قابلیت کے بے مثل نمونے پیش کئے ۔ بنکاک
کانفرنس میں بھی آپ نے شرکت کی تھی ۔ آپ ایک وقت سپریم ہیڈکوارٹر
کے ایڈمنسٹریشن برانچ کے انچارج بھی مقرر ہوئے تھے ۔ ۴۲ء میں آپ
ہیڈکوارٹر سپریم کمانڈ میں ڈپٹی چیف آف دی جنرل اسٹاف کے عہدے
پر مامور ہو کر میجر جنرل بھونسلے کے برما جانے کے بعد اکٹنگ چیف آف
دی جنرل اسٹاف مقرر ہوئے تھے ۔

جاپان کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد آپ ہی وہ شخصیت ہیں ۔

جن کو نیتاجی کے اعتماد حاصل ہونے پر اُن کے ساتھ جانے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ ۱۸ر اگست کو فارموسا کے ایک ہوائی اڈہ کو کاٹی ہوکا پر آپ کے بیان کے مطابق ہوائی جہاز میں آگ لگ گئی۔ نیتاجی کے کپڑے جل گئے۔ بجھانے کی کوشش میں ان کا چہرہ اور دایاں ہاتھ بھی جھلس گیا۔ ہسپتال پہنچے کے بعد کا حال ایک معمہ سا ہو کر رہ گیا۔ آپ ہی کے بیان پر پنڈت جواہر لال نہرو نے ریڈیو پر نیتاجی کے مرنے کی خبر نشر کی تھی۔ مگر اب بھی ایک بہت بڑا طبقہ اسے باور نہیں کرتا۔

۱۹۔ نومبر کو آپ کو لال قلعہ میں لاکر قید رکھا گیا۔ اور بعد سماعت مقدمات ۲۲ر اپریل کو رہا کر دیئے گئے۔

آج کل آپ آزاد ہند فوج کی ریلیف کمیٹی کے کاموں میں مصروف ہیں۔ آپ سنٹرل آئی این اے ریلیف اینڈ انکوائری کمیٹی کے سکریٹری ہیں اور نہایت قابلیت سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

کرنل گلزارا سنگھ

آپ کی عمر ۳۵ سال - قد تقریباً میانہ - گداز جسم ضلع ہوشیار پور پنجاب کے متوطن آپ کے خاندان کے بیشتر ممبران فوج اور سول اچھے عہدوں پر مامور رہیں - آپ سہوتا خاندان کے مشہور چشم و چراغ ہیں - سنگاپور کے سقوط سے پہلے آپ بعہدہ کپتان انگریزی فوج میں شامل تھے -

آزاد ہند فوج کی تشکیل میں آپ نے بڑے انہماک کا ثبوت پیش کرتے ہوئے - اس کی بنیاد مضبوط کرنے کی کوشش کی ہے - اس کے بعد آپ سنگاپور میں فوجی تنظیم میں مشغول ہو گئے اور آزاد گوریلا رجمنٹ کے کمانڈر بنائے گئے - جس وقت عارضی حکومت بنائی گئی - اس میں آپ کو وزارت کا عہدہ دیا گیا - جب آزاد ہند فوج برما آئی تو آپ برما تشریف لائے اور محاذ جنگ پر روانہ ہو کر امپھال کے مورچہ پر مامور ہوئے - اس کے بعد واپس رنگون آئے - اور اسسٹنٹ چیف آف دی جنرل اسٹاف کے عہدے سے سرفراز کئے گئے -

موصوف نے مورچہ پر بڑی اچھی فوجی قابلیت کا ثبوت پیش کیا نیتاجی نیز ان کے افسرانِ بالا آپ سے بہت خوش رہا کرتے تھے۔

آپ ایک خلیق اور مخلص افسر ہیں۔ آپ کی خوش خلقی نے فوجی اور غیر فوجی دونوں طبقات میں جگہ پیدا کر لی تھی۔ آپ بھی نیتاجی کے ساتھ تھائی لینڈ تشریف لے گئے تھے۔ اور وہاں سے قید ہو کر دہلی لال قلعہ میں بھیج دیئے گئے۔ اور بعد انفصال مقدمہ رہائی حاصل کی۔ آج کل آپ آئی۔ این۔ اے ریلیف کمیٹی کے ایک رکن کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ آپ سے میری ذاتی ملاقات بھی ہے۔ آپ مجھ پر خاص طور پر مہربان ہیں۔

میجر جنرل عزیز احمد خاں

آپ ایک خوش رو جوان ، فرض شناس افسر ہیں ۔ سنجیدہ مذاق کے تعلیم یافتہ ، خوش پوش ، بذلہ سنج اور وضعدار بزرگ ہیں ۔ اردو فارسی کی معیاری شاعری کے دلدادہ ۔ ادب نواز ، ہنس مکھ ، یار باش ، اور اعلیٰ کیرکٹر کے مالک ہیں ۔ آپ کا وطن مالوف پنجاب ہے ۔ آپ بھیگووال ریاست کپورتھلہ کے ایک مشہور زمیندار اور فوجی خاندان سے متعلق ہیں ۔ آپ برطانوی فوج میں ۱/۱۴ رجمنٹ کے میجر تھے ۔ ملایا اور سنگاپور کی جنگ میں آپ نے جاپانیوں کے خلاف خوب خوب داد شجاعت دی تھی ۔ سقوط سنگاپور کے بعد انگریزوں کے ساتھ ساتھ آپ کی رجمنٹ کو بھی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہونا پڑا ۔

میجر جنرل عزیز احمد خاں صاحب سے میں پہلی بار بنکاک کانفرنس میں ملا ہوں ۔ جبکہ موصوف بھی فوجی نمایندے کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے ۔ جنرل موہن سنگھ صاحب (جی او سی) کی بنا کردہ

آزاد ہند فوج میں آپ چیف آف دی جنرل اسٹاف کے عہدے پر فائز
تھے۔ راس بہاری بوس کے زمانے میں آپ آرمی کمانڈر رہے۔ اور
نیتاجی سوبھاش چندر بوس کی قیادت میں آپ آزاد ہند فوج کی نمبر ۲
ڈویژن کے ڈویژنل کمانڈر مقرر ہوئے۔ آپ کی ماتحتی میں تین بریگیڈ
تھے۔ جن پر کرنل سہگل۔ کرنل ڈھلن اور کرنل منور حسین کمان کرتے
تھے۔ آپ نے دونوں دور میں آزاد ہند کی طاقت بڑھانے میں کامیاب
کوششیں کی تھیں۔ نیتاجی سوبھاش چندر بوس ان کی بہت قدر کرتے تھے۔
آپ وار کونسل کے ممبر اور وزیر بھی تھے۔ نیتاجی جب جاپان تشریف لے
گئے۔ تو آپ ہی نے سپریم کمانڈ کی نیابت کی تھی، اور ان کی جگہ کام
سنبھالا تھا۔ آپ محاذِ جنگ پر جا ہی رہے تھے کہ دو دن پیشتر ۱۱ر فروری ۴۵ء
بروز اتوار میانگ ہسپتال کی بمباری کے موقعہ پر زخمی ہو گئے اور تقریباً ایک
ماہ تک زیر علاج رہنے کے بعد زیاواڈی کی طرف دشمنوں کے مقابلے کو روانہ
ہو گئے۔ جس دن آپ زخمی ہوئے تھے عین اسی وقت موصوف اور راقم الحروف
چند خاص دوستوں کے ساتھ ایک دعوت میں کھانے پر بیٹھے ہوئے تھے ہوائی
الارم ہوا۔ اور بمباری شروع ہو گئی۔ باوجود منع کرنے کے آپ اپنے کیمپ کی
خبر لینے فوراً روانہ ہو گئے۔ راستے میں میانگ ہسپتال پر بمباری ہوئی۔ آپ نے
موٹر وہیں موڑ لی اور میانگ کیمپ میں جا کر زخمیوں کو امداد دینے لگے۔ اسی
دوران میں بمبار جہاز کا دوسرا دستہ وہیں بم برسانے لگا۔ پھر بھی آپ اپنے
کام میں مشغول ہی رہے۔ آخر کار زخمی ہو گئے۔ سر پہ معمولی سا زخم آیا مگر بال

بال بچ گئے۔ دھماکوں اور قریب بم پھٹنے کی وجہ سے اس کی مہلک ہوا اور گرم گرم لپٹوں نے دماغ پر بہت زیادہ اثر کیا۔ نیتاجی ان کے علاج میں بہت زیادہ انہماک کا اظہار فرماتے اور بار بار عیادت کو آتے تھے۔ ایک ماہ کے بعد جب تندرست ہوئے تو ری آرگنائز فورس (Reorganised Force) لے کر محاذ جنگ پر روانہ ہو گئے۔ دشمنوں کا مقابلہ بھی خوب کیا بالآخر انگریزوں کے قبضے کے بعد ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے اور بذریعہ ہوائی جہاز ہندوستان بھیج دیئے گئے۔ قید میں آپ کو تکلیفیں دی گئیں۔ بعدہٗ لال قلعہ میں نظر بند رکھا گیا۔ اور بعد سماعت مقدمہ دہلی سے رہا نہ کر دیئے گئے۔

موصوف میرے خاص کرم فرماؤں میں تھے سنگاپور میں جب آپ نے مجھے بنگلے پر مدعو کیا تھا۔ وہ صحبت عجیب پر لطف تھی۔ آپ کی بذلہ سنجی اور ادب نوازی نے بے حد محظوظ کیا۔ بنکاک سے واپسی پر ریل کا سفر آپ کی معیت میں بے حد خوشگوار گزرا۔ آپ کی حسین مسکراہٹ یاد آ کر آپ کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔

کرنل سہگل

عمر ۳۰ سال۔ قد لانبا۔ وجیہہ اور ہنس مکھ۔ خوش پوش مخلص اور بہادر افسر ہیں۔ ان سے بھی میرا ذاتی تعارف ہے نیتاجی کے معتمدین میں سے ہیں۔ لاہور کے ایک معزز خاندان سے متعلق ہیں۔ آپ کے والد مسٹر جسٹس اچھرو رام ہیں کوٹا بارو کی جنگ میں آپ نے بڑی قابلیت کا ثبوت پیش کیا تھا۔ ملایا میں انگریزی فوجوں نے جب ہتھیار رکھ دیئے تو آپ بھی سنگاپور لائے گئے۔ جب آزاد ہند فوج کی تشکیل ہوئی تو آپ نے اس میں خاص طور پر انہماک دکھایا اوّل اوّل آپ سکنڈ لفٹنٹ سفرز ہوئے۔ اور پھر اپنی فوجی قابلیت کے سلسلے میں بتدریج کرنل کے عہدے سے سرفراز کیے گئے موصوف کو ملٹری سکرٹری کا ممتاز عہدہ بھی دیا گیا تھا۔ جس میں آپ نے بحسن وخوبی اپنے فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد محاذ جنگ پر امپھل میں بے نظیر بہادری کا ثبوت پیش کر چکے ہیں۔ آپ کو قدرت نے بچپن ہی سے ذہین طبیعت بخشی تھی۔ زمانۂ تعلیم ہی میں آپ کی ذکاوت طبع نے آپ کو اپنے ہم چشموں میں ممتاز درجہ دیا ہوا تھا۔

نقشۂ جنگ بنانے میں بھی موصوف اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ یوں تو آپ کم گو ہیں۔ مگر جو کہتے ہیں اس سے مخاطب کے دل میں جگہ پیدا ہوجاتی ہے۔

آپ محاذ جنگ سے قید ہو کر لال قلعہ دہلی پہنچائے گئے اور لال قلعہ دہلی کے تاریخی مقدمہ کے بعد رہا کر دیئے گئے۔

آج کل آپ آئی۔ این۔ اے۔ ریلیف کے کاموں میں مشغول ہیں اور آزاد ہندی ڈگر کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر پڑ چکے ہیں۔

لفٹنٹ کرنل ڈھلن

عمر ۳۵ سال۔ خوش خلق، مخلص اور بہادر افسر ہیں۔ آزاد ہند فوج میں آپ آئی۔ سی۔ سپلائی اینڈ ٹرانسپورٹ تھے۔ اس کے بعد چوتھی گوریلا رجمنٹ کے کمانڈنگ افسر رہ چکے ہیں۔ آپ خاندانی فوجی ہیں اور اسی ورثہ میں ملی ہوئی فوجی قابلیت کی وجہ سے ہر ہندوستانی کے دل میں آپ کی جگہ پیدا ہو گئی ہے۔ بچوں سے انہیں محبت تھی، میرے ایک دوست شاہی حکیم کی بچی کے لئے وہ محاذِ جنگ سے بنائی ہوئی گڑیائیں بھیجا کرتے تھے۔

لال قلعہ دہلی کے تاریخی مقدمہ سے رہائی کے بعد بھی آپ خدمت وطن میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر نیتا جی کی آزاد ہند پالیسی کو یہ بھی چھوڑ بیٹھے۔ اور کانگریس میں شریک ہو گئے۔

کرنل ارشد

کرنل ارشد برطانوی فوج میں سکنڈ پنجاب رجمنٹ کی پانچویں بٹالین میں بعہدہ کپتان فائز تھے۔ ملایا اور سنگاپور کے سقوط کے بعد جب انگریزی فوج نے جاپانیوں کے سامنے ہتھیار رکھدیئے آپ قیدی بنا لئے گئے۔ اور جب آزاد ہند فوج بنی ہے۔ آپ جولائی سنہ ۴۲ء میں آزاد ہند فوج میں شامل ہو گئے۔ آپ کا خیال تھا کہ اگر فوجی افسران آزاد ہند فوج میں شامل نہ ہوئے تو عام سپاہیوں کی حالت خراب ہو جائے گی۔ اور وہ جاپانی مظالم کا شکار ہو جائیں گے۔ آپ جنرل کمانڈنگ آفیسر موہن سنگھ کے ساتھ فوجی تنظیم میں شامل رہے آپ ٹرانسپورٹ آفیسر کی خدمات بھی انجام دے چکے ہیں۔ کرنل سہگل اور آپ تعلیمی زمانہ میں ہم مکتب رہے ہیں۔ انخلائے رنگون کے موقع پر نیتاجی کے حکم سے آپ رنگون میں ہندوستانیوں کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیئے گئے۔ آپ اس وقت رنگون میں میجر جنرل لوگو ناتھن آزاد ہند فوج کے کمانڈنگ آفیسر کے چیف آف دی جنرل اسٹاف تھے آپ نے اخیر وقت میں کرنل ہڈسن جو کہ رنگون جیل میں قید تھے۔ ان سے مل ملاکر نیز بریگیڈیر سے ملاقات کر کے تمام حالات اور موقع کی نزاکت بتائی اور کرنل برہان الدین نے سگنل دیکھ ہوائی جہاز کو نیچے اتروایا جس سے برطانوی ہوا باز کو شہر کے خالی ہونے کا یقین

ہوا اور یوں آپ کی دانشمندی سے رنگون تباہی اور بربادی سے بچ گیا۔ آپ نے حکومت برما کو اس کے انتظامی معاملات میں بہت کچھ مدد دی۔ شہر کا نقشہ بناکر اس پر آزاد ہند فوج کو متعین کر دیا جس سے امن و امان کے ساتھ ساتھ ہندوستانیوں کی جان و مال کی بخوبی حفاظت ہو سکی۔ آپ کو حکومت برما کی کیبنٹ میٹنگوں میں خاص طور پر مشورے کے لئے بلایا جاتا تھا۔ برطانوی فوج نے بھی آپ کی قابلیت اور آپ کے مطالب کے پیش نظر انگریزی قبضہ شہر کے بعد بھی امدادی طور پر شہر پر کنٹرول کی درخواست کی اور آپ نے نہایت قابلیت کے ساتھ اس کا انتظام کیا۔

آپ نے انگریزی فوج کی کپتانی سے آزاد ہند فوج میں اپنی قابلیت اور ذہانت کی وجہ سے کرنل کے عہدے تک ترقی کی۔ آپ ایک متمول اور اعلیٰ خاندان کے سپوت ہیں۔ میجر جنرل کیانی کے رشتہ دار ہیں خوش خلق۔ کم گو۔ سنجیدہ مذاق۔ اور پسندیدہ عادات و اطوار کے نوجوان افسر ہیں۔

رنگون کے لوگ آپ کی خوش انتظامی کے بہت ثنا خواں ہیں۔
آپ کے ماتحتوں میں سبھی اپنے فرائض کی خوش انجامی میں اچھے ثابت ہوئے۔ سوائے کرنل ملک فتح خاں کے جس نے اپنی ذاتی غرض اور زراندوزی سے کوئی اچھا ریکارڈ قائم نہ کیا۔

کرنل عنایت کیانی صاحب

کمانڈر نمبر ۲ گوریلا رجمنٹ

راولپنڈی کے رہنے والے۔ کالج کی تعلیم نامکمل چھوڑ کر فوج میں بھرتی ہو گئے۔ اور فوج کی طرف سے ڈیرہ دون ملٹری ٹریننگ میں آفیسر ٹریننگ کے لئے بھیجے گئے۔

۱۹۳۸ء میں فارغ ہو کر کمیشن پایا اور سال بھر کے بعد برٹش رجمنٹ میں مزید ٹریننگ حاصل کر کے ۱/۲ پنجاب رجمنٹ میں ان کا تقرر بعہدہ سکنڈ لفٹننٹ ہوا۔ ۱۹۳۹ء میں اپنی فوج کے ساتھ ملایا گئے۔ اس وقت آپ مشین گن کمپنی کے کمانڈر رہے۔ جنگ ملایا کے درمیان بڑی بہادری سے لڑے۔ دریائے سلیم پر جبکہ جاپانی فوج نے گھیرا ڈالا اس وقت ان کی کمپنی اپنی فوج سے کٹ گئی اور یہ بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے کوالالمپور میں اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔ آزاد ہند فوج کی تشکیل میں ان کا بہت بڑا حصہ رہا۔ بنکاک کانفرنس میں شرکت کی تھی۔ نیتاجی کی آمد کے بعد گاندھی رجمنٹ کے کمانڈر بنائے گئے۔ برما سے جب پہلا ڈویژن محاذ جنگ پر گیا تو آپ اس میں شامل تھے اور امپھال کے مورچہ پر ٹیل سکٹر میں نمبر ۲ گوریلا رجمنٹ کے ساتھ

آپ نے سخت مشکل حالات میں اپنے قدم جماکر بہادرانہ شاندار کارناموں کی تاریخ مرتب کی۔ امپھل سے پسپائی کے بعد آپ نے اپنی فوجوں کو بڑی حد تک نقصان سے بچا لیا۔ اور یہ چیز جنگ سے زیادہ مشکل سمجھی جاتی ہے۔ امپھل سے واپسی کے بعد ان کا تبادلہ سنگاپور میں ہوا۔ اور نمبر ۳ ڈویژن کے جنرل اسٹاف آفیسر کی حیثیت سے ہتھیار ڈالنے تک رہے۔ سنگاپور میں قید ہو کر لال قلعہ لائے گئے۔ اور سبھوں کے ساتھ رہا ہو کر آئی این اے ریلیف کے کاموں میں پنجاب کے افسر انچارج رہے۔

آپ بلند قامت۔ بامروت۔ خلیق اور بڑے بہادر اور سمجھدار آفیسر ہیں ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ چھوٹا بڑا ہر ایک ان سے خوش رہا کرتا تھا۔ آپ سے مل کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسان اپنی ذاتی محنت اور قابلیت ہی سے کامیاب اور نامور ہوا کرتا ہے۔ آپ بنکاک کانفرنس میں جنرل موہن سنگھ کے پرسنل سکرٹری کے فرائض نہایت حسن و خوبی سے ادا کر چکے ہیں۔ صحیح معنوں میں آپ ہی کی فوج تھی۔ جو محاذ جنگ پر ہمیشہ لڑتی اور آخر تک مقابلہ کرتی رہی۔ آپ میجر جنرل محمد زماں کیانی کے بھانجے اور میرے کرم فرما ہیں۔

کرنل ملک شوکت فاتح بشن پور

آپ ملتان کے رہنے والے ہیں۔ بہاولپور اسٹیٹ میں بعہدہ سکنڈ لفٹننٹ
اسٹیٹ کی فوج میں بھرتی ہوئے اور ۱۹۴۱ء میں فسٹ بہاولپور انفنٹری کے
ساتھ بعہدہ کپتان ملایا کی جنگ میں شامل ہوئے ملایا کی جنگ میں ان کی پلٹن
الور اسٹار سے لڑتی ہوئی سنگاپور پہنچی اور وہاں ۱۵ ؁ فروری کو ہتھیار ڈالے
جب آزاد ہند فوج کی تشکیل ہوئی تو آپ انٹیلجنس گروپ کے کمانڈر مقرر ہوئے
جب آزاد ہند فوج کا پہلا دستہ برما پہنچا تو یہ بھی اپنے گروپ کے ساتھ پہنچے
اور ہراول دستوں کے ساتھ امپھل کے محاذ کی طرف بڑھے اس وقت ان
کے گروپ کے لوگ برما کے پورے محاذ پر کام کر رہے تھے۔ امپھل کی لڑائی
میں آپ امپھل سے چھ میل کے فاصلہ پر اس علاقہ میں جو دشمن کے قبضہ میں
تھا۔ تین چار مہینے رہے اور اپنی فوج کو جو پیچھے تھی پوری خبر دیتے رہے آپ
نے اسی دوران میں بشن پور کا مقام فتح کر لیا۔ محاذ جنگ کی یہ بہت نازک
پوزیشن تھی۔ یہاں دشمن کے سامان جنگ کی بھی کثرت تھی۔ باوجود اس کے
اس جواں مرد افسر نے بشن پور پر آزاد ہند کا جھنڈا لہرا دیا۔ آپ کو اسی بہادری
کے صلے میں سردار جنگ کا خطاب حکومت آزاد ہند کی طرف سے ملا۔
برما کی لڑائی کے اخیر دنوں میں آپ ایک خاص مہم پر نیتا جی کی طرف سے
مانڈلے بھیجے گئے۔ آپ وہاں بھی دشمنوں کے گھیرے میں آ گئے مگر نہایت

ہوشیاری سے بچ کر نکل آئے اور جب جنگ برما ختم ہوئی تو آپ بھی نیتا جی کے ساتھیوں میں تھے اور بنکاک تشریف لے گئے اور وہیں گرفتار ہو کر لال قلعہ میں لائے گئے اور بعد میں رہائی ملی۔ آجکل آپ سندھ ریلیف کمیٹی کے انچارج افسر ہیں۔

آپ ایک طویل القامت خوش طبع اور خلیق افسر ہیں۔ آپ سے ملنے کے بعد کوئی یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ آپ سے کسی قسم کا محیر العقول کام انجام پا سکے گا لیکن دراصل آپ سختیوں اور حوادثات کا مستقل مزاجی سے مقابلہ کرنے میں بے نظیر انسان ہیں۔ نیتا جی اور تحریک کے ساتھ آپ کو عشق تھا آخری دنوں میں آپ بہت بیمار ہو گئے تھے اور جب سنا کہ نیتا جی جا رہے ہیں تو آپ نے بھی ساتھ چلنے پر اصرار کیا تھا نیتا جی نے یہ کہکر ان کی درخواست مسترد کر دی کہ "آپ بیمار ہیں آپ کو آرام کرنا چاہیئے۔ سفر کی صعوبت برداشت نہ ہو سکے گی"۔ آپ نے دریافت کیا کہ نیتا جی کس طرف تشریف لے جائیں گے؟ وہاں مجھے ایک گھنٹہ پہلے استقبال کرتا ہوا پائیں گے۔ یہ سنکر نیتا جی مسکرائے اور ان کو اپنے ساتھ لے لیا۔ آپ ہمیشہ خوش رہ کر زندگی گزارنے پر عقیدہ رکھتے ہیں ٹوکیو کانفرنس میں بھی شریک ہوئے تھے۔ میرے خاص کرم فرما ہیں۔

کرنل عابد حسین

آپ حیدر آباد دکن کے ایک باعزت متمول خاندان کے چشم و چراغ ہیں
آپ اعلیٰ التعلیمی ڈگریاں حاصل کرنے جرمنی تشریف لے گئے تھے دوران قیام
جرمنی میں آپ نے نیتاجی کا مسلمانوں کی طرف سے پرجوش خیر مقدم کیا تھا۔
سب سے پہلے لفظ نیتاجی اور جے ہند کے آپ ہی موجد ہیں۔ نیتاجی کو
آپ کی ذات پر بہت بھروسہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نیتاجی نے آپ کو اپنا خاص
سیکرٹری مقرر کیا۔ جب نیتاجی سنگاپور تشریف لائے تو آپ بھی ان کے ساتھ
ہی رہے۔ حتیٰ کہ جنرل توجو سے جو خفیہ اور رازدارانہ ملاقاتیں ہوئیں ان میں
بھی آپ ہر وقت شریک رہے۔ پہلی بار جب نیتاجی رنگون تشریف لائے تھے
تو آپ ہی ساتھ تھے میری پہلی ملاقات آپ سے رنگون ہی میں ہوئی۔ اس کے
بعد جب سنگاپور میں رہے تو فوجی ٹریننگ کیمپ کے انچارج کی حیثیت سے
اچھا ریکارڈ قائم کیا۔ دوبارہ رنگون آنے پر آپ سوراج نیگ میں ٹریننگ
انسٹیٹیوٹ کے منتظم اعلیٰ رہے اور نہایت کامیاب طریقے پر رنگروٹوں کی
تربیت میں مشغول رہے۔ کچھ عرصہ بعد آپ اپنے تربیت یافتہ رنگروٹوں کو
لے کر محاذ جنگ پر روانہ ہوئے اور کرنل عنایت کیانی صاحب کے
ساتھ پلیل فرنٹ پر بہادری سے لڑتے رہے۔ نمبر ۲ گاندھی بریگیڈ

آپ کے زیر کمان تھی۔ آپ نے اس علاقے میں چھوٹے چھوٹے دستوں سے حملہ آور ہو کر دشمنوں کا ناک میں دم کر دیا۔ آپ کے بہادرانہ کارنامے اس حلقے میں بہت مشہور ہیں۔ برما پر انگریزی قبضہ سے پہلے آپ سنگاپور چلے گئے۔ اور وہیں گرفتار ہو کر لال قلعہ دہلی لائے گئے تھے۔ آپ نے جرمنی ہی میں فوجی ٹریننگ حاصل کی تھی۔ اور ایک قابل افسر بن گئے۔ آپ جرمنی زبان کے ماہر تھے اور نیتا جی کے ساتھ ترجمانی کے فرائض ادا کرتے تھے۔ آپ کے دل میں قوم اور وطن کی سچی تڑپ موجود تھی۔ آپ ایک خوش رو، خلیق، بہادر، بذلہ سنج اور خوش طبع انسان ہیں۔ رات دن کام میں لگے رہا کرتے خصوصاً نیتاجی کے نظام عمل کی ترتیب کا خاص اہتمام رکھتے تھے۔ آپ سے مل کر بار بار ملنے کو جی چاہتا ہے۔ آجکل آپ حیدرآباد میں مقیم ہیں۔

میجر جنرل چیٹرجی

(گورنر علاقہ جات مفتوحہ)

آپ کی عمر تقریباً ۵۶ سال ہے۔ ۲۱ر دسمبر ۱۸۹۱ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ پنجاب اور بنگال میں تعلیم پاکر ایم۔جی ہوئے اور کیمبرج میں ڈپلوما آف پبلک ہیلتھ پایا۔ آپ مصر۔ جرمنی۔ جاپان اور امریکہ نیز دنیا کے مختلف حصوں میں تعلیمی سلسلے میں رہے تھے۔ ۱۴ء سے فوج میں بھرتی ہوئے اور بعہدہ لفٹنٹ کرنل سرفراز ہوئے۔ بنگال میں آپ ڈائرکٹر آف پبلک ہیلتھ مقرر ہوئے اور گورنمنٹ کے تحت دہلی میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف پبلک ہیلتھ رہے۔

آپ کی فوج جب ملایا گئی تو آپ بھی بحیثیت انڈین جنرل اسپتال (جس میں ایک ہزار مریضوں کی سہولت کا انتظام تھا) کمانڈنگ افسر مقرر ہوئے۔ سقوط سنگاپور کے بعد آپ قیدیوں کی دیکھ بھال کے لئے میڈیکل محکمہ کے انچارج مقرر ہوئے۔ آزاد ہند فوج کی تشکیل کے وقت آپ نے نہایت کوششوں سے کام کیا۔ آپ جنرل موہن سنگھ کے اڈوائزر مقرر ہوکر سیول معاملات نیز محکمہ حفظانِ صحت کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ آپ بنکاک کانفرنس میں آزاد ہند فوج

کی طرف سے نمائندہ تھے۔

آپ تمام السیٹ ایشیا ہیڈ کوارٹرز انڈین انڈی پنیڈنٹس لیگ کے جنرل سیکرٹری رہے۔ نیتا جی کی تشریف آوری کے بعد آپ عارضی حکومت ہند میں فنانس منسٹر بنائے گئے۔ برما میں ہیڈ کوارٹرز کی آمد کے بعد آپ گورنر آف لبر ٹیڈ ایریا مقرر ہوئے۔ اور چیرمین نیتا جی فنڈ کے عہدہ پر بھی سرفراز رہ چکے ہیں۔ نیتا جی کے ساتھ جاپان بھی تشریف لے گئے تھے اور وہاں کی کانفرنسوں میں شرکت کی۔ ۱۶ جون ۴۵ء کو آپ کو نیتاجی نے مالی ضروریات کے پیش نظر سیلون بھیجا تھا۔ آپ وہاں سے سیگون تشریف لے گئے اور ملکی خدمت میں لگے تھے کہ لال قلعہ دہلی کے مقدمہ کی خبر پائی تو آپ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ جوان کا حشر ہو رہا ہے وہی ہونا چاہیے مع اپنے گروپ کے سرنڈر ہو گئے۔ جہاں سے سنگاپور لائے گئے اور دہلی بھیج دیئے گئے۔ اس کے بعد آپ رہا ہو کر آئی۔ این۔ اے انکوائری اور ریلیف کمیٹی کے بنگال کے افسر اعلیٰ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ اور آجکل اسے منظم کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ افسوس سے کہا جائے گا کہ وہ نیتاجی کے اصول کے خلاف بابو سرت چندر بوس کے متحدہ بنگال کے نظریہ سے ہٹ کر کانگریس کی حمایت میں تقسیم بنگال کے حامی بنے ہوئے ہیں۔ آپ ایک مدبر، مخلص اور سنجیدہ بزرگ ہیں۔ پنانگ سے بنکاک تک میرے ہم سفر تھے اور مجھ پر بڑے مہربان تھے۔

بریگیڈیر تمایا

آپ نہایت خلیق۔ ہنس مکھ۔ بذلہ سنج اور فرض شناس افسر ہیں۔ تحریک کے ساتھ آپ کا خلوص قابلِ داد تھا۔ آپ کرگ کے ایک معزز اور دولت مند خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ملایا کی جنگ کے بعد آزاد ہند فوج کی تشکیل میں آپ دل سے کوشاں رہے۔ فوج میں آپ بہت ہی ہر دل عزیز تھے۔

رنگون تشریف لانے کے بعد آپ کوارٹر ماسٹر جنرل کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ آپ نے اس ذمہ داری کو جس حُسن و خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ اس کی داد نہ دینا بھی ظلم ہوگا۔ اس سلسلے میں آپ کو اگرچہ بہت سی دشواریاں پیش آئیں۔ مگر اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ اپنے فرض کی انجام دہی میں لگے رہے۔ آپ برطانوی افواج کے بریگیڈیر تمایا کے حقیقی بھائی ہیں۔ جو اس وقت برما کے محاذ جنگ پر لڑ رہے تھے اور یہ تھے کہ اپنے بھائی کے مقابلے میں آزادیٔ ہندوستان کی خاطر خم ٹھونک کر میدان میں نکل آئے۔

موصوف سے میرے ذاتی تعلقات تھے۔ آپ بڑے خوبی کے

انسان ہیں۔ آپ کا اخلاق ہر چھوٹے بڑے کو اپنا گرویدہ بنا لیا کرتا تھا۔

برطانوی فوج نے جب آپ کو قید کیا۔ اس وقت حالتِ قید میں آئی۔ این۔ اے کے فوجیوں کو کھانے پینے کی تکلیف تھی۔ برگیڈیر صاحب نے برطانوی کمانڈر سے نہایت بے خوف ہو کر کہا تھا۔ کہ "ہم اب بھی اتنے گئے گزرے نہیں ہیں۔ اگر آپ لوگ اجازت دے دیں تو میں خود اپنے سپاہیوں کے راشن کا انتظام کر سکتا ہوں! آپ کی اس جرأت کے بعد ان سے کچھ اچھا سلوک کیا جانے لگا۔ رنگون سے قید کر کے آپ بھی لال قلعہ دہلی پہنچائے گئے اور بعد انفصال مقدمہ رہائی ملی۔

کرنل پرنس اسیرالدین جہانگیر آف لوہارو اسٹیٹ

آپ لوہارو اسٹیٹ کے حکمراں کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ قبل از جنگ برطانوی فوج میں کپتان کے عہدے پر فائز تھے۔ سقوط سنگاپور اور ملایا کے جاپانی قبضے کے بعد جب آزاد ہند کی قومی فوج بنی تھی۔ آپ جنرل موہن سنگھ کے شریک کار تھے۔ آزاد ہند فوج بنانے والوں میں آپ کا بہت زیادہ حصہ تھا۔ جنرل موہن سنگھ کے دست راست گنے جاتے تھے۔ آپ اپنی خداداد قابلیت سے کام لے کر بہت کامیاب تبلیغ و پروپیگنڈا کرتے رہے۔ پرچار اور پروپگنڈا کی آپ میں خاص صلاحیت موجود ہے۔ آپ فوجی ڈیلیگیٹ کی حیثیت سے بنکاک کانفرنس میں شریک ہوئے تھے۔ اس کے بعد سنگاپور میں آپ نے فوجی ٹریننگ نیز فوجی پروپگنڈے کے محکمہ جات میں نمایاں کام کر دکھایا۔ رنگون میں ہیڈ کوارٹر کی تبدیلی پر آپ سنگاپور سے بلائے گئے۔ یہاں آپ کو محکمہ تجنید و تعلیم حربی Recruiting and Training) کا انچارج افسر مقرر کیا گیا۔ راقم الحروف بھی آپ کے ساتھ اسی محکمہ میں منسلک تھا۔ اس محکمے کے ماتحت متعدد ٹریننگ کیمپ تھے۔ جن کا نہایت قابلیت سے آپ نے انتظام کر رکھا تھا۔ پارٹ ٹائم ٹریننگ اور بال سینا ٹریننگ میں آپ کا انہماک اچھے

نتائج پیدا کر چکا تھا۔ آپ ضابطہ کے بہت پابند تھے اور انتظامی معاملات میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ ضابطہ کی پابندی میں کسی کو کوارٹر گارڈ بھیجنے میں آپ کم پیش پیش کیا کرتے تھے۔ آپ ایک فرض شناس نوجوان افسر ہیں۔ خوشرو، خوش پوش۔ نفاست پسند اور امیرانہ مزاج، شاعروں کا سا دل رکھنے والے۔ بذلہ سنج۔ خوش مذاق۔ طبیعت میں ذرا شک کا مادہ ضرور تھا۔ مگر بے ضرر انسان تھے۔ ہر دلعزیز بھی تھے۔ اور لوگوں میں "رنگیلا شہزادہ" مشہور تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے ساتھ مسلسل ایک ماہ تک بھرتی کے سلسلے میں جناب ملا محمد خاں صاحب کی معیت میں زیارواڑی کے تمام علاقے میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہاں آپ نے جاپانیوں اور گاؤکشی کے ایک جھگڑے کو بڑی شان سے چکایا تھا۔ سفر نہایت پر لطف تھا۔ جس میں آپ کی بہت سی خوبیاں اجاگر ہوگئیں۔

اختتام جنگ سے کچھ پہلے ٹانگو کے اطراف میں قید کر لئے گئے۔ وہاں سے دہلی بھیجد یئے گئے تھی اور نسکر آپ کی مرغوب غذا تھی۔

کرنل پرنس برہان الدین آف چترال

آپ مہتر چترال کے چھوٹے بھائی ہوتے ہیں انگریزی فوج میں بعہدہ کپتان فائز تھے۔ ملایا کے قبضے کے بعد آزاد ہند فوج میں شامل ہو گئے۔ فوجی ڈیلیگیشن کے ساتھ بنکاک کانفرنس میں بھی شریک ہوئے تھے۔ ملایا سے رنگون تشریف لائے اور بہادر گروپ کے افسر اعلیٰ کی حیثیت سے کام کرتے رہے انخلائے برما کے وقت آپ نے رنگون کے امن و امان کے قیام میں قابل تعریف کام انجام دیا ہے۔ یہ آپ ہی کی دور اندیشی کا نتیجہ تھا کہ رنگون ساحلی گولہ باری اور فضائی بمباری سے بچ گیا تھا۔ تفصیل ۲ مئی ۱۹۴۵ء کے واقعات میں درج ہے۔ آپ بہت سلوہ مزاج نوجوان افسر ہیں۔ رنگون کے ہر طبقے میں عزیز۔ نہایت فرض شناس خلیق روادار طبع۔ بچوں سے محبت کرنے والے۔ جوان صالح۔ خوش اطوار انسان ہیں آپ کی نیک نفسی سے آخری وقتوں میں بعض خود غرض سرمایہ داروں نے خوب مالی فائدہ حاصل کر لیا۔ انتظامی قابلیت بہت اچھی ہے۔ چہرے سے خاندانی شرافت کے آثار ہویدا ہیں۔ حکومت نے آپ کے مقدمہ میں رائے عامہ کی پروا نہ کرتے ہوئے سات سال قید کی سزا دیدی۔ اگر عدالت آپ کے آخری کام کا لحاظ رکھتی تو آپ انعام و اکرام کے مستحق تھے۔ دوسرے مقدمات کا مقابلہ کیا جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ حکومت کی اس دو عملی کارروائی میں کیا راز پوشیدہ ہے؟

لفٹنٹ کرنل پی۔ ایس رتوری

آپ بیری اسٹیٹ گڈھوال کے رہنے والے ہیں فوجی ٹریننگ پانے سے پہلے ان کی تعلیم پرنس آف ویلز کالج دہرہ دون میں ہوئی اور انڈین ملٹری دہرہ دون میں سکھلائی حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۲ء میں کمیشن پایا اور گڈھوال رجمنٹ نمبر ۵ میں شامل ہوئے اس کے بعد سنگاپور گئے جاپانیوں سے لڑنے اور سقوط سنگاپور کے بعد آزاد ہند فوج میں شامل ہو گئے۔

آپ کی پلٹن ارکان کے محاذ پر بڑی جاں بازیوں کے ساتھ لڑی تھی اس نے کلاڈان محاذ پر نمایاں کام کیا تھا۔ آپ کو خدمات کے صلے میں سردار جنگ کا خطاب بھی ملا تھا۔ جنوری ۱۹۴۵ء سے لے کر جنگ کے آخیر تک آزاد ہند سپریم کمانڈ میں ڈی۔ پی۔ ایم کے خدمات (ملٹری پولیس کے افسر اعلیٰ) انجام دیتے رہے۔ بعدہ برما کی جنگ کے اختتام پر بنکاک سے گرفتار ہو کر لال قلعہ دہلی لائے گئے۔ اور سبھوں کے ساتھ رہا کر دیئے گئے آپ ایک خوش طبع نوجوان ہیں۔ خوش گفتار اور بذلہ سنج طبیعت پائی ہے۔

کلاڈان کے محاذ پر حبشی فوج کا بڑی بہادری سے مقابلہ کرتے رہے۔ اور ان کے سامانِ غنیمت پر مدتوں بسر کرتے رہے۔

کرنل احسان قادر

آپ سنجیدہ مزاج ۔ کم گو ۔ خوش فکر ۔ علم دوست ۔ آزاد منش اور فلسفیانہ دل و دماغ کے حامل بزرگ ہیں ۔ مذہبی معاملات میں ضرورت سے زیادہ روشن خیال ہیں ۔ مذہب شکن اور جذباتی شاعر بھی ہیں تدبر اور کثرت فکر سے آپ کے احباب آپ کو ایک معمہ سمجھتے تھے ۔ آزادی کی تڑپ دل میں بہت زیادہ تھی ۔ اور آپ کا خلوص آپ کو نیتاجی کے بہت قریب کئے ہوئے تھا ۔ آپ پنجاب کے ایک مشہور و معروف خاندان کے بلند طالع فرد تھے ۔ سر عبدالقادر جیسے ادیب العصر اور مائیہ ناز محقق کی فرزندی کا شرف آپ کو حاصل ہے ۔

کرنل موصوف ۱۰ ستمبر ۱۹۱۲ء کو لدھیانہ میں پیدا ہوئے اور ۳۲ء میں آپ نے بی اے کی ڈگری لاہور کالج سے حاصل کی ۔ ڈیرہ دون فوجی کالج میں ٹریننگ حاصل کر کے ۳۳ء میں سکنڈ لفٹننٹ کا امتحان پاس کیا ۔ ۳۹ء سے ملایا میں انگریزی فوج میں خدمات انجام دیئے بعد میں جنرل موہن سنگھ کے ساتھ شامل ہو گئے ۔ اور سنگاپور آزاد ہند ریڈیو کے ڈائرکٹر مقرر ہوئے ۔ آزاد ہند فوج کے دور انحطاط میں آپ نے فوج کو منتشر نہ ہونے دیا ۔ اور آپ کی کوششیں بارآور ہوئیں ۔

آپ ملٹری سکرٹری اور شہری رضاکاروں کی بھرتی کے محکمے کے انچارج افسر نیز وار کونسل کے ممبر اور منسٹر آف مین پاور (Mainsater of mein Power) بھی تھے۔ قومی رابطہ اتحاد قائم کرنے والی کمیٹی کے آپ انچارج مقرر ہوئے۔ جس نے تشفی بخش نتیجہ پیدا کیا۔ آپ ایک موقع پر فاش حق گوئی سے کام لینے پر شک وشبہ کی نظروں پر چڑھ چکے تھے۔ مگر آپ کا خلوص بروئے کار آیا۔

اکثر آپ سے تبادلۂ خیالات ہوتے رہے۔ موصوف مجھ پر بڑے مہربان تھے۔ نیتاجی سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ آپ کے حادثے کی خبر سنکر مضطرب ہو گئے۔ اور دماغ پر کچھ بوجھ سا پڑ گیا۔ بیمار ہو کر لاہور دماغی ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ اور بعد سماعت مقدمہ آپ کی رہائی ۲۶ راپریل ۱۹۴۶ء کو ہوئی۔ آجکل آپ تحریک خاکسار میں شامل ہو کر اس کی انقلابی تنظیم میں لگے ہوئے ہیں۔

لفٹننٹ کرنل مہر داس

آپ ۱۹۴۲ء کو جب مولمین کے محاذ پر انگریزوں کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ اس وقت آپ نے جاپانی فوج کے گھیرے میں آکر ہتھیار ڈال دیئے۔ جاپانیوں نے ان کو بڑی تکلیفیں پہنچائیں اور انگریزی فوج کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہی مگر آپ نے ایک سچے فوجی کی طرح کچھ نہ بتایا سقوط برما کے بعد آپ آزاد ہند فوج میں شامل ہو کر بہادر گروپ کمپنی کی کمان اراکان محاذ پر کرتے رہے اور بڑی بہادری کے ساتھ ملک سے وفاداری دکھلائی۔ کانگڑہ ضلع پنجاب کے رہنے والے ملٹری کالج دہرہ دون میں تعلیم حاصل کی کمیشن ملنے کے بعد توپ خانے میں بہ عہدہ لفٹننٹ شامل ہو گئے۔ اور برما کے محاذ پر دسمبر ۱۹۴۱ء کو اپنے توپخانے کے ساتھ بھیج دیئے گئے۔

اراکان کے محاذ پر ۱۸ دنوں تک کامل بھوک کا مقابلہ کرتے ہوئے دشمنوں کے گھیرے سے نہ صرف نکل آئے بلکہ ان کو پریشان کر دیا۔ اور ان کے کاغذات اور کیمپ پر قابض ہو گئے۔ لاغری اور بھوک پیاس سے کمزوری کی وجہ سے بارہ دنوں میں صرف آٹھ میل چل سکے اور صحیح سلامت اپنے کیمپ میں واپس آگئے۔ آپ ایک نوجوان ملنسار اور خلیق آفیسر ہیں۔ آجکل آپ آئی۔ این۔ اے کے دفتر دہلی میں رلیف کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔

کرنل محبوب

آپ بھی ملایا اور سنگاپور کے انگریزی تبدیل افسر تھے۔ آپ کے جذبۂ حب الوطنی نے آپ کو بھی آزاد ہند کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا۔ سنگاپور سے رنگون میں تبدیل ہو کر آپ کرنل سہگل کی جگہ نیتاجی کے ملٹری سکریٹری مقرر ہوئے۔ آپ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہمیشہ چاق و چوبند رہا کرتے تھے۔ آپ پٹنہ کے ایک اعلیٰ زمیندار خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کا بارسوخ خاندان بہار میں تعلیمی حیثیت سے بھی بہت ممتاز ہے۔ حسن امام جیسی مشہور و معروف شخصیت اور مولانا شفیع داؤدی جیسے بزرگوں سے آپ کو خاندانی نسبت ہے۔

آپ ایک جوان صالح۔ ہنس مکھ اور بلند اخلاق کے حامل اور فرض شناس افسر ہیں۔ نیتاجی آپ کی مستعدی سے بہت خوش رہا کرتے تھے۔ دیگر افسران کو بھی آپ سے کبھی شکایت کا موقع نہ ملا۔ آجکل آپ بہار میں ریلیف کا کام عمدگی سے انجام دے رہے ہیں

حکومت آزاد ہند سول سروس

کے

بارہ اراکین

"سپوکِ ہند" حبیب سیٹھ

نام عبدالحبیب والد کا نام حاجی جو سف مارفانی - عمر ۵۲ سال - یکم جنوری ۱۸۹۵ء میں شہر دھوراجی ، گونڈل اسٹیٹ کاٹھیاواڑ میں پیدا ہوئے - پندرہ سال کی عمر یعنی ۱۹۱۰ء میں ملک برما میں تشریف لائے - بھائی کے ساتھ رنگون اور مونگھیا ضلع میں تجارت کرتے رہے - جنرل مرچنٹ کی حیثیت میں ہر قسم کی تجارت کرتے رہے - خصوصیت کے ساتھ ادویات اور عطریات کے کاموں میں آپ کی کمپنی نے بہت نام پیدا کیا - آپ بچپن ہی سے نہایت رحم دل اور بخیر طبیعت واقع ہوئے ہیں - پختہ کار بیوپاری ہیں ان کی بزنس پالیسی ہمیشہ دیانتدارانہ رہی ہے - یہی وجہ ہے کہ برما کا بچہ بچہ آپ کے تجارتی مال کا بشوق خریدار ہو رہا ہے - آپ کے تجارتی ٹریڈ مارک "ٹن چوچو" اور "استا ٹیلو" کی چیزیں مشہور عام ہیں - آپ ہمیشہ سے غرباء کی امداد میں فیاضی دکھلاتے رہے - جنگ کے قبل بھی آپ کا دستِ سخاوت

ہمیشہ زرپاشیاں کرتا رہا۔ دورانِ جنگ میں جبکہ غرباء اور اوسط درجے کے شرفاء گرانی کی وجہ سے سخت مشکلات میں پھنسے ہوئے تھے۔ آپ کا دردمند دل ان کے لئے فکرمند رہا کرتا تھا۔ آپ اس وقت اپنی گاڑھی کمائی میں سے ان کو بھی شریک کرلیا کرتے تھے۔ چنانچہ ہر قوم و ملت کے (۶۴۸) چھ سو اڑتالیس خاندان کا انہوں نے ماہانہ مقرر کردیا تھا جو کم سے کم دس روپے سے لے کر ڈیڑھ سو روپے تک کی رقمیں ہوا کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ بعض "سفید پوش" ایسے بھی تھے۔ جن کو چپکے سے یکمشت رقمیں پیش کرکے ان کی ضروریات کے کفیل ہوجایا کرتے تھے۔ مذکورہ خاندانوں کو آج تک برابر مقرر کردہ رقمیں جاری ہیں اور وہ ان کے حق میں دعا گو ہیں۔ آزاد ہند کی تحریک میں اس حاتم صفت انسان نے مکمل قربانی کا جو نمونہ پیش کیا وہ ایک ایسی عدیم النظیر مثال ہے۔ جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ حبیب سیٹھ تنہا کی مکمل قربانی۔ دوسرے چار ایثار پیشہ سخیوں کی مجموعی رقموں کے مقابلے میں بھی دگنے سے زیادہ ہے جس کے لئے مسلمان قوم صحیح معنوں میں فخر کرتی ہے۔

آپ ایک روشن خیال بزرگ ہیں۔ تعلیم سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں۔ فی الحال بھی رنگون میں دو ایسے مدارس ہیں۔

جن کی تمام ضروریات اور ان کے اخراجات انہیں کے مبارک ہاتھوں سے پورے ہوتے ہیں۔

آپ ہمدرد قوم۔ مخلص۔ مخیر۔ خوش خلق۔ بذلہ سنج۔ مدبر اور منفکر انسان ہیں۔ آپ کی پیشانی سے ہی بلند طالعی کے اثرات ہویدا ہیں۔ شکل وصورت میں ایک کشش اور جاذبیت ہے۔ جس سے لوگوں کے دلوں میں ان سے محبت پیدا ہو جائے۔ میں مدت سے ان سے واقف ہوں۔ مگر میں نے ان کا اصلی جوہر اسی دورِ آزادی میں کھلتے دیکھا۔ جس سے مجھے ان کی قدر وقیمت پہچاننے کا موقع حاصل ہوا۔

زندہ باد حبیب سیٹھ زندہ باد

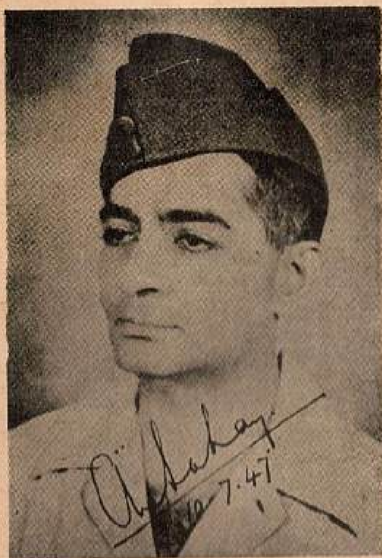
مسٹر آنند موہن سہائے منسٹر آف اسٹیٹ

نام آنند موہن سہائے - عمر ۴۸ سال - بہار کے متوطن صوبۂ بہار کے ایک معزز خاندان کے رکن ہیں - ہندوستان کے مشہور لیڈر سی - آر - داس کی بھانجی سے آپ کی شادی ہوئی -

آپ ۱۹۲۳ء میں جلاوطنی کی حالت میں جاپان چلے گئے - اور وہیں بودوباش اختیار کر لی اور وہاں باعزت زندگی بسر کرنے لگے - جرنلزم اور لکچروں کے ذریعے نیز ایک ہندوستانی کمپنی میں اپنا کچھ وقت دے کر اپنی خانگی ضروریات پوری کر لیتے تھے - جاپان میں انڈین کانگریس کی بنیاد ڈالی اور اکثر سفر کے ذریعے ایسٹ ایشیا کے مختلف مقامات میں جاکر کانگریس کا پرچار کیا کرتے تھے وائس آف انڈیا Voice of India نامی اخبار بھی جاپان سے جاری کیا تھا - جس کی پالیسی ہندوستانیوں میں اتحاد پیدا کرنا تھی - نیز جاپانیوں کو ہندوستانیوں کے اصلی

خد و خال سے واقف کرتا تھا۔ جب آزاد ہندگی تحریک شروع ہوئی۔ تو آپ اس میں شامل ہو گئے۔ اور بنکاک کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے جاپان کے ہندوستانی ڈیلیگشن کے لیڈر تجویز ہوئے۔ آپ تھائی لینڈ لیگ کے صدر بنائے گئے۔ نیتاجی کی آمد کے بعد انہیں سکرٹری آف اسٹیٹ کا معزز عہدہ بخشا گیا۔ آپ کی قابلیت کی بنا پر آپ کو وزارت کی ذمہ داری بھی دی گئی۔ متعدد بار آپ اسپیشل ڈیوٹی کے منسٹر مختلف کاموں کے لئے بنائے گئے۔ آزاد ہند دل کے آپ ڈپٹی لیڈر بھی رہ چکے ہیں۔ نیتاجی کے آپ بہت معتمد تھے۔ عارضی حکومت اور جاپانیوں کے درمیان آپ نیتاجی کی طرف سے گفتگو کیا کرتے اور معاملات کو سلجھایا کرتے۔ آزاد ہند فوج جب سرحد ہندوستان میں داخل ہوئی تھی تو آپ حکومت کی طرف سے معائنے کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔ سیگون (انڈو چائنا) کی دیکھ بھال کے لئے آپ گئے ہوئے تھے کہ کچھ دنوں کے بعد جنگ ختم ہوگئی اور وہیں گرفتار کر لئے گئے۔ وہاں سے سنگاپور بھیج دیئے گئے۔ اس کے بعد آپ کو اخیر میں رہائی ملی۔ اور ہندوستان بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ

A. M. Sahay



Minister of State A. H. Govt.

کی صاحبزادی بھارتی سہائے بھی تھیں۔ جو رانی جھانسی کی پُرجوش لفٹننٹ رضا کار ہیں۔ آپ کی پوری فیملی (گھرانہ) جاپان میں موجود ہے۔

آپ سے میری پہلی ملاقات بنکاک میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد تو برابر تعلقات قائم رہے۔ آپ ایک بے لوث خادمِ وطن۔ مخلص اور خود دار رکن۔ غیر متعصب۔ خوش خلق۔ اور ایک بے تکلف دوست ہیں۔ جاپانی زبان کے بڑے ماہر ہیں۔ میٹھی میٹھی باتوں سے دل مسحور کر لیا کرتے ہیں۔

مسٹر اے ستار صاحب ایم ایل سی

سکریٹری جنرل برما ٹیری ٹوریل کمیٹی آزاد ہند لیگ

آپ میمن قوم کے ایک سربرآوردہ ممبر ہیں۔ میمن جماعت کے صدر عمر تقریباً ۴۸ سال قبل از جنگ آپ ڈنلپ ٹائر کمپنی کے ایجنٹ اور امپائر سائیکل مارٹ کے مالک تھے اور اب بھی اسی تجارتی سلسلے میں لگے ہوئے ہیں۔ برطانوی پسپائی کے وقت آپ میمو چلے گئے تھے۔ جاپانیوں کی آمد کے بعد میجر فوجی وارا سے آپ کی ملاقات ہوئی جس کے ذریعے آپ نے ہندوستانیوں کا بہت سا مفید کام انجام دیا۔ میمو سے آپ بنکاک کانفرنس کے ڈیلیگیٹ منتخب ہوکر رنگون آئے۔ اور راقم الحروف کے ساتھ بنکاک کانفرنس میں شریک ہوئے۔ برما ڈیلیگیشن کے آپ سکریٹری تجویز کئے گئے۔ بنکاک میں آپ نے کافی سرگرمی کے ساتھ کارروائی کانفرنس میں حصہ لیا۔ وہاں انہوں نے اپنے اخلاق حمیدہ سے اچھی ہر دل عزیزی پیدا کی۔ رنگون واپسی کے بعد آپ برما میں لیگ برانچوں کے آرگنائزنگ کمیٹی کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ آپ نے اپنی قابلیت اور حسن انتظام سے کامیاب فرائض انجام دیئے۔ برما ٹیری ٹوریل کے دور میں بھی نہایت انہماک سے آزادی وطن کی خاطر سرگرمی دکھاتے رہے۔

Sec. Gen. Burma Territo-rial Committee.



Mr. A. Sattar.

نیتاجی کی آمد پر آپ پوری جد و جہد کے ساتھ قومی فنڈ میں وصولی زر کی کوششیں کرتے رہے۔ جاپانیوں میں بھی آپ کو کافی رسوخ حاصل تھا۔ آزاد ہند فوج اور ہیڈ کوارٹر کے سویلین اسٹاف میں آپ کافی مشہور تھے۔ جاپانی دور میں اشیاء خورونوش کی تقسیم کے سلسلے میں آپ نے ہندوستانیوں کا خاص خیال رکھا تھا۔ جاپانی پسپائی کے بعد آپ رنگون میں رہے برطانیہ کی واپسی پر نئی کونسل کی ترتیب کے موقع پر حکومت برطانیہ نے آپ کو نامزد کیا۔ اور آپ برما لیجسلیچر میں شامل ہو گئے۔ آپ کی ذات سے کئی ہندوستانی اداروں کو استفادہ حاصل ہوتا رہتا ہے۔ آپ ایک روشن خیال تعلیم یافتہ نوجوان ہیں۔ ہر طبقے کے لوگوں سے میل ملاپ اور محبت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ساتھ ہر وقت دوستوں کا مجمع لگا رہتا ہے۔ طبیعت میں مروت بہت زیادہ ہے۔ کم سخن بسیار فکر متین اور سنجیدہ خیالات کے حامل۔ جو کچھ کہتے ہیں۔ بہت سوچ سمجھ کر کہتے ہیں۔ آپ کا مشورہ اکثر حالات میں بہت مفید ہوا کرتا ہے۔ حکومت برما میں کافی تعلقات ہیں۔ اکثر غرباء کا کام بڑی محنت سے انجام دیا کرتے ہیں۔ میمن قوم آپ کی ذات پر جس قدر فخر کرے کم ہے۔

مسٹر اے یلپا بیرسٹر چیرمین نیتاجی فنڈ کمیٹی

مسٹر اے یلپا جن کی عمر چالیس سال کی تھی۔ آپ انگلینڈ سے بیرسٹری پاس کر کے ملایا وارد ہوئے اور سنگاپور میں پریکٹس شروع کر دی۔ آپ مدراس کے رہنے والے تھے۔ ملایا میں آپ کا شمار قابل اور ممتاز قانون دانوں میں ہوتا تھا۔ آپ سنگاپور آزاد ہند لیگ کے صدر تھے۔ بعدہٗ نیتا جی نے اپنی کیبنٹ کا صلاح کار اور اس کے بعد منسٹر کا عہدہ بخشا۔ سنگاپور اور ملایا میں آپ کے اثر اور رسوخ سے لیگ کو کافی مالی امداد ملی۔ آپ کے خلوص اور ایثار کو دیکھ کر نیتا جی فنڈ کمیٹی کا چیرمین بنا دیا گیا۔ آپ نیشنل آزاد ہند بینک کے جنرل منیجر تھے۔ اور اس کے بعد اس کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے ممبر منتخب ہوئے۔ آپ کلو میں بینک کے کام کاج کے سلسلے میں مقیم تھے کہ برطانوی بمباری کی زد میں آ کر زخمی ہو گئے۔ بہت عرصے تک بیمار اور صاحب فراش رہے۔ رنگون آنے کے لئے راستے رکے ہوئے تھے اس لئے

ایک غیر معروف کرین بستی میں ٹھیرائے گئے۔ بستی والے جنگلی اور وحشی لوگ تھے۔ اس خوف سے کہ انگریزوں کو ان کی موجودگی کا علم نہ ہو جائے اور بمباری کی آفت نہ آجائے انہوں نے آپ کے رہائشی مکان میں آگ لگا دی۔ آپ کا کرین نوکر تو بھاگ گیا۔ بیماری کی معذوری سے وہ اپنی جان نہ بچا سکے۔ اور اسی آگ میں جل کر آزادی وطن کے اس پروانے نے جان دیدی۔

مسٹر بلیتیا رات دن کام ہی کی دھن میں لگے رہا کرتے تھے۔ سر کے بالوں سے کھیلتے ہوئے گہری فکر میں ڈوب جایا کرتے تھے۔ سیاسی توڑ جوڑ میں یگانہ اور خلوص میں فرد تھے ان کے ساتھ میں نے خود کام کیا ہے۔ بڑے خلیق اور زندہ دل انسان تھے

منسٹر آف سپلائی بالو پانڈ

آپ کی عمر تقریباً ۴۰ سال ہو گی۔ قد میانہ۔ گداز جسم کام کی دھن میں لگے رہنے والے۔ صنعتی دماغ کے کاروباری تجربہ کار انسان ہیں۔ انخلائے برما کے بعد جب ہر طرف بھگدڑ تھی آپ ہندوستان سے برما وارد ہوئے اور زیاواڈی شکر فیکٹری نیز زیاواڈی گرانٹ کا چارج لے کر بہت ہی باقاعدگی کے ساتھ اس کا انتظام کرتے رہے۔ جنگ سے قبل بھی آپ مذکورہ فیکٹری کے منتظم تھے اور بڑی حد تک اپنی انتظامی قابلیت کا ثبوت دے چکے تھے۔ جاپانیوں کی آمد اور بنکاک کانفرنس کے بعد جب راقم التحریر لیگ برانچوں کو آرگنائز کرنے کے لئے زیاواڈی اور اس کے اطراف میں گیا۔ تو آپ ہی کی ان تھک کوششوں نے اس سلسلے میں نمایاں کامیابی دکھائی۔ نیتاجی سوباش چندر بوس کی قیادت کے دنوں میں آپ نے بہت دل کھول کر تحریک میں حصہ لینا شروع کیا۔ نیتاجی آپ کے کاموں سے بہت خوش رہا کرتے تھے۔

زیاواڈی فیکٹری کا کل انتظام آپ نے بابو رامچندر کے حوالے کر دیا۔ اور ہمہ تن آپ تحریک میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی دور اندیشی نے فیکٹری کو جاپانیوں کی زد سے بچا لیا اور تمام ریاست معہ فیکٹری آزاد ہند حکومت کے حوالے کر دی۔ حکومت آزاد ہند کے ہاتھوں میں رہنے کے سبب کارخانہ اخیرِ وقتوں میں جاپانیوں کے ہاتھوں سے بچ گیا ورنہ اس کا ایک پرزہ بھی سلامت رہنا مشکل تھا۔ زیاواڈی کی زمینداری نے آزاد ہند حکومت کو بہت فائدہ پہنچایا۔

آئی۔ این۔ اے ہسپتال۔ کمبل بنانے کا کارخانہ۔ ریکروٹنگ اور ٹریننگ سنٹر۔ وغیرہ شعبہ جات یہاں کھولے گئے اور اچھے پیمانے پر یہاں کام چلتا رہا۔ نیتا جی نے آپ کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کو سپلائی کے کاموں میں لگا دیا۔ اور منسٹر آف سپلائی کے عہدے سے نوازا آپ اکثر و بیشتر رنگون سے لے کر ہر ایک مورچے پر دورہ کرتے رہے۔ اور آخری دنوں تک آئی۔ این۔ اے کو برابر سپلائی پہنچاتے رہے۔ آپ کی بے لوث خدمات نے آپ کے غریبوں سے ہمدردانہ جذبات۔ آپ کی ہر چھوٹے بڑے سے بے غرض محبت نے سب کے دلوں میں جگہ پیدا کر لی تھی۔ زمینداری کے معاملات کی گتھیاں سلجھانے اور کسانوں کے

باہمی جھگڑوں کو خوش اسلوبی سے چکانے میں آپ بڑے مشہور اور حکم مانے جاتے تھے۔

جنگ کے اختتام پر آپ نیتا جی کے ہمراہ بنکاک چلے گئے تھے۔ جہاں بنکاک میں ہیڈ کوارٹر کا آخری انچارج آپ کو مقرر کر دیا گیا۔ آپ نے وہاں حقیقی معنوں میں ہندستانیوں کے دلوں میں تحریک آزادی کا جذبہ قائم رکھا اور حکومت کا بچا ہوا روپیہ تقسیم کر دیا۔ اور ان کے لئے شفاخانہ کھول کر فیض عام جاری کر دیا۔ وہاں سے قید کر کے ہندوستان روانہ کر دیئے گئے۔

آپ ایک خلیق۔ مہماں نواز۔ غریب پرور۔ مدبر اور متفکر بزرگ ہیں۔ آپ کی خوشخوئی نے شہریوں کے ساتھ ساتھ آزاد ہند فوجیوں اور افسروں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ آپ کی محبت کی یادگار اب تک لوگوں کے دلوں میں قائم ہے۔ سنا ہے کہ آپ بہار کے کسی سمنٹ کے کارخانے کے منیجر کی حیثیت سے ہندوستان میں مقیم ہو کر برما کے دوستوں کو فراموش کر چکے ہیں۔

سردار طلا محمد خاں صاحب

آپ کی عمر تقریباً ۴۷ سال ہے۔ پشاور کے وطنی۔ برما کے مشہور و معروف رئیس۔ برما کا بچہ بچہ آپ کے خاندان سے واقف ہے۔ آپ کے والد شیدی خاں صاحب بڑے بارسوخ مانے جاتے تھے۔ طلا محمد خاں صاحب کے دل میں بچپن ہی سے قوم اور وطن کی ہمدردی کا جذبہ پرورش پا چکا ہے۔ غریبوں کی امداد میں آپ ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ برما میں ہندوستانیوں کو آپ کی حمایت پر ہمیشہ فخر رہا ہے۔ آپ باوجود اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ ہونے کے پبلک کی حمایت سے ہاؤس آف ریپریزنٹیٹو کے ممبر منتخب ہو چکے ہیں۔ حکومت اور عوام دونوں میں آپ کو مقبولیت حاصل ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں کورنگی اور برمی فساد کے موقع پر آپ نے بیش قیمت امداد پہنچائی تھی۔ انخلائے برما کے موقع پر آپ رنگون چھوڑ کر اپر برما کی طرف چلے گئے تھے۔ جاپانیوں کی آمد پر آپ چھپ نہ سکے۔ انھوں نے آپ کی بارسوخ شخصیت معلوم کر کے ان سے تعلقات بڑھانے شروع کئے۔ رنگون میں جب آزاد لیگ بنی اور یہاں سے نمائندے جس وقت بنکاک کانفرنس میں شرکت کی غرض سے جا رہے تھے عین اسی موقع پر آپ الوداعی جلسے میں ناسازیٔ طبع کے باوجود تشریف لائے۔ آپ کی موجودگی سے پبلک میں بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا۔ آپ کی پُرجوش تقریر نے جلسہ میں جان ڈال دی۔ آپ کی تقریریں ہمیشہ پُرجوش اور عوام پسند ہوا کرتی ہیں۔ جاپانی حکام آپ کی بڑی قدر و منزلت کیا

کرتے تھے۔ شروع ہی سے آپ نے لیگ میں بڑی بڑی مفید خدمتیں انجام دی ہیں۔ برما
ٹیریٹوریل کمیٹی اور شری راش بہاری بوس کے زمانہ میں آپ پروپرٹی ڈیپارٹمنٹ کے
انچارج مقرر ہوئے۔ اور ہندوستانیوں کی جائدادوں کے انتظام میں آپ نے اپنے فرائض
نہایت خوبی سے ادا کئے۔ اس کے بعد آپ کو لیگ کے فنانس کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔
نیتا جی کی تشریف آوری پر آپ کو ریکروٹنگ اینڈ ٹریننگ ڈیپارٹمنٹ کا ڈائرکٹر مقرر کیا
گیا۔ اس محکمے میں آپ نے خوب تسلی بخش خدمتیں انجام دی تھیں۔ راقم الحروف آپ
کے ساتھ کام کرچکا ہے۔ وطن سے محبت ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ اس میں بہت انہماک
سے کام کرتے تھے۔ خاں صاحب بڑے صاف باطن، صاف گو، خلیق اور ملنسار انسان
ہیں۔ نیتا جی آپ سے بہت مشورہ کیا کرتے تھے۔ آزاد ہند فوج کے تمام افسران و سپاہی
آپ کی عزت کرتے اور مہمان نوازی کا لطف اٹھاتے تھے۔ آپ کی طبیعت کا بھولا پن
ایک مشہور افسانہ بن گیا تھا۔ سپاہیانہ وردی آپ کے جسم پر خوب راست آتی تھی۔ قد
میانہ، صورت پر رعب داب، جسم گٹھا اور پھرتیلا۔ ایک مرتبہ آپ سے بات چیت
کر لینے کے بعد گھنٹوں اٹھنے کو جی نہ چاہے۔ تجارت کا آپ کو بہت شوق ہے۔ نئی نئی
ایجادوں پر طبیعت کا میلان رہتا ہے۔ صنعتی کاروبار کی طرف زیادہ رغبت ہے
کسی ایک کا نہیں۔ ابھی آپ کی ملکیت میں ہیں۔ آپ کی ہوشیاری اور علم سے زیادہ
آپ کا اقبال زور دار ہے۔ آپ بڑے بے خوف کے انسان ہیں۔ برطانیہ کی برما واپسی پر
آپ کو قید کرکے ہندوستان لے جایا گیا۔ تقریباً چھ ماہ تک جگرگچھ کیمپ میں
نظر بند رہے۔ بعد میں رہا کرکے رنگون پہنچا دیئے گئے۔



(*Left to Right*)
Col. Imoto (Japanese) Mr. Tilla Mohamad Khan and the Author.

مسٹر مدہا

آپ کا نام احمد والد کا نام ابراہیم مدہا - بڑودہ اسٹیٹ کے ایک مشہور و معروف گاؤں دریاپور کے رہنے والے سنی بوہرہ سورتی مسلمان ہیں۔ آپ ایک دیانتدار جوان صالح اور ہوشیار تاجر ہیں۔ عمر تقریباً ۴۲ سال۔ آپ مانڈلے میں اے سی مدہا کمپنی کے منیجر کی حیثیت سے کمپنی کو کامیاب شہرت دے چکے ہیں آپ کے خسر اس کے کلیتہً مالک ہیں۔ رنگون میں صابن اور چھتریاں بنانے کا بہت پرانا کارخانہ ہے۔ انخلائے رنگون پر آپ تنہا یہاں رہ گئے تھے اور کارخانے کا تمام بار آپ پر پڑ گیا تھا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب آپ کی ہمت نے بھی جواب دے دیا۔ اور آپ ہندوستان پیدل جانے کا عزم کر چکے تھے مگر دوستوں کی ہمت دلانے پر رہ گئے۔ اگر آپ چلے جاتے تو یقیناً یہ عظیم الشان کارخانہ تباہ ہو جاتا مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ جاپانیوں کی آمد کے بعد آپ نے نہایت ہوشیاری سے فیکٹری کو ان کے ہاتھوں میں جانے سے بچا لیا۔ آپ کی تجارتی پالیسی نے پبلک میں فیکٹری سے ہمدردی پیدا کر دی۔ ایک وقت ایسا بھی تھا۔ جب صابن کی بازار میں سخت قلت تھی۔ آپ نے سیکڑوں سفید پوشوں اور غریبوں کو امدادی طور پر تھوڑا تھوڑا مال دینا شروع کیا جو بازار میں فیکٹری کے بھاؤ سے دگنی قیمتوں پر ہاتھوں ہاتھ بک جاتا۔ اور یوں ان سفید پوشوں کا گزر ہوتا رہا۔ آخر میں انہیں میں سے بعض بڑی حضرات اچھے اچھے عہدوں پر فائز

ہو گئے اور فیکٹری کے ممد و معاون ثابت ہوئے۔ آزاد ہند لیگ بننے کے بعد آپ نے تحریک میں حصہ لینا شروع کیا۔ نیتاجی کے دور میں آپ نیتاجی فنڈ کمیٹی کے ممبر ہوئے۔ آپ نے اپنے فرائض نہایت سرگرمی سے ادا کئے۔ آپ آزاد ہند بینک کے ڈائرکٹر تھے اور آپ نے بینک کے دوسرے حصے خرید لئے یعنی بیس لاکھ روپے کے آپ حصہ دار تھے۔ بینک کو ترقی دینے میں آپ کا نمایاں حصہ تھا۔ تحریک سے آپ کو پُر خلوص محبت تھی۔ نیتاجی آپ سے بہت خوش رہا کرتے تھے۔ آپ برمی، جاپانی اور حکومت آزاد ہند تینوں حکومتوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ فیکٹری کا تمام اسٹاف آپ کا ممنونِ احسان رہتا تھا۔ رفاہ عام کے کاموں میں بڑی دلچسپی سے حصہ لیا کرتے تھے۔ آپ ایک مخلص دیندار صائب الرائے خوش اخلاق اور ہمدرد انسان نوجوان ہیں۔ برطانیہ کے آنے کے بعد آپ ہندوستان گئے اور وہاں سے فریضۂ حج ادا کرنے بیت اللہ شریف روانہ ہو گئے۔ اب آپ بخیریت واپس آکر حسب سابق تجارت میں لگ گئے۔ آپ کی فرض شناسی سے ای۔ سی مدھا کمپنی نیز فیکٹری کو بہت اچھا منافع ہوا۔

نیتاجی فنڈ میں آپ نے پچیس لاکھ روپے کی گرانقدر رقم عنایت کی تھی۔ نیتاجی کے گلے کے ہاروں کو آپ بڑھ چڑھ کر بولی دیتے اور خرید لیا کرتے تھے۔



Mr. Sheik Mohammad Bashii.
Director Azad Hind Bank.

شیخ محمد بشیر صاحب

آپ ضلع گجرات صوبہ پنجاب کے رہنے والے ۳۹ سال کے ایک باہمت نوجوان ہیں۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں نجی کاروبار کے سلسلہ میں جاپان گئے اور سنہ ۱۹۳۵ء تک وہیں قیام کیا۔ جاپان میں بھی آپ کی حسّاس طبیعت کب نچلا بیٹھنے دیتی تھی وہاں بھی آپ نے ہندوستانی مفاد کے پیش نظر ہندوستانی انجمن کو تقویت دی۔ جاپان میں جو کانگریس کمیٹی تھی۔ اس کے آپ خزانچی تھے۔ کوبے کی عالیشان مسجد کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے ممبر بنائے گئے۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۳۵ء میں رنگون آئے اور یہاں برما ربر ورکس کے نام سے ایک ربر فیکٹری کی بنیاد ڈالی یہ فیکٹری آج تک روز افزوں ترقی پر ہے۔ برما میں یہ سب سے بڑی واحد فیکٹری ہے۔ برما میں جاپان کی آمد کے بعد آزاد ہند لیگ میں شامل ہو گئے۔ اور لیگ کے جنرل سیکرٹری بنائے گئے۔ بنکاک کانفرنس میں بھی جانیوالے تھے مگر کسی وجہ سے رک گئے۔ آپ جاپانی زبان خوب جانتے ہیں۔ زباندانی کی وجہ سے جاپانیوں سے ہندوستانیوں کا بہت کچھ کام نکلوا دیا۔ جاپانی دور میں ایک ایسا وقت آیا تھا جب آپ کو اور بعض دیگر ہندوستانیوں کو ملٹری پولیس نے گرفتار کر لیا۔ اور جاسوسی کے الزام میں بڑی بڑی تکلیفیں پہنچائیں آپ ۲۹ر جولائی سنہ ۴۳ء کو گرفتار ہو کر ۱۶ر جنوری سنہ ۴۴ء کو رہا ہوئے۔ جاپانیوں کی حرکات سے آپ دل شکستہ ہو گئے تھے۔ مگر نیتاجی کے بنگالی جادو نے آپ

کو مسحور کر لیا آخر دھن میں لگ گئے۔ تحریک سے آپ کا خلوص دیکھ کر عارضی حکومت آزاد ہند کا مشیر کار بنایا گیا۔ اور تجارتی پختہ کاری کی وجہ سے آپ کو نیتا جی فنڈ کمیٹی کا نائب چیرمین مقرر کیا گیا۔ متعدد مرتبہ آپ ایکٹنگ چیرمین کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ سچ اگر پوچھا جائے تو یہ آپ ہی کا کارنامہ تھا جو نیتا جی فنڈ کمیٹی کی مالی حالت قابل رشک بنی۔ اور آزاد ہند بنک کا وجود تو کلیتہً آپ کی ذات کا مرہون منت تھا۔ برما پر برطانوی قبضے کے بعد آپ کو معہ دیگر کارکنوں کے ہندوستان لے جایا گیا۔ اور "جگر گچہ" کیمپ میں قید کر دیا گیا۔ یکم جون ۲۵ء کو قید ہو کر ۱۷ دسمبر ۲۵ء کو چھ ماہ بعد رہا ہوئے۔ واپسی رنگون کے بعد پھر پولیس نے ۲۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو نیتا جی فنڈ کے سلسلے میں ان پر مقدمہ کیا۔ مقدمہ کی پیروی کو مسٹر سرت چندر بوس رنگون آئے، کچھ عرصے کے بعد حکومت نے اپنی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے مقدمات واپس لے لئے۔ غرض چکی کے دونوں پاٹوں میں یہ پستے رہے۔ مگر ہمت نہ ہاری۔

آپ خلیق، مہمان نواز، مخلص اور ایک باہمت نوجوان ہیں۔ دھن کے پکے جدھر لگ گئے، لگ گئے البتہ طبیعت ذرا غصہ ور ضرور ہے۔ ضدی بھی ہیں۔ امیر دوست ہیں۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت زیادہ ہے۔ چار سال سے تو مسلسل ان کا اور میرا ساتھ رہا ہے۔ بظاہر مجھ پر بہت مہربان ہیں۔

مسٹر کریم غنی منسٹر آف اسپیشل پاور

آپ مدراس پریسیڈنسی کے رہنے والے جولیہ مسلمان نوجوان ہیں۔ آپ کی عمر تقریباً ۴۷ سال ہوگی۔ اخبار نویسی اور جرنلزم سے ان کو خاص لگاؤ ہے۔ ٹامل زبان کے رائزنگ سن نامی اخبار کی ادارت آپ کے ذمہ تھی۔ آپ برما کے ہاؤس آف ریپرزنٹو (M.H.R) کے ممبر اور ۱۹۳۶ء میں پارلیمنٹری سکریٹری بھی رہ چکے ہیں۔ انگریزی زبان پر کافی عبور ہے۔ ٹامل سے انگریزی کا خوب ترجمہ کر لیتے ہیں۔ ۱۹۴۲ء کی بھگدڑ میں آپ رنگون چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ جاپانیوں کی آمد پر رنگون واپس آئے۔ اور خود انہیں کے بیان کے مطابق ان کی مالی حالت بہت سقیم تھی۔ رنگون آنے کے بعد ان کو لیگ میں شمولیت کی دعوت دی گئی تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔ اور اپنا ارادہ ڈاکٹر باسو کے ساتھ برمی سیاست میں کام کرنے کا بتاتے رہتے۔ ڈاکٹر باماس وقت رنگون نہیں آئے تھے۔ اور ان کو برمی حکومتی اختیارات بھی حاصل نہ تھے۔ ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے ان کے دوستوں نے ممبری فیس بھر کر لیگ کا ممبر بنایا تھا۔ بنکاک کانفرنس میں شمولیت کے لئے آپ کا نام بھی تجویز ہوا تھا۔ لیکن عین موقع پر انہوں نے انکار کر دیا۔ کانفرنس کے بعد ۱۵ اگست میں دیکھا گیا کہ وہ لیگ میں شامل ہو چکے تھے۔ اور جاپانی ہیکاری کیکان

کے منظور نظر بن گئے۔ جاپانیوں کو ان پر بہت اعتماد تھا وہ ان کے پروپیگنڈا ڈیپارٹمنٹ کے سرگرم کارکن تسلیم کئے گئے تھے۔ جاپانیوں کی تحریک سے آپ کو برما ٹیریٹوریل کمیٹی کا ایکٹنگ پریسیڈنٹ بھی بنا دیا گیا۔ کچھ روز کے بعد جب پریسیڈنٹ پی پرشاد صاحب جاپانیوں کی نگاہ پر چڑھ گئے تو موصوف مستقل صدر ہو گئے۔ نیتاجی کی آمد پر آپ اڈوائزر اور بعد میں منسٹر بھی بنا دیئے گئے۔ تحریک سے بظاہر آپ کا "والہانہ عشق" آپ کے بہت سے عیوب پر پردہ ڈالنے کا سبب بنا رہا۔ آپ نے اپنی وزارت کے زمانے میں ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ "نیتاجی کا پسینہ آب زمزم سے زیادہ متبرک ہے" جس پر مسلمانان برما کے مذہبی جذبات کو بے حد ٹھیس لگی تھی۔ ایک مرتبہ ان پر حملہ بھی ہوا تھا۔ اور آپ بال بال بچ گئے تھے۔ آپ کی تحریک سے ایک انتقام کمیٹی بنی تھی۔ جس میں لوگوں سے چندہ وصول کیا جاتا تھا۔ لوگوں کو انتقام کمیٹی کی سختی نے یہ کہنے پر مجبور کر دیا تھا کہ "انتقام کمیٹی انگریزوں کے بدلے ہندوستانیوں سے انتقام لینے کے لئے بنائی گئی ہے۔ کچھ روز کے بعد ان کے متعلق شکوک پیدا ہوئے جس پر بعد تحقیق نیتاجی کے حکم سے نظربند کر دیئے گئے اور مزید تحقیقات جاری رہی کہ انخلائے رنگون کا واقعہ پیش آیا۔ نیتاجی نے ان کو بھی یہ کہہ کر ساتھ لے لیا کہ" ان کی موجودگی سے ہندوستانیوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے"۔ تھائی لینڈ جاتے وقت مولمین کے ایک پڑاؤ پر انہوں نے نکل جانے کی کوشش کی مگر ناکام ہوئی سنتری نے آدھی رات کو بنگلے سے باہر جانے سے روک دیا۔ بہر حال یہ نیتاجی کے ساتھ تھائی لینڈ چلے گئے

اور وہیں گرفتار ہو گئے۔ گرفتاری کے دوران میں آپ کا دماغی توازن بگڑ چکا تھا۔ یوں بھی آپ کو سال دو سال میں دورے پڑا کرتے تھے مگر اس موقع پر حالت زیادہ خطرناک رہی۔ اسی حالت میں آپ دماغی اسپتال بھیجدیئے گئے۔ رہا ہونے کے بعد آپ نے سنگاپور ہی میں اپنا مقام کرلیا اور آجکل آپ وہاں سے ایک انگریزی اخبار کا مریڈیکال رہے ہیں جس کی پالیسی آزاد ہند تحریک کی مخالفت پر ختم ہوتی ہے۔ آپ مذہباً سنی مسلمان تھے۔ اس کے بعد قادیانی ہوئے کچھ دنوں بعد صوفی ازم اختیار کیا۔ اور اب خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہیں؟ سیاستاً آپ پکے کمیونل خیالات کے علمبردار ہندوستانی اس کے بعد انٹی انڈین براسلم۔ اور جاپانی دور میں پکے نیشنلسٹ اور اس سے بھی زیادہ کچھ اور لیکن آجکل "آزادحیت پسند"۔ اور کل کی خبر خدا جانے۔

لوگوں کا خیال ہے کہ نیتاجی کی مردم شناسی نے صرف آپکے پہچاننے میں مغالطہ کھایا۔ نجوم اور علم جفر میں بھی آپ کو کچھ دسترس حاصل ہے۔ بیٹھے بیٹھے "خدا کا حکم" اور الہام ہو جانا ان کا روزانہ مشق تصوف تھا۔ عادتاً ملنسار۔ فقیر منش۔ نوجوان۔ درویش صورت۔ آتش بیان مقرر۔ کینہ توز طبیعت۔ کم گو۔ بسیار فکر۔ میں ان سے مدت سے شرف نیاز رکھتا ہوں۔ لیکن ان کو اصلی رنگ میں کبھی نہیں پایا۔

مسٹر لاٹھیا

مسٹر ایل بی لاٹھیا۔ کاٹھیاواڑ کے رہنے والے رنگون کے مشہور ہندو مہاسبھائی لیڈر ہیں۔ ہندی اور گجراتی اخبارات کے اڈیٹر اور مشہور صحافی ہیں۔ آپ کی عمر ۵۰ سال ہوگی۔ جنگ سے پہلے بہت زیادہ فرقہ وارانہ جذبہ ان میں پایا جاتا تھا۔ اس وقت وہ امن کے لئے ایک خطرہ سمجھے جاتے تھے۔ مگر نیتاجی کے زمانہ میں ان کی کایا پلٹ ہوگئی اور وہ اپنے پرانے خیال سے بظاہر ہاتھ دھو بیٹھے۔ انخلائے برما کے وقت انہوں نے بڑی ہمت سے کام لیا۔ اور رنگون ہی میں رہ گئے۔ جاپانیوں کی آمد پر ۱۴- مارچ ۴۳ء کو رنگون میں آزاد ہند لیگ کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور آپ اس کے چیئرمین بنائے گئے۔ اس کے بعد ماہ مئی کے آخر میں آپ بنکاک کانفرنس کے لئے برما ڈیلیگیشن کے چیئرمین منتخب ہوئے۔ راقم الحروف بھی آپ کے ساتھ بنکاک گیا ہوا تھا۔ ۴۲ء میں جب رنگون کے چار صحافیوں کو نظربند کیا گیا تھا۔ اس وقت بھی راقم التحریر آپ کے ساتھ شاہی مہمان خانے میں بلا ارادہ مدعو کیا گیا تھا۔ بنکاک سے واپسی کے بعد آزاد ہند لیگ کے صدر کی حیثیت سے آپ نے کوئی خاص ترقی کا ریکارڈ نہیں دکھایا۔ ممبران کمیٹی زیادہ تر ان سے ناخوش رہا کرتے تھے کمیٹی پر آپ پوری طرح کنٹرول نہ رکھ سکے

جاپانی میجر سوچی موچی اور ہیکاری کیکان کے ایک منظور نظر تھے۔ بما ٹیٹوریل کمیٹی کے بننے کے بعد آپ کا دور ختم ہو گیا۔ نیتاجی کے دور میں آپ قریب قریب ریٹائر ہو چکے تھے۔ آپ کے تعصب کا زہر بلا اثر نیتاجی کے بنگالی جادو سے زائل ہو چکا تھا۔ برطانیہ کی آمد پر آپ بھی گرفتار بلا ہوئے اور ہندوستان لے جا کر "جگر کچھ" کیمپ میں نظر بند کر دیئے گئے۔ چھ ماہ کے بعد رہا ہو کر رنگون واپس تشریف لائے۔ اور آجکل آئی۔ این رلیف کمیٹی برما کے کاموں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

آپ نے تجرّد میں اپنی عمر گذار دی اور آج تک برہمچاری ہی رہے ہیں۔ اگر آپ نیک نیتی سے کام کریں تو اچھے ورکر ہیں۔ صحافت کا پرانا تجربہ ہے۔ رنگون کارپوریشن کے ممبر بھی منتخب ہو چکے ہیں۔
بظاہر ملنسار، طبعاً محتاط۔ دُبلے پتلے۔ مگر پھرتیلے۔ جوان ہمت۔ خلوص سے رائے دیں تو صائب الرائے۔ دائم المریض۔ آپ کو دمہ کی شکایت رہا کرتی ہے۔ "یوگ آپائے" کے بڑے قائل اور اس پر عامل۔ سر نیچے اور پاؤں اوپر کر کے "گھنٹوں آسن جما رکھنا اور خون کے دباؤ کا رُخ الٹ دینے میں بڑے ماہر جیل میں بھی آپ اپنے اس "یوگ آسن" اور بازی گری سے قیدیوں کو ہمیشہ دعوت نظارہ دیا کرتے تھے۔

منسٹر آف فنانس مسٹر راگھون بیرسٹر ایٹ لا

آپ ملایا کے مشہور قانون دان بیرسٹر ایٹ لا ہیں عمر تقریباً ۴۲ سال ہوگی جاپانیوں کے قبضے کے بعد آپ بھی آزادی وطن کی خدمت کے جذبے کو لیکر ہندوستانیوں کی فلاح و بہبود کی خاطر ہندوستانی محاذ قائم کرنے والوں میں سے ہیں۔ مشرقی ایشیا کی بنکاک کانفرنس کے آپ چیرمین تھے۔ مدراس پریسیڈنسی کے رہنے والے ہیں۔ اس لئے ہندوستانی زبان نہیں جانتے زبان کے معاملے میں کانفرنس میں راقم الحروف کے ساتھ کچھ الجھاؤ پیدا ہوگیا تھا کانفرنس کی کارروائیوں پر آپ نے بڑی خوبی سے کنٹرول قائم رکھا۔ کانفرنس میں تشکیل شدہ کونسل آف ایکشن کے آپ بھی ایک معزز رکن تھے۔ ملایا میں مسٹر راش بہاری بوس سے اختلاف رائے کی بنا پر مذکورہ کونسل سے مستعفی ہوگئے تھے۔ نیتاجی کی آمد کے بعد آپ کی مخلصانہ خدمات کی بنا پر آپ کو حکومت آزاد ہند میں شامل کرلیا گیا۔ اور آپ کو وزارت مالیات کا عہدہ جلیلہ پیش کیا گیا۔ آپ نے اپنے فرائض نہایت حسن و خوبی سے ادا کئے۔ آخری وقتوں میں آپ ملایا تشریف لے گئے تھے۔ آپ ایک خلیق اور مخلص نوجوان ہیں۔ قومی اتحاد و اتفاق کے زبردست حامی ہیں کم گو اور سنجیدہ مگر طبیعت پائی ہوئی ہے۔ آپ کی اصابت رائے وقعت کی نظروں سے دیکھی جاتی تھی۔ ہم چشموں میں ممتاز رہا کرتے تھے نیتاجی اور تحریک سے آپکو خاص محبت تھی۔

آنریبل مسٹر ایّر

مسٹر ایس اے آیر صوبہ مدراس کے رہنے والے عمر تقریباً ۴۸ سال قبل از
جنگ سنگاپور میں انگریزی خبررساں ایجنسی سے متعلق تھے سقوط سنگاپور کے
بعد آپ نے براہ برما ہندوستان جانے کی کوشش کی مگر راستہ بند ہونے کی وجہ سے
رہ گئے بنکاک کانفرنس میں آپ وزٹیر کی حیثیت سے شامل ہوئے آزاد ہند لیگ
بننے کے بعد آپ بنکاک میں جولائی کے بعد مشرقی ایشیا کے لئے پبلسٹی کے انچارج
مقرر ہوئے ۔۔۔ ۴ر جولائی ۴۳ء کو آپ سنگاپور کانفرنس میں شریک تھے۔
اس کے بعد جب رنگون میں ہیڈ کوارٹر کی تبدیلی ہوئی آپ برما تشریف لائے۔ آپ
حکومت آزاد ہند کے پبلسٹی اور پروپیگنڈا وزیر کے عہدے پر فائز تھے۔ رنگون
ہیڈکوارٹر میں آپ آزاد ہند لیگ کے صدارتی فرائض انجام دیا کرتے تھے۔
آپ نیتاجی کے معتمدین میں تھے۔ لانبا قد۔ دبلے پتلے صلح کل پالیسی پر عمل پیرا
بیضرر خلیق ہمدرد اور رحمدل انسان ہیں۔ مخالف اور موافق دونوں کی سنکر انکو راضی
رکھنے کی ان میں صفت تھی ہنس مکھ اور ضرورت سے زیادہ محتاط۔ اپنے اچھے فیصلے پر بھی انکو
تسلی نہیں ہوتی تھی۔ قوت فیصلہ کی ان میں کمی تھی۔ آپ آزاد ہند لیگ کے صدر تھے جاپانی
پسپائی کے وقت آپ نیتاجی کے ساتھ سیام تشریف لے گئے اور وہیں گرفتار ہوکر ہندوستان
بھیجدیے گئے۔ لال قلعے کے مقدمات میں آپ بھی بطور شاہد پیش ہوئے تھے اسکے بعد رہا
کردیئے گئے۔ رہائی کے بعد حکومت صوبہ بمبئی نے آپکو صوبہ کا ڈائرکٹر آف پبلسٹی اور
انفارمیشن مقرر کرکے اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیا ہے۔

سینیٹر مسٹر لال محمد خاں

آپ کی عمر ۴۲ سال پشاور کے متوطن رنگون کے مشہور و معروف رئیس ہیں۔ آپ شیدی خاں صاحب کے صاحب زادے اور سردار طلا محمد خاں صاحب کے برادر خورد ہیں۔ آپ کا خاندان برما میں کافی شہرت رکھتا ہے۔ آپ خود بھی بہت ہر دلعزیز ہیں۔ انخلائے برما کے وقت آپ رنگون میں رہ گئے تھے جنگ سے قبل آپ برما سینیٹ کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ عرصہ دراز سے آپ ہندوستانیوں کی حمایت امداد کرتے چلے آئے ہیں۔ جاپانیوں کی آمد پر آپ نے ہندوستانی مفاد کے پیش نظر برما آزاد لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ لیگ میں آپ وائس پریذیڈنٹ کے عہدے پر مامور تھے۔ بنکاک کانفرنس کے لئے بھی آپ کا نام پیش ہوا تھا۔ مگر کسی وجہ سے نہ جا سکے۔ کمایٹ لیگ برانچ کے آپ صدر رہے تھے۔ اس حلقے میں آپ کی کوششوں سے کافی سرگرمی پیدا ہو گئی تھی۔ آپ کا وسیع و عریض کمپاؤنڈ اکثر لیگ کے بڑے بڑے جلسوں کے لئے استعمال ہوتا رہا۔ جاپانی دور میں ایک ایسا بھی وقت آیا تھا۔ جب آپ معہ دیگر رفقا کے جاپانی ملٹری پولیس کے ہاتھوں گرفتار بلا ہو چکے تھے۔ آپ پر بھی جاسوسی کا الزام لگایا گیا تھا۔ ۲۹ جولائی

سنہ ۱۹۴۳ء کو گرفتار ہوئے تھے۔ اور جنوری سنہ ۱۹۴۳ء میں چھوڑ دیئے گئے۔ نیتاجی کی آمد کے بعد آپ نے بہت شوق سے تحریک میں حصہ لیا۔ آپ کو شروع ہی سے جاپانیوں سے دلی نفرت تھی۔ جب آزاد حکومت ہند بنی آپ نے بہت خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا نیتاجی فنڈ کمیٹی کے آپ ممبر تھے۔ انتظام کمیٹی میں بھی آپ نے کافی حصہ لیا تھا۔ نیتاجی فنڈ کمیٹی میں آپ بصورت نقد وال لیگ کو امداد دیتے تھے۔ برمی حکومت میں آپ کا کافی رسوخ تھا۔ جاپانی اور آزاد ہند ہر دو طبقے میں آپ کو ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ نیتاجی آپ سے بہت خوش رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب بمباری سے آپ کے مکان کو نقصان پہنچا اور خود آپ بھی زخمی ہو گئے تو نیتاجی بہ نفس نفیس عیادت کو تشریف لائے تھے۔ برما میں برطانیہ کی واپسی پر آپ کو بھی گرفتار کر کے انسین جیل میں رکھا گیا تھا۔ تقریباً چھ ماہ کے بعد انگریزوں کے دست ستم سے نجات حاصل کی۔ آپ آج کل اپنی زمینداری اور تجارت میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ ایک خوددار۔ یار باش۔ خلیق غریبوں کے ہمدرد انسان ہیں۔ طبیعت میں "خاں صاحبیت" ہے۔ اپنی وضع پر پوری طرح قائم رہنے والے۔ طبیعت دار نوجوان ہیں۔

میجر جنرل اے ڈی لوگاناتھن

آپ بنگلور کے رہنے والے، برٹش انڈین آرمی میں آپ نے کم و بیش ۲۵
سال تک خدمت کی آپ ڈائرکٹر آف میڈیکل سروسز ہند فوج آئی این اے رہے سقوط سنگاپور
کے بعد آپ ابتدا ہی سے آئی این اے میں شامل ہوئے تھے اور بنکاک کانفرنس میں
فوجی مندوب ہو کر آئے تھے۔ آزاد ہند فوج کے دور انحطاط کے بعد دسمبر ۴۲ء
سے مارچ ۴۳ء تک آپ حکومت کی انتظامیہ کمیٹی کے ایک ذمہ دار رکن رہے۔
نیتاجی کی تشریف آوری کے بعد آپ محکمہ حفظان صحت کی افسری کے علاوہ
سپریم کمانڈ کے چیف اڈمنسٹریٹر مقرر کئے گئے اور آزاد ہند حکومت کے وزیر
بنائے گئے۔ فروری ۴۴ء میں آزاد ہند حکومت کی طرف سے جزائر انڈمان
اور نکوبار کے چیف کمشنر مقرر کئے گئے ستمبر ۴۴ء میں بوجہ علالت سنگاپور تشریف
لے گئے اور ۴۵ء کے اوائل میں رنگون آئے۔ جہاں ہتھیار ڈالنے کے وقت تک
آپ فوج کے افسر انچارج تھے آپ کی عمر تقریباً ۵۶ سال ہے آپ ایک بیباک
اور خلیق افسر ہیں بنکاک کانفرنس جاتے ہوئے ریل کا سفر آپ کی معیت میں
کٹا تھا۔ آپ نے دوران مقدمہ میں نیز ہتھیار ڈال دینے کے بعد برطانوی
افسران کو نہایت بیباکی کے ساتھ جوابات دیئے تھے۔ آپ کی اس
دلیری کی وجہ سے وہ ان کی عزت کرنے پر مجبور ہو گئے۔

کرنل رام سروپ

آپ ضلع رہتک کے رہنے والے ہیں۔ لڑائی سے پہلے ۱۹۴۰ء حیدرآباد پلٹن میں افسر تھے سقوط سنگاپور سے پہلے ہی آپ جاپانیوں کی قید میں آگئے اس کے بعد جنرل موہن سنگھ کے حکم سے وہ ساٹھ ستر رضا کاروں کی جماعت لیکر برما میں آئے اور ہندوستانیوں کی امداد کے سلسلے میں بہت کچھ کام کیا۔ برما میں آزاد ہند لیگ بنانے میں آپ کی کوششوں کو بھی بہت زیادہ دخل تھا۔ آپ نے مسٹر لا ٹھیا کی صدارت کی تحریک کی اور آزاد ہند لیگ عالم وجود میں آئی۔ اس کے بعد جب برما کے مندوبین کا قافلہ بنکاک کانفرنس گیا تو آپ بھی بنکاک کانفرنس میں شریک ہوئے بنکاک سے واپسی کے بعد آپ جاپانیوں کے اشتراک سے ہندوستانی معاملات کی گتھیاں سلجھانے میں لگے رہے۔ نیتاجی کی تشریف آوری کے بعد آپ باقاعدہ ستمبر ۱۹۴۳ء تک برما میں بہادر گروپ کی کمان بحیثیت میجر کرتے رہے اور آپ نے کرنل برہان الدین کی ماتحتی میں نمایاں کام کر دکھایا۔ مارچ ۱۹۴۴ء میں آپ جنرل شاہنواز خاں صاحب کی بریگیڈ کے ساتھ امپھل اور کوہیما کی لڑائیوں میں شامل ہوئے اور شاندار کارنامے کئے۔ امپھل کی جنگ کے خاتمہ کے بعد آپ رنگون آگئے اور ۱۹۴۵ء کی ابتدا میں ڈی پی ایم (ملٹری پولیس) کے عہدہ پر بھی فائز رہے بعدہ نمبر ۲ ڈویژن کے ڈپٹی کوارٹر ماسٹر ہوکر پوپا فرنٹ پر چلے گئے وہاں سے واپسی پر پیگو کے قریب گرفتار کرکے لال قلعہ دہلی لائے گئے اور سبھوں کے ساتھ رہا کر دیئے گئے۔ آپ خلیق نرم دل بذلہ سنج اور یار باش طبیعت رکھنے والے افسر ہیں اکثر ان سے راقم الحروف کی خوش گپیاں رہا کرتی تھیں آجکل آپ رہتک ہی میں ریلیف کے کاموں میں مصروف ہیں۔

کرنل عبدالرشید

آپ ضلع پشاور کے متوطن ہیں ۔ قبل از جنگ برطانوی فوج میں بعہدہ لفٹننٹ تھے ۔ ملایا کی جنگ میں شریک ہوئے اور خوب دادِ شجاعت دی ۔ ہتھیار رکھ دینے کے بعد جاپانی قید میں آ گئے ۔ اور آزاد ہند فوج کی بنیاد پڑنے پر آپ بھی اس میں شامل ہو گئے ۔ آزاد ہند فوج کی تنظیم میں آپ نے نمایاں حصہ لیا تھا ۔ آپ اس کے بڑے سرگرم کارکن رہ چکے ہیں ۔ سنگاپور میں آپ ڈی ۔ پی ۔ ایم (ملٹری پولیس کے افسر اعلیٰ تھے) رنگروٹوں کی بھرتی کا محکمہ آپ کی ان تھک کوششوں سے خوب ترقی پر تھا ۔ آزاد ہند فوج کے دور انحطاط اور نیتاجی کی تشریف آوری کے بعد آپ برما بھیجے گئے ۔ مرگوئی میں آپ فوجی اسٹیشن انچارج تھے ۔ اس کے بعد رنگون تشریف لائے اور نوجیوں کو مشین گن کی ٹریننگ دیتے رہے ۔

آپ ایک سچے مسلمان اور دیانت دار افسر ہیں ۔ آپ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی کی جنگ میں شریک کر کے ان کی

فوجی اور ملی تنظیم کے خواہاں تھے۔ وہ بناوٹی اتحاد اور رسمی بھائی چارہ کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ وہ ایک صاف باطن اور نیک دل انسان ہیں اور دوسروں سے بھی صاف باطنی اور نیک دلی کی توقع رکھتے تھے۔ میرے بڑے کرم فرما تھے۔ اکثر جلسوں اور پارٹیوں میں جب ملاقات ہوتی تھی۔ تو الگ لے جاکر اپنا دکھ درد سنایا کرتے تھے وہ بعض عاقبت نا اندیش متعصب قسم کے افسران کا ذکر کرتے ہوئے افسوس کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ کہ "کاش برادرانِ وطن میں نیتاجی جیسا خلوص ہوتا!" "بنیا گردی" سے وہ سخت متنفر رہا کرتے تھے ان کا قول تھا کہ" انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہونے کے معنی ہر ایک فرد کی غلامی سے آزاد ہونا ہے۔ ہر قوم کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ عامتہ الناس کی بھلائی کے ساتھ ساتھ اپنی قوم کی بہبودی اور برتری کی تمنا بھی پیدا کرے۔"

اخیر وقتوں میں آپ رنگون سپریم کمانڈ میں ڈی۔ پی۔ ایم لعنی ملٹری پولیس بھی رہے۔ پسپائی کے بعد آپ قید ہو کر لال قلعے لائے گئے مسلم لیگ ڈیفنس کمیٹی نے آپ کے مقدمے کی پیروی کی تھی۔ آپ کی فاش حق گوئی نے کانگریس کیمپ میں ایک زلزلہ ڈال دیا۔ مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ ان کے مقدمات میں دلچسپی رہی۔ آپ کے مقدمات کے سلسلے میں جابجا احتجاج اور مظاہرے ہوئے۔ سینکڑوں انسان حکومت کے تشدد کا شکار ہو کر موت کے گھاٹ

اُتر گئے ۔ عورتوں اور بچوں تک پر لاٹھیاں اور گولیاں برسائی گئیں ۔ " حکومت کی کانگریس نوازی " نے دو عملی پالیسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کو سات سال قید با مشقت کی سزا دے دی۔ ادھر کانگریس نے اسلامی نقطہ منظر پیش کرنے پر ان کی رہائی کے مطالبات سے بے اعتنائی برتی ۔ عبوری حکومت ہند میں جب ان کی رہائی پر سوالات کیے گئے تو بھی اسمبلی کے کانوں تک جوں نہ رینگی اور " پنڈت جی " صدر حکومت نے اپنے " اختیاری دیوالیہ پن " کا اعتراف کرلیا ۔

کرنل موصوف ایک خلیق ، مخلص ، دیانتدار اور سچے طالب آزادی مسلمان ہیں ۔ صاف گو ، ملنسار اور اعلیٰ کیریکٹر کے مالک ہیں ۔ تاحال آپ جیل کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں ۔

کرنل علی اقتدار شاہ دارا

کرنل دارا لائل پور صوبہ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ آپ نے لائل پور اور لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ لاہور سے بی اے کی سند لے کر دہرہ دون میں فوجی تعلیم کے لئے بھیج دیئے گئے۔ کالج کی زندگی میں آپ نے اسپورٹ میں بہت نام پیدا کر لیا۔ ٹینس۔ فٹ بال۔ اور دیگر کھیلوں کے علاوہ ہاکی میں ممتاز کھلاڑی مشہور ہوئے۔ آل انڈیا ہاکی ٹورنامنٹ میں کامیاب ہو کر آپ کی ٹیم نے کافی شہرت حاصل کی۔ جنگ سے پہلے جرمنی میں اولمپک میں ملک کی کھیل کے لئے آپ کی ضرورت محسوس کی گئی۔ آپ اس وقت فوج میں تھے۔ اور کسی صورت سے شامل نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر کمانڈر انچیف اور وائسرائے کو جرمنی سے آپ کے بلاوے کے تار موصول ہوئے جن کے پیش نظر آپ ہوائی جہاز سے اولمپک کے کھیلوں میں شرکت کے لئے بھیجے گئے۔ آپ کی شرکت نے ہندوستانی ٹیموں کو کامیاب کیا جس کی وجہ سے آپ نے خوب ناموری پیدا کر لی۔ جرمنی سے واپس آ کر آپ ایک گورہ پلٹن میں شریک ہوئے بعدہ ۱/۱۴ پنجاب رجمنٹ میں بعہدہ کپتان مقرر ہوئے۔ آپ نے جاپانیوں کے مقابلے میں کمپنی کمانڈر کی حیثیت سے خوب خوب داد شجاعت دی بنمالی ملایا میں

چترال۔ سنگائی۔ ٹپانی اور کمپور کے محاذ پر ان کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا سقوط سنگاپور کے بعد آپ نے بھی ہتھیار ڈالے اور آزاد ہند فوج میں شامل ہو گئے۔ آزاد ہند فوج میں آپ ہیوی گن آرٹلیری (بھاری توپ خانہ) کے کمانڈر بنائے گئے۔ ملایا میں افسر ٹریننگ کی حیثیت سے آپ کرنل حبیب الرحمٰن صاحب کے ماتحت سکنڈ ان کمانڈ تھے۔ آپ نے ۳ ڈویژن کے نمبر ۲ گوریلا رجمنٹ کو ترتیب دے کر اسے پختہ کار بنا دیا۔ آپ ہی اس کے کمانڈر بھی تھے۔ فوجی معائنہ کے وقت نیتا جی نے آپ کی رجمنٹ کی بہت تعریف کی تھی۔ یہ رجمنٹ ہر چیز میں دوسری رجمنٹوں سے فوقیت رکھتی تھی۔ اس کا ہر جوان جوش اور امنگوں سے سرشار اور اس میں آزادئ وطن کی سچی اسپرٹ بھری ہوئی تھی۔ سنگاپور میں ہتھیار ڈال دینے کے بعد آپ قید کر لئے گئے قید میں انگریزی فوج کی طرف سے ان پر بہت سختیاں کی گئی تھیں۔ لال قلعے سے رہائی کے بعد آپ نیشنل ہاکی چیمپین شپ میں پنجاب کی ٹیم کے کیپٹن بن کر آل انڈیا ٹیموں کے مقابلے میں جیت پر جیت حاصل کرتے رہے۔ آپ بہت ہی چاق و چوبند خلیق۔ فوج اور نوجوانوں میں ولولہ اور جوش پیدا کرنے والے زندہ دل ہشاش بشاش رہنے والے بذلہ سنج اور خوش مذاق سچے مسلمان افسر ہیں

کرنل محمد اشرف خاں

آپ کنتریلا ضلع راولپنڈی کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے لاہور سے بی۔اے۔ ایل۔ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کرکے کچھ عرصے پریکٹس کی۔ دوران جنگ میں کمیشن حاصل کرنے کے بعد آپ رائل انڈین آرمی سروس کور میں (R.I.A.S.C) بعہدہ لفٹنٹ مامور ہوگئے۔ اور ملایا کی جنگ میں بھیجے گئے۔ سقوط سنگاپور کے بعد ہتھیار ڈالنے والوں میں شریک تھے۔ آزاد ہند فوج بننے سے پیشتر آپ جنگی قیدیوں کے لئے سپلائی کے محکمے سے متعلق تھے۔ آپ نے اپنی خداداد استطاعت کی بدولت سپلائی کا بہترین انتظام کرکے جنگی قیدیوں کو بہت آرام پہنچایا۔

آزاد ہند فوج کی تشکیل کے بعد آپ محکمۂ سپلائی ہی کے انچارج رہ کر اڈوانس پارٹی لے کر برما تشریف لائے۔ اور آزاد ہند کے دور انحطاط پر دوبارہ سنگاپور تشریف لے جانے پر مجبور ہوئے۔ اور وہاں ہیڈ کوارٹر کے محکمۂ سپلائی

اور ٹرانسپورٹ کے انچارج مقرر ہوئے۔ جہاں انہوں نے فوج کو بڑی مصیبتوں کے ایام میں راشن کی تمام ضرورتیں مہیا کر دیں۔ جس سے فوجیوں کی صحت اور تندرستی خطرہ سے بچ گئی۔ آپ بھی سنگا پور میں قید ہو کر دہلی لائے گئے۔

آپ ایک دور اندیش۔ بہادر۔ خلیق اور نہایت فرض شناس اور ہمدرد انسان افسر ہیں۔ میں بذاتِ خود ان سے واقف ہوں مسلمانوں کا درد ان کے سینے میں بھرا ہوا پایا۔ آپ اس وقت اپنے مکان پر تشریف رکھتے ہیں۔

کرنل عبدالعزیز ۔ تاجق

کرنل تاجق پشاور کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے اے آئی آر او میں کمیشن حاصل کیا اور ملایا کی جنگ سے پہلے ایک قیدی کیمپ کے کمانڈنٹ مقرر ہو کر ملایا تشریف لے گئے جنگ کے دوران میں ان کی یونٹ سنگاپور ٹیپانی میں (شمالی ملایا) کیمپ کیے رہی تھی سبھوں کے ساتھ ان کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا جس کے نتیجے میں ان کو بہت کم جاپانی جنگی قیدی ہاتھ آئے ہتھیار ڈال دینے کے بعد یہ بھی آزاد ہند فوج میں شامل ہو گئے اس وقت آپ ہندوستانی جنگی قیدیوں کی دیکھ بھال کرنیوالے افسر اعلیٰ تھے بعدہ سنگاپور سے تھائیلینڈ اور پھر وہاں سے برما تشریف لائے جہاں بہادر گروپ کے کمپنی کمانڈر کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے اسکے بعد جاپانیوں سے کچھ رنجش ہو جانے پر آپ دوبارہ سنگاپور تشریف لے گئے اور وہاں ایک ٹریننگ کیمپ کے کمپنی کمانڈر مقرر ہوئے سقوط سنگاپور کے بعد آپ نے بھی لال قلعے کے اسیروں میں شامل ہو کر رہائی حاصل کی آپ کی انتظامی قابلیت بہت اچھی ہے برطانوی دور میں آپ ایک وقت تاتاری علاقوں میں پولیٹیکل محکمے کے افسر اعلیٰ رہ چکے ہیں کرنل تاجق ایک زندہ دل اور ہمدرد انسان افسر ہیں۔ ڈسپلن پر عامل ۔خوش خلق اور سچے مسلمان ہیں آپ نے صوبہ سرحد اور آئی این اے کے مسلمان فوجیوں کو مسلم لیگ میں شامل ہو کر پاکستان کی خدمت کرنے کا پرخلوص مشورہ دیا ہے۔

کرنل تحمل حسین

آپ کروڑ گاؤں ضلع راولپنڈی کے رہنے والے۔ برطانوی فوج میں کمیشن پانے کے بعد بعہدہ لفٹننٹ ملایا کی جنگ میں بھیجے گئے۔ آزاد ہند فوج کی تشکیل کے بعد آپ بھی شامل ہوگئے تھے ملایا میں آپ ٹریننگ کیمپ کے افسر ٹریننگ اور انسٹرکٹر تھے۔ ملایا میں ایک محکمہ انٹیلیجنس میں اجوٹنٹ بھی رہ چکے ہیں۔ فوجی ٹریننگ میں آپ کی قابلیت مسلمہ ہے آپ نے اپنے انہماک سے بہت جلد رنگروٹوں کی بڑی تعداد کو پختہ کار سپاہی بنادیا۔

بڑے جفاکش اور محنتی۔ رات و دن کام میں مشغول رہنے والے دیانت دار اور دل میں آزادی اور بنی نوع انسان کی سچی تڑپ رکھنے والے افسر ہیں۔ آپ سے افسران بالا بہت خوش رہا کرتے اور عزت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ آپ کم گو، خوش خلق اور اعلیٰ کیرکٹر کے مالک ہیں۔ سنگاپور سے اسیروں کے زمرے میں لال قلعہ لائے گئے اور وہاں سے رہا کر دیئے گئے۔

مسٹر اے۔ آر۔ نظامی

آپ صوبہ پنجاب کے رہنے والے۔ عمر تقریباً ۴۵ سال۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ گئے ہوئے تھے۔ آپ خان بہادر ولی محمد صاحب گورنمنٹ کنٹراکٹر کے صاحب زادے ہیں۔ آپ کے مرحوم والد کارپوریشن کے ممبر تھے۔ خود نظامی صاحب بھی اپنی ہردلعزیزی کی بدولت رنگون کارپوریشن کے ممبر منتخب ہو چکے تھے۔ قبل از جنگ آپ برما ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ اور گورنمنٹ سپلائی میں سرکار کو بہت کچھ امداد دی تھی۔

جاپان کی آمد کے بعد آپ اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے جاپانی دور میں آپ نے انگلو انڈین طبقے کے مفلوک الحال اور مصیبت زدہ لوگوں کی خاص دیکھ بھال کی تھی۔ اور ان سے سلوک کرتے رہے۔ جاپانیوں نے یہ دیکھ کر آپ کو جاسوسی کے الزام میں ماخوذ کر لیا۔ اور قید کر دیئے گئے۔ آپ پر دورانِ قید میں بہت زیادہ مظالم ڈھائے گئے۔ آپ کا ان مظالم سے جانبر ہو جانا حیرت کی نظروں سے دیکھا اور سنا گیا۔ نیتاجی کی آمد کے بعد آپ نیتاجی کے حکم سے رہا کر دیئے

گئے۔ بعد میں آپ نے دل کھول کر تحریک میں حصہ لیا۔ اور لاکھوں کی امدادی رقمیں تحریک کے لئے پیش کیں۔ آپ محکمۂ سپلائی نیتاجی فنڈ کمیٹی اور انتقام کمیٹی کے وائس چیرمین بھی بنائے گئے تھے۔

برطانیہ کی واپسی کے بعد حکومت نے انتقام کمیٹی میں پبلک پر ظلم کرنے کے الزام میں مقدمہ چلانا چاہا۔ جس کی پیروی کے لئے مسٹر سرت چندر بوس رنگون آئے ہوئے تھے لیکن حکومت نے اپنی دانشمندی دکھائی اور مقدمات واپس لے لئے۔ آجکل آپ برطانوی فوجی سپلائی میں اوّل درجے کے اسامی ہیں۔

آپ نے نیتاجی گولڈن جوبلی کے موقع پر ایک ویسہ (دو سیر) پختہ سونا پیش کیا تھا۔ برمی جاپانی۔ آزاد ہندی اور برطانوی چاروں حکومتوں کے افسران سے آپ کے گہرے تعلقات تھے اور ان حکومتوں میں کافی اثر ورسوخ رکھتے تھے۔

آپ ایک ہمدرد انسان۔ غریب پرور۔ بذلہ سنج اور ہر وقت کاروبار کی دھن میں لگے رہنے والے بزرگ ہیں۔ میرے ان کے ساتھ زمانے کے مراسم چلے آتے ہیں۔

کرنل رضوی ایم۔ اے

آپ بریلی کے متوطن ہیں اور وہاں کے مشہور علمی خاندان کے قابل فخر نوجوان افسر ہیں۔ برطانوی فوج میں آپ ملایا تشریف لے گئے تھے پسپائی کے بعد آپ بھی جاپانیوں کی قید میں رہے اور آزاد ہند فوج کی تشکیل کے بعد آپ اس میں شامل ہو گئے۔ نیتاجی کی تشریف آوری کے بعد آپ بعہدہ لفٹنٹ تحریک میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ برما میں جب پہلی مرتبہ کرنل الاگپن صاحب بھیجے گئے تو آپ ان کے اسسٹنٹ رہے اور دفتری کاموں کی دیکھ بھال نہایت مستعدی سے کرتے رہے۔ سنگاپور میں آپ محکمہ نشر و اشاعت کے اعلیٰ افسر بھی رہے۔ بعدہٗ آپ کو نیتاجی کے اے۔ ڈی کانگ بننے کا شرف بھی حاصل ہوا تھا۔ ہیڈکوارٹرز برما سپریم کمانڈ میں آپ ایک مشغول اور سرگرم کارکن کی حیثیت سے کام کرتے رہے برطانیہ کی آمد کے بعد آپ بھی قید ہو کر لال قلعہ دہلی میں قید رہے اور بھولا کے ساتھ رہا کر دیے گئے۔ آجکل آپ نیتاجی کے برادر معظم مسٹر سرت چندر بوس کے پرسنل اسسٹنٹ ہیں اور آئی۔ این۔ اے ریلیف کے کاموں میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ آپ ایک سمجھدار سنجیدہ مذاق۔ خوش طبع اور نیک دل جوان ہیں اور قوم کی بہت سی امیدیں ان سے وابستہ ہو سکتی ہیں۔ مجھ سے بھی آپ کے پرانے مراسم ہیں۔

مسٹر دیبی ناتھ داس

آپ بنگال کے رہنے والے ہیں۔ عرصے سے سوامی ویکانند کی تعلیمات کا پرچار کر رہے ہیں۔ وہاں کی حکومت میں بھی آپ کا خاص اثر ہے۔ آپ بنکاک لیگ کے سکرٹری تھے۔ کانفرنس کے موقع پر آپ مجلس استقبالیہ کے صدر تھے۔ آپ ہی کی پارٹی سبھاش چندر بوس کی حامی تھی۔ اور کانفرنس میں اس نے سوبھاش چندر بوس کے نعرے لگائے تھے۔

نیتاجی کی آمد کے بعد آپ ہیڈ کوارٹرز برما کے جنرل سکرٹری رہ چکے ہیں۔ آپ بھی قید ہو کر لال قلعہ سے رہا ہوئے۔ آپ ایک ہمدرد انسان، ہنس مکھ، نیک دل اور با اخلاق نوجوان ہیں۔ بنکاک ہی سے وہ مجھ پر مہربان رہے۔

قومی ایثار اور قربانی کے چند نمونے

آزاد ہند فوج کے ہر سپاہی اور افسر میں جاں نثاری اور وطن پر قربان ہونے کے جذبات بدرجۂ اتم موجود تھے۔ باوجود بے سروسامانی وہ ہر طرح کا ایثار کرنے کے لئے تیار رہا کرتے تھے۔ نیتاجی اور وطن کی محبت ان میں عشق کے درجے تک پہنچ چکی تھی۔ بس ایک ہی چیز تھی جس کے لئے وہ زندہ رہنا چاہتے تھے۔ اور وہ چیز صرف ہندوستان کی آزادی تھی۔ محاذِ جنگ پر متعدد افسران اپنے قریبی رشتہ داروں کے مقابلے میں برسر پیکار تھے۔ میجر جنرل شاہنواز خاں اپنے متعدد رشتہ داروں کے مقابلے میں لڑے۔ کرنل تمایا اپنے حقیقی بھائی بریگیڈیر تمایا سے جنگ میں مصروف تھے۔ کرنل رام سروپ نے بھی اپنے حقیقی بھائی کے مقابلے میں دادِ شجاعت دی تھی۔ آزاد ہند فوجیوں کو ان کے رشتہ داروں کا واسطہ تک دیا گیا کہ وہ ان کی محبت کی یاد کو تازہ کرتے ہوئے جنگ سے ہاتھ روک لیں ان کو بھوک اور پیاس کے عالم میں شراب، مکھن، بسکٹ اور عمدہ عمدہ خوراک

کی رشوتیں دی گئیں۔ مگر یہ تھے کہ گھانس اور پتوں پر جی کر بھی مقابلے پر ڈٹے رہے۔ وطن کے عشق کا یہ عالم تھا کہ ایک محاذ پر باپ نے بیٹے کو یہ کہہ کر گولی مار دی کہ "نیتاجی نے ہم کو دہلی کی طرف بڑھنے کا حکم دیا ہے"۔ جب کہ بیٹا صرف مصلحت کی خاطر اپنے دستے کو عارضی طور پر ایک مورچے سے ہٹ کر دوسرے مورچے پر متعین کرنا چاہتا تھا۔ ایک بہادر سپاہی زخموں سے چور پڑا تھا۔ اس کا جسم قریب قریب سڑ چکا تھا۔ تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے۔ نیتاجی کو جے ہند کہلایا اور اپنے فرض سے سبکدوشی پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے راہی عدم ہوگیا۔ مورچوں پر کئی کئی دنوں تک دلدلوں میں کھڑے ہو کر لڑتے رہے۔ ہاکا پہاڑ پر جہاں بے انتہا سردی تھی۔ اپنی ڈیوٹی پہ سردی میں اکڑ کر کھڑے کے کھڑے ہی رہ گئے۔ اور جان دے دی مگر اپنی راحت و آرام کے لئے کوئی شکایت نہیں کی۔ باربرداری کی قلت کی وجہ سے سو سو میل ضروریات جنگ اپنے سروں پر رکھ کر محاذ جنگ کی طرف جاتے رہے۔ مگر کیا مجال جو منہ سے حرفِ شکایت نکل سکے! یہ ہیں جاں نثارانِ وطن کے ایثار کے وہ چند نمونے جو مشکل سے آج دنیا کی کسی منتظم فوج میں ملیں گے۔ جن سے تاریخ ہند کے ابواب روشن ہیں!۔

لیکن اس سلسلہ میں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ

بعض مسلمان افسران کی رواداری اور چند ہندو افسران کی حقیقت پوشی نے مسلمانوں کے حیرت انگیز کارناموں پر پردہ بھی ڈال رکھا تھا

چنانچہ کمپنی کمانڈ وغیرہ کی جانب دارانہ رپورٹ جس میں مسلمانوں کے کارناموں کو نظرانداز کر کے ہندو اور سکھ بھائیوں کے اعمال ناموں کو روشنی میں لایا گیا تھا۔ مسلمان افسرانِ بالا نے رواداری اور صرف رواداری ہی کے پیش نظر ان سے ناانصافی برتی۔ اور اس طرح اتحاد و محبّت کی خاطر مزید ایثار سے کام لیا۔

راقم الحروف نے ایسے بہت سے واقعات کی شہادتیں فراہم کی تھیں۔ جن میں بعض مستحقین خدمات سے اعزاز برتا گیا تھا۔ لیکن نیتاجی ان باتوں سے لاعلم ہی رکھے گئے۔ ورنہ ان سے اس حق تلفی کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔

بین الاقوامی اتّحاد

جاپانی دور کا اگر جائزہ لیا جائے اور اس پر غیر جانب دارانہ غور کیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ یہ دور فرقہ وارانہ ذہنیت کی پرورش کر کے ناجائزہ فائدہ اٹھانے والوں سے بالکل خالی تھا۔ اور اتفاق و اتحاد قومی کی ایک گھٹا تھی۔ جو ان کے سر پر رحمت بن کر چھائی ہوئی تھی۔ امن و آشتی۔ محبت و پیار۔ آپس کی رواداری جیسی نایاب جنس اس دور میں سستی تھی۔ جنگ سے قبل ملک برما بھی ہندوستان کی پرورش کردہ نااتفاقیوں کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ مغربی سیاست جدیدہ کا مہلک "نیشنلزم" یہاں کے لوگوں میں بھی انسانیت کے خلاف پھوٹ اور نااتفاقی نیز قومی اور جماعتی منافرت پیدا کئے ہوئے تھا۔ برمی فوج ہندوستانیوں سے

نفرت کا جذبہ دل میں رکھتی تھی۔ جو فسادات کی شکل میں ظاہر ہو چکا تھا۔ ہندو مسلم سوال یہاں بھی اپنی زہریلی وبا پھیلا چکا تھا۔ اور دو مرتبہ اس کا نتیجہ فساد پر منتج ہو چکا تھا۔ چوتھائی صدی سے ہندوستان ہندو مسلمانوں کو ایک کرنے میں ناکام رہتا چلا آیا ہے۔ مگر اس دور میں کیا ہندو اور کیا مسلمان ہر ایک کو شیر و شکر پایا۔ برمی قوم کا وہ جذبۂ نفرت بھی سرد ہو چکا تھا۔ لفظ "کلا" جو وہ ہندوستانیوں کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔ اور جس میں ایک قسم کی حقارت کا مفہوم پوشیدہ تھا۔ یک لخت ہر ایک کی زبان سے ختم ہو چکا تھا۔ اگر یہ مستعمل بھی تھا۔ تو اس رنگ میں نہیں ہر ایک دوسرے کو اپنی مصیبت کا ساتھی سمجھے ہوئے تھا۔ سب میل ملاپ اور خلوص سے رہا کرتے تھے۔ اسے یا تو "جاپانی تلوار" کا کرشمہ کہئے یا پھر "برطانوی حکومت کی غیر موجودگی کی برکت!" بہرحال یہ زمانہ "گھریلو جھگڑوں" سے بالکل پاک اور صاف ہو کر جنت کا نمونہ بنا ہوا تھا۔

مذہبی آزادی وقت اور زمانہ نے جس طرح قوموں میں رابطۂ اتحاد پیدا کر دیا تھا۔ اسی طرح ان میں مذہبی رواداری بھی پیدا ہو گئی تھی۔ سب اپنے اپنے مذہبی رسم و رواج کے مطابق آزادی کے ساتھ اپنا معمول پورا کر لیا کرتے تھے۔ مذہبی شعار اور دھارک اصولوں کا سب برابر احترام کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں کوئی کسی پر معترض نہ تھا۔ بڑے بڑے مندروں کے سامنے سے ذبح کی

ہوئی گائیں کھلم کھلا لے جائی جاتی تھیں۔ مگر کوئی برہمن اور پنڈت اپنی پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے دکھائی نہ پڑتا تھا۔ علی الاعلان بازاروں اور سڑکوں پر خنزیر کا گوشت بکتا تھا۔ مسلمانوں کو کسی قسم کا اعتراض کرتے ہوئے نہیں پایا گیا۔ مسجدوں کے سامنے سے باجے بھی بجتے ہوئے گزرے اور قربانی کی گائیں کو بغیر لائسنس شارع عام پر ذبح ہوتے ہوئے بھی دیکھا گیا۔ مگر کوئی پوچھنے والا تک نہ تھا۔ سب نے دیکھا۔ سب نے سنا۔ دیکھی ان دیکھی اور سنی ان سنی کر دی۔ سب اپنی اپنی دھن میں لگے ہوئے تھے۔ کسی کو کسی سے سروکار نہ تھا۔ آزادی کے ان چند لمحوں نے ملک برما کو باغ ارم بنا دیا تھا۔ سچ ہے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد　　کسے را با کسے کارے نہ باشد

مگر برطانیہ کی دوبارہ واپسی پر "آزادی کے چند لمحوں" کا یہ خواب خیال ہو کر رہ گیا۔ یہاں ہندوستان سے آئے ہوئے نئے نئے "پہلوانوں" نے پھر وہی جذبہ منافرت قومی کی پرورش شروع کر دی۔ آج پھر پارٹی بازیاں ہونے لگی ہیں۔ ہندو مسلمان نیشنلسٹ۔ کمیونسٹ۔ فاسسٹ انٹی فاسسٹ ہر رنگ کے نمونے آپ کو اس مغربی بازار میں نظر آئیں گے۔ باجے کا سوال۔ قربانی کے لئے لائسنس کا جھگڑا۔ حقوق کا رونا آج کل سب کچھ پیدا ہو رہا ہے۔ قوموں سے زیادہ حکومت کو ان باتوں کا خیال رہا کرتا ہے۔ اشتہارات اور سرکلر جاری کئے جاتے ہیں۔ کہ باجوں کے لئے شارع عام پر اجازت طلب کی جائے جلوس نہ نکلے۔

جلسے نہ کئے جائیں۔ قربانی اس صورت سے کی جائے۔" ورنہ قوموں کے جذبات کو ٹھیس لگنے کا اندیشہ ہے" بات تو بڑی اچھی ہے۔ حفظ ماتقدم کا کیا کہنا؟ مگر اس کی ضرورت آج کیوں ہو رہی ہے؟ کل کیوں نہ تھی؟ "مدعی سست گواہ چست" کے مقدمے میں منصف کے یہ حرکات کس قدر مضحکہ خیز ہیں۔ ع

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

مسلمانوں پر نیتاجی کا اعتماد

قدرتی طور پر نیتاجی کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے ایک قسم کی محبت پیدا ہو چکی تھی۔ پورے تجربے کے بعد آپ کلیۃً ان پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب ہندوستان سے نیتاجی کی پُر اسرار گم شدگی کا واقعہ پیش آیا تھا۔ آپ نے چند مسلمان دوستوں ہی پر بھروسہ کر کے اپنی اس خفیہ مشن کے راز سے ان کو آگاہ کیا تھا۔ اور ان کی رہنمائی حاصل کی تھی۔ جرمنی پہنچ کر بھی آپ نے وہاں کرنل عابد حسن کو اپنا معتمد اور سکرٹری بنایا تھا۔ کرنل حبیب الرحمن آپ کے خاص معتمدوں میں تھے جو آپ کے ساتھ ٹوکیو کی اہم مشن میں رہے۔ نیز فوجی معاملات میں آپ کے سب سے زیادہ قابلِ اعتبار میجر جنرل محمد زماں کیانی صاحب رہے۔ برما کی جنگ اور امپھل کے معرکے میں بھی آپ نے قابل مسلمان معتمد افسروں ہی کے ہاتھوں میں فوج کی کمان دے رکھی تھی۔ جن میں کرنل عنایت کیانی اور میجر جنرل شاہ نواز خاں خاص کر قابلِ ذکر ہیں۔ اخیر وقتوں میں نیتاجی

نے کرنل حبیب الرحمن ہی پر اعتماد کلی کیا تھا۔ جو تن تنہا آپ کے ساتھ فضائی حادثے میں شریک ہو کر زخمی ہو چکے تھے۔ نیتاجی کی مسلمانوں سے محبت ہندوستان کے دیگر زعماء کے لئے درحقیقت ایک قابلِ تقلید مثال ہے۔ جو ہندوستانیوں کی باہمی محبت اور اتحاد و اتفاق کے رشتے کو مضبوط کرنے میں بے حد مفید ثابت ہو چکی ہے۔

ہندوستان کو نیتاجی کی ضرورت

ماضی میں مشرقی ایشیا کے قومی اتحاد و اتفاق کے پیش نظر تجربہ یہ بتا رہا ہے کہ ہندوستان کے لئے بھی ایک ایسے لیڈر کی ضرورت ہے۔ جو ہندو اور مسلمانوں کی قومی منافرت دور کرتے ہوئے ان میں یگانگت اور یک جہتی پیدا کر دے۔ اور اس لیڈر میں آزادی کے جذبے کی قدر کرنے کی اہلیت ہو۔ جو ان کے رفقاء کار کے دلوں میں ہے۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان! یہ تمام خوبیاں چوں کہ نیتاجی میں موجود تھیں۔ اور ان سے کسی قوم کو بھی شکایت کا موقع نہ ملا تھا۔ اس لئے اگر فاش حق گوئی سے کام لیا جائے تو بلا مبالغہ کہنا پڑے گا کہ ایسا لیڈر صرف سوبھاش چندر بوس ہی ہو سکتا ہے۔ جس کی قیادت میں ہندو ہندو رہ کر بھی مسلمانوں کا دوست اور مسلمان مسلمان رہ کر ہندو کا رفیق کار بن سکتا ہے۔ پس ایسے موقعہ پر نیتاجی سوبھاش چندر بوس کی شخصیت ہندوستان کے لئے فرشتۂ امن کی حیثیت رکھے گا۔ ہندوستان کو آج سختی سے نیتاجی کی تلاش ہے۔ تاکہ تمام قومیں

باہم شیر و شکر ہوکر آزادی اور امن کا پوری طرح لطف اٹھا سکیں!
نیتاجی کی شخصیت پر اگر بہ نظر غائر غور کیا جائے تو مجبوراً کہنا پڑے گا کہ آپ صحیح معنوں میں حضرت بہادر شاہ ظفر کے خواب کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ جو قربانی۔ اتحاد اور اعتماد پر آزادئ ہندوستان کی تعمیر کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کا نصب العین لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ قربانی وہ بھی سچی قربانی۔ زبانی جمع خرچ نہیں! جیلوں میں اے کلاس کے مزے اڑاکر خون لگاکر شہیدوں میں شمار ہونے والے نہیں۔ بلکہ میدانِ کارزار میں خاک و خون میں لت پت ہوکر زندہ جاوید مثال قائم کرنے والے جانشین بہادر شاہ ظفر تھے۔ کاش کانگریس کے وہ لیڈران جو آزادئ ہندوستان کی علمبرداری کا دعویٰ رکھتے ہیں ان میں نیتاجی کے جذباتِ قربانی اور خلوص کا ہزارواں حصہ بھی موجود ہوتا تو آج ہندوستان پیار و محبت پریم و رواداری کی بدولت جنت ارضی کے مزے لوٹتا اور ہر ایک کے دل میں اعتماد اور اعتبار کا دریا موجزن ہوجاتا!

ہندوستانیوں کی برما میں واپسی

برطانیہ کی آمد کے بعد سے ہندوستانیوں کی درآمد کا ایک تانتا بندھ گیا۔ ایسے لوگ جو اپنی جائداد اور اپنا کاروبار چھوڑکر بے تحاشا بھاگے تھے وہ نہایت بے صبری کے ساتھ اپنے اندوختے کا جائزہ لینے آئے۔ اور اپنے اپنے ایجنٹوں سے

محاسبہ کرنے لگے۔ مگر کچھ ساتھ ہی ایسے بھی آئے۔ جو تماش بین کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور ایسے بھی تھے جو "تجارتی لوٹ" کی غرض سے ہندوستان کے بعد تباہ شدہ برما میں اپنی عنایت بے غایت کا مظاہرہ کرنے آرہے تھے۔ لیکن مزے کی بات تو یہ تھی کہ برما میں بسنے والے اور ہر آن اور ہر دم برما اور برما والوں کی محبّت کا دم بھرنے والے "بھگوڑے لیڈر" اور کارکن کس غرض سے آرہے تھے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی؟ برما والوں کو مصیبتوں میں پھنسا کر دوبارہ ان کو اپنی ہوا و ہوس کا شکار کرنے اور ہندوستان کی مسموم فضاؤں میں رہ کر زہریلے جراثیم پھیلانے کے سوا ان سے کیا خاص توقعات رکھی جاسکتی تھیں۔ "قومی بہروپئے" برطانیہ کی نوازش خسروانہ کا لیبل لگا کر اس کی گرفت مضبوط کرنے کے لئے آنے کو تو آگئے مگر انہیں کیا معلوم کہ برما والے اب ان کے اور ان کے آقاؤں کے دام فریب سے نکل چکے ہیں۔ اور اب ان کی دال یہاں گلتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ بہر حال وہ اپنے پرانے رسوخ اور تعلّقات سے کچھ مالی فائدہ چلتے چلاتے اٹھالیں تو اٹھالیں۔ قومی اور سیاسی میدان میں اب ان کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ برما میں بچّہ بچّہ ان "بھگوڑے لیڈروں" کا یہ نقشہ اپنے ذہن میں منقش کرچکا ہے۔ جو وہ کسی حالت میں بھی مٹا نہیں سکتا۔

آزاد ہند فوج سے کانگریس کی بے اعتنائی

اس میں ذرہ برابر تشک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ آزاد ہند فوج نے نہایت نیک نیتی سے اپنے وطن کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے ہندوستان کے دشمنوں سے مقابلہ کیا اور عدیم النظیر قربانیاں کیں۔ اور یہ انہی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان استعماریت کے پنجوں کی گرفت سے آزاد ہو کر آزادی کی فضا میں سانس لینے کے قابل ہو گیا۔ ایسی حالت میں ہندوستان کی برسر اقتدار جماعت انٹریم گورنمنٹ کا فرض تھا کہ وہ ان بے سروسامان آزاد ہند فوجیوں کو ہندوستانی فوج میں جگہ دے کر ان کی ہمت اور عزت افزائی کرتی۔ ان کی بقایا تنخواہیں اور الاؤنس کی رقمیں ان کو واپس دلواتی تاکہ وہ فخر و ناز کر سکتے کہ ان کی قربانیوں کو سراہا گیا۔ اور ہندوستان اپنے محسنوں کی قدر کرنے کے قابل ہے۔ مگر یہ افسوس سے دیکھا گیا ہے کہ آج برسر اقتدار پارٹیوں نے اس کی طرف مطلق توجہ نہیں دی اور معشوق بے پروا کی طرح بیمارِ غم کی آہ و بکا سے اپنے کان ناآشنا کر لئے ۱۹۴۲ء کے بعد سے کانگریس کا اقتدار ان کی "عافیت پسندی" کی وجہ سے ختم ہو چکا تھا۔ آئی۔ این۔ اے کے مقدمات اور کانگریس کی پیروی نے کچھ کچھ اس کا اقتدار دوبارہ قائم کر دیا۔ جس کے بعد اس نے پھر وہی خشونت و غمزے شروع کر دیئے۔ اور بقول شخصے ؎

کیسی آنکھیں پھیر لیں مطلب نکل جانے کے بعد

دوسری طرف یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ کانگریسیوں کو نیتاجی سبھاش چندر بوس سے ذاتی عناد تھا۔ جو ان کی کانگریس سے علیحدگی۔ اور فارورڈ بلاک کی تخلیق کا سبب بنا۔ انہیں باتوں کے پیش نظر کانگریس کے کرتا دھرتا نیتاجی اور ان کے ساتھیوں کی ہر دلعزیزی کو اپنی کم نگاہی کے سبب برداشت نہیں کر سکتے۔ اور کسی حالت میں وہ آزاد ہند فوج کے قیام اور اس کا بڑھتا ہوا اقتدار قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور شاید اس کی دوسری وجہ آزاد ہند فوج میں مسلمانوں کا بڑھتا ہوا اثر بھی ہے جو وہ اپنی فرقہ وارانہ ذہنیت کی بدولت اس کی طرف سے بے اعتنائی برتنے پر مجبور ہوئے۔ بہر حال ان کے ساتھ سخت ناانصافی کی گئی جو کسی حالت میں ہندوستان کی عزت کے شایانِ شان نہیں۔ اب جب کہ ہندوستان اور پاکستان کو اختیارات منتقل ہو رہے ہیں اور وہ اپنی اپنی فوجیں رکھنے میں مختار ہیں تو ان کا فرض ہے کہ دونوں حکومتیں اس مسئلہ پر غور کریں۔ اور جلد از جلد بھرتی شروع کر دیں۔ اور ہر ایک قوم کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیں۔ کہ وہ ان حکومتوں کی فوجوں میں شامل ہو کر ملک کی بہتری اور اس کی تعمیر میں حصہ لے کر اپنی دیرینہ روایت کے مطابق اپنی قابلیت کا جوہر دکھا سکیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ آئی۔ این۔ کے متعلق "آزادی کی مدعی" کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ بہت زیادہ ان کی ہمدرد ثابت ہو چکی ہے جو ہمیشہ وطنی آزادی کے معاملے میں کانگریس کا ہدف طنز و مطاعن

بنتی رہی۔ اسمبلی میں اسیران آزاد ہند فوج کی رہائی کے متعلق بہت نیک نیتی سے ان کی طرف سے سوالات کئے گئے تھے۔ لیکن اس کے برعکس کانگریس نے مطلق پروا نہ کی۔ اور ان کا پول کھل کر رہ گیا اور یوں ہر آزاد منش ہندوستانی افسوس سے کہنے پر مجبور ہو گیا کہ ؎

جن پہ تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے

بہادر شاہ کا مقبرہ اور ہندوستانی حکومت کا فرض

ہندوستان کے آخری تاجدار اور انقلاب اوّل کے ہیرو بہادر شاہ ظفر کے مقبرے پر نیتا جی سوبہاش چندر بوس نے جس وقت انگیز پیرایہ میں قسم کھائی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ ”میں سب سے پہلا شخص ہونگا جو آپ کے مزار کی تعمیر میں ایک معمار کی حیثیت سے کام کروں گا“۔

ان وعدوں کی لاج رکھ لینا ہندوستانی حکومت کا فرض ہے، مشرقی ایشیا کے ہندوستانیوں نے خصوصاً وہاں کے مسلمانوں نے جنگ آزادی ہندوستان لڑنے میں جو مالی امداد دی ہے وہ صفحات ماسبق میں درج ہیں۔ حبیب سیٹھ نے جب کہ وہ اپنی تمام دولت تحریک کی نذر کر چکے تو مقبرے کی تعمیر کی مد میں انھوں نے پانچ لاکھ روپے الگ رکھ دیئے تھے وہ بھی پیش کر دیئے اس وقت نیتا جی نے نہایت پُرجوش انداز میں علی الاعلان فرمایا :-

”حبیب سیٹھ کی یہ پانچ لاکھ کی رقم شہنشاہ ہند کے مقبرے کے لئے مخصوص ہے مگر اتنی رقم میری آرزوؤں کے مقابل بہت تھوڑی ہے میں ہندوستانی حکومت کی طرف سے بنواؤں گا اور خود بھی مزدوری کر

سعادت حاصل کروں گا"۔ ایسی حالت میں ہندوستانی حکومت کو چاہیئے کہ وہ نیتاجی کا بول اٹھائے اور ان کے کئے ہوئے وعدوں اور ان کی دلی تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل کر کے اپنی فرض شناسی کا ثبوت دے۔

اب جب کہ صوبہ دہلی۔ آگرہ وغیرہ ہندوستان کے قبضے میں ہیں۔ اور لال قلعہ دہلی پر اس کا جھنڈا لہرانے والا ہے۔ لال قلعہ دہلی کے مالک کے مزار کی تعمیر کا فرض بھی اسی پر عائد ہوتا ہے۔ اور حبیب سیٹھ کی مشروط رقم کی ادائیگی۔ اور اس کے صحیح مصرف کا خیال رکھنا اور اس سے عہدہ برآ ہونا ہندوستانی حکومت کے وقار کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے۔ دوسری طرف پاکستانی گورمنٹ کا بھی اخلاقی اور ملی فرض ہے کہ وہ ہندوستانی حکومت کا ہاتھ بٹائے۔ نیز بنگال کی پاکستانی گورمنٹ کا یہ فرض اور بھی دگنا ہوجاتا ہے۔ کہ وہ ایک طرف تو آخری برما بادشاہ تھیبو کے مزار کی بھی شایان شان یادگار قائم کرے اور دوسری طرف بہادر شاہ ظفر کے مقبرے کی تعمیر میں حکومت ہندو برما کے ساتھ ساتھ خود بھی پیش پیش رہ کر اس یادگار کی تکمیل میں حصہ لے۔ نیتاجی سوبھاش چندر بوس کا منظور شدہ مقبرے کا پلان کتاب ہذا کے ساتھ درج ہے۔ اور اسی پلان پر اس کی تعمیر ضروری ہے۔

کیا نیتاجی زندہ ہیں؟

سوبھاش چندر بوس کی ہر دلعزیزی کے پیش نظر تمام ہندوستان میں ہر ایک کی زبان پر یہی سوالات ہیں کہ کیا وہ زندہ ہیں؟ اگر وہ زندہ ہیں تو کہاں

ہیں ؟ کب آئیں گے ؟ اب کیا دیر ہے وہ کیوں نہیں آتے ؟ ان سوالات
کی بے ساختگی اور ان میں چھپے ہوئے جذبات پر غور کیا جائے تو پتہ چل
جائے گا۔ کہ وہ کانگریس کے موجودہ لیڈروں سے دل برداشتہ ہو گئے
ہیں۔ اور بری طرح اُن کی غیر موجودگی کو محسوس کر رہے ہیں۔ بات بھی سچی
ہے۔ مگر سیاسی حالات کچھ اس تیزی سے بدل رہے ہیں کہ اس کے
متعلق کوئی حتمی فیصلہ کرنا حق بجانب بھی نہ تھا۔ سب سے پہلے یہ خبر کرنل
حبیب الرحمٰن کی معرفت ہندوستانیوں تک پہنچی۔ جو نیتا جی کے ساتھ
ہوائی جہاز کے حادثے میں شریک تھے اور جو نیتاجی کے بہت ہی معتمد
افسر ہیں۔ لیکن کرنل حبیب الرحمٰن صاحب کی فطری رازداری کی عادت
اور ان کے محتاط اطوار پر گہری نظر ڈالی جائے تو لامحالہ کہنا پڑے گا۔ کہ
موصوف ہی ایک ایسے شخص ہیں جن کے سینے میں راز راز ہی بن کر رہ سکتا
ہے۔ اور حسب منشا اس کی پردہ داری ہو سکتی ہے۔ نیتاجی نے اس راز
کی حفاظت کے لئے کرنل موصوف کو بہت موزوں شخصیت جان کر چنا تھا
اور بہت ہی خوب چُنا تھا۔ لیکن آپ کی نیتاجی سے وفاداری اور جاں نثاری
کو دیکھا جائے تو اس خبر پر کرنل موصوف پر اعتبار کرنے کو جی نہیں چاہتا۔
تعجب کی بات ہے کہ کرنل موصوف تو معمولی طور پر حادثے میں جھلس جائیں
اور وہ نیتاجی کو سر سے پاؤں تک آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں چھوڑ دیں
آپ کی ذات سے کبھی ایسی توقع نہیں ہو سکتی۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی
بڑے فائدے اور قومی مقصد کی خاطر کرنل موصوف نیتاجی کی حیات و موت

کو پردۂ اخفا میں رکھنے پر مجبور ہوں۔ آپ کے بیان پر پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی بیان دیا تھا۔ مگر قدرتی طور پر کچھ لوگوں کے دلوں میں بات جچی نہیں۔ ان تمام بیانات کی موجودگی میں سب تذبذب میں پڑ گئے۔ اور کسی کو یقین نہیں آیا۔ خود پنڈت جی اور کانگریس کو بھی اس پر اعتبار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کانگریس نے اپنے میرٹھ والے آل انڈیا سیشن میں نیتا جی کا تعزیتی ریزولیوشن تک نہیں پیش کیا۔ حالانکہ سال گذشتہ کے مرنے والوں کے پس ماندوں سے ہمدردی کی گئی۔ اور ان کے لئے سوگ منایا گیا۔ ایک مرتبہ راقم الحروف آئی۔ این۔ اے رلیف کے دفتر میں حاضر تھا۔ متعدد افسران موجود تھے۔ کانفرنس ہو رہی تھی۔ ایک تحریک کا مسوّدہ بنایا گیا جس میں نیتا جی کے متعلق لفظ گریٹ (Great) بمعنی اعظم لکھا ہوا تھا۔ مسوّدہ جب پڑھا گیا تو کرنل محبوب صاحب کو غلط فہمی ہوئی اور وہ سمجھے کہ لفظ لیٹ (Late) بمعنی مرحوم لکھا گیا ہے۔ وہ معترض ہوئے کہ آیا یہ لفظ غلط تحریر ہوا ہے؟ جس پر کرنل حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ لیٹ نہیں لکھا گیا ہے بلکہ گریٹ کا لفظ لکھا ہوا ٹھیک ہے اکثر کرنل موصوف کا نیتا جی کی زندگی کے سوال پر دوستوں میں چپ سادھ لینا اور اصرار پر مسکرا دینا بھی پتہ دیتا ہے کہ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے لہٰذا یہ یقینی ہے کہ نیتا جی زندہ ہیں اور بعافیت تمام ہیں۔ سیاست عالم کی تبدیلیاں اور آئندہ جنگ کا خطرہ دیکھ کر ممکن ہے کہ ان کا ہندوستان سے زیادہ ہندوستان کے باہر رہنا مفید ہو۔ اس لئے ہم یہ باور کرنے

حق بجانب ہیں کہ نیتاجی سوبھاش چندر بوس زندہ ہیں۔ اور ہندوستان کے بیرونی دشمنوں کے سیاسی مہروں کی چالوں کا جائزہ لے رہے ہیں ان کے دوستوں کو اس خبر مسرت اثر سے خوش ہو جانا چاہیے۔

حکومت آزاد ہند کا قومی خزانہ کدھر گیا؟

یہ صحیح ہے کہ برما سے نیتاجی کی روانگی کے وقت آزاد ہند بنک اور دوسری جگہ محفوظ رکھا ہوا خزانہ اور دستاویزات نیتاجی اپنے ساتھ لے گئے جو سات بڑے بڑے صندوقوں پر مشتمل تھا جسے مولمین تک برابر دیکھا گیا۔ اس کے بعد برمی سیامی ریلوے کے ذریعے تھائی لینڈ روانہ کیا گیا۔ نیتاجی بھی تھائی لینڈ پہنچے اور وہاں سے سنگاپور تشریف لے گئے۔ جب آپ سنگاپور گئے۔ اس وقت طیارے کے ذریعے سفر کیا گیا تھا۔ جس میں ان صندوقوں کی قطعی گنجائش نہ تھی۔ اور اگر وہاں نہیں تو یقیناً اس کا علم میجر جنرل چٹرجی۔ بابو پرمانند اور کرنل حبیب الرحمٰن کو ہونا چاہیے۔ سنا ہے کہ بابو پرمانند اور چٹرجی صاحب نے گرفتاری کے پہلے اسپتالوں اور غرباء نیز فوجیوں میں بہت کچھ مال تقسیم بھی کر دیا تھا۔ ساتھ ہی برطانوی فوجی افسر نے بھی اس کا ایک حصہ ضبط کر لیا تھا اب خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ دولت کہاں کی تھی اور کس مد سے آئی تھی۔ یا پھر پرمانند اور چٹرجی اور حبیب الرحمٰن صاحبان کو اس کا صحیح علم ہے بہرحال یہ خزانہ قومی ہے۔ جس کو ضائع ہونے سے بچا لینا چاہیے۔ اور اچھے مصرف کے لیے اسے محفوظ کر دینا ضروری ہے۔

کانگریسی لیڈروں کی وطن سے غداری

۱۹۴۲ء میں جبکہ ادھر مشرق میں جنگِ آزادی کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ ادھر ہندوستان کے عافیت پسند لیڈروں نے جو صرف جیل جانا ہی شانِ لیڈری سمجھے ہوئے تھے "اہنسا پرمو دھرما" پر عمل پیرا ہو کر اپنے سر کی بلا ٹال دی۔ ان کو معلوم تھا کہ ہندوستان میں بغاوت کرنا اور دورانِ جنگ میں شورش کرنا برطانیہ کی طاقت برداشت کے باہر ہو جائے گا اور ان کی ڈبل روٹی اور بکری کے دودھ کا مزہ کرکرا ہو کر رہ جائے گا۔ انہوں نے صرف کوئٹ انڈیا Quit India کا ریزولیوشن پاس کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی اور جیلوں میں آرام آسائش کے لئے بکری تک کو لے کر محفوظ ہو گئے۔ حالانکہ وہ آزاد تھے اور خفیہ طریقہ پر انقلابی تیاریاں کر سکتے تھے۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ قوم کو بے وقوف بنانے کے لئے کہہ دیا گیا کہ کیا کریں ہم مجبور تھے اور جیلوں میں پڑے سڑ رہے تھے۔ لیکن قوم کے منتشر افراد اپنے فرائض ادا کر چکے اور انہوں نے بغیر سرداروں ہی کے بہت کچھ کیا۔ جو ایک "خود دار عزم" کے بس میں تھا۔ واقعی کام کرنے والے کر جایا کرتے ہیں۔ یہ سعادت ہر کس و ناکس کے حصے میں نہیں ہوتی۔ سبھاش چندر بوس قید میں تھے۔ مگر ان کا دل ہندوستان کی آزادی کے لئے تڑپ رہا تھا۔ وہ جرمنی بھاگ گئے۔ اور وہ سب کچھ کیا جو کرنا چاہئے تھا۔ لیکن ہندوستان کے کرسی نشین تاجر لیڈر آزاد تھے اور کام نہ کرنے

کا بہانہ ڈھونڈھ کر جیلوں میں قید ہو کر امن و عافیت کی زندگی بسر کرنے کے لئے روپوش ہو گئے۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کو آزاد ہند فوج کی شکست کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو قوم اور وطن سے غداری کے مرتکب ہوئے۔ تاریخ کے ابواب آزاد ہند کے کارناموں کے ساتھ ساتھ ان کی غداری کو بھی ہرگز ہرگز فراموش نہ کریں گے۔ اور ان کی شکست کے الزام میں ان غداروں کی خطائیں رہتی دنیا تک معاف نہ کی جا سکیں گی۔

آزادیٔ ہندوستان کے دو صد سالہ پرانے خواب کی تعبیر

مشرق میں ہندوستان کی جنگ آزادی اور آزاد ہند فوج کے بہادرانہ کارنامے مسلّم ہیں۔ اگرچہ اس نے مشرق میں عارضی شکست پائی۔ لیکن ان آزاد منش ایثار پیشہ ہندوستانیوں کی قربانیاں رائیگاں نہ گئیں اور سوبھاش چندر بوس کے "خواب آزادی" کی تعبیر کابینہ مشن کی صورت میں ظاہر ہو گئی برطانوی پارلیمنٹ نے اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ اب ہندوستان پر اُن کی استعماری گرفت قائم نہیں رہ سکتی۔" آزاد ہند فوج نے ہر ایک ہندوستانی کے دماغ میں بغاوت اور سرکشی کا "جنون" پیدا کر دیا ہے۔ اس لئے ان سے مفاہمت کی جائے اور ہندوستان کے فرقہ وارانہ جھگڑوں کو طے کرتے ہوئے۔ ہندوستانیوں کو جلد ا گا نہ اختیارات منتقل کر دیئے جائیں۔"

۱۸- جولائی ۱۹۴۷ء یوم جمعۃ المبارک ہندوستان اور مسلمانوں کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا کہ اس دن تقریباً دوسو سال پرانی برطانی حکومت ہندوستان سے ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی - اور ہندوستان برطانی ملوکیت و شہنشاہیت کے اثر و نفوذ سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو گیا - اور ۱۸۵۸ء کے بعد جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے اقتدار و سطوت حکومت برطانیہ نے اپنے قبضہ میں لیا تھا - یہ پہلا دن ہے کہ انگریزی سرکار نے ہندوستان سے اپنا اقتدار ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا - اور برطانیہ کے بادشاہ نے اس بل پر دستخط کر دیئے - اور اسے قانون بنا دیا جس کے ذریعہ ہندوستان میں دو ڈومنین حکومتیں ہندوستان اور پاکستان وجود میں آجائیں گی - دن کے ۱۲ بج کر ۱۰ منٹ پر برطانیہ کے دارالعوام کو شاہی کمیشن نے یہ اطلاع دی کہ شاہ جارج نے اس بل کی منظوری دی ہے - جس میں ہندوستان کے اندر دو ڈومینیوں ہندوستان اور پاکستان کو بنانے کی تجویز کی گئی ہے - اور اس طرح اب ہندوستان میں آزاد مسلم حکومت کا قیام عمل میں آئے گا - یہ آزاد مسلم حکومت دنیا کی تمام مسلم حکومتوں میں سب سے بڑی مسلم حکومت ہو گی - اور اب سے ۹۰ سال قبل مسلمانوں کی جو حکومت دہلی سے مٹالی گئی تھی وہ اگرچہ دہلی میں نہ قائم ہو سکی مگر اس ملک کے ایک بہت بڑے حصے میں قائم کر دی گئی - اور ہندوستان میں مسلمانانِ ہند کو اپنی تہذیب و تمدن اور اپنی زبان و خیالات کے اظہار میں مکمل آزادی حاصل ہو گی - اور وہ عظیم الشان مسلم تمدن جو ایک ہزار سال کی مشترکہ مساعی سے

پیدا کیا گیا تھا محفوظ کیا جا سکے گا۔ اس مبارک دن وہ لوگ قابل مبارکباد ہیں جنہوں نے مسلم تہذیب و تمدن کے بقاء کے لئے قربانیاں دیں اور جن کی کوششوں سے وقت کے ایک مختصر ترین عرصہ میں ہندوستان کے ڈہائی لاکھ مربع میل علاقہ میں آزاد مسلم حکومت قائم ہو جائے گی۔ اب ۱۵ اگست کا انتظار ہے۔ جب یونین جیک کو ہٹا کر اسلامی جھنڈا لہرایا جائے گا۔

خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان آزادی کی متاع گراں سے مالا مال ہو گیا۔ اور اس کی ہر دو قومیں ہندوستان اور پاکستان میں اپنے جائز حقوق حاصل کر کے خود مختارانہ زندگی بسر کرنے کے قابل ہو چکی ہیں۔ یہ سب کچھ آزاد ہند فوج کے ایثار اور اس کی قربانیوں کا نتیجہ ہے اور ان قربانیوں میں مسلمان قوم اپنا سب سے زیادہ حصہ دے چکی ہے۔ اور بحمد اللہ آج ان کے کلاہِ افتخار کا طرّہ آسمانِ عزت پر ہلال بن کر چمک رہا ہے۔

تمت

ہندوستان کا ماضی۔ حال و مستقبل

مندرجۂ ذیل نظم لسان القوم معلم مشتاق راندیری نے ایک خاص فوجی جلسے کے لئے لکھی تھی۔ جسے کرنل جہانگیر صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں پڑھ کر نیتاجی کو پیش کی۔

یاد آیا مے کہ تھا جنت نشاں ہندوستاں ۔۔۔ رہتی تھی اس پر ہمیشہ رحمتوں کی بدلیاں

اس کے ہر گوشے میں چلتی تھی نسیم صبحدم ۔۔۔ پایا تھا آغوش میں اس کی بہاروں نے جنم

مست تھا ہر اک یہاں پی کر محبت کی شراب ۔۔۔ حورِ جنت جس سے شرمائے وہ تھا اسکا شباب

ندیاں اسکی شباب آور فضا کیف آفریں ۔۔۔ الغرض جنت کا اک ٹکڑا تھی بھارت کی زمیں

اسکے دشت و کوہ بھی تھے بےنظیر و بےعدیل ۔۔۔ شان اور خودداریوں میں تھا ہمالہ بےمثیل

آسماں زرپاش تھا اس کا زمیں زرخیز تھی ۔۔۔ مدھبری اس کی فضا بھی اک نشاط انگیز تھی

ہند کی تہذیب کا سکہ جما تھا دہر پر ۔۔۔ دھاک اس کے علم کی بیٹھی تھی بر و بحر پر

اس زمیں پر رام اور دسرتھ نے پایا تھا جنم ۔۔۔ آدمیت کا ولی اللہ رحمہ نے رکھا بھرم

دولتیں بہتی تھیں و گنگ و جمن کی لہر تھی ۔۔۔ یہ خدا کی دین تھی اس کا کرم تھا مہر تھی

پھر ہوئی نازل یکایک اس پہ افرنگی بلا ۔۔۔ آسمانِ ہند پر چھائی غلامی کی گھٹا

آئے کچھ ڈاکو یہاں سوداگری کے واسطے ۔۔۔ جانۂ تہذیب میں غارتگری کے واسطے

خوب لوٹا ظالموں نے اس بھرے بازار کو — کر دیا پامال اور ویراں ہرے گلزار کو
چین کا اس ملک سے نام و نشاں جاتا رہا — آگ اس پر آسماں فتنوں کی برساتا رہا
بج رہی تھی چار دانگ عالم میں جس گلشن کی دھوم — آہ اس پر چل گئی ہر سمت سے بادِ سموم
بچہ بچہ اس کا پابندِ سلاسل ہو گیا — میہماں خود میزباں کے حق میں قاتل ہو گیا
قید ہڈسن نے کیا آخر بہادر شاہ کو — یعنی اس آزاد فطرت شاہ حق آگاہ کو
بھائیوں سے بھائیوں کے ہاتھ کٹوائے گلے — دھر لئے سنگین پر معصوم نازوں کے پلے
پھوٹ ڈلوا کر حکومت چین سے کرتے رہے — رات دن اپنے خزانے لوٹ کر بھرتے رہے
اتنا ارزاں کر دیا بھارت میں انساں کا لہو — ان کے ہاتھوں رہ گئی چنگیزیت کی آبرو
لٹ گیا ان ظالموں کے ہاتھ بھارت کا سہاگ — اور بگڑ کر رہ گیا اسکے سپوتوں کا سبھاگ
اس کی بے اندازہ کلفت اور مصیبت دیکھکر — رحم پھر قدرت کو آیا اس کی حالت دیکھ کر

دفعتاً مشرق سے اک خورشید تابندہ کیا — روشنی نے جس کی بے جانوں کو پھر زندہ کیا
پھر نظر آنے لگی سب کو جھلک امید کی — تھی خوشی ہر ایک کو آزادی کے روزِ عید کی
فوج انگریزوں کی اٹھ بیٹھی بہائے انقلاب — ہر طرف اٹھنے لگے پھر نعرہائے انقلاب
ہو گیا تیار ہر اک جان دینے کے لئے — خون کی قیمت سے آزادی کو لینے کے لئے
بچہ بچہ جاں نثاری کیلئے تیار تھا — جو بھی تھا مشرق میں وہ آمادہ پیکار تھا
ان کو تھی لیکن کسی اک مردِ میداں کی تلاش — یعنی اک ایثار پیشہ شیرِ غراں کی تلاش
جس کی ہمت قوم کو دیتی رہے فرمانِ جنگ — جس کی بے باکی سے دشمن کو ملے اعلانِ جنگ
جو کہ آڑے وقت میں ہو قوم کا سینہ سپر — جس کے سینے میں چھپا ہو ایک لوہے کا جگر

جذب مقناطیس کا ہو جس کی ہر تحریر میں
آگ پوشیدہ ہو جس کی گرمیٔ تقریر میں

جو ارادے میں ہمالہ کی طرح سے ہو اٹل
دھاڑ سے جس شیر کی دشمن کا دل جائے دہل

دُور اندیشی میں جو کامل ہو عالی ظرف ہو
نکتۂ رازِ سیاست جس کا ایک اک حرف ہو

صاف باطن ہو جو مستقبل کو دیکھے حال میں
آئینہ ماضی کا دکھلائے جو استقبال میں!

جس کے دل میں درد ہو اُلفت ہو قومی پیار ہو
بے بسوں کا ہو معاون بیکسوں کا یار ہو

جس کے کانوں تک پہنچ جائے صدا مظلوم کی
سُن سکے فریاد جو لاچار کی مغموم کی

جس میں خوئے لیڈری ہو بوئے سُلطانی نہ ہو
جس کے گھر میں چاپلوسوں کی فراوانی نہ ہو

جس کے گھر تک داد ہر مظلوم جا کر پا سکے
اور ہر چھوٹا بڑا خدمت میں اس کی جا سکے

بوس پر چشمِ تجسس ہندیوں کی گڑ گئی
آنکھ اس مخلص سے جا کر جرمنی میں لڑ گئی

منتخب ان کو کیا پھر رہبری کے واسطے
جو حقیقت میں تھے موزوں لیڈری کے واسطے

بوس وہ ایثار جس کا دہر میں مشہور ہے
جس کی قربانی کا افسانہ قریب و دُور ہے

بوس وہ دشمن کا جس نے ناک میں دم کر دیا
ظلم کا سر جس نے اپنے عزم سے خم کر دیا

بوس کا لوہا یہاں سب مانتے ہیں مغربی
اور یہاں جے کارے بھرتے پھرتے ہیں ہم مشرقی

نام سے زہرہ ہے جس کے دشمنوں کا آب آب
فتح و نصرت بھی رہا کرتی ہے اسکے ہمرکاب

سرفروشی جس کا شیوہ جاں نثاری جس کی خُو
بوس کے دم سے بڑھی ہندوستاں کی آبرُو

ایسے نیتا جی کی سرداری میں کیوں پیچھے رہو
دوستو اٹھو چلو دہلی چلو دہلی چلو!!

چل کے دہلی ان کے سر پر رکھو تاجِ افتخار
تا کہ دُنیا میں بڑھے ہندوستانی کا وقار

اعتذار

کاتبوں کی ستم ظریفیوں سے تو ادبی اور علمی طبقہ خوب واقف ہے مگر ان
کی ستم رانیوں، بے رحمیوں۔ کج اخلاقیوں سے بہت کم لوگوں کو واسطہ پڑا
ہوگا۔ کامل چھ ماہ دوپہر کی تپتی ہوئی دھوپ۔ کرفیو آرڈر اور فسادات کی
خوفناک ہنگامہ آرائیوں کے زمانے میں پریس اور کاتبوں کے گھروں کا طواف
اور ان کی حیا سوز وعدہ خلافیوں سے جو تنگ آچکا ہو کچھ اسی کے دل سے پوچھئے
اُجرت بھی کم نہیں دی گئی بلکہ معمول سے زیادہ ہوا اس پر ان کے ناز نخرے مستزاد!
مصحح کی بے ایمانی۔ کاتبوں اور پریس کے عملے۔ ڈس کور پرنٹر۔ بلاک میکر۔ مشین مین
سنگ ساز۔ جلد ساز۔ کس کس کا رونا رویا جائے۔ اگر ان تمام تکالیف کے
باوجود تسلی بخش کام ہوگیا ہوتا تو خیر۔ ایسی حالت میں سوائے اس کے اور
کیا کیا جائے؟ یہ معاملہ میں صرف خدا کے انصاف پر چھوڑتا ہوں اور قارئین
کی خدمت میں معذرت خواہ ہوں کہ وہ ان تمام معذریوں اور مجبوریوں کے پیش نظر اسے
تنقید کا ہدف نہ بنائیں گے۔ انشاء اللہ دوسرے اڈیشن میں اس کی تلافی کر دی
جائے گی۔ ادبی حلقوں کی یادداشت تازہ رکھنے کے لئے ان بے رحموں کے نام بھی
درج کر رہا ہوں۔ قارئین نوٹ فرمالیں:۔ کاتب منشی احمد نبی خاں رامپوری
کاتب منشی عبدالعلی خاں رامپوری (جو غلط نویسی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ کاتب
حامد حسین فرید آبادی (جملہ "خوبیوں" کے حامل) پرنٹر اور پریس سپروائزر مسٹر رشی

نقل گرامی نامہ

شیخ الاسلام امیر شریعت دولت خداداد پاکستان

مقدس مآب حضرت العلامہ شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب محترم مشتاق صاحب رنذیری نے اپنی کتاب "انقلاب مشرق اور مسلمان" کے ذریعہ تحریک آزاد ہند کے عموماً مستند اور اکثر چشم دید حالات جمع کر کے ایک اہم تاریخی خدمت انجام دی ہے۔ تحریک مذکور کے کئی گوشے ایسے ہیں جو دینی نقطۂ نظر سے ہمارے نزدیک قابل تنقید بلکہ لائق اعتراض ہیں لیکن اس حیثیت سے کہ ہندوستان کو انگریز کے جبر و استیلاء سے آزاد کرانے کے لئے جو تحریکات وقتاً فوقتاً اٹھتی رہی ہیں اُن میں یہ آخری فوجی تحریک تھی جو ایک خاص تنظیم اتحاد اور جوش و خروش سے نمودار ہوئی۔ بڑھی اور پروان چڑھی۔ گو آخر میں اُسے بھی ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ تاہم اس ملک کے باشندوں میں آزادی کو اس آخر جنگی مہم کے صحیح و مستند حالات معلوم کرنے کا شوق ضرور ہے اور وہ قریب العہد ہونے کی وجہ سے اس تحریک کے واقعات خاص دلچسپی سے سنتے اور پڑھتے ہیں۔

دوسری طرف مسلم قوم کو قدرتی طور پر اس کی تلاش رہتی ہے کہ اس مہتم بالشان تحریک میں خود اس کے افراد کا کتنا حصہ رہا ہے۔

مشتاق صاحب کی کتاب ان دونوں پہلوؤں سے نہایت جامع شافی اور تسلی بخش ہے اور پھر مشتاق صاحب چونکہ واقعہ کے چشم دید گواہ ہونے کے ساتھ ادبی ذوق بھی کافی رکھتے ہیں۔ اس لئے کتاب میں واقعات کی صحت و اسناد کے ساتھ حسنِ تعبیر اور دلچسپی اسلوب کا سامان بھی موجود ہے۔ مجھے امید ہے کہ ملکی تحریکات سے کسی قسم کا لگاؤ رکھنے والے حضرات اس کتاب سے مفید اور اہم معلومات کا استفادہ کریں گے۔ اور بہت سے ناظرین پہلی مرتبہ یہ معلوم کر کے حیرت زدہ رہ جاویں گے کہ اس عظیم الشان تحریک میں جس کی نسبت مسٹر سبھاش چندر بوس کی طرف ہوتی ہے مسلمانوں نے کس قدر مُدہش مالی اور جانی قربانیاں پیش کی ہیں۔

اب ہندوستان کے حالات بالکل بدل چکے ہیں ہم کو امید رکھنی چاہیے کہ آزاد ہند فوج کے مسلمان سپاہی اپنے فرض اور صحیح نصب العین کو سمجھنے کی پوری کوشش کریں گے۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس وقت وہ وطنیت سے زیادہ اسلامیت کا احساس اپنے اندر پیدا کریں۔ اور اگر پچھلی تحریک میں ان سے کچھ غلطیاں ہوئی ہیں تو اب پاکستانی فوج میں شامل ہو کر ان کا تدارک کریں۔ واللہ الموفق لا رب غیرہ

الراقم

شبیر احمد عثمانی۔ دیوبند

۱۴ر رمضان المبارک سنہ ۶۶ھ

مطابق ۲ر اگست سنہ ۴۷ء

تصانیف زیر طبع

جوہر تیغ مشتاق راندیری کی وجد آفریں، ایمان افروز قومی، ملی اور سیاسی نظموں کا مجموعہ۔ جس میں درحقیقت ماضی کی پچیس سالہ سیاسی کوائف کی تصویر ہے یہ ایک ایسا سیاسی اور ملی منظوم البم ہے جس کو پڑھ کر آنکھوں کے سامنے گذشتہ دور کا منظر پھرنے لگتا ہے۔ ہر زندہ دل مسلمان کے لئے اس کا مطالعہ بصیرت ایمانی اور وجدانی کیفیات پیدا کردے گا۔ دراصل یہ اسلامی رجز کا ایک نادر مجموعہ ہے۔

اثمار خوش رنگ یہ مجموعہ کلام غزلوں۔ مزاحیہ نظموں۔ سیاسی تنقیدات اور مختلف صنف شاعری سے مرصع ہے۔ اور مقبول عام ہو چکا ہے۔

پیغامات مصنف کے پیغامات نے ملک کے مختلف اخبارات میں شائع ہو کر پسندیدگی اور شہرت حاصل کرلی ہے پیغامات کے بے لاگ تبصرے۔ تنقیدات اور بے باک حق گوئی نے ملک میں ہلچل پیدا کردی ہے اور متعلقین کے سیاسی معتقدات میں بے مثل تبدیلیاں پیدا کردی ہیں۔ یہ مجموعہ اپنی خوبی اور سیاسی کوائف کا دوسرا البم ہے جو بے حد مفید اور معلومات کا ذخیرہ ہے۔

تحفہ رسول صلعم اس مختصر مجموعہ میں مذہبی معتقدات صحیحہ کے ساتھ ساتھ جس والہانہ عشق و عقیدت رسالت

کا اظہار ہے۔ وہ ہر ایک مومن کے لئے سرمایۂ نجات ابدی کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

آزادی کے ترانے

جس میں نہایت بے باکی اور آزادی کے ساتھ شاعر نے آزادئ وطن کے ترانے الاپے ہیں۔ ایک سچے محبِ وطن کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

مذکورہ کتب زیرِ طبع ہیں۔ اور جو مصنف کے پچیس سالہ بے پناہ جذبات اسلامیہ کے حامل ہیں۔ ہر ایک نظم سبق آموز و بصیرت افروز ہے۔ زبان کی سلاست مضمون کی ندرت۔ تخیل کی بلندی۔ اشعار کی روانی اور شعلہ بیانی۔ بے حد دلکش ہیں۔ عرصے سے یہ نظمیں ملک کے موقر جرائد زمیندار و پیغام۔ مدینہ و ہمدرد۔ ہند کلکتہ و پکار برما۔ برما مسلم۔ بشیر رنگون۔ مسلم گجرات سورت وغیرہ میں شائع ہوکر خاص و عام سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد یہ مجموعے قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہونے کے قابل ہو سکیں گے۔

ملنے کے پتے

مینیجر کتب خانۂ صادقیہ۔ راندیر ضلع سورت

مینیجر برما پبلشر لمیٹڈ نمبر ۱۹ کونسولی گوڈا روڈ

دفتر برما اسٹریٹ رنگون۔ برما